اورینٹل کالج میگزین

حصہ اوّل

ایڈیٹر

محمد شفیع

(پروفیسر پنجاب یونیورسٹی)

فہرستِ مضامین

اطّلاع

اورینٹل کالج میگزین کا وہ نمبر جو اگست ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا تھا بالکل ختم ہوگیا ہے۔ اگر کوئی صاحب فروخت کرنا چاہیں تو مینیجر رسالہ ہٰذا کو اطلاع دیں ❊

مینیجر

نظام الملک ثانی

یعنے

میر علی شیر فانی

وزیر سلطان حسین بیقرا بادشاہ ہرات

(متوفی سنہ ۹۰۶ھ)

"وزرای اسلام" کے حالات، تاریخ اسلام کا ایک اہم موضوع ہے جس میں ایک طالب علم کے لئے کام کرنے کا بہت موقعہ ہے۔ اس سلسلے میں بعض ایسی نمایاں شخصیتیں ہماری آنکھوں کے سامنے آتی ہیں جو جامع الحیثیات ہونے کے باعث اس بات کا استحقاق رکھتی ہیں کہ دنیا کی کوئی تاریخ، انکے ذکر سے خالی نہ ہو۔ کیونکہ ان کا وجود، اپنے اپنے ادوار میں انسانی تہذیب و تمدن کے اعتبار سے روشنی کا بلند ترین مینار تھا۔ تاریخ کا کوئی طالب علم نظام الملک طوسی، صاحب اسمٰعیل بن عباد، رشید الدین فضل اللہ، شیخ ابوالفضل، خواجہ محمود گاوان اور میر علی شیر وغیرہ کی سیاسی و علمی فضیلت و ہوشمندی کے واقعات سے ناآشنا نہیں ہو سکتا۔ تاہم ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا۔ کہ مندرجہ بالا بزرگوں میں سے سوائے ایک آدھ کے کسی کی مفصل و باقاعدہ لائف لکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

"میر علی شیر" اس اہم سلسلے کی ایک مہتم بالشان کڑی ہے جو آسمان وزارت پر اگر آفتاب نہیں تو ماہتاب ضرور رہیں۔

موجودہ مضمون، اس اہم بحث کی طرف پہلے قدم کا درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس بات کا اہتمام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ یہ میر علی شیر کے سیاسی حالات سے کہیں زیادہ انکے علمی و تعلیمی کوائف پر مشتمل ہو۔

نظام الدولہ والدین امیر علی شیر جن کی زندگی اور علمی کارنامے آج میرا موضوع بحث ہیں۔ سلطان حسین بیقرا کے وزیر تھے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علیشیر پر تفصیلی بحث کرنے سے پہلے خود سلطان حسین کی علم دوستی اور معارف پروری کا مختصر تذکرہ کیا جائے تاکہ ہمیں علی شیر کی علمی سرگرمیوں کو سمجھنے میں سہولت ہو سکے۔

سلطان حسین بن منصور بن بیقرا

سلطان الغ بیگ بن شاہرخ بن تیمور کا پروردہ تھا جسے سلطان ابوسعید نے، الغ بیگ اور اس کے بیٹے عبداللطیف کی وفات پر قید کر دیا تھا۔ لیکن حسن اتفاق سے، وہ زندان خانے سے کسی طرح پر بچ نکلا اور ابوالقاسم بابر کیسا تھ منسلک ہو گیا اسکے بعد لسنے پہلے استرآباد اور پھر آہستہ آہستہ سب ممالک کو فتح کر لیا چنانچہ سلطان ابوسعید کی وفات پر ہرات پر بھی قابض ہو گیا اور ۱۰ رمضان ۸۷۳ھ (۱۰- اپریل ۱۴۶۹ء) کو رسم تاجپوشی ادا ہوئی۔

اس اڑتالیس سال کے عرصہ میں ہرات علمی اہمیت کے اعتبار سے دنیائے اسلام کے اہم ترین علمی اور کلچرل مراکز میں سے تھا۔ ان دنوں سلطان کا دربار، اہل علم وفضل کا مرجع اور بہترین شعرا، مورخین، اطبا، مصورین اور صناعوں کا قبلۂ آمال

تھا ۔ اسے سلطان حسین کی قدردانی کہیئے یا اس کے وزیر علی شیر کی معارف پروری سمجھئے ۔ اتنی بات یقینی ہے کہ وزیر و شہریار دونوں اس زبردست علمی تحریک کے ذمہ دار اور علمبردار تھے، جسے نویں صدی کی تحریک ہرات کے نام سے یاد کرنا موزون و مناسب ہوگا۔

بابر اگرچہ سلطان حسین کے کیرکٹر اور دیگر عادات و خصائل پر سختی کے ساتھ نکتہ چینی کرتا ہے ۔ تاہم سلطان حسین کے درخشاں دور حکومت کا اعتراف کرتا ہے اور اس کے علمی ذوق کو سراہتا ہے ۔ یہ علم دوستی اور معارف نوازی صرف سلطان حسین کی ہی خصوصیت نہ تھی بلکہ اکثر تیموری شہزادے اس صفت سے متصف اور اس وصف کے مالک تھے ' 'اسلامی مصوری' کا مشہور ماہر مارٹن اپنی کتاب "The miniature painting and painters of Persia, India and Turkey." میں اسی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ اس کے یہ الفاظ کس قدر صداقت سے لبریز ہیں۔ کہ تیموری کوئی وحشی قوم نہ تھی ۔ انکی ہر بات یہ بتلا رہی ہے کہ وہ بہترین مہذب اور متمدن قوم تھی ۔ جس کے فرمانروا حقیقی عالم اور فنون لطیفہ کے بہترین ماہر اور شیدا تھے ۔ فنون لطیفہ کے ساتھ ان کا شغف علمی اور محض علمی تھا ۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ انکے افراد جونہی کہ صبر آزما اور جاں فرسا جنگوں سے فارغ ہوتے تھے ۔ شعر و سخن کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے ۔ یا تو روح گداز معرکوں میں میدان رزم' کی شہسواری کرتے نظر آتے ہیں ۔ یا پھر بزم علم و فن کے صدر نشین معلوم ہوتے ہیں ۔ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں ۔ کہ انکی شاعری' ان کے درباری شعرا سے افضل معلوم ہوتی ہے ۔ خود سلطان حسین میرزا عمدہ شعر لکھ لیتا تھا ۔ اور ترکی میں اس کی لکھی ہوئی نظمیں، بعض اچھے اچھے سخنوروں سے بہتر نظر آتی ہیں ۔ مولانا عبدالرحمان جامی' دور آخر کے افضل

ترین شعرا میں سے تھے۔ مگر سلطان حسین کی ذہانت اور قابلیت قابل تحسین ہے۔ جو عربی شعر لکھنے میں مولانا کے ساتھ میدان مقابلہ میں صف آرا ہوتا ہے۔

بایسنغر، شاہرخ اور الوغ بیگ کی طرح سلطان حسین بھی کتابوں کا عاشق تھا جو اپنی اس فریفتگی میں ڈیوک آف برگنڈی اور سولھویں سترھویں صدی عیسوی کے دوسرے اطالوی اور فرانسیسی کتاب پرستوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا

سلطان حسین نے مجالس العشاق کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں عشق و محبت کے واقعات لطیف کو جمع کر دیا ہے۔ مگر بابر اس تصنیف کی ترتیب کا سہرا اسی زمانے کے ایک اور مصنف کے سر باندھتا ہے۔ جسکی وجہ وہ بابر نامے میں بتفصیل لکھتا ہے۔

سلطان حسین کی زندگی کے علمی پہلو کے سلسلے میں میں نے جن امتیازی خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان سے کہیں زیادہ اہم اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ وہ نہ صرف ایک دلیر اور جری سپاہی، ایک علم دوست اور معارف نواز بادشاہ ہی تھا۔ بلکہ ایک اعلیٰ درجے کا مردم شناس اور انسانی اوصاف وخصائص کو سمجھنے اور جاننے والا بھی تھا۔ جسنے اپنی بے نظیر فراست، بے مثل دوربینی، قابل ستائش تدبر اور دانشمندی سے اپنے لئے ایک ایسے مشیر اور دوست کا انتخاب کیا۔ جس کی ہستی نہ صرف ہرات اور خراسان میں محترم و مکرم سمجھی جاتی تھی۔ بلکہ تمام دنیائے اسلام میں اسکا وجود فخر اور عزت کے احساسات کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ غالباً یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ سلطان حسین کے دور کی امتیازی خصوصیت، علی شیر نوائی کی دربار ہرات میں موجودگی ہے اور بس۔ اگر آج ہم ہر دو کی مختصر النوع ذاتی حیثیت سے الگ رہ کر سلطان حسین اور علی شیر کا باہمی موازنہ کرینگے تو غالباً وزیر کے اوصاف کا پلہ شہریار کے مقابلے میں بھاری نکلے گا۔

میں نے نظام الدین علی شیر کے متعلق جو اظہار رائے کیا ہے وہ اس امر واقعہ پر مبنی ہے کہ سلطان حسین کے زمانۂ حکومت کو جو شہرت نصیب ہوئی وہ ان ہزاروں علما و فضلا، مصورین و صناعین کے طفیل ہوئی۔ جنکے لئے علی شیر نوائی کا وجود ایک مقناطیس کا حکم رکھتا تھا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر سلطان کو علی شیر جیسا بینظیر وزیر میسر نہ آتا۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ سلطان کو اپنے گورگانی قبیلے میں وہ امتیاز کبھی حاصل ہو سکتا۔ جو آج اسکو حاصل ہے۔

اس مضمون میں اسی وزیر با تدبیر کی زندگی کے بعض علمی اور معاشری پہلوؤں پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ جس کے متعلق آپ ابھی سُن چکے ہیں کہ اسکا رتبہ اور منصب میرے نزدیک اس کے زمانے کے بادشاہ سے بھی بلند تر تھا۔

امیر علی شیر

نظام الدین علی شیر نام۔ باپ کچکینہ بہادر، ابو سعید سلطان کا بہت بڑا امیر تھا۔ ۱۷۔ رمضان ۸۴۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۲ر جمادی الثانی ۹۰۶ھ کو وفات پائی ابتدائی عمر اور ابتدائی تعلیم کے صرف دو واقعات ملتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ شاہرخ مرزا کی وفات کے بعد جب امیر کچکینہ بہادر یزد سے خراسان کی طرف بال بچوں سمیت بھاگے۔ تو شب و روز کی رہ نوردی اور قدم قدم پر مشکلات کے باعث تمام کے تمام تھک کر چور ہو رہے تھے۔ تو خورد سال علی شیر بھی اس قافلے میں ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ لیکن سوء اتفاق سے نیند نے کچھ ایسا حملہ کیا کہ گھوڑے کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور گھوڑا اپنے آقا کے اشاروں پر چلنے کی بجائے اپنی مرضی سے چلنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ علی شیر قافلے سے الگ ہو کر کسی ایسے مقام پر جا پہنچا۔ جو بعید ہولناک اور پر وحشت تھا اور شاہراہ سے بہت دور۔ سوار اپنی

گم کردہ راہی سے اس وقت خبردار ہوا۔ جب صبح کا ستارہ نور کی فوجوں کے ساتھ ظلمت پر صف آرائی کر رہا تھا۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ماحول میں بیحد اجنبیت ہے۔ نہ قافلہ ہے نہ منزل۔ بے حد حیرت ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے! آخر' باوجود خورد سالی کے 'تدبر کی باگ ہاتھ میں لی۔ اور بے تکلف گھوڑے کو ایڑ دکھائی۔ چنانچہ کامل سکون کے ساتھ' بے آب و گیاہ میدانوں میں قطع مسافت کرتے ہوئے' شاہراہ پر آ پہنچا۔ ادھر باپ کو معلوم ہوا کہ علی شیر کہیں راستے سے بھٹک گیا ہے۔ تو بیحد سراسیمہ اور پریشان ہوا۔ جھٹ کچھ آدمیوں کو تلاش کے لئے روانہ کیا۔ ابھی وہ آدمی زیادہ دُور نہ جانے پائے تھے کہ انہیں سامنے سے گرد اڑتی دکھائی دی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے علی شیر کو اپنے پاس پایا۔ یہ واقعہ علی شیر کی عمر کے چھٹے سال میں پیش آیا۔ اور اس خوردسالی کے زمانے میں اس قدر بے خوفی اور سکون کے ساتھ اپنے لئے راہ عمل تلاش کر لینا بچے کی آیندہ فراست اور ہوشمندی کی قوی دلیل ہے۔

شرف الدین علی یزدی سے ملاقات

مجالس النفائس میں میر نے اپنی ابتدائی زندگی کا ایک اور واقعہ بھی درج کیا ہے۔ جس سے میر کی ابتدائی تعلیم کے مسئلے پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ شاہرخ میرزا کی وفات پر جو ہنگامہ برپا ہوا۔ اس کے دوران میں' میر کا والد ایک کثیر جماعت کے ساتھ بھاگ کر عراق کو جا رہا تھا کہ تفت میں ایک دن ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ اسی قرب و جوار میں مولانا شرف الدین یزدی مصنف ظفر نامہ تیموری کی خانقاہ بھی تھی۔ علی شیر جو اس وقت چھ سال کے تھے۔ کچھ اور لڑکوں سمیت کھیلتے کھیلتے خانقاہ کی طرف جا نکلے۔ وہاں کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک بزرگ مصلے پر تشریف رکھتے ہیں۔ وہ لڑکوں کے اس غول کو دیکھ کر انکی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں سے ایک کو اپنی طرف بلایا۔ علیشیر

لکھتے ہیں کہ میں آگے بڑھا۔ مولانا نے مجھ سے کچھ سوالات کئے۔ جنکا جواب میں نے بہت معقول انداز پر دیا۔ آپ نے ہنس کر مجھے تحسین و آفرین کی اور مجھ سے پوچھنے لگے میاں لڑکے! مکتب جانا شروع کیا ہے یا نہیں؟ میں نے کہا۔ جی ہاں! پوچھا۔ کہانتک قرآن مجید پڑھا ہے؟ میں نے کہا۔ سورہ تبارک تک! اس پر اس عاجز کے لئے دعا کی۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے والد بھی نیاز حاصل کرنے کے لئے تشریف لائے۔

ابتدائی تعلیم

علی شیر، سلطان حسین کے ہم مکتب تھے۔ اور مکتب میں ہی سب سے پہلے ان دونو کے باہمی تعلقات کی ابتدا ہوئی۔ علی شیر اور سلطان حسین ہر دو کے لئے یہ امر ایک نیک فال تھا۔ کیونکہ ان جیسی عظیم الشان علم دوست شخصیتوں کی آئندہ علمی سرگرمیوں کا تقاضا اسکے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ کہ علم و فن کے ان زبردست محافظین کے باہمی تعلقات کا سنگ بنیاد بھی مکتب کے چار دیواری کے اندر ہی رکھا جاتا۔

ابوالقاسم بابر کے زمانۂ حکومت میں دونوں دوستوں کا پھر اجتماع ہوا۔ دونوں بابر کے منظور نظر تھے۔ چنانچہ علی شیر کو بابر اکثر فرزند کے لقب سے یاد کیا کرتا تھا۔ ۸۶۱ھ میں بابر مرزا کے انتقال کے بعد علی شیر ۸۷۳ھ تک پہلے مشہد میں اور پھر سمرقند میں تعلیم میں مصروف رہے۔

مشہد کے زمانے کا ایک واقعہ

میر خود مجالس النفائس میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بہت سخت بیمار پڑ گیا۔ اور بیحد کمزور ہو کر ایک گوشے میں کراہ رہا تھا کہ اتفاقاً بہت سے آزاد منش نوجوان اس طرف سے گذرے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سیر و تفریح کی خاطر آئے ہیں۔ وہ

ادھر ادھر دیواروں پر مسافروں اور سیاحوں کے لکھے ہوئے اشعار کو دلچسپی کیساتھ پڑھتے جانے تھے۔ اسی اثنا میں کسی شعر کے متعلق آپس میں بحث وتمحیص کرنے لگے۔ ان میں سے جو عمر میں سب سے بڑا تھا باقی ساتھیوں پر اعتراض کر رہا تھا۔ اور وہ لوگ اپنی طرف سے جواب دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن اس بزرگ کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوسکتے تھے میں بستر علالت سے اس مباحثہ کو سن رہا تھا۔ میں نے بھی بحث میں دخل دیا۔ اور اس بزرگ کے خلاف نوجوانوں کا ساتھ دیا۔ غرض کافی دیر تک بحث کا میدان گرم رہا۔ آخر وہ معترض میری باتوں کی معقولیت کا قائل ہوگیا۔ اور مجھ سے میرا نام پوچھنے لگا۔ اسوقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ شیخ کمال تربتی ہیں جو زیارت مشہد کے لئے تشریف لائے ہیں۔ شیخ جب مجھ سے متعارف ہوئے تو بہت خوش ہوئے اور علالت میں میری بیحد تیمارداری کی۔

سلطان ابو سعید مرزا کے زمانے میں سمرقند میں خواجہ فضل اللہ ابو اللیثی سے اُن کی خانقاہ میں تعلیم حاصل کی۔ خواجہ فضل اللہ اپنے زمانے میں علوم میں بے مثل مانے جاتے تھے۔ اور اطراف واکناف سے طلبۂ علم انکی خدمت میں بغرض استفادہ حاضر ہوتے تھے۔ خواجہ صاحب اپنے اس شاگرد کی طباعی اور ذہن رسا سے بیحد متاثر تھے۔ اور اکثر ان کے حق میں تعریف وتحسین کے کلمات ادا فرماتے تھے۔

علی شیر کے لئے یہ دور بہت تکالیف اور پریشانیوں کا دور تھا۔ غربت اور مفلسی کا یہ رنگ تھا۔ کہ ایک دفعہ سمرقند کے ایک حمام میں نہانے کا اتفاق ہوا مگر دام پاس نہ تھے۔ آتے وقت حمامی کے پاس ایک رومال گرو رکھنے کی درخواست کی۔ مگر قبول نہ ہوئی۔

جب سلطان حسین کا آفتاب اقبال چمکا اور اسکی مظفر اور منصور فوجوں نے ہرات کو مسخر کر لیا۔ تو اسنے اپنے پرانے دوست اور ہم سبق علی شیر کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور مہرد

کی خدمات سپرد کیں۔ اس وقت اگرچہ میر علی شیر عین شباب میں تھے اور دولت و بخت کی ساری بہرہ مندیاں چاکری کر رہی تھیں۔ تاہم تحصیل علم کا خیال دامنگیر رہا۔ اور مسلمانوں کے پرانے تعلیمی اصول "من المہد الی اللحد" کے مطابق اپنے فارغ اوقات کو کتب بینی اور مطالعہ میں صرف کرتے رہے۔ آپ انتظام ملکی کی مہمات میں مصروفیت کے باوجود مولانا فصیح الدین محمد النظامی سے کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا کا شمار میر کے اکابر اساتذہ میں کیا جاتا ہے۔

میر علی شیر سنہ ۸۷۳ھ میں سلطان حسین کے پاس ہرات میں آ گئے۔ اس کے بعد کے سیاسی واقعات بطور اختصار یہ ہیں۔ کہ پہلے پہل آپ کی خدمت میں مہرداری کا منصب پیش کیا گیا۔ پھر "امارت" اور وزارت پیش کی گئی۔ سنہ ۸۷۶ھ میں انہوں نے ان خدمات سے سبکدوش ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن سلطان نے میر کی درخواست کو قبول نہ کیا۔ اور آپ کو طوعاً و کرہاً دیوان مال کے فرائض انجام دینے پڑے۔ سنہ ۸۹۲ھ میں استراباد کا گورنر بنایا گیا۔ لیکن ایک سال کے بعد استعفا داخل کر دیا۔ اور دارالحکومت ہرات میں واپس آ کر عزلت اختیار کر لی۔ آپ کا انتقال ۱۲ جمادی الثانی سنہ ۹۰۶ھ ہجری مطابق ۳ جنوری سنہ ۱۵۰۱ء کو ہوا۔

میر کی وفات کے سلسلے میں ایک عجیب حکایت بیان کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ سنہ ۹۰۶ھ میں جمادی الاول کے آخری ایام میں جب سلطان حسین استراباد کی مہم سے فارغ ہو کر ہرات کو واپس آ رہا تھا تو میر ہرات سے کچھ پڑاؤ آگے استقبال کے لئے نکلے چہارشنبہ کی رات پریان نام ایک سرائے میں بسر کی۔ صبح کے وقت نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر سرائے کی دیواروں پر مسافروں کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اشعار کا مطالعہ کرنے لگے۔ اتفاقاً مندرجہ ذیل قطعہ نظر آیا۔ جسے پڑھ کر بہت متاثر ہوئے:-

درین دقیقه بمانده بمند حکما　　　که آدمی چکند با قضای کن فیکون

فروع فضل چو شد منحرف ز منبع اصل   بپای عجز فرو رفت پای افلاطون

صلاح طبع چو سوی فساد روی نهاد   بماند بیہدہ در دست بو علی قانون

تھوڑی دیر کے بعد اس مقام سے کوچ کیا۔ اور پایاب نام ایک سرائے میں اترے پنجشنبہ کی رات کو مولانا ویس سلطان کی جانب سے یہ پیغام لے کر آئے۔ کہ سلطان امیر شاہ ملک کی سرائے میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور وہاں ہی میر کو شرف باریابی بخشیں گے۔ یہی وقت تھا کہ میر پر سکتہ کا حملہ ہوا اور ہوش و حواس میں خلل واقع ہونے لگا۔ مصنف حبیب السیر میر علی شیر کے فرط مسرت کو اس صورت حالات کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اور لکھتا ہے "وعدہ وصل" کی قربت اور "آتش شوق" کے تیز تر ہونے کی وجہ سے میر پہ یہ کیفیت طاری ہوئی۔ لیکن ہمیں اسوقت سکتہ کے بواعث کے متعلق تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں۔ مقصود صرف اسقدر ہے کہ میر پر اس مہلک مرض کا سخت حملہ ہوا۔ جس سے میر باوجود اطبا و معالجین کی پیہم کوششوں کے جانبر نہ ہو سکے۔ اور بالآخر جمادی الاول کی پانچویں تاریخ کو صبح کے وقت وفات پائی انا للہ وانا الیہ راجعون!

سلطان حسین کو علی شیر سے حد درجہ محبت و الفت تھی۔ وہ اس انتقال پر ملال سے بہت ملول و حزین ہوا۔ اور بنفس نفیس جنازے میں شرکت فرمائی اور میر کے متعلقین سے اظہار ہمدردی کیا۔ اس سانحہ سے ہرات کی بستی سراپا غمکدہ بن گئی اور شہر کا ہر متنفس اپنے اس فیاض وزیر کے لئے آبدیدہ تھا۔ عیدگاہ ہرات میں نماز جنازہ ادا ہوئی۔ اور مسجد جامع ہرات کے قریب، ایک گنبد میں جسے میر نے خود اسی مقصد کے لئے تیار کروایا تھا مدفون ہوئے۔

اس کے بعد جو تاریخیں اور مرثیے لکھے گئے۔ یا سلطان حسین اور دیگر اہل ملک نے اس گرامی ہستی کا جس طریق پر ماتم منایا اسکی تفصیلات پیش کرنے کے لئے یہ وقت موزون نہیں البتہ مولانا صاحب بلخی کے دو اشعار نقل کرتا ہوں۔ جنکا اظہار غم، خدا کی

شان میں گستاخی کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔

اے فلک بیداد وبے رحمی بہ بینسان کردۂ ؛ وی اجل ملک جہاں را یاز ویران کردۂ
بر جہانبانان چہ می گوئی حسد نبود مرا ؛ از حسد یاری جہان را بے جہانبان کردۂ

میر کی مقبولیت

سارے خراسان بلکہ سارے اسلامی ایشیا نے میر کا حسن طریق پر ماتم کیا۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ میر عوام و خواص دونوں طبقات میں بہت مقبول تھے۔ اگر ادھر شاہ و امیر انکی غاشیہ برداری کو اپنے لئے باعث صد افتخار سمجھتے تھے۔ تو ادھر عوام الناس بھی بہزار دل و جان سے انکی جاروب کشی کے لئے آمادہ تھے۔ کچھ آگے چلکر آپ کو اس عقیدت و نیازمندی کا حال بھی معلوم ہو جائیگا۔ جسکا اظہار ان بے شمار کتابوں سے ہوتا ہے۔ جنکا انتساب علما و مصنفین کی جانب سے میر کے نام پر ہوا۔

سلطان حسین کے ساتھ جو دلی تعلقات و روابط تھے۔ انکی تفصیل میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ بطور اختصار یہ واقعہ نقل کر دینا کافی ہوگا کہ میر نے ایک سے زیادہ مرتبہ زیارت مکہ مکرمہ کا ارادہ کیا۔ مگر سلطان نے اس مفارقت کو گوارا نہ کیا۔ اور اجازت دینے میں ہمیشہ تامل کیا۔ ۹۰۴ھ میں جب سلطان بعض سیاسی ضرورتوں کی وجہ سے مرو میں اقامت گزین تھا تو میر پر حج کے خیال نے پھر غلبہ پایا۔ چنانچہ مولانا نظام الدین یحیی عبد الحی طبیب کو اجازت حاصل کرنے کی غرض سے اردوی معلی کی جانب روانہ کیا۔ اور خود علما و فضلا کی جماعت سمیت مشہد کی طرف چل پڑے تاکہ وہاں ٹھہر کر، اجازت شاہی کا انتظار کریں۔ مولانا نظام الدین طبیب کچھ دنوں کے بعد مشہد میں آپہنچے اور سلطان کی جانب سے ایک خط لائے جس میں پرانے روابط اور مراسم کی یاد کو تازہ کرتے ہوئے میر سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ اس بار پھر سفر حج کو

ملتوی کر دیں - کیونکہ راستے مامون و محفوظ نہیں ہیں اور ایسے حالات میں حج کا وجوب باقی نہیں رہتا - اسکے بعد اُن پر اشتیاق الفاظ میں ملاقات کی خواہش کی :

" دیگر آنکہ چون تمادی ایام این سفر ظاہر است و بر عمر اعتمادی نیست اگر یک نوبت دیگر ملاقات فرمودہ قاعدۂ خیرباد بتقدیم رسدمی تواند بود -
اما با وجود این دو حال ازین مقدمات کہ نوشتہ شد دغدغہ ہست کہ مبادا بخاطر شریف غباری رسد و تصور فرمایند کہ غرض ازین سخنان منع عزیمت ایشان است، چون ہمیشہ ہرچہ از روی دولتخواہی بخاطر می رسیدہ بی تکلف گفت و شنید می نمودہ اند، مارا نیز لازم نمود کہ ہرچہ درین ابواب بخاطر رسد اشعار می فرمایم، باقی رای صواب نمای مختار است، و ہرچہ بصلاح دارین مقرون خواہد بود، بتقدیم خواہد رسید، سعادت دارین ملازم باد والسلام
(مکارم، ق ۱۵۲ ب)

میر نے جب سلطان کا یہ پر شوق مکتوب ملاحظہ کیا - تو دوستی و یک جہتی کے جذبات سے مجبور ہو کر مرو کی جانب رخ کیا - اور سلطان سے ملاقات کی - سلطان کے دل میں جو محبت کا طوفان موجزن تھا - اسمیں بہہ کر حج کے ارادے کو عارضی طور پر ملتوی کر دیا - اور سلطان سے درخواست کی کہ اگر آپ حج کی اجازت کے معاملے میں تامل فرماتے ہیں تو کم از کم مجھے اجازت دیجیے کہ میں باقی عمر خواجہ عبد اللہ انصاری کے آستانہ مبارک کی جاروب کشی سے سعادت اندوزی کروں - میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور فارسی کے مشہور شعر کے مطابق کہ ؎

رسمست کہ مالکان تحریر آزاد کنند بندۂ پیر

مجھے اب آزاد کر دیا جائے - سلطان نے جواب میں کہا کہ میں آپ کی یہ درخواست قبول کرتا ہوں - اور نہ صرف یہ بلکہ آپ جب تک خراسان میں موجود رہینگے - میں آپ کی ہر

درخواست کو قبول کرونگا۔ کیونکہ خراسان کی رونق آپ کی وجہ سے ہے۔

(مکارم - ق ۱۵۴ ب)

گذشتہ سطور میں مہر و محبت کی جو دلچسپ داستان پنہاں ہے۔ اس سے تو آپ باخبر ہوگئے ہونگے۔ لیکن اب عوام الناس میں میر کی عام مقبولیت کا کچھ حال بابر کی زبان سے سنئے۔ بابر کہتا ہے کہ خراسان میں علی شیر کے احترام کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی پیاری چیزوں کو علی شیر کے نام سے منسوب کرتے تھے۔ تاکہ ہر وقت علی شیر کا نام تازہ رہے۔ اور صناع اور دیگر اہل فن جب کوئی نئی چیز بناتے تھے تو اس کو میر سے نسبت دیتے تھے۔ تاکہ میر کا اسم گرامی انکے رواج اور شیوع میں مد ہو۔

(بابر نامہ ترجمہ بیورج ج ۲ - ص ۲۸۷)

عادات وخصائل

میر کی طبیعت میں نرمی اور شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور تواضع اور خاکساری ان کے اوصاف حسنہ کے لئے زیور کمال تھی۔ باوجود این ہمہ جاہ و منزلت اور باوصف اس شرف اور بزرگی کے، اپنے سے کم درجے کے لوگوں کے ساتھ نہایت اخلاق اور شرافت سے پیش آتے تھے۔ سخاوت آپ کا فطری خاصہ ہے۔ اور دریادلی آپ کی عادت۔ یہ آپ ہی کی دریا بخشیاں تھیں کہ خراسان میں علم کی گنگا بہ رہی تھی اور تمام اہل علم وفضل انکے طفیل فراغت اور اطمینان کے ساتھ اپنے اپنے مشاغل میں منہمک تھے۔

ان سب خوبیوں کے ساتھ بعض واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی شیر کی طبیعت میں کسی حد تک زود رنجی کا مادہ بھی پایا جاتا تھا۔ اس زمانے کے مشہور شاعر بنائی سے نہایت ہی معمولی وجہ سے ناراض ہوگئے۔ اور معاملات یہاں تک بڑھے۔

کہ بچارا شاعر دو مرتبہ ہرات کو خیرباد کہنے پر مجبور رہوا۔ اس میں شک نہیں کہ بنائیؔ
کی طبیعت میں بھی غرور تھا اور وہ میر کی جا و بے جا مخالفت سے کبھی نہ چوکتا تھا
تاہم میر جیسے عالی اخلاق بزرگ کے کیرکٹر میں یہ چیز کچھ بدنما معلوم ہوتی ہے
کہتے ہیں کہ بنّائی کے ساتھ تعلقات کے خراب ہونے کی وجہ یہ ہوئی۔ کہ
ایک دفعہ بنّائیؔ نے ایک قصیدہ لکھ کر میر کی خدمت میں پیش کیا۔ لیکن خدا
معلوم کن وجوہ سے میر نے اُسے کچھ زیادہ پسند نہ کیا۔ بنّائیؔ کچھ عرصہ صلے کی
امید اور ستائش کی تمنا میں منتظر رہا۔ لیکن جب توقع بالکل اٹھ گئی تو ایک
قطعہ لکھا جس میں میر کی ایک خاص کمزوری کا ذکر تعریضاً کیا۔ وہ قطعہ یہ تھا

دختر انے کہ بکر فکر من اند ہر یکی را بشوہرے دادم
آنکہ کابین نہ داد عنین بود زو کشیدم بہ دیگرے دادم

اس سلسلے میں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کہ میر عدم رجولیت سے متہم تھا۔
اور غالباً اسوجہ سے میر نے ساری عمر تجرّد میں بسر کی۔ بنّائیؔ کے شعر میں چونکہ
عنین ہونے کی تعریض تھی اور واقعات بھی یہ تھے کہ میر نے بنّائیؔ کو قصیدہ
کے صلے سے محروم رکھا تھا۔ اسلئے لامحالہ لوگوں کا ذہن اور خود علی شیر کا
دماغ بھی، اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ میر کی
طبیعت پہلے ہی مکدّر تھی۔ اس قطعے نے غبار میں اضافہ کیا۔ چنانچہ بنّائیؔ ہرات
کو چھوڑ کر عراق کی طرف رخت سفر باندھنے پر مجبور ہوا۔ بابر کا بیان ہے۔ کہ
بنّائی نے اپنے سفر کی سواری کے لئے جو جھول تیار کی اسکا نام غصّے کی وجہ سے
"جُل علی شیر" رکھا۔

میر کو شطرنج سے بہت شغف تھا۔ اپنے فارغ اوقات کو یا شعر و سخن کے
تذکروں میں بسر کرتے تھے۔ یا شطرنج کھیلنے میں۔ جیسا کہ اس کھیل سے دلچسپی

رکھنے والوں کا خاصہ ہے۔ اس میں انہیں اس درجہ انہماک ہوتا تھا کہ بعض اوقات ان کے خاص متوسلین، انکے پاس کسی مشورہ یا عرضداشت کیلئے کرحاضر ہوتے۔ مگر میر انکی جانب اسوقت توجہ فرماتے جب کھیل سے فارغ ہو جاتے۔ کھیل کے اثنا میں بیرونی مداخلت انہیں سخت ناگوار ہوتی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میر کسی شخص کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے۔ کھیل کے استغراق کی حالت میں میر نے اپنے پاؤں کو پھیلایا۔ اتفاقاً اسی طرف بنائی بیٹھا ہوا تھا میر کے پاؤں بنائی کے جسم سے رک گئے۔ اس پر میر نے کسی حد تک تلخی سے کہا۔ کہ "خدا رحم کرے ہرات پر۔ جس میں شعرا کی اتنی کثرت ہے کہ ذرا ٹانگ پھیلاؤ۔ تو کسی نہ کسی شاعر کی پیٹھ سے ٹکراتی ہے" بنائی بھی اپنے خیال میں کچھ کم نہ تھا۔ چمک کر بولا "نہ صرف یہ بلکہ جب ٹانگ سکیڑیں۔ تب بھی"

میر کی طبیعت میں متین ظرافت بدرجہ اتم موجود تھی۔ جب شعرا اور اہل ذوق، میر کی علمی محفلوں میں شریک ہوتے تو میر اپنی خوش طبعی سے انہیں بہت محظوظ فرمایا کرتے میر کی یہ صفت گفتگو، تحریر اور انشا سب جگہ نمایاں نظر آتی ہے۔ اس زمانے میں میر کی نکتہ آفرینیاں، زبان زد خواص و عوام تھیں۔ جن کے متعلق آگے چل کر میر کے زمانے کی علمی سوسائٹی کی سرگرمیوں اور دلچسپیوں کے سلسلے میں ذکر کروں گا تاکہ آپ پر واضح ہو جائے۔ کہ اسوقت کے تعلیمی اور فنی ماحول کی تعمیر میں علی شیر نے کتنا حصہ لیا؟

مذہبی خیالات

ان سب باتوں کے باوجود میر کے مذہبی خیالات بہت پختہ اور راسخ تھے۔ انہوں نے باغ مرغنی میں ایک مسجد تعمیر کروائی۔ جسکی زیب و زینت میں انہوں نے اپنی پوری کوششیں صرف کردیں۔ اس میں جمعہ کی نماز اور عام نمازیں باجماعت ادا ہوتی تھیں

کہ بچا را شاعر دو مرتبہ ہرات کو خیر باد کہنے پر مجبور رہوا۔ اس میں شک نہیں کہ بنائی
کی طبیعت میں بھی غرور تھا اور وہ میر کی جا و بے جا مخالفت سے کبھی نہ چوکتا تھا
تاہم میر جیسے عالی اخلاق بزرگ کے کیرکٹر میں یہ چیز کچھ بہ نما معلوم ہوتی ہے
کہتے ہیں کہ بنّائی کے ساتھ تعلقات کے خراب ہونے کی وجہ یہ
ایک دفعہ بنّائیؔ نے ایک قصیدہ لکھ کر میر کی خدمت میں پیش کیا
معلوم کن وجوہ سے میر نے اُسے کچھ زیادہ پسند نہ کیا۔ بنّائی کچھ عرصہ تک
امید اور ستائش کی تمنا میں منتظر رہا۔ لیکن جب توقع بالکل اٹھ گئی تو ایک
قطعہ لکھا جس میں میر کی ایک خاص کمزوری کا ذکر تعریضاً کیا۔ وہ قطعہ یہ تھا

دختر انے کہ بکر فکر من اند ہر یکی را بشوہرے دادم
آنکہ کابین نہ داد عنّین بود زو کشیدم بہ دیگرے دادم

اس سلسلے میں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کہ میر عدم رجولیت سے متہم تھا۔
اور غالباً اسوجہ سے میر نے ساری عمر تجرّد میں بسر کی۔ بنائیؔ کے شعر میں چونکہ
عنین ہونے کی تعریض تھی اور واقعات بھی یہ تھے کہ میر نے بنائی کو قصیدہ
کے صلے سے محروم رکھا تھا۔ اسلئے لامحالہ لوگوں کا ذہن اور خود علی شیر کا
دماغ بھی، اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ میر کی
طبیعت پہلے ہی مکدّر تھی۔ اس قطعے نے غبار میں اضافہ کیا۔ چنانچہ بنائی ہرات
کو چھوڑ کر عراق کی طرف رخت سفر باندھنے پر مجبور رہوا۔ بابر کا بیان ہے۔ کہ
بنائی نے اپنے سفر کی سواری کے لئے جو جھول تیار کی اسکا نام غصّے کی وجہ سے
جُل علی شیرؔ رکھا۔

میر کو شطرنج سے بہت شغف تھا۔ اپنے فارغ اوقات کو یا شعر و سخن کے
تذکروں میں بسر کرتے تھے۔ یا شطرنج کھیلنے میں۔ جیسا کہ اس کھیل سے دلچسپی

رکھنے والوں کا خاصہ ہے۔ اس میں انہیں اس درجہ انہماک ہوتا تھا کہ بعض اوقات ان کے خاص ہمنشین، انکے پاس کسی مشورہ یا عرضداشت کے کر حاضر ہوتے۔ مگر [illegible] جانب اسوقت توجہ فرماتے۔ جب کھیل سے فارغ ہو جاتے کھیل کے اثنا میں [illegible] مداخلت انہیں سخت ناگوار ہوتی تھی۔

ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ میر کسی شخص کے ساتھ شطرنج کھیل رہے تھے [illegible] استغراق کی حالت میں میر نے اپنے پاؤں کو پھیلایا [illegible] اتفاق [illegible] میر کے پاؤں [illegible] کے جسم سے رک گئے [illegible] پر میر [illegible] خدا رحم کرے [illegible] شعرا کی اتنی [illegible] ذرا [illegible] پھیلاؤ [illegible] کسی نہ کسی شاعر کی پیٹھ سے ٹکراتی ہے" [illegible] بھی اپنے خیال میں کچھ کم نہ تھا چمک کر بولا" نہ صرف یہ بلکہ جب [illegible] سکیڑیں۔ تب بھی"

میر کی طبیعت میں متین ظرافت بدرجہ اتم موجود تھی۔ جب شعرا اور اہل ذوق میر کی علمی محفلوں میں شریک ہوتے تو میر اپنی خوش طبعی سے انہیں بہت محظوظ فرمایا کرتے میر کی یہ صفت گفتگو، تحریر اور انشا سب جگہ نمایاں نظر آتی ہے [illegible] اس زمانے میں میر کی نکتہ آفرینیاں، زبان زد خواص و عوام تھیں۔ جن کے متعلق آگے چل کر میر کے زمانے کی علمی سوسائٹی کی سرگرمیوں اور دلچسپیوں کے سلسلے میں ذکر کروں گا تاکہ آپ پر واضح ہو جائے۔ کہ اسوقت کے تعلیمی اور فنی ماحول کی تعمیر میں علی شیر نے کتنا حصہ لیا؟

مذہبی خیالات

ان سب باتوں کے باوجود میر کے مذہبی خیالات بہت پختہ اور راسخ تھے۔ انہوں نے باغ مرغنی میں ایک مسجد تعمیر کروائی۔ جسکی زیب و زینت میں انہوں نے اپنی پوری کوششیں صرف کر دیں۔ اس میں جمعہ کی نماز اور عام نمازیں باجماعت ادا ہوتی تھیں

خواجہ حافظ محمد سلطان شاہ جو اس زمانے کے مشہور قاری تھے ۔ امامت کے فرائض انجام دیتے تھے ۔ میر نے امور شرعیہ کے قیام اور علی الخصوص نمازوں کی پابندی کے لئے ایک محتسب مقرر کر رکھا تھا ۔ جسکا نام علاوہ اور باتوں کے یہ بھی تھا کہ سرکاری ملازموں کو نماز کی ترغیب دیتا رہے ۔ علاوہ جامع مسجد ہرات کے جسکا تفصیلی حال آگے آئیگا ۔ آپ نے ۱۹ بڑی مساجد تعمیر کرائیں ۔ تمام عمر سفر حج کا اشتیاق رہا ۔ مگر کارکنان قضا و قدر نے اجازت نہ دی کہ اس ارادے کو پورا کر سکیں ۔ کبھی سلطان حسین مانع آتے ۔ کبھی لوگ وفودے کر آموجود ہوتے کہ آپ کی موجودگی ملک خراسان کے امن اور خوشحالی کے لئے بے حد ضروری ہے (مکارم : ۱۵۶ ا)

میر کو فقرا اور صوفیہ سے بہت عقیدت تھی ۔ مولانا عبدالرحمان جامی انکے خاص دوستوں اور بزرگوں میں سے تھے ۔ اور انکی بدولت وہ سلسلہ نقشبندیہ سے تمسک رکھتے تھے ۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بے شمار اولیا کے مزاروں پر روضے تعمیر کروائے جن میں سے خواجہ عبداللہ انصاری، شیخ فریدالدین عطار، اور قاسم انوار کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

اگر مجالس العشاق کی حکایت کو صحیح مانا جائے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ میر نے عشق حقیقی کی منزل تک پہنچنے کے لئے عشق مجازی کا زینہ بھی تلاش کیا یعنی آپ نوجوانی کے ایام میں محمد بیگ نامی ایک نوعمر سے محبت تھی ۔ جسکے عشق میں آپ اکثر با دیدۂ گریاں اور با سینۂ بریاں رہتے تھے ۔

مولانا عبدالرحمان جامی کے ساتھ دوستانہ تعلقات کا پتہ ان خطوط سے چلتا ہے جو انہوں نے ایک دوسرے کو لکھے ۔ میر علی شیر اپنے اشعار و غزلیات میں بھی مولانا جامی سے اصلاحیں لیتے تھے ۔ چنانچہ جب مولانا حجاز سے واپس تشریف لائے تو میر نے یہ رباعی ان کی خدمت میں روانہ کی ۔

انصاف بدہ اے فلک مینا فام تا زین دو کدام خوبتر کرد خرام ؟
خورشید جہانتاب تو از جانب صبح یا ماہ جہانگرد من از جانب شام ؟

مولانا نے یہ رباعی بہت پسند کی اور اسکا جواب خط کی صورت میں دیا [مکارم ق ۹۱/۳۶]
میر کو مولانا کے علاوہ اکثر فقرای وقت سے عقیدت تھی ۔ جسکی تفصیل میں جانے
کی چنداں ضرورت نہیں ۔

آثار باقیہ

میر نے اپنی زندگی میں رفاہ عام کے بے شمار کام کئے ۔ جن کی طرف اشارہ کرنا ضروری
معلوم ہوتا ہے ۔ علاوہ مدارس کے آپ نے کم و بیش ۵۰ خانقاہیں ۔ ۵۲ سرائیں (رباطیں)
۱۹ حوض ۔ ۱۶ پُل اور ۹ حمام بنوائے ۔ ان میں سے خانقاہوں کے متعلق یہ سمجھنے کی
ضرورت ہے کہ یہ محض ' بعض بے فکرے بنگ نوش فقرا کے مراکز ہی نہ تھے ۔ بلکہ یہ ایک
طرح کے تعلیمی اور کلچرل اداروں کے وظائف ادا کرتے تھے ۔ چنانچہ ہر خانقاہ کیساتھ
ایک مدرسہ اور ایک مسجد ہوتی تھی ۔ اسکے ساتھ ہی اپاہجوں ' ناداروں اور ضعیفوں
کے لئے لنگر بھی جاری ہوتے تھے ۔ راستے کی مشکلات کو کم کرنے کے لئے بہت سی
سرائیں اور رباطیں موجود تھیں ۔ اور بڑے بڑے دریاؤں پر پُل تھے ۔ تاکہ سلسلۂ
آمد و رفت میں آسانیاں ہوں ۔ میر نے اپنے صرف سے نہر انجیل کے کنارے ایک
عظیم الشان ہسپتال بھی بنایا ۔ جس میں اس زمانے کے حاذق اطبا ' علاج پر متعین
تھے ۔ اگرچہ سفینۂ خوشگو نے اپنے اس بیان کے لئے سند نہیں دی ۔ تاہم اسے یہاں
پیش کرنے میں چنداں مضائقہ نہیں ۔ کہ میر کے بارہ ہزار سے زیادہ تعمیری آثار ملک
خراسان میں موجود تھے ۔

میر نظام الدین علی شیر نوائی کی سیرت کے اہم پہلوؤں میں سے سب

سے زیادہ قابل توجہ پہلو ابھی باقی ہے۔ یعنی آپ کا علمی پہلو جو فی الحقیقت' ایک علمی اور ادبی شخصیت کے سیرت نگار کا سب سے مشکل کام ہے۔ میر علی شیر ہمارے سامنے محض بحیثیت ایک مصنف اور شاعر کے ہی جلوہ گر نہیں ہوتے۔ بلکہ علم و فن کے بہترین سرپرست اور شعر و سخن کے بہترین قدردان ہونے کے لحاظ سے بھی ان کا رتبہ بہت بلند ہے۔ اسی طرح آپ کا نام فارسی سے کہیں زیادہ ترکی آداب اللغہ کے لئے زیب عنوان بن سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کا زیادہ تر وقت ترکی زبان میں شعر لکھنے اور کتابیں تصنیف کرنے میں صرف ہوا۔ ترکی میں نوائی تخلص کیا کرتے تھے اور فارسی میں فانی۔ آپ کی ساری تصانیف موسیو Belin کی تحقیق کے مطابق ۲۹ تھیں۔ موسیو بلوشے نے مسلمانوں کی مصوری (Mussalman Painting) میں میر کی کلیات کی ایک ایسی جلد کا عکس پیش کیا ہے۔ جس پہ انکی ساری تصانیف کے اسما مرقوم ہیں۔ میر نے ترکی میں مولانا نظامی گنجوی کے تتبع میں ایک خمسہ لکھا۔ جس میں کم و بیش ۲۷ ہزار ابیات ہیں۔ ایک اور مثنوی بھی ہے۔ جسکا نام لسان الطیر ہے۔ غزلیات کے چار دیوان ہیں۔ (۱) غرائب الصغر (۲) نوادر الشباب (۳) بدائع الوسط (۴) فوائد الکبر۔

چہل رباعی' چہل حدیث کا ترجمہ ہے۔

میزان الاوزان کے نام سے ایک رسالہ ترکی زبان کے عروض میں ہے۔

فارسی زبان میں آپ نے اگرچہ بہت کم لکھا ہے۔ تاہم اشعار کی مجموعی تعداد چھ ہزار کے قریب ہے۔

فن معما میں آپ کا رسالہ مفردات در معما خاص شہرت رکھتا ہے۔ انشا اور دیگر اصناف ادب میں آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں :۔

(۱) مجالس النفائس (۲) تاریخ مجمل در ذکر انبیا و مرسلین (۳) در بیان احوال

ملوک عجم (۴) خمسۃ المتحیرین اس میں مولوی جامی اور نوائی کے باہمی تعلقات سے بحث ہے۔ (۵) منشآت ترکی (۶) رسالہ در بیان احوال امیر سید حسن اردشیر (۷) در ذکر اطوار پہلوان محمد ابو سعید مہنہ (۸) محبوب القلوب (۹) نسائم المحبہ۔ (۱۰) نظم الجواہر (۱۱) مشائخ ترک ہند

ترکی شعر و شاعری میں میر کی بلندی رتبہ کے متعلق خود کچھ لکھنے کی بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانے کی بعض اکابر کی آرا اس بارے میں نقل کی جائیں۔

مولانا فخری جنہوں نے میر کی مجالس کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"خاصہ در شعر و شاعری، و پیش ترکان خردمند فاضل، و تازی زبانان ترکی دان کامل مقرراست کہ تا بنا و نظم ترکی شدہ، مثل او کسی قدم درین وادی ننہادہ، خسرو این قلمرو اوست و او را درمیان اتراک قرینۂ مولانا عبدالرحمٰن می دانند"

[لطایف نامہ فخری، ص ۲۲۱]

مولانا لطفی جنہیں ترکی شاعری کا "گل سرسبد" کہنا چاہئے۔ ایک دفعہ علی شیر نوائی سے جبکہ وہ ابھی عنفوان شباب ہی میں تھے۔ کسی محفل میں ملاقی ہوئے اور غزل سنانے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے اس موقعہ پہ جو نظم پڑھی۔ اسکا مطلع یہ تھا:۔

عارضین یا بقاج کوند ودین ساچیلور ہر لحظہ مایین
بیلہ کیم پیدا بولور یولدو سہ نوہان بولقاج قویاشش

لطفی اس غزل سے حد درجہ محظوظ ہوئے اور فرمانے لگے۔ کہ اگر ممکن ہوتا۔ تو میں اس غزل کو اپنے دس بارہ ہزار اشعار کے بدلے خرید لیتا [مکارم: ۱۳۶ ب] مکارم الاخلاق کے مصنف کا بیان ہے۔ کہ نوائی سے پہلے کسی شخص نے ترکی

۱؎ بظاہر اس شعر میں کچھ تحریف ہے،

میں رباعیات نہیں لکھیں۔ یہ بیان صحیح ہو یا غلط۔ لیکن اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ نوائی کی رباعیات، ترکی لٹریچر کے عجائبات سے سمجھی جاتی ہیں۔ بابر بھی جو خود ایک بلندپایہ ناقد اور مبصر تھا۔ نوائی کی عام شاعری اور خصوصاً ان کی رباعیات کا بے اندازہ مداح ہے [بابر نامہ - ج ۲ - ص ۲۷۱] - جس کی بنا پر ہمیں یہ رائے قائم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں رہتا کہ نوائی ترکی کے بہترین شاعروں اور رباعی گوؤں میں سے تھے۔

مسٹر ای - جے - ڈبلیو گب جنہوں نے ترکی شاعری کی تاریخ چھ جلدوں میں مرتب کی ہے۔ نوائی کے متعلق بہت شاندار الفاظ تحسین استعمال کرتے ہیں :-

" علی شیر نے جو سلطان حسین کا وزیر اور سب سے بڑا دوست تھا۔ نوائی تخلص کیا کرتا تھا۔ اسے ترکی شاعری میں شہرت دوام کی دولت حاصل ہے۔ اور اگرچہ وہ فارسی میں بھی اچھا خاصا لکھ لیتا تھا۔ تاہم اس کے شاہکار ترکی زبان میں ہیں۔ نوائی کے متعلق یہ رائے مجموعی طور پر درست ہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ پہلا زبردست شاعر تھا۔ جسنے ترکی میں شعر لکھے۔ اگرچہ محاورے میں کافی اختلاف موجود ہے۔ تاہم ایک طویل زمانے تک نوائی شعرای ترکی کے لئے ایک مثال کا درجہ رکھتا رہا۔ احمد پاشا جو ترکی کا بلند پایہ شاعر تھا۔ نوائی سے بہت اثر پذیر ہوا۔ اور اسکی اکثر غزلیات نوائی کی ارسال کردہ غزلیات کے تتبع میں ہیں [گب - ترکی شاعری کی تاریخ ج ۲ ص ۱۰ - ۱۱]

جامی اور نوائی نے ترکی شاعری پر جو اہم اثرات ڈالے۔ ان پر مفصل تبصرہ کرنے کے لئے مستقل مضمون کی وسعت کی ضرورت ہے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا کافی ہوگا کہ ہر دو بزرگوں کا کلام، اسوقت تک احترام اور وقعت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ جب تک ترکی ادبیات دنیا میں موجود ہیں۔ کوئی مورخ اور مبصر انہیں اس منصب رفیع سے محروم نہیں کر سکتا۔ جسکا استحقاق انہیں ازمنہ و دہور کے مسلسل و متواتر اعتراف و اقرار کی بدولت حاصل ہو چکا ہے۔

جہاں تک فارسی شاعری تک تعلق ہے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ علی شیر کا مقام ترکی کے مقابلے میں کمتر معلوم ہوتا ہے ۔ چھ ہزار اشعار تو نوائی نے ضرور لکھے ۔ مگر افسوس کہ آج ہم ان کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانے سے اس لئے قاصر ہیں ۔ کہ دستبرد زمانہ کے طفیل ہمارے ہاتھ ان تک نہیں پہنچ سکتے ۔ اور ہماری نگاہیں انہیں نہیں دیکھ سکتیں ۔ ہمارے تذکرہ نگاروں نے انہیں فارسی زبان کے بڑے شعرا میں شمار کیا ہے ۔ لیکن کوئی تعجب نہیں ۔ کہ اس میں واقعیت سے کہیں زیادہ عقیدت کو بھی دخل ہو ۔

میر شعر و سخن میں مولانا جامی سے اصلاح لیا کرتے تھے ۔ مولانا بعض اوقات تو ادھر ادھر سے کانٹ چھانٹ کر دیا کرتے تھے ۔ لیکن اکثر من وعن ، کسی غزل یا قصیدہ کو واپس کر دیا کرتے تھے ۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میر نے مرو سے ایک قصیدہ کا مطلع مولانا جامی کی خدمت میں بغرض اصلاح ارسال کیا ۔ جو امیر خسرو کے تتبع میں تھا ۔ مطلع یہ تھا ؎

آتشیں لعلے کہ تاج خسروان را زیوراست
اخگری بہر خیال خام پختن در سراست

اسکے جواب میں جامی نے جو مکتوب لکھا ۔ اس سے بیک وقت ، انکے باہمی تعلقات اور جامی کے نزدیک ، میر کی شاعری کی صحیح وقعت کا پتہ چلتا ہے ۔ مکتوب یہ ہے :

قطعہ

زہے کردہ از شوق شہبا زطبعت ہمایان (؟) قدسی ہوائے تذروی
زمرو م فرستادہ مطلع خوشش کز اہل سخن مثل آن نیست مروی

"الحق مطلعی ست ، انوار لطف و ذکا از معانی آن طالع " و آثار حسن او از عبارات آن لامع ، اگرچہ چنانچہ گفتہ ہے با تمام آن پرداختہ و پرتو اندیشہ بر تکمیل آن انداختہ شک نیست

کہ واسطۃ العقد شہور و اعوام خواہد بود' حق سبحانہٗ از ہرچہ بباید مصئون داراد و ہرچہ نشاید' مامون" [مکارم - ق ۱۳۶ ا]

مناسبت کلام سے یہاں میر کے فارسی کلام کا نمونہ پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ذیل کے اشعار' تذکرۂ خوشگو سے ملے ہیں :-

خیال طاعتِ شب می کنم بروز بسی ۔۔۔ چو شب شود' برد از خود مرا خیال کسی

دلم بدست تو مرغی ست در کف طفلی ۔۔۔ کہ نہ کُشد نہ گذارد' نہ سازدش قفسے

ای شب غم چند دور از روی یارم می کشی ۔۔۔ زندہ می دارم ترا بہر چہ زارم می کشی

وہ قصیدہ جو ملا جامی کی مدح میں اور امیر خسرو کے تتبع میں لکھا ہے۔ اسکے بعض اشعار پیش کیئے جاتے ہیں :

آتشین لعلی کہ تاج خسروانرا زیور است ۔۔۔ اخگری بہر خیال خام پختن بر سر است

با دہان خشک و چشم تر قناعت کن از انکہ ۔۔۔ ہر کہ قانع شد بخشک و تر شہ بحر و بر است

تخم رسوائی دہد بر دانۂ تسبیح زرق ۔۔۔ آری آری دانہ جنس خویش را بار آور است

راہرو را فاقہ نعمت کند منع سلوک ۔۔۔ اسپ راہ آنست کو نے فربہ و نے لاغر است

مسند اقبال عاشق گلخن دیوانگی ست ۔۔۔ فرش سنجاب سمندر تودۂ خاکستر است

عقل و کنج نیکنامی عشق و دہر دم عالمی ۔۔۔ خانہ داری کار زن لشکر نصیب شوہر ست

مرد را یک منزل از ملک فنا دان تا بقا ۔۔۔ مہر را یک روزہ راہ از باختر تا خاور است

میر کی باقی تصنیفات پر تبصرہ کرنا طول کلام معلوم ہوتا ہے۔ اور نہ اس کے لئے

یہ وقت موزوں ہے۔ اس بارے میں زیادہ دقت اس بات کی ہے کہ میر کی اکثر تصنیفات ترکی میں ہیں۔ اور یہاں ایک پرانے شعر کا مضمون ہے کہ :

"زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم"

صرف یہ کہہ دینا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کہ زید کی یہ رائے ہے اور بکر کا یہ خیال ہے: کیا اچھا ہو کہ یہ علمی تکلیفات ہمیں ترکی اور دیگر اسلامی زبانوں کی تحصیل کی طرف بھی مائل کردیں۔ کیونکہ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے۔ کہ ترکی زبان ہماری توجہ سے ابتک بالکل محروم چلی آتی ہے۔ حالانکہ ہماری توجہات پر اسکا بہت استحقاق ہے۔

علی شیر جس دور کی نمایاں شخصیت ہے۔ اس میں فن معما اور رمل کے حساب سے تاریخ نکالنے کا دستور پورے زوروں پر ہے۔ ہر وہ شخص جسے شعر کہنے کی ذرا بھی عادت ہے۔ وہ معما کی طرف ضرور توجہ کرتا ہے۔ فارسی ترکی شاعری میں بلکہ تمام مسلمان اقوام کی شاعری میں مختلف واقعات و حالات کی تاریخ نکالنے کا رواج بہت عام تھا اور اس نوع خاص میں بہت سے اکابر وقت اور دماغ صرف کرتے نظر آتے ہیں۔ میر علی شیر نے بھی اس طرف خاص طرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ ان کی بعض تاریخیں بہت دلچسپ ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ میر کے ایک معاصر مولانا طوطی کا انتقال ہو گیا۔ آپ نے ان کی تاریخ وفات پر یہ قطعہ لکھا :-

بنور صفا روشن است این مقام ... لقد صار الوازہ ... باہرہ
چو بانیش فخر است او فاخر است ... لقد کان تاریخہ فاخرہ

فخر الدین کی عمارت کے ساتھ "فاخرہ" کا التزام کتنا بامعنی ہے ؟

میر کی علمی سوسائٹی

حضرات! آپ نے ابتک میر کے ان حالات کو سنا ہے۔ جنکا تعلق خود ان کی

ذاتی قابلیت سے تھا - لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ میر اس سے کہیں زیادہ اس امر کے لئے مستحق توجہ ہیں - کہ اس واحد شخصیت کا دنیائے علم و ادب پر اتنا گہرا، اتنا ہمہ گیر، اور اتنا زبردست اثر پڑا ہے کہ آج یہ امر موضوع نزاع بن سکتا ہے - کہ آیا میر کی عظمت انکی ذاتی قابلیت کی بنا پر زیادہ ہے - یا انکی قدردانی علم و فن کی بنا پر؟ جس کے طفیل ہرات اپنے زمانے میں بغداد، قرطبہ، قاہرہ اور دوسرے مراکز علمی کا ہم پلہ بن گیا تھا - میر کا شمار اسلام بلکہ دنیا کے بلند پایہ وزرا اور سرپرستان علم میں کیا جا سکتا ہے - وہ علمی سوسائٹی جو میر نے اپنے گرد جمع کر رکھی تھی - اس میں ادیب، مورخ، مفسر، انشا پرداز، شاعر، معمائی، خوش نویس، مصور، کاتب، ماہرین تعمیر، حساب دان، سیاق دان، شطرنجی، موسیقی دان، پہلوان، مذہب، کاسہ گر، کمان گر، خیاط، غرض ہر صنف اور ہر نوع کے لوگ شامل ہیں - جو اپنے اپنے خاص فنون میں، اس زمانے کے نکتۂ نظر کے مطابق، بہترین سائنٹیفک انداز پر کتابیں تصنیف کر رہے ہیں - میر سب کی سرپرستی فرما رہے ہیں - اور حوصلہ افزائی اور قدردانی کا پورا پورا حق ادا ہو رہا ہے - دربار وزارت ہے - مگر حاجب و دربان کی خلش سے خالی اور گیرو دار کے خدشہ سے پاک - قبائے خواجگی میں ہیں - مگر اہل علم کے خدمت گزار، سب آتے ہیں اور بلا روک ٹوک اسکے پاس بیٹھتے ہیں - میر ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے - میر کی علمی مجالس پر غور کرو - تو معلوم ہوگا - کہ کامل بے تکلفی اور آزادی کا عالم ہے - کسی سے مذاق کرتے ہیں - کسی کے ساتھ ظرافت کی باتیں ہو رہی ہیں - لوگ ان کا جواب دے رہے ہیں - غرض ایک ایسا منظر نظر آتا ہے - گویا ہم ایک ایسی بزم ہیں - جس میں سب کے سب برابر اور ہم رتبہ ہیں - مگر ان میں ایک ایسا شخص بھی ہے - جو اس تواضع کے ساتھ ساتھ وقار اور متانت کا لباس زیب تن کئے ہوئے ہے - سب کی نگاہیں، احترام کی پوری رعایتوں کے ساتھ اسکی جانب اٹھ رہی ہیں مگر اسکا سلوک سب کے ساتھ تقریباً برابری کا ہے - اس بزم علمی کے پرلطف قصے تو بیشمار

ہیں - مگر ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں آپ تک پہنچانے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں -

میرزا ابراہیم ولد میرزا علاء الدولہ کے زمانے میں میر اپنے بعض دوستوں کے ساتھ ایک مقام پر بیٹھے تھے - کہ ناگاہ شاہزادہ بھی ادھر نمودار ہوا - امیر، خوبصورت اور رعنا جوان تھا - اسکی رکاب میں امیر محمود نامی ایک صاحب بھی تھے - جنکی خوبروئی سے میر کچھ متاثر تھے - اس موقعہ پر خوش طبعوں میں سے ایک نے یہ شعر پڑھا ؎

آن سیاہ چردہ کہ شیرینیٔ عالم با اوست
لب مے گوں رخ خنداں دل خرم با اوست

میر نے اسکا جواب اس شعر سے دیا ؎

گرچہ شیرین دہنان بادشہانند و لیک
چشم دارم کہ بجاہ از ہمہ افزون باشی

اس سے مجلس بہت محظوظ ہوئی -

میر علی شیر جب جامع مسجد ہرات کی تعمیر میں مصروف تھے - تو کتابہ لکھنے کا کام مشہور نقاش اور خوشنویس خواجہ میرک کے سپرد ہوا - لیکن جیسا کہ اہل کمال کا خاصہ ہے - خواجہ میرک کچھ کاہلی سے کام لیتے تھے - میر نے ہرچند کوشش کی - مگر میرک نے زیادہ توجہ مبذول نہ کی - ادھر مسجد کا کام رکا پڑا تھا - ادھر میرک ہرات کے پاس ایک گاؤں "شادرواں" میں مصروف گلگشت تھے - میر اگر چاہتے تو تشدد سے پیش آتے مگر انہوں نے میرک کی اصلاح کے لئے نہایت متین اور مناسب طریقہ استعمال کیا - خواجہ جلال الدین محمد سے جو مالیات کے ذمہ دار تھے - ایک رقعہ خواجہ میرک کے نام لکھوایا - کہ وہ سرکاری قرضہ جو مبلغ پانچہزار دینار تک ممتد ہوتا ہے - جلد از جلد سرکاری خزانہ میں داخل کریں - کیونکہ حکومت کو اس رقم کی سخت ضرورت ہے - اس رقعہ کو دو سپاہی لیکر

شاہ روان پہنچے اور میرک سے زر مطلوبہ کا مطالبہ کیا۔ خواجہ میرک اس غیر متوقع تقاضا سے بہت پریشاں ہوکر براہ راست میر کے پاس پہنچے کہ للہ میری امداد کیجئے تاکہ عتاب شاہی سے محفوظ رہوں! میر تبسم زیر لب ہوکر بولے کہ ہاں! میں تمہاری امداد کرنے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ تم مسجد کا کتابہ پندرہ دن کے عرصہ میں تیار کر دو! غرض اس طریق سے میرک نے مسجد کا کتابہ تیار کروایا۔ میر کے ساتھ شیخ سہیلی کے توارد کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک دفعہ شیخ میر کے پاس آکر کہنے لگے۔ کہ میں نے میرزا سلطان احمد کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ آپ ذرا اصلاح فرما دیجئے! میر نے قصیدہ کا بامعان نظر مطالعہ کیا۔ اور کہنے لگے اس شعر کے بعد جس میں ممدوح کا نام آیا ہے۔ کوئی بہتر شعر چاہیئے۔ سہیلی نے اتفاق کیا۔ پھر دونوں سوچنے لگے۔ اور الگ کاغذ قلم، دوات لے کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد جب جمع ہوئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ دونوں کے دماغ نے ایک ہی منزل کی رہنمائی کی ہے۔ اور شعر میں ایسا توارد واقع ہوگیا ہے۔ کہ ایک حرف اور شوشہ کا اختلاف نہیں۔ شعر یہ تھا ؎

بہار باغ جوانی نہال گلشن عدل
گل ریاض کرم سرو جویبار وقار

لیکن ایک عجیب و غریب قسم کا توارد وہ تھا۔ جو امیر پہلوان ابوسعید کیساتھ واقع ہوا تھا اور وہ یوں تھا۔ کہ میر اپنی ایک غزل اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر کسی کام کے لئے باہر نکلے پہلوان کو جو شرارت سوجھی تو اسنے اٹھا کر اسے نقل کر لیا اور پھر کاغذ کو تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ میر جب واپس آئے تو پہلوان سے کہا اپنی کوئی غزل تو سناؤ! پہلوان نے نہایت بے تکلفی سے وہ نقل کردہ غزل سنانی شروع کر دی۔ اب میر حیران تھے کہ یا الٰہی! یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ غزل تو ابھی ابھی میں نے لکھی تھی ادھر کیسے منتقل ہوگئی۔

پہلے شعر پر یہ خیال ہوا کہ شاید توارد واقع ہوگیا ہو۔ مگر جب دوسرے تیسرے چوتھے آخری شعر تک پہنچے تو بہت پریشان ہوئے۔ جب تخلص پر پہنچے۔ تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ نوائی کی بجائے نسیمی تخلص آرہا ہے۔ میر خود لکھتے ہیں: کہ میں اس واقعہ سے بہت متغیر اور متاثر ہوا اور کچھ کہنے سننے کی بجائے خاموشی کے ساتھ غزل کی تحسین و آفرین کرنے لگا۔ لیکن دل میں کہہ رہا ہے کہ ایسا ہونا ناممکن ہے چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد پہلوان نے ہنستے ہوئے اعتراف کرلیا کہ ہاں غزل آپ ہی کی تھی میں نے از راہ تفنن اسے نقل کر لیا تھا۔ [لطائف نامہ ص ۱۵۳]

مدارس

میر کی تعلیمی سرگرمیوں میں مدارس کی تعمیر بھی شامل ہے۔ جو ملک کے طول و عرض میں شیوع تعلیم کا کام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔ سب سے زیادہ شہرت رکھنے والے مدارس یہ تھے۔

(۱) مدرسہ اخلاصیہ - نہر انجیل پر واقع تھا

(۲) خانقاہ اخلاصیہ

(۳) شفائیہ - غالباً اس میں طب کی تعلیم ہوتی تھی

(۴) نظامیہ - ہرات

(۵) خسرویہ - مرو

ان کے علاوہ جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے۔ کہ اس زمانے میں خانقاہوں کیساتھ بھی مدارس ہوا کرتے تھے۔ اسلئے ان مدارس کی فہرست میں ان خانقاہوں کو بھی شامل کرلینا چاہیئے جنکا ذکر پیچھے آچکا ہے۔ تعلیم کے لئے طلبہ کو میر کی جانب سے وظائف ملتے تھے اور اساتذہ کو بیش بہا تنخواہیں۔

ان کالجوں سے ہزارہا طلبہ علم، عالم بن کر نکلے۔ اور ملک کے اطراف و اکناف میں اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے علم کے رواج و اشاعت کا سبب ہے۔ ان میں سے سینکڑوں فضلا اس پایہ کے تھے۔ کہ انہوں نے مختلف علوم و فنون میں مبسوط کتابیں لکھی ہیں جو علی شیر کے نام کے ساتھ منسوب کی گئی ہیں۔ ان کتابوں کی تعداد جو اس زمانے میں مختلف علما نے میر کے زیر اثر لکھیں۔ سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ جسکی تفصیل، میر کی سیرت "مکارم الاخلاق" میں موجود ہے۔ اس موقعہ پر بعض ان فضلا کا نام لے لینا کافی ہوگا جو آسمان علم کے آفتاب تھے۔ مولانا جامی، حسین واعظ کاشفی، خواندمیر، جمال الدین عطاءاللہ الاصیلی، خواجہ ابوالقاسم اللیثی۔ دولت شاہ وغیرہ

میر نے اپنے زمانے کے شعرا و فضلا کے متعلق مجالس النفائس کے نام سے جو کتاب لکھی ہے۔ اُس میں اپنے تربیت یافتہ افراد کا ذکر کرتے ہیں جنکی قدردانی اور حوصلہ افزائی کے بے شمار واقعات درج ہیں۔ میر ان کے لئے حوادث روزگار کے مقابلہ میں ایک سپر کا درجہ رکھتے تھے۔ اور زمانے کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے علما کے لئے اگر کوئی ملجا و ماوی تھا تو وہ خود میر کی ذات تھی۔ اس زمانے کے ایک شاعر یاری تھے۔ جنہیں قدرت کی طرف سے شعر کا ملکہ تو اچھا نصیب ہوا تھا۔ مگر اخلاق اور عام طرز زندگی کے اعتبار سے ذرا مجرمانہ میلان رکھتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنے کسی کام کی خاطر جعلی فرمان تیار کیا۔ جس کی پاداش میں پکڑے گئے۔ اور بادشاہ کی طرف سے زبردست عقوبت کے مستحق قرار پائے۔ اسوقت علی شیر نے سفارش کا ہاتھ بڑھایا اور انہیں سلطانی عذاب سے نجات دلائی مولانا سیفی، مولانا آصفی، مولانا ہلالی، مولانا قراعمہ شیرازی، مولانا قبولی وغیرہ لاتعداد شعرا، علی شیر کے ذاتی اثر کے ماتحت پھلے پھولے۔ علی شیر انکے اشعار کی خود تصحیح کیا کرتے اور ذاتی توجہ اور انہماک سے انکی ذہنی قوتوں کو ایک خاص قالب

میں ڈھالتے۔

جس طرح ادب کے میدان میں میر کی پر اثر شخصیت نے اپنے خاص اثرات سے اس زمانے کے لٹریچر کو ایک خاص رنگ میں رنگ دیا تھا۔ جسکی سب سے بڑی خصوصیت اسکی کثرت ہی نہیں۔ بلکہ اسکی خوبی اور عمدگی بھی ہے۔ اسی طرح آرٹ کے معاملے میں بھی میر کا وجود ایک اہم انقلاب ذہنی کا باعث ہوا۔ اگر اس زمانے کی نقاشی، تصویرکشی، تعمیر، کاشی گری، مینا کاری، کتابہ نویسی، خوشنویسی، تالین سازی، علم موسیقی اور دیگر فنون و صنایع پر نظر غائر ڈالی جائے تو ہمیں ہر جگہ میر کے ان احسانات عظیم کا پتہ چلتا ہے۔ جو دنیائے آرٹ پر میر نے کیئے۔

دنیائے اسلام کا سب سے بڑا مصور بہزاد، علی شیر کا پروردہ تھا۔ جس کی تصاویر نے ہرات اور شیراز کے مختلف دبستانہائے تصویر کشی کو متحد کرنے کی کوشش کی۔ پوپ نے ایرانی آرٹ کے تخلیقی عناصر پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایران میں حکومت کا میلان اور تصوف دو ایسے تخلیقی عناصر ہیں۔ جنہوں نے ایرانی آرٹ کو ایک خاص شکل دینے میں بہت مدد دی ہے۔ جب تصوف نے حقیقت تک پہنچنے کے لئے مجاز کو ایک اہم وسیلہ قرار دیا تو مصورین کے لئے اپنے محسوس مجازی مطمح نظر کو موقلم کی مدد سے زندہ کرنے کے لئے ایک وجہ جواز پیدا ہو گئی۔

میر علی شیر جو حکومت و درویشی کا ایک عجیب و غریب آمیزہ تھے۔ اسی لئے آرٹ کی پرورش اور ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہوئے۔

بہزاد کے علاوہ آقا میرک قاسم علی اور سلطان محمد بھی اس زمانے کا مشہور پینٹر تھے۔

میر کا ذکر اس زمانے کی تعمیرات کے سلسلے میں خاص طور پر لینا چاہیئے۔
گذشتہ سطور میں میر کی بے شمار مسجدوں، خانقاہوں، سراؤں، مدرسوں، پلوں اور حماموں کی تعمیر کا ذکر آچکا ہے۔ جن سے اس معاملے میں میر کے شغف کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ایرانی تعمیروں میں ہرات کی جامع مسجد کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ جسے میر نے اپنے زمانے میں از سرِ نو تعمیر کرایا تھا۔ مکارم میں خوش قسمتی سے اس مسجد کی تعمیر کا حال ذرا تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔ جس سے اس توجہ، انہماک اور دلچسپی کا حال ہم پر کھلتا ہے جو میر نے اس مسجد کی عمارت میں صرف کی۔

جامع مسجد ہرات کی بنیاد سلطان ابوالفتح غیاث الدین محمد بن سام نے اپنے زمانۂ حکومت کے اواخر میں رکھی۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور مسجد اسی ناتمام حالت میں رہ گئی۔ اسکے بعد اس کے بھائی سلطان شہاب الدین نے اسکی طرف توجہ کی۔ مگر مسجد سلطان غیاث الدین بن سلطان شہاب الدین کے وقت میں اختتام پذیر ہوئی۔

چنگیزی حملوں نے جہاں اور آثار خیر کو تباہ کیا تھا۔ وہاں اس مسجد کو بھی اس سے بہت نقصان پہنچا۔ ملک غیاث الدین کرت نے اسکی خستہ حالت سے متاثر ہو کر اسکی مرمت کروائی۔ اسکے بعد معز الدین کرت، سلطان جلال الدین فیروز شاہ نے اپنے اپنے زمانے میں اسکی مرمت کی کوشش کی۔

علی شیر نے ۹۰۳ھ میں اسکی تعمیر جدید کی ابتدا کی۔ اور بڑے بڑے مہندس اور معماروں کو اس کام پر متعین کیا۔ میر کو اس میں اسقدر شغف تھا کہ مزدوروں کے ساتھ ملکر کام کیا کرتے تھے۔ مزدوروں کو اُجرت دینے میں اسقدر فیاضی کا ثبوت دیتے تھے کہ وہ خوشدل ہو کر جان و دل سے کام کرتے۔ چنانچہ تین چار سال کا کام چھ ماہ میں ختم ہوا۔

اس سے فارغ ہوکر کاشی تراشوں اور مہندسوں کی خدمات حاصل کیں جو اس پر نقش ونگار کرنے پر متعین ہوئے۔ ایک سال پورا اس کام میں بھی صرف ہوا طاقوں کو اسلامی و چینی دختائی نقوش سے مزین کیا گیا۔ اور دیواروں کو زنگار رنگ بیل بوٹوں سے منقش کیا گیا۔

استاد شمس الدین سنگ تراش کو حکم ہوا۔ کہ سنگ مرمر کا ایک منبر تیار کرے اور اس غرض کے لئے بہت دور سے مرمر منگایا گیا۔ منبر جب تیار ہوا۔ تو شعراء نے تاریخیں لکھیں۔ جن میں سے ایک یہ تھی "ہرگز کسے ندیدہ منبر بسنگ مرمر"

جب مسجد ۹۰۵ھ میں بالکل مکمل ہوئی تو میر نے کاریگروں کو انعام واکرام سے نوازا۔ اور اس تقریب سعید کو منانے کے لئے بہت سی عام دعوتیں دیں۔ جن میں ہر طبقے اور ہر جماعت کے بڑے بڑے لوگ شامل ہوئے۔

میر نے اس مسجد کے بنانے میں اسقدر دلی شوق سے کام لیا کہ اسکی تعمیر میں اسوقت کے بہت بڑے بڑے ماہرین فن سے کام لیا۔ اور ان کے مشوروں میں خود شامل ہوکر مسجد کو جس قدر ہوسکتا تھا۔ خوبصورت اور با رونق بنانے کی سعی کی۔

خوشنویسی اور کتابت کے اعتبار سے بھی یہ دور بہت بلند ہے۔ اس میں خوشخطی، تذہیب، نقاشی اور جلدسازی اور وہ سارے فنون جنکا تعلق کتاب کے ساتھ ہے۔ عروج کمال تک پہنچے۔ ان ماہرین کمال میں سے صرف مولانا جعفر تبریزی، آغا میرک مولانا شمس معروف، استاد بہزاد، مولانا سلطان محمد خنداں، مولانا علی الکاتب مجنوں مولانا یاری (مذہب ومحرر) استاد قل محمد نقاش، مولانا سیمی، مولانا سلطان علی مشہدی، مولانا عبدالصمد رنگ کار، مولانا شیر علی وغیرہ کا نام لینا اس بات کی کافی ضمانت ہے۔ کہ یہ زمانہ ان خاص فنون کی انتہائی بلندی کا زمانہ تھا۔ اور ان

اہل کمال کی اس بلندیٔ رتبہ میں، میر علی کی قابلیت اور سرپرستی کا بہت بڑا حصہ ہے۔

موسیقی میں مولانا غباری، سائلی، بنائیؔ امیر علی، استاد قل محمد جلد سازی اور اور نقش پری میں میر سعید نغانی، صحافی میں میر قریشی، شطرنج میں مولانا مرتاض، مولانا صاحب بلخی، مولانا فضل اللہ، مولانا وعلی وغیرہ مشاہیر، اپنے اپنے فنون کی روایات کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔

میں نے میر علی شیر کے حالات زندگی اور ان کے علم و ادب پر احسانات کے متعلق کسی قدر جامع اختصار کے ساتھ تبصرہ کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ علی شیر وزرائے اسلام میں اتنی بہت بلند اور ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ کہ اسقدر مختصر سا ذکر انکے شمائل و کوائف کی تفصیل کے لئے مکتفی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس اہم مبحث کے لئے ایک بسیط کتاب کی وسعت کی ضرورت ہے۔ خدا سے دعا ہے۔ کہ اس ارادے کی تکمیل کی توفیق دے۔

سیّد محمد عبداللہ

المھالبۃ[1]

فرزدق کے اشعار میں۔

تمہید

المھلب بن ابی صفرۃ — ابو سعید

سوانح حیات :-

مہلب کے باپ ابو صفرہ کا نام ظالم[2] بن سارق (یا ظالم بن سراق) ہے ۔ اپنے عجمی نام شناس کو بدل کر اسنے یہ نام رکھ لیا تھا ۔ ابو صفرہ ' ازدِ عمان کے گروہ عتیک نامی سے تعلق رکھتا[3] ہے جو دبا[4] میں قیام پذیر تھا ۔ لیکن ابو عبیدہ کے نزدیک ابو صفرہ کا اصل نام بسخرہ[5] بن بہبوذان تھا اور وہ خارک[6] کا رہنے والا مجوسی (یعنی آتش پرست) تھا ۔ وہاں سے عمان کی طرف انتقال کر کے اسنے خود کو ازدی کہلانا شروع کر دیا اور آخر کار عثمان بن العاصی الثقفی کے سائیس کی حیثیت سے بصرہ میں وارد ہوا[7]

---

[1] المہلب بن ابی صفرہ اور اسکی اولاد کو مہالبہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے : کامل مبرد ۹۶ [2] یا غالب بن سارق ۔ اغانی ۱۸ : ۲۸ [3] المعارف ۲۰۳ [4] دبا عمان میں ایک منڈی اور قدیم شہر ہے معجم البلدان ۲ : ۵۴۳ [5] بعض کے نزدیک اسکا اصل نام بسخر یا بسخروح تھا ۔ معجم البلدان ۲ : ۳۸۷

[6] خارک بحر فارس میں ایک جزیرہ ہے معجم ۲ : ۳۸۷ [7] الاعلاق النفیسہ صفحہ ۲۰۵ ۔ صفحہ ۲۰۶ ۔

ابو صفرہ کا صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے یمن کی حکومت دی[۱] اور حکم بن العاص نے کسریٰ کے خلاف جنگ میں اسے اپنے میمنہ پر مقرر کیا[۱]

مہلب کے ایک درجن سے زائد بھائی تھے۔ ان میں سے صرف المغیرہ۔ قبیصہ۔ اور البختری مشہور رہے[۲]۔

مہلب، فتح مکہ کے سال (یعنی ۸ھ میں) یا اس سے کچھ عرصہ قبل پیدا ہوا[۳]۔ وہ اپنے باپ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا[۴]۔

بچپن ہی میں مہلب ہشیار معلوم ہوتا تھا۔ بکیر بن اخنس شاعر نے مہلب کو اسکے لڑکپن میں دیکھا اور یہ شعر کہا:-

خذونی به ان لم یسلسروا تہم　　　ویبرع حتی لا یکون له مثل[۵]

(اگر وہ اپنے سرداروں سے بازی نہ لیجائے اور انکا سید نہ بنجائے تو تم مجھے اسکے بدلہ میں پکڑ لو)

مہلب کی سپہ گری کے کارنامے بکیر کی اس تاریخی پیشگوئی پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔

امیر معاویہ کے عہد میں حکم بن عمر کے ماتحت مہلب نے ہندوستان کا رخ کیا۔ اور کابل اور ملتان کے درمیانی علاقوں، خصوصاً بنّہ (بنوں؟) اور الاہوار (لاہور؟) پر چڑھائی کی۔ یہ ۴۴ھ کا ذکر ہے۔ شاعر کہتا ہے:-

الم تر ان الازد لیلۃ بیتوا　　　ببنۃ کانوا خیر جیش المہلب[۶]

۵۲ھ میں سعید بن عثمان کی معیت میں، وہ سمرقند پر حملہ آور ہوا۔ ایک بہت

---

[۱] تاریخ بیہق　　[۲] طبری ۱: ۲۶۹۹　　[۳] تہذیب التہذیب ۱۰: ۳۲۹

[۴] ابن خلکان ۲: ۲۷۳　　[۵] عیون ۱: ۲۳۰، البیان ۳: ۱۱۹

[۶] طبری ۲: ۱۰۹، بلاذری ۴۹۶، ملک ۴۳۲-۴۳۳ بنہ کابل کا ایک شہر ہے (؟) معجم البلدان ۱: ۷۴۷، بلاذری کے نزدیک بنہ اور الاہوار ملتان اور کابل کے درمیان واقع ہیں۔ صفحہ ۴۳۲،

ہولناک جنگ ہوئی - جس میں مہلب کی ایک آنکھ پھوٹ گئی - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسکی آنکھ طالقان میں ضائع ہوئی[1] -

سنہ ۶۱ھ کے بعد دیر تک مہلب، سلم بن زیاد کے ماتحت رہا - سلم کی خراسان کے خلاف مہم میں بھی مہلب اسکے ساتھ تھا - انتہائی سرحد میں مہلب نے خوارزم کے قریب کے علاقہ کا محاصرہ کیا - آخرکار وہاں کے لوگوں نے جزیہ دے کر اسکے ساتھ صلح کی[2]

سنہ ۶۵ھ میں عبداللہ بن الزبیر نے مہلب کو خراسان کی حکومت دی لیکن اسوقت خارجی، بصرہ کی دیواروں پر آ پہنچے تھے اور قریب تھے کہ شہر پر قابض ہو جائیں - اہل بصرہ کو سخت خطرہ لاحق ہوا اور ان میں سے کئی لوگ شہر چھوڑ کر چلدئے - ایسے خطرہ کے وقت بصرہ کے لوگوں نے مہلب سے خارجیوں کو دفع کرنے کی درخواست کی - پہلے تو مہلب نے لیت و لعل کی - لیکن بالآخر جذبۂ حب وطن نے اسے خراسان کی حکومت کو نظرانداز کرنے پر مجبور کر دیا اور اس مہم کو سر کرنے کے لئے وہ ایک بھاری فوج لے کر روانہ ہوا - سنہ ۶۶ھ میں سلی سلبری[3] میں ایک جنگ عظیم ہوئی اور خارجی شکست کھا کر بھاگ گئے[4] -

---

۱ بلاذری ص ۴۱۱ ابن خلکان نے مہلب کی آنکھ پھوٹنے کے سلسلے میں اس کے دو شعر نقل کئے ہیں :-

لئن ذهبت عینی لقد بقیت نفسی — وفیها بحمد الله عن تلك ما ینسی

اذا جاء امر الله احیا حیولنا — ولا بدان تعمی العیون لدی الرمس

(وفیات ۲: ۲۷۴)

۲ طبری ۲ : ۳۹۴ ۳ سلی سلبری خوزستان میں واقع ہے معجم ۳ : ۱۱۰ ، شعرائے اس جنگ کے متعلق بہت کچھ کہا ہے - مہلب کا ایک ساتھی اس دن کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے :

ویوم سلی و سلبری احاط بھم — منا صواعق لا تبقی و لا تذر

(کامل مبرد ۶۳۹)

۴ طبری ۲ : ۵۸۱

سنہ ٦٧ھ میں مصعب کی معیت میں مہلب مختار کے خلاف لڑا - مختار کے آدمی بھاگ گئے اور وہ مارا گیا - اسکے بعد ابن زبیر نے مہلب کو موصل، الجزیرہ - آذربیجان اور آرمینیہ کی حکومت دے دی[1] -

رفتہ رفتہ خارجی پھر قوت پکڑتے گئے - چنانچہ سنہ ٧١ھ میں وہ اہواز - فارس - کرمان اور اصبہان کی طرف بڑھے - اسلئے مصعب کو دوبارہ مہلب کو اہواز بھیجنے کے لئے فی الفور واپس بلانا پڑا - مہلب فوج لے کر چل پڑا اور مقام سولاف[2] پر سخت مقابلہ ہوا - مہلب کو ان کے خلاف لڑتے ہوئے آٹھ ماہ گذرے تھے کہ مصعب کا کام تمام ہو گیا - اسی وقت مہلب اور اسکے رفقاء نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کر لی[3] -

مصعب کے بعد خالد بن عبداللہ بصرہ کا حاکم مقرر ہوا - مہلب کو چھوڑ، اسنے اپنے بھائی عبدالعزیز کو خارجیوں کے خلاف لڑائی کے لئے بھیجا - آخر کار جب وہ ناکام رہا تو خلیفہ عبدالملک نے اسے بہت لعن طعن کی[4] - اور حکم دیا کہ فوراً فوج لے کر دشمن کے مقابلہ کے لئے مہلب کے پاس اہواز پہنچو اور اس کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرو -

خالد فوج لے کر پہنچا اور لڑائی شروع ہو گئی - مہلب فوج کے میمنہ پر

---

[1] طبری ۲ : ۷۵۰ ، [2] سولاف ایام عرب میں مشہور ہے خوزستان میں مناذر کبری کے قریب ایک بستی ہے - ایک خارجی شاعر کہتا ہے :

وکائن ترکنا یوم سولاف منھم　　اساری وقتلی فی الجحیم مصیرھا
(کامل مبرد صفحہ ٦٣٤)

[3] و [4] طبری ۲ : ۸۰۷　　[5] خالد کے متعلق شاعر کا قول ملاحظہ ہو :

بعثت غلاما من قریش فروقۃ　　وتترک ذا الرای الاصیل المھلبا
ابی الذم واختار الوفاء واحکمت　　قواہ وقد ساس الامور وجربا

تھا۔ سولہ دن تک جنگ کرنے کے بعد خوارج نے میدان چھوڑ دیا۔ یہ ۷۲ھ کا واقعہ ہے[۱]۔

خوارج پھر بھی باز نہ آئے۔ ۷۴ھ میں عبدالملک نے اپنے بھائی بشر بن مروان کو لکھا کہ مہلب کو ایک کثیر فوج دے کر ازارقہ کے خلاف بھیجو۔ مہلب کی اس عزت افزائی پر بشر حسد کی آگ سے جل گیا۔ لیکن کیا کرتا؟ شاہی فرمان کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ تاہم وہ مہلب کے راستہ میں حائل ہوتا رہا۔ چنانچہ اپنے مہلب کے ساتھی عبدالرحمٰن بن مخنف کو اس کی نافرمانی پر ابھارا۔ گو ابن مخنف نے عملاً اسکا کہا نہ مانا اور دل سے مہلب کا ساتھ دیا[۲]۔

ہفتہ عشرہ کے بعد بشر راہی ملک عدم ہوا۔ اسکی موت کی خبر سنکر مہلب کی فوج کے بیشتر لوگ بھاگ گئے اور کسی بہانے سے نہ رکے۔ اسکے بعد ۷۵ھ میں حجاج بن یوسف عراق کا حاکم مقرر ہوا۔ اسنے لوگوں کو مہلب کی فوج میں داخل ہونے کے لئے تین دن کی مہلت دی اور کسی کی ایک نہ سنی۔ عمیر بن ضابی کو مہلب کی فوج میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے حجاج نے موت کی گھاٹ اتار دیا[۳]۔ اسکی اس عملی سختی سے ڈرتے ہوئے ہزارہا لوگ اس تھوڑے عرصہ میں مہلب کے گرد جمع ہو گئے۔ اب اسنے دشمن پر بمقام رامھرمز حملہ کر کے اسے خازرون کو لوٹا دیا[۴]۔ وہاں

---

۱ طبری ۲ : ۸۲۷ ۲ طبری ۲ : ۸۵۱ ۳ ذیل کے شعر اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں:۔

تخیر فاما ان تزور ابن ضابی عمیرا واما ان تزور المھلبا

ھما خطتا کرہ نجاۂ ک منھما رکوبک حولیا من الثلج اشھبا

کامل مبرد ۲۱۷

۴ من ارض سابور جبری ۲ : ۸۷۵

خوارج ایک سال ٹھہرے۔ پھر فارس کی طرف بڑھے اور جیرفت[1] میں خندق کھود کر اطمینان تمام ہو بیٹھے۔ لیکن مہلب نے لڑائی کرکے انہیں فارس کی حدود سے نکال دیا اور فارس کو مسخر کر لیا[2]۔

موقع شناس مہلب اپنے کام میں دھیما تھا۔ لیکن حجاج بڑا جلد باز اور بے صبر تھا۔ اسنے قاصد پر قاصد مہلب کی طرف بھیجے کہ دیر نہ لگاؤ اور جلد دشمن کا کام تمام کرو۔ ان میں سے ایک قاصد براء بن قبیصہ تھا۔ اسکے معائنہ کے لئے مہلب نے اپنے بیٹوں کو دشمن کے مقابلہ پر دو دفعہ بھیجا۔ بیٹوں نے میدان جنگ میں اپنے جوہر دکھائے۔ گو دشمن نہایت تند اور زیرک تھا تاہم وہ لڑکے اس کے خلاف جان توڑ کر لڑے۔ جب وہ واپس آئے تو مہلب نے قاصد کی رائے پوچھی۔ اسنے جواب میں کہا "خدا کی قسم! عرب بھر میں میں نے تیرے بیٹوں جیسے شہسوار نہیں دیکھے اور نہ اس قدر با استقلال اور قوی دشمن ہی تم واقعی مجبور ہو، بے قصور ہو"۔ قاصد رخصت ہوا اور حجاج کے پاس پہنچکر مہلب کے ماحول کو اس کے سامنے رکھا اور اسکی تسلی کی۔

مہلب نے آیندہ بھی دانائی اور فراست کو ہاتھ سے نہ دیا اور دشمن کا قلع قمع کرنے کے لئے کسی موزون وقت کا منتظر رہا۔ حسن اتفاق سے دشمن کی آپس کی ناروا داری اور ناچاقی۔ اور مہلب کی سیاسی چالوں کے سبب، خوارج میں اختلاف پڑگیا اور وہ آپس میں لڑ مرنے لگے۔

ان حالات کا علم ہونے پر حجاج نے پھر ایک دفعہ مہلب کو جلدی کرنے کی تلقین کی اور کہا کہ ایسے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ مگر مہلب نے خوب سوچا کہ پہلے دشمن آپس میں لڑ مر کر کمزور ہو لے۔ اسکے بعد اسکا پیچھا کیا چاہئے اور حجاج کی عجلت پسندی کی پروا کم ہی

---

[1] کرمان کا ایک بڑا عمدہ اور فراخ شہر ہے۔ یہ ایک نخلستان ہے اور تجارت کا بڑا مرکز ہے، معجم ۲: ۱۷۳،

[2] طبری ۲: ۱۰۰۳،

اختلافات کے بڑھتے جانے سے جب قطری بن الفجاءۃ اپنے ساتھیوں سمیت طبرستان کی طرف بھاگ گیا اور باقیوں نے عبد ربہ الکبیر کی قیادت تسلیم کر لی۔ اب دشمن باہمی جنگ وجدال اور تشتت وافتراق کے باعث بالکل کمزور ہو چکا تھا۔ یہ وہ حالت تھی جسکا مہلب مدت سے منتظر تھا۔ اس نے بلا توقف دشمن پر حملہ کر دیا۔ دشمن نے مقابلہ کیا اور قتل وخون کا بازار گرم ہوا۔ بالآخر مہلب کی فوج کے سپاہیوں نے بہت سے خارجیوں کو پکڑ لیا۔ لوٹا اور مارا۔ ان میں سے بہت ہی کم بچ نکلے ہونگے۔[1]

خوارج کے خلاف ایسا کامیاب جنگ مہلب کی زندگی کا عالیشان کارنامہ ہے۔ ۷۸ھ میں فاتح مہلب بصرہ کو لوٹ آیا۔ حجاج نے اجلاسِ عام میں اسکی عزت بڑھائی اسے اپنے پاس بٹھایا اور اہل بصرہ پر اسکا کمال احسان ظاہر کیا اور خود بھی اس کی بہادری کا گیت گایا۔ احنف بن قیس نے بصرہ کو "بصرۃ المہلب" کے نام سے موسوم کیا۔[2]

مہلب کی خدمات کے صلہ میں حجاج نے اسے خراسان کا عامل مقرر کر دیا۔

خراسان کی حکومت کے دوران میں، مہلب نے ختل۔ خجندہ۔ السغد اور نسف کو فتح کیا۔ کش پر (۸۰ھ میں) چڑھائی کی۔ یہاں وہ دو سال رہا اور اپنے بیٹے المغیرہ کی وفات کی خبر سنکر[3] ۸۲ھ میں کش سے مرو کو واپس ہوا۔ راستہ میں خراسان کے مشہور شہر مروالروذ کے گاؤں زاغول میں (۸۲ھ میں) بعارضۂ شوصۃ داعی اجل کو لبیک کہی۔ اس کے بیٹے حبیب نے جنازہ پڑھایا۔ نہار بن توسعہ نے اسکا مرثیہ کہا:

---

[1] طبری ۲: ۱۰۰۳ — ۱۰۰۷　[2] کامل مبرد ص ۶۴۲　[3] طبری ۲: ۱۰۷۷

۱۳۷۵۷

اذا ذهب العزا لمقرب للتقى وماتت الندى والجود بعد المهلب[1]

. . . . الخ

اپنی جنگی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ مہلب نے خراسان - سجستان - موصل - فارس وغیرہ پر باختلاف اوقات حکومت کی فوجی معاملات کے علاوہ اسکی مذہبی واقفیت بھی بہت تھی اور وہ ایک محدث تھا -

"مہلب نے اپنے حلم' خاندان کی محبت اور زیرکی کی بدولت بڑا شرف حاصل کیا"[2] - اسکی پر حکمت باتیں - اسکے دلکش لطائف اور اسکے خطوط و خطبات اس کے حسن بیان پر شاہد ہیں -

مہلب نہایت خوش اخلاق اور سخی مرد تھا - بقول کعب "لشکر کے آدمیوں کے لئے وہ ایک شفیق باپ تھا"[3] غربا و شعراء اس سے انعامات پاتے تھے -

بوقت جنگ مہلب بڑا محتاط رہتا اور خندق کھودے بغیر ہرگز آرام نہ لیتا رات کو پہرے دار اور جاسوس مقرر کرتا - اسکی فوج ہر وقت باسامان وہشیار رہتی - وہ خود بھی بیدار رہتا - یہی وجہ تھی کہ دشمن ہمیشہ خائب و خاسر واپس جاتا - دشمن کی چالوں سے قبل از وقوع واقف اور انکے دفعیہ کے لئے ہمیشہ کمربستہ' بلکہ اسے اپنی چال میں لے آنے میں مشاق اور کامیاب -

مہلب ایک جوانمرد سپاہی اور بنوامیہ کے عہد کا بڑا زبردست سپہ سالار تھا - دوست تو دوست' دشمن بھی اسکی بہادری کا لوہا مانتے اور شعراء اس کی جوانمردی کے گیت گاتے تھے - شاعر کا قول ملاحظہ ہو -

نحو امیر الرفقة المهلب ابیض وضاح كتيس الحلب

---

[1] تنبیہ و الاشراف ص ۳۱۳ - عقد الفرید ۲: ص ۳۱ [2] کامل مبرد ص ۱۱۹ [3] کامل مبرد ص ۶۹۵ ،

بنقص بالقوم الفضائح الذي کسب۱

بالخصوص المغیرہ بن حبناء الحنظلی - کعب بن معدان الاشقری - زیاد بن سلیمان الاعجم - نہار بن توسعہ وغیرہم نے اسکی مدح سرائی کی - لیکن چونکہ فرزدق کے اشعار میں مہالبہ کے متعلق بہت سے تاریخی و سیاسی تلمیحات و اشارات ملتے ہیں - اس لئے ذیل میں ہم آخر الذکر شاعر کے متعدد اشعار پیش کرینگے -

اشعار ذیل میں مہلب کے آباء و اجداد کے غیر سپاہیانہ پیشہ ملاحی کی طرف اشارہ ہے - انکے کاموں کو شاعر رذیل بتلاتا ہے اور ان پر نکتہ چینی کرتا ہے - نیز اس میں مہلب کے نسب اور عمان کے ازدیوں پر حملے کئے گئے ہیں اور انہیں برا بھلا کہا گیا ہے -

غالباً مہلب کے خراسان آنے اور سلم سلیری کی لڑائی کے درمیانی وقت (۶۵ھ) میں یہ ہجو لکھی گئی ہوگی۲ - لیکن اس کے یقینی وقت کا معین کر لینا مشکل ہے۳ -

ابو سعید المہلب بن ابی صفرۃ کی ہجو میں فرزدق کہتا ہے :

۱۲۴ وَجَدْنَا الاَزْدَ مِنْ بَصَلٍ وَثُومٍ ۝ وَاَدْنَی النَّاسِ مِنْ دَنَسٍ وَعَارٍ۴

(ترجمہ) ہم نے ازد کو بصل اور ثوم سے (مرکب پایا) اور لوگوں میں سے گندگی اور بے شرمی سے قریب تر

بصل : پیاز } یعنی بدبودار اور قابل نفرت
ثوم : لہسن }

ازدنا لمہلب بن ابی صفرۃ کی قوم - فرزدق بنو تمیم میں سے تھا - ازد و تمیم کی دشمنی محتاج تعارف نہیں

۱؎ البیان ص۲۳۴ ۲؎ زیڈ - ڈی - ایم - جی ۵۹ : ۹۴ ۳؎ زیڈ - ڈی ایم جی ۵۹ : ۲۹۵
۴؎ معجم البلدان میں اشعار کی ترتیب مختلف ہے - اس ترتیب میں ۵ - ۶ - ۲ - اور ۹ وہاں ۱ سے ۴ تک ہیں ۲۴۹:۱

۲ - صَرَارِیُّونَ یُنْفَحُ فِی لِحَاهُمْ   نَفْحُ الْمَاءِ مِنْ خَشَبٍ وَقَارِ

(ترجمہ) (وہ) ملاح (ہیں) جنکی ڈاڑھیوں میں کشتی اور تارکول سے پانی کی جھاگ پڑتی ہے -

صراریون - الصراری = الملاح   فرزوق ص ۶۳۵ : ۳

نفحٌ - کف - جھاگ

فائدہ : انکی ڈاڑھیوں پر سمندر کے پانی کی جھاگ اسلئے پڑتی رہتی ہے کہ وہ بسبب ملاح ہونے کے ہمیشہ سمندر میں رہتے ہیں -

یُنفَحُ کی بجائے دیوان میں یَنفَحُ ہے -

۳ - کَاَنَّ خُصَاهُمُ اِذْ صَرَّرُوهَا   بِخُوصِ النَّخْلِ مِنْ اَدَرٍ کِبَارُ

(ترجمہ) انکے خصیئے جب وہ انہیں کھجور کے پتوں سے باندھ لیتے ہیں بسبب ادرت کے بڑے ہیں -

اَدَر - یعنی نفخ الخصیتین بسبب فاسد مادہ یا نزول ماء کے

اصل کِبارٌ

۴ - اِذَا جَدَفُوا السَّفِینَ خُصَی تُیُوسٍ   مِنَ الْحَبْلِ ذِی الشَّعْرِ الْقِصَارِ

(ترجمہ) اور جب وہ کشتی چلاتے ہیں تو (انکے خصیے) حبل کے چھوٹے چھوٹے بالوں والے بکروں کے خصیوں کی مانند معلوم ہوتے ہیں)

الحَبل = موضعٌ بالبصرۃ - لسان العرب - جزء ۱۳ - ص ۱۴۹ - سطر ۲۰

۵ - وَکَائِنْ لِلْمُهَلَّبِ مِنْ نَسِیبٍ   تَرَی بِلَبَانِهِ اَثَرَ الزِّیَارِ

(ترجمہ) مہلب کے کتنے ہی رشتہ دار (ایسے) ہیں جنکے سینے پر تو جہاز کے رسوں کے نشانات دیکھیگا)

زیار = اونٹ کی چھاتی کی رسی جس سے پالان کو آگے پیچھے کرتے ہیں -

معجم ۲ : ۳۸۷ میں بجائے وکائن للمہلب کے وکائن لابن صفرۃ ہے -

۶ - بِخَارَکَ لَمْ یَقُدْ فَرَساً وَلٰکِنْ   یَقُوْدُ السَّاجَ بِالْمَرَسِ الْمُغَارِ

(ترجمہ) جس (یعنی مہلب کے رشتہ دار) نے خارک میں کوئی گھوڑا نہیں چلایا - ہاں یہ ضرور ہے کہ) وہ بٹی ہوئی رسیوں سے صنوبر (کے درخت کے تنے) کھینچا کرتا ہے -

خارک - دیکھو نوٹ ع۶ ص۳۵

۷ - مِنَ الْمُتَنَطِّقِیْنَ عَلٰی لِحَاھُمْ   دَنِیُّ اللَّیْلِ فِیْ لُجَجِ الْغِمَارِ

(ترجمہ) وہ (مہلب کا رشتہ دار) ان میں سے ہے جو اپنی ڈاڑھیوں کے اوپر نطاق باندھتے ہیں - وہ رات کے وقت گہری موجوں میں رہتا ہے -

نِطاق - پیٹی - کمربند

۸ - یُنَبِّئُ بِالرِّیَاحِ وَمَا اَتَتْہُ   عَلٰی دَقَلِ السَّفِیْنَۃِ کَالْعِصَارِ

(ترجمہ) وہ کشتی کے ستون پر رسے کی طرح (جم کر) بیٹھتا ہے اور ہواؤں کی اور اس چیز کی جو وہ (ہوائیں) اس کے پاس لاتی ہیں، خبر دیتا ہے -

دقل خَشَبَۃٌ طویلۃٌ تُشَدُّ فی وَسَطِ سفینۃٍ (زاد الازہری) یمدُّ علیہا الشِراع - تاج العروس - جزء ۷ - ص۳۲۳ - سطر ۱۶،

۹ - وَلَوْ رُدَّ الْمُعَلَّبُ حَیْثُ ضَمَّتْ   عَلَیْہِ الْغَافَ اَرْضُ اَبِیْ صُفَارِ

(ترجمہ) اور اگر المہلب کو اسجگہ واپس بھیجدیا جاتا - جہاں پر ابوصفرہ کا وطن اس (مہلب) پر غاف کا گھیرا ڈال دیتا -

غاف ایک درخت ہے جس کا پھل میٹھا ہوتا ہے - عمان میں بکثرت پایا جاتا ہے - عمان کی وہ جگہ بھی اس درخت کی موجودگی کے سبب غاف کہلاتی ہے

معجم ۳ : ۷۶۸ - ۷۶۹

ابن صفرہ بجائے مہلب معجم ۲ : ۳۸۷

ارض ابی صفار یعنی عمان

۱۰- اِلیٰ اُمِّ المُھَلَّبِ حَیْثُ اَقْطَتْ بِثَدْیٍ اللُّوْمِ فَاہُ مَعَ الصَّغَارِ

(ترجمہ) یعنی مہلب کی ماں کی طرف جہاں اس (مہلب کی ماں) نے اس کے منہ میں ذلت کے ساتھ اپنا لئیم تھن دیا۔

صَغار ذلت - کمینگی + صِغار (صغیر کی جمع) چھوٹے بچے)

۱۱- تَبَیَّنَ اَنَّہٗ نَبَطِیُّ بَحْرٍ وَاَنَّ لَہٗ اللَّئِیْمُ مِنَ الدِّیَارِ

(ترجمہ) تو (اسوقت) یہ (ضرور) واضح ہوجاتا کہ وہ سمندری نبطی ہے اور یہ کہ تمام ملکوں میں لئیم (کا خطاب) اسی کے لئے (مختص) ہے

النبط آرامی لوگ۔ شام اور عراق کے باشندے۔ بنوآزد عراق کے نبطی تھے نبط کے جہاز اور جہاز ران مشہور ہیں۔

"النبیط والنبط جیلٌ ینزلون السواد و فی المحکم ینزلون سواد العراق وفی الصحاح ینزلون بالبطائح بین العراقین۔ لسان۔ جزء ۱۳، ص ۲۸۸، سطر ۲۰ تا ۲۲"

۱۲- بِلَادٌ لَایَعُدُّ بِھَا غُلَامٌ لَہٗ اَبَوَیْنِ مُغْزِلَۃُ الجَوَارِ

(ترجمہ) وہ ایسے شہر ہیں جہاں کوئی بیٹا اپنے ماں باپ کو نہیں پاتا (کیونکہ) یہاں کی عورتیں عشق و تعشق کرتی ہیں۔

اصل یُعِدُّ

ابوین: ماں باپ - مطلب یہ کہ وہ صحیح النسب نہیں ہوتے۔

مغزلۃ الجوار - چونکہ ان کے اخلاق گندے ہیں۔ اس لئے ان کی عورتیں آسانی سے میسر آسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انکے آدمیوں کا نسب معلوم کرنا نا ممکن ہے،

۱۳ - وَكَيفَ وَلَمْ يَقُدْ فَرَساً أَبُوكُمْ　　وَلَمْ يَجْعَلْ بَنِيهِ إِلَى الدَّوَارِ

(ترجمہ) اور کیونکر (تم صحیح النسب ہوسکتے ہو؟) جبکہ (تم اتنے ادنی درجہ کے لوگ ہو کہ) تمہارے باپ نے نہ کبھی گھوڑا چلایا اور نہ ہی اپنے بیٹوں کو دوار کیطرف لے گیا۔

دَوَار = اسم صنم، ويخفف وهو الاشهر، قال الازهري وهو صنم كانت العرب تنصبه يجعلون موضعا حوله يدورون به، واسم ذلك الصنم و الموضع الدوار - قال شيخنا وقيل النعم كانوا يدورون حوله اسابيع كما يطاف بالكعبة تاج العروس جزء ۳ ص۲۱۵-۲۱۶

۱۴ - وَلَمْ يَعْبُدْ يَغُوثَ وَلَمْ يُشَاهِدْ　　لِحِمْيَرَ مَا تُدَايِنُ وَلَا نِزَارِ

(ترجمہ) نہ اس (کے باپ) نے یغوث کی عبادت کی اور نہ حمیر اور نہ نزار ہی کی مذہبی رسومات کا مشاہدہ کیا۔

یغوث - ایک بت ہے - قبیلہ مذحج اور اہل جرش اسکی پوجا کرتے تھے - کتاب الاصنام ص۱۰ نیز دیکھو قرآن مجید - سورت نوح علیہ السلام،

حمیر - یعنی حمیر بن سبا بن یشجب کی اولاد - انکی منازل یمن میں حمیر نامی جگہ میں ہیں - معارف ص۱۵۱

نزار - نزار بن معد بن عدنان کی اولاد یعنی بنو مضر - ربیعہ اور انمار - معارف ص۳۱،

۱۵ - وَلَا لِلّٰهِ تَسْجُدُ أَزْدُ بُصْرَى　　وَلٰكِنْ يَسْجُدُونَ لِكُلِّ نَارِ

(ترجمہ) اور نہ بصری کے ازد خدا کی عبادت کرتے ہیں - ولیکن (اس کے برعکس) وہ ہر آگ کو سجدے کرتے ہیں -

بُصْرى = شام میں ایک مشہور قصبہ ہے - معجم ۱: ۶۵۴،

مہلب نے اپنے ہاں فرزدق کا داخلہ بند کر دیا تھا۔ اس ہجو میں فرزدق، مہلب سے بے نیازی کا اظہار کرتا ہے اور اسے جتلاتا ہے کہ میرا ہجو نہ کہنا کچھ تیرے خوف سے نہ تھا۔ بلکہ اسلئے کہ بشر نے کسی مصلحت کی بنا پر مجھے روک رکھا تھا۔ ان اشعار میں شاعر نے مہلب اور اس کے بزرگوں کے غیر عربی ہونے پر زور دیا ہے۔

یہ ہجو بشر بن مروان کی موت اور حجاج کی آمد کے زمانہ کے درمیانی وقت (۷۵ھ) کی ہے۔ اس کے پہلے شعر سے یہ مترشح ہے کہ بشر، باوجود فرزدق پر مہربان اور مہلب کے خلاف ہونے کے، عام انتظام کی خاطر، ازدیوں اور انکے سرداروں کے متعلق گالیاں نہ سن سکتا تھا۔ (ڈ زیڈ۔ ڈی۔ ایم۔ جی ۵۹ : ۶۰۱)،

۱۵ء

المہلب بن ابی صفرۃ کی ہجو میں کہتا ہے:

۱۔ لَوْلَا یَدَا بِشْرِ بْنِ مَرْوَانَ لَمْ اُبَلِّ تَکَثُّرَ غَیْظٍ فِی فُؤَادِ الْمُھَلَّبِ

(ترجمہ) اگر بشر بن مروان کے دو ہاتھ نہ ہوتے تو میں مہلب کے دل میں فرط غضب کی کبھی پروا نہ کرتا۔

یدا = دو ہاتھ یعنی مہربانی عنایات۔ لم ابل بجائے لم اُبالِ

مطلب یہ کہ مہلب کی ہجو کہنے سے مہلب کے غضب کے سبب نہیں رکا رہا بلکہ محض بشر ابن مروان کے روکنے سے

۲۔ فَاِنْ تُغْلِقِ الْاَبْوَابَ دُوْنِی وَتَحْتَجِبْ فَمَا لِیَ مِنْ اُمٍّ بِغَافٍ وَلَا اَبِ

(ترجمہ) پھر اگر تو مجھ پر اپنے دروازے بند کر دے اور حاجب مقرر کر دے (تو کیا کر) کیونکہ غاف (کے درخت) کے پاس نہ میری ماں ہے اور نہ میرا باپ (یعنی میں، تیری طرح کمینہ نہیں ہوں۔ دیکھو دیوان ۷۴ شعر ۹ تا ۱۲) معجم ۳: ۷۹۹ میں فان تغلق الابواب دونی وتحجب ہے)

یاقوت نے اس شعر پر یہ نوٹ دیا ہے: قال الفرزدق وکان المھلب حجبه، معجم ۳: ۷۹۹

۳ - وَلٰكِنَّ اَهْلَ الْقَرْيَتَيْنِ عَشِيْرَتِيْ   وَلَيْسُوْا بِوَادٍ مِنْ عُمَانَ مُصَوَّبِ

(ترجمہ) ولیکن دو بستیوں کے بسنے والے میرے قبیلہ کے لوگ ہیں اور وہ عمان کی کسی پست وادی کے رہنے والے نہیں ۔

قریتین = مکہ اور طائف   (قرآن مجید ۔ سورت زخرف ۔ آیت ۳۰)

اهل القریتین = جو معنر   [illegible]

جلد ۹ ۵ صفحہ ۶۰ ،

۴ - غَطَارِيْفُ مِنْ قَيْسٍ مَتٰى اَدْعُ فِيْهِمْ   وَخِنْدِفَ يَاْتُوْا لِلصَّرِيْخِ الْمُثَوَّبِ

(ترجمہ) جب میں ان میں پکارتا ہوں تو قیس اور خندف کے سردار مدد کی لگاتار آواز پر بھاگے چلے آتے ہیں ۔

اذان المثوب = اذان جو بار بار کہی جائے ۔ قیس ایک قبیلہ ہے ۔

خندف = الیاس بن نزار کی اولاد ۔ الیاس کی بیوی کا نام خندف پڑ گیا تھا ۔ اور اسکی اولاد کو ماں کیطرف منسوب کرکے خندف کہتے ہیں ۔ معارف ص۳۱

۵ - وَلَمَّا رَاَيْتُ الْاَزْدَ تَهْفُوْا لِحَاهُمْ   حَوَالَيْ مَزُوْنِيْ لَئِيْمِ الْمُرَكَّبِ

(ترجمہ) لیکن جب میں نے ازد کو دیکھا کہ ان کی داڑھیاں ایک لئیم النسب مزونی کے گرد ہل رہی ہیں ۔

شاعر نے ازدیوں کی داڑھیوں کی طرف اس سے پہلے بھی اشارہ کیا ہے ۔ دیوان ص۴۳ : ۶

المزونی یعنی مہلب بن ابی صفرہ ،

عمان کے بجائے عرب مزون کو حقارت کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں ۔ چنانچہ الکمیت کہتا ہے :

واما الازد ازد ابی سعید   فاکره ان اسمّیها المزونا

۔ مُقَلَّدَةٌ بَعْدَ القُلُوسِ أَرِعَّةً عَجِبْتُ وَمَنْ يَسْمَعْ بِذَالِكَ يَعْجَبِ

(ترجمہ) (جہازوں کی) رسیوں کے بعد گلے میں باگ ڈالے ہوئے! میں نے (یہ دیکھ کر) تعجب کیا اور جو کوئی بھی یہ بات سنے گا تعجب کرے گا۔

اس شعر میں پھران کی قدیم جہازرانی کی طرف اشارہ ہے۔

۷۔ تَعُمُّ أُنُوفًا لَمْ تَكُنْ عَرَبِيَّةً لِحَانِيطِ أَفْوَاهُهَا لَمْ تُعَرَّبِ

(ترجمہ) نبطیوں کی داڑھیاں جو کہ عربی نہیں اور جن کے منہ عربی نہیں بنائے گئے، ناکوں کو ڈھانپتی ہیں۔

یہاں پھران کی داڑھیوں کے متعلق اشارہ ہے۔

۸۔ فَكَيْفَ وَلَمْ يَأْتُوا بِمَكَّةَ مَنْسِكًا وَلَمْ يَعْبُدُوا الأَوْثَانَ عِنْدَ المُحَصَّبِ

(ترجمہ) پھر کیسے (وہ اصل عرب ہو سکتے ہیں)؟ جبکہ نہ وہ مکہ میں منسکِ (حج) بجالانے کے لئے گئے اور نہ انہوں نے محصّب کے نزدیک بتوں کی پوجا ہی کی۔

محصب = مکہ اور منا کے درمیان، مگر منا سے قریب تر ایک جگہ کا نام ہے (معجم ۴: ۴۲۶)

۹۔ وَلَمْ يَدْعُ دَاعٍ يَا صَبَاحَا! فَيَرْكَبُوا إِلَى الرَّوْعِ إِلَّا فِي السَّفِينِ المُضَبَّبِ

(ترجمہ) اور نہ ہی کسی داعی نے انہیں "یا صباحا" کہہ کر پکارا تاکہ وہ سوار ہو کر جنگ کی طرف جائیں۔ وہ نکلے تو لوہا چڑھی کشتیوں میں۔

"یا صباحا" = العرب تقول اذا نذرت بغارة من الخيل تفجؤهم صباحاً "یاصباحاه" ينذرون الحی۔ و يسمون يوم الغارة يوم الصباح لانهم اكثر ما يغيرون عند الصباح ۔ تاج العروس ۔ جزء ۲ ص۱۷۵ سطر ۱۳ ۔ ۱۴ ۔ نیز دیکھو قرآن مجید سورت العاديات) والمغيرات صُبحاً"

۱۰- وَمَا وَجَعَتْ اَزْدِيَّةٌ مِنْ خِتَانِهَا　　وَلَا شَرِبَتْ فِي جِلْدِ جَوْبٍ مُعَلَّبِ

(ترجمہ) اور ازدی عورت نے نہ ختنہ کی تکلیف اٹھائی اور نہ ہی اسنے چمڑے کے بڑے ڈول

میں (دودھ) پیا -

عُلبہ = اونٹ کی کھال کا بڑا ڈول -　مُعَلَّب = وہ چیز جس میں دودھ ڈالا جائے -

۱۱- وَمَا اَنْتَابَهَا الْقَنَّاصُ بِالنَّبْضِ وَالْحِبَا　　وَلَا اَدْلَتْ فَوْزَ الْمَنِيحِ الْمُعَقَّبِ

(ترجمہ) اور نہ شکاری اس (ازدیہ) کے پاس انڈے وغیرہ لایا اور نہ اسنے منیح معقب کا نفع اٹھایا

المنیح = نفع بخش تیر (میسر ۵۹) - منیح وہ تیر بھی ہے جو کچھ فائدہ حاصل نہ کرے - بلکہ نقصان

اٹھائے (میسر ۵۷) - لیکن اس شعر میں اول الذکر مراد ہے -

المُعَقَّب - بار بار آنے والا تیر - یا چونکہ وہ ٹوٹا ہوا ہوتا ہے - اس لئے اسے عقب سے باندھ

دیتے ہیں - ایسے تیر کو المجبّر بھی کہتے ہیں (میسر ۔۔۔)

۱۲- وَلَا سَمَكَتْ عَنْهَا سَمَاءً وَلِيدَةٌ　　[illegible] فَوْقَ اَسْقُبِ

(ترجمہ) اور نہ کسی خادمہ نے اس (ازدیہ) کے اوپر بڑا شامیانہ کو ستونوں پر کھڑا کیا -

مظلہ = بہت بڑا اور اونچا خیمہ

۱۳- وَلَا اَوْقَدَتْ نَارًا لِيَعْشُوَ مُدْلِجٌ　　اِلَيْهَا وَلَمْ يَسْمَعْ لَهَا صَوْتَ اَكْلُبِ

(ترجمہ) اور نہ اسنے کوئی آگ سلگائی تاکہ رات کا مسافر اسکی طرف تاریکی میں آئے اور نہ ہی

اسکے لئے (رات کے مہمان نے) کتوں کی آواز سُنی -

فائدہ : بھولے بھٹکے مسافر کی رہبری کی خاطر ۔۔۔ کو آگ سلگانا ۔۔۔ قبل اسلام میں بدوی سخاوت

وشرافت کا معیار تھا -

۱۴- وَلَا نَشَرَ الْجَانِي ثِيَابًا اَمَامَهَا　　وَلَا انْتَعَلَتْ مِنْ رَهْبَةٍ سَيْلَ مِذْنَبِ

(ترجمہ) اور نہ (سبزی پھل وغیرہ) چن کر (اکٹھا کرکے) لانے والے نے اس کے سامنے بندھا ہوا کپڑا

پھیلایا اور نہ اپنے نالے کے سیل کے خوف سے اپنا ٹھکانا بدلا۔

مذانب = نشیب زمین میں بہنے والا تیز رو نالہ

۱۵۔ وَلَا أَوْقَصَ الرَّاعِي إِلَيْهَا مُعَجِّلًا ۔ بِوَطْبِ لِقَاحٍ أَوْ سَطِيحَةِ مُعْزِبِ

(ترجمہ) اور نہ چرواہا کسی (تیز رفتار) اونٹنی کو اس کی طرف لایا تاکہ وہ دھیلی اونٹنی کے دودھ سے بھرے ہوئے مشکیزے یا (ریوڑ کو) دور لے جانے والے چرواہے کے پانی کے مشکیزہ کو اس تک جلدی پہنچائے۔

مطلب یہ کہ ازدی، بدویوں کی طرح دیہاتی زندگی بسر نہیں کرتے جہاں انہیں شکار نصیب ہو، جنگل کی کھلی ہوا میں خیموں میں رہیں۔ رات بھر بھولے بھٹکے مسافر کے لئے آگ روشن کر رکھیں۔ انہیں کھلے صحراؤں میں تیزی سے بہتے ہوئے نالہ کو عبور کرنا پڑے یا ان کے مویشی دور کھیتوں میں چرنے کے لئے جائیں اور شام کو واپس آئیں۔

یزید بن المہلب :-

[فرزدق کے اشعار میں، مہلب کے دوسرے بیٹوں میں سے، صرف یزید بن المہلب کے متعلق قابل ذکر تاریخی مواد[1] ہے۔ اسلئے آل مہلب کے مجموعی حالات سے قبل یزید کا مختصر سا تذکرہ پیش کیا جاتا ہے]

خوارج کے خلاف مہمات میں یزید اپنے باپ کے ساتھ برابر موجود رہا اور انتہائی جوانمردی سے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ اس طویل جنگ سے فارغ ہونے کے بعد مہلب نے اسے کرمان کی حکومت دے دی (مبرد ص ۶۹۶)۔ جب مہلب نے کش پر چڑھائی کی جب بھی یزید اپنے باپ کی معیت میں دشمن سے لڑا۔ ۸۲ھ میں مغیرہ بن المہلب فوت ہو گیا۔ اسوقت مہلب نے یزید کو ضروری ہدایات کے بعد مرو بھیج دیا (طبری ۲: ۱۰۷۷) باپ نے مرتے وقت اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد مقرر کیا اور باقیوں کو اس کا حکم ماننے

[1] مروان بن المہلب کے متعلق بھی دو تین اشعار ملتے ہیں جنہیں یزید کے تذکرہ وغیرہ کے اختتام پر درج کیا جائیگا۔

[ب]یعت کی[1] - یزید کی عمر اسوقت تیس یا بتیس سال کی تھی - مہلب کا نہایت [بہ]ادر بہادر بیٹا المغیرہ، باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو چکا تھا - جوان بیٹے کی موت کا باپ کو سخت صدمہ ہوا - اگر مغیرہ زندہ رہتا تو غالباً یزید کی جگہ اپنے باپ کا نائب مقرر ہوتا -

تھوڑا عرصہ یزید کو برقرار رکھنے کے بعد حجاج نے (عبدالملک کی اجازت حاصل کر کے) اسے معزول کر دیا - اور اسکی جگہ عارضی طور پر اس کے بھائی مفضل کو دے دی - پھر قتیبہ بن مسلم الباہلی - ہاں کا عامل مقرر کر دیا گیا - حجاج نے یزید اور اسکے بعض بھائیوں کو جو اس کے ہاتھ آئے قید کر لیا - حجاج، یزید کی طرف سے سخت خائف تھا - کیونکہ کاہن لوگ اسے بتلاتے تھے - کہ اسکی جگہ ایک شخص یزید نامی لے گا - اسنے بارہا یزید کو مخفی طور پر قتل کر ڈالنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا اسنے مہلب کی اولاد کو بہت اذیت پہنچائی - اور سخت سزا دی - یہاں تک کہ یزید تنگ آ کر اسکی قید سے سلیمان بن عبدالملک کی طرف بھاگ گیا - سلیمان نے اسے اپنے بھائی ولید سے، جو خلیفہ وقت تھا، امان دلا دی[2] -

ولید کی موت کے بعد سلیمان تخت نشین ہوا - اسنے یزید کو عراق کی حکومت عطا کی - یزید حجاج کی طرح رعایا پر سخت گیر ہونے کو غیر مستحسن خیال کرتا تھا اس لئے مالیات کے محکمہ کے لئے اسنے خود خلیفہ سے کہہ کر صالح بن عبدالرحمن کو مقرر کروایا - لیکن جلدی ہی صالح کی قیود سے تنگ آ کر اسنے عراق سے خراسان کو تبدیلی کرالی[3] -

خراسان کی حکومت کے دوران میں یزید نے (۹۸ھ میں) دہستان - جرجان اور طبرستان کے علاقے فتح کئے اور بہت سا زر و جواہر اس کے ہاتھ آیا - یزید

[1] معارف صفحہ ۲۰۴ [2] وفیات ۲ : ۴۱۴ [3] طبری ۲ : ۱۲۱۲ [4] طبری ۲ : صفحہ ۱۳۰۶

نے باوجود کاتب کے روکنے کے سلیمان کو لکھا کہ میں سیم و زر سے لدے ہوئے اونٹوں کی اتنی لمبی قطار بھیجوں گا کہ اسکا پہلا اونٹ آپ کے ہاں پہنچا ہوگا۔ اور آخری ابھی میرے پاس ہوگا[1]۔

سلیمان فوت ہوگیا اور عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے۔ اس خط کی بنا پر انہوں نے یزید سے مال طلب کیا۔ مگر یزید نے انکار کردیا اور کہا کہ وہ تو صرف لوگوں میں شہرت حاصل کرنے کی غرض سے تھا۔ اور اسکی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اسپر یزید کو قید میں ڈال دیا گیا[2]۔

سنہ ۱۰۱ھ میں عمر بن عبد العزیز بیمار ہوئے۔ ان کے بعد یزید بن عبد الملک خلیفہ ہونے والا تھا۔ یزید ابن عبد الملک کا دل یزید بن مہلب کی طرف سے مکدر تھا۔ اور اسنے یزید بن مہلب کو مار ڈالنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔ ابن مہلب کو بھی اس کے کینہ کا خوف تھا۔ لہذا وہ بھیس بدل کر عمر بن عبد العزیز کی قید سے بصرہ کی طرف بھاگ نکلا[3]۔ عمر بن عبد العزیز کے انتقال سنہ ۱۰۱ھ کے بعد یزید بن عبد الملک برسر حکومت ہو گیا تو یزید بن المہلب نے بصرہ کو فتح کرکے اسکے حاکم عدی بن ارطاۃ کو قید کرلیا۔ اور ابن عبد الملک کے خلاف بغاوت کا اعلان کردیا[4]۔

خلیفہ نے اپنے بھائی مسلمہ اور اپنے بھتیجے عباس کو ابن مہلب کے خلاف جنگ کرنے کے لئے ایک کثیف فوج دے کر بھیجا۔ ابن مہلب نے بھی فوج جمع کی اور آٹھ روز کے وقفہ کے بعد عقر بابل پر دونو لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ سخت جنگ ہوئی جس میں ابن مہلب اور اسکے رفقا بھاگ گئے۔ لیکن کسی نے یزید ابن مہلب کو بتایا کہ تیرا بھائی حبیب مارا گیا۔ اب وہ یہ کہہ کر کہ حبیب کے بعد زندگی میں کیا رکھا ہے؟

---

[1] فتوح البلدان ۳۳۶ وفیات ۲: ۲۱۷ [2] طبری ۲: ۱۳۵۰ [3] طبری ۲: ۱۳۵۹-۱۳۶۱ [4] طبری ۲: ۱۳۷۹-۱۳۹۵۔

پھر مقابلہ کے لئے واپس ہوا۔ اسکے استقلال کو دیکھ کر کئی بھگوڑے واپس آ گئے۔ اور دوبارہ ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ قحل بن عیاش نے ابن مہلب کا رخ کیا اور بالآخر اسے جا لیا اور اس پر اپنی تلوار کا وار کیا۔ یزید بن مہلب نے بھی تلوار چلائی اور ایک نے دوسرے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یزید کا بھائی محمد بن مہلب بھی مارا گیا۔ اور اس کے آدمی بھاگ گئے۔ یہ واقعہ ۱۰۲ھ میں ہوا۔ اور عقر بابل کے نام سے مشہور ہے۔ یزید، مہلب کی بڑی زوجہ کے بطن سے تھا۔ خلیفہ بن خیاط کے نزدیک بوقت قتل[1] یزید کی عمر ۴۹ سال کی تھی۔ اور وہ ۵۳ھ میں متولد ہوا[2]۔ وہ اپنے سب بھائیوں سے زیادہ خوبصورت تھا[3]

یزید اپنے باپ سے کم سخی نہ تھا۔ انتہائی مصیبت اور ضرورت کے وقت بھی وہ اپنی سخاوت کی عادت کو نہ چھوڑتا۔ اسنے ایک دفعہ ایک عورت کو دودھ کے پیالہ کے صلہ میں ۱۰۰۰ درہم عطا کئے۔ ایک حجام کو ۴۰۰۰ اور ایک دوست کو باصرار تمام ۵۰۰۰ درہم دئے[4]۔

یزید بہت نڈر تھا اور کسی سے نہ دبتا تھا۔ لوگوں نے اس سے ایک دفعہ پوچھا کہ آپ اپنا ذاتی محل کیوں نہیں بنواتے؟ جواب دیا " اس لئے کہ میرا گھر یقیناً دو جگہوں میں سے ایک ہوگا: دار الامارہ یا قید خانہ[5]"

[ع۲۸۳ اور ع۶۳۵ دونو یزید کی حکومت کے ابتدائی زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں]

---

[1] طبری ۲: ۱۳۹۷ - ۱۴۰۷! [2] وفیات ۲: ص۴۲۹ [2?] وفیات ۲: ۴۲۹ + ابن خلکان نے ۲: ص۴۱۴ پر ۸۳ھ میں مہلب کی وفات کے وقت یزید کی عمر تیس بتیس سال بتائی ہے۔ اس حساب سے بھی یزید کا سن پیدائش تخمیناً ۵۳ھ ہی نکلتا ہے۔ [3] اخبار طوال ص۲۸۹ [4] وفیات ۲: ۴۱۵'

[5] عیون ۱: ۲۳۶'

یزید بن المھلب کی ہجو میں :-

۱ - لیس ابن دحمة ممن فی مواثقہ الٌّ ولا فی عمانٍ یُطلبُ الدینُ

(ترجمہ) ابن دحمہ ان لوگوں میں سے نہیں جنکے عہد میں رشتہ داری کا پاس ہو۔ اور نہ ہی عمان میں کوئی دینداری پائی جاتی ہے۔

دحمہ - مہلب کی بیوی - یزید کی ماں - دیکھو حاشیہ دیوان ۲۳۵

۲ - قومٌ رِبَاحُھُمُ المَرَادِیُّ حَیثُ غَدَوْا اِذَا تنفّش فی الرِّیحِ العثانینُ

(ترجمہ) یہ وہ لوگ ہیں جنکے نیزے ہمیشہ ان کے چپو ہیں - جہاں کہیں وہ بوقت صبح وارد ہوں جبکہ لمبی داڑھیاں ہوا میں بکھرتی ہیں

(قرآن مجید میں ہے — وتکون الجبال کالعھن المنفوش)

مُردیٌّ = چپو - دیکھو بلاذری ص۳۷۳ و بُدّلتم الرماح بالمرادی

عُثنُونٌ (ج عثانین) لمبی داڑھی -

۲۳۵ درہجو یزید بن المہلب :-

کم لک یا ابن دحمة من قریبٍ مع التُّبّانِ یُنسبُ والزیار

(ترجمہ) او دحمہ کے بیٹے ! تیرے کتنے قریبی ہیں جو کاچھوں اور جہاز کی رسیوں کے ساتھ منسوب کئے جاتے ہیں (یعنی کاچھے پہن کر کشتی چلاتے ہیں)

الزیار = القلس

یظلّ یدافعُ الاقلاعَ منھا بملتزم السفینة والحتار

(ترجمہ) وہ (یعنی یزید بن مہلب کا نسیب) بوقت خوف جہاز کے بادبانوں کو پھیرتا رہتا ہے (اپنے جسم کے ان حصوں کے ساتھ جو کشتی سے لگے ہوئے ہیں اور رسے کے ساتھ (بھی)

ملتزم = [illegible] قال الحرمازی الحتار قلسٌ دقیقٌ

إذا نُسِبَتْ عُمانُ وجدتَ فیها مذاهب للسفین والمصراری

(ترجمہ) جب عمان نسب بیان کیا جائے تو اس میں کشتی اور ملاح کے مذاہب پائے گا

الصواری = الملاح

اولٰئک معشرٌ اقعوا جمیعاً علی لؤم المناقب والنجار

(ترجمہ) یہ وہ گروہ ہے جو تمام کا تمام مذموم رسوم اور ذات اصل پر جم کر بیٹھ گئے ہیں

اقعوا = کتے کی طرح گوٹھ مار کر بیٹھ جانا -

اری دارا بیترفعها جدیعٌ کالأم ما نکون من الدیار

(ترجمہ) میں اس گھر کو جسے جدیع شرف بخشتا ہے - تمام گھرانوں میں سب سے زیادہ ذلیل سمجھتا ہوں

جدیع بن سعیدی قبیصہ (اخی ظالم) ابن سراق الازدی (دیکھو دیوان فرزدق ص۱۱۶)

علی أساس عبدٍ من عمان تقتّل فی رفاق ابی صفار

(ترجمہ) وہ گھرانا عمان کے ایک ایسے غلام کے بل قائم ہے جو ابو صفرہ کی رسی میں (بندھا ہوا) دودھ دوہتا ہے +

التقتّل ھھنا الحلب بنصف النھار

مطلب یہ کہ ابو صفرہ ایک ایسا غلام ہے جو آقا سے بھاگ جائے اور پھر اسے پکڑ کر رسی سے باندھ دیا جائے +

فہرستِ قوافی کتاب النوادر

ابو زید الانصاری

ابو زید انصاری (م ۲۱۵ھ) کی تصنیفات میں سے کتاب النوادر فن لغت کی ایک نادر تصنیف ہے۔ جو اڈیشن ۱۸۹۴ء میں بیروت میں طبع ہوا اس میں دو فہرستیں موجود ہیں یعنی فہرس اسماء الرجاز والشعراء اور فہرس ما ورد له تفسیر من الفاظ اللغة او توجیه نحوی او لغوی۔ مگر فہرس القوافی نہیں ہے۔ حالانکہ اس کی بہت ضرورت تھی۔ یہ فہرست مولوی علی محمد سندھی مولوی فاضل بہاولپور سکالر نے میرے ایما اور مشورے سے مرتب کی ہے ترتیب قوافی کے اصول وہی ہیں جو اصحاب دار الکتب المصریہ نے عیون الاخبار کے اڈیشن مطبوعہ ۱۳۴۸ھ میں مد نظر رکھے ہیں (اڈیٹر)

صدر البیت	قافیہ	بحر	ص	صدر البیت	قافیہ	بحر	ص
(ء)				لاتخلنا	الأعداءُ	خفیف	۱۹۸
نعفضت	الْقَارِئ	بسیط	۶۵	بارض	مَضَائِيُ	متقارب	۴۲
ولکن	وَالتِعَاءُ	وافر	۱۲۸	(ل)			
تجد	الرجزاء	کامل	۴	انی	رضا	طویل	۸۰
بجف	ثریایئه	رجز	۱۳۱	مهما	کالفتی	//	۱۱۲
م علینا	غبراءُ	خفیف	۸	فدع	ماأتمی	//	۱۶۶

لہ آخرہ ، لسان العرب ج ۱۹ — ۵۹ – قلا

[1] وآخره فى لسان العرب ج ١ – ١٤٢ اغضب
[2] وآخره فى لسان العرب ج ١٤ – ١٠٢ شتى

صدر البیت	قافیۃ	بحر	ص
یا قبّح	الذّاتِ	رجز	۱۰۷
بعد	تَرَدّتِ	〃	۱۲۲
یا قاتل	النّاتِ	〃	۱۴۷
خیر	حَیاتیُ	〃	۵۰
انی اذا	مُنکراتی	〃	۱۶۵
قد انکرت	جَبهَتی	〃	۲۵۵
یا ام	جُعُتَا	〃	۱۶۳
بنفع	الخَبیثُ	خفیف	۱۰۷
ربما	شمالاتُ	〃	۲۱۰
	(ج)		
الم تر	اَنجُ	طویل	۷۳
بکل	وَاَعوَجُ	〃	۱۵۸
لقد علمت	خَرُوجُ	〃	۱۸۰
قد بکرت	وَنَاجِ	رجز	۱۰۵
اصبحن	الصَّبَاحِ	〃	۱۳۱
قد بکرت	الزّجاجِ	〃	۱۳۶
یا رب	ینجُ	〃	۱۶۴
	(ح)		
اذا قلت	مَازِحُ	طویل	۱۲۲
الا ان	وَمَنادِحُ	〃	۱۵۷

صدر البیت	قافیۃ	بحر	ص
وانی	صَائِحُ	طویل	۱۷۷
لعیناک	مَرُوحُ	〃	۲۳۸
اذا نظرت	صباحِ	وافر	۱۳۱
ھذا	بَراحِ	رجز	۸۸
نحن	ملحاحا	〃	۴۷
قد کنت	الصّراخ	〃	۸۵
	(د)		
وما ذاک	عُدُودُ	طویل	۴۰
اعلل	غَدُ	〃	۱۵۵
ومشعلة	عائِدُ	〃	۱۶۱
اذا ما	سَتَعُودُ	〃	۱۸۱
اذا انت	تَتَزَیّدُ	〃	۲۴۰
لقد	تُرَافِدُہْ	〃	۱۲۳
ونار	وَقُودُھا	〃	۱۰۶
من اللائی	اَلبَلِدِ	〃	۱۳۶
اصبحت	مَوعِدِیَ	〃	۱۱۸
الیک	اَلمُقَدَّدا	〃	۱۱۳
فقعدک	اَوْرَدا	〃	۱۴۸
وصل	فَاَحمَدا	〃	۲۱۰
من امر	اللَّبِدُ	بسیط	۸۵

صدر البیت	قافیة	بحر	ص
لایدرکنک	وَتَصْعِیدِی	بسیط	۱۸۶
اذاتجاوب	الْجَلَدَا	"	۳۰
یا نصر	الْبَلَدَا	"	۱۵۲
المتر	الْجُنُودُ	وافر	۱۱۸
المیانتیک	زِیَادِ	"	۲۰۳
فلم تر	وَبَادِ	"	۲۳۰
اما	الاَیَادِی	"	۵۶
تقوه	الجُدُودَا	"	۴
واذهی	آأُجُودَا	"	۲۰
رأیت	عَدِیدَا	"	۲۷
لقد	فُؤَادَا	"	۷۸
من دون	مُؤسَدُ	کامل	۷۵
القوا	وَجُدُودُ	"	۱۴۸
مازالت	الْمَجْهُودُ	رجز	۲۰۵
ماکان	الْجِیَادِ	"	۱۴
جاریته	وَلَهِدِ	"	۹۳
لما	مُسْتَعِدِّ	"	۱۰۱
یاحی	مَسْعُودِ	"	۲۳۲
ولایدم	حدادِ	"	۲۵۰
اذا	الْکَئُودَا	"	۸۱

صدر البیت	قافیة	بحر	ص
وان رأیت	مِزْدَادَا	رجز	۱۶۴
علام	عَدَدَا	"	۱۶۵
قدنی	قَدْ	"	۲۰۵
من بکدنی	وَالْوَرِیدِی	خفیف	۶۸

(ر)

صدر البیت	قافیة	بحر	ص
لهن	لَیَسِیرُ	طویل	۲۸
لناتلة	یُوَاعِرُ	"	۳۴
وان خشعت	الصَّقْرُ	"	۴۲
لوان	عَمْرُو	"	۷۹
ابلغ	یُؤَامِرُ	"	۱۰۸
الاهی	غُرُورُ	"	۱۲۲
وجدت	الْفَقْرُ	"	۱۷۹
عجبت	وَاَخْسَرُ	"	۱۸۱
هدان	جَرُورُ	"	۱۸۲
لما اتینا	آزْبَرُ	"	۱۸۲
سمین	آبْتَرُ	"	۱۸۳
انی	نَاظِرُ	"	۲۱۳
وان	وَالْغَفَائِرُ	"	۲۵۲
وسود	سَادُهَا	"	۲۶
لعلک	آزُودُهَا	"	۷۲

ٰله واوله فی لسان العرب ج ۹ - ۱۱۹ - قربة

صدر البیت	قافیة	بحر	ص	صدر البیت	قافیة	بحر	ص
الا ایقت	لا یضیرُها	طویل	۱۰۶	اِنّی	آفْجَرَا	طویل	۱۱۴
ولوکنت	تُثِیْرُهَا	″	۲۰۳	ومن	تُبَصَّرَا	″	۱۲۳
فقدست	حَاذِرُهْ	″	۱۸۹	ومن	بَقَصُ	″	۶۶
غضب	اَنَاظِرُهْ	″	۱۹۰	غضبتم	مُبَطِّرُ	″	۹۶
لعمرک	اَلْعُوبِی	″	۲۸	الست	عُقَنُ	″	۱۷۶
فان کنت	عُقَرِ	″	۶۶	ما مع	وَکَأَرُ	بسیط	۳۷
فان کنت	فَأَنْکَرِ	″	۶۸	یا فرط	حَدِیدُ	″	۶۱
صنیة	مُحْتَبَرِ	″	۷۰	انی	تَسِحَرُ	″	۷۳
وَمَا انا	ببصیر	″	۷۹	لاتیاری	یَقْتَفِرُ	″	۷۶
ابومالک	عامِرِ	″	۱۰۱	یا ضیعا	قَرَاقِیْرُ	″	۷۶
فلم	اَلْوَبَرِ	″	۱۱۲	مااثروک	اَلْاَشَرُ	″	۸۷
لعمرک	بِمُنْقِرِ	″	۱۱۹	یا تیم	عُمَرُ	″	۱۳۹
لقد	اَلْمُشَهَّرِ	″	۱۲۴	ماکان	عُمَرُ	″	۲۰۵
المرشر	بَکَرِ	″	۱۵۶	یا عین	الدُّبُرِ	″	۶
لعاذب	التشذُّدِ	″	۱۸۲	لاارضع	الجارِ	″	۲۲
اذا	وَلَاصِفِرِ	″	۲۶۰	تشلی	وَالْقَصِّ	″	۱۱۳
انی	ولایَشْرِی	″	۱۰۰	المنعمون	اَنْصَارِی	″	۱۵۰
لعلک	بکاریا	″	۷۳	خالت	اَلْغِیَرَا	″	۱۰۶
انبثت	مُتَسَاکِرَا	″	۶۸	شبہت	زُمَرَا	″	۱۴۱
لا	تَغَمَّرَا	″	۷۶	یا دار	الکَدَرَا	″	۲۲۴

صدر البیت	قافیہ	بحر	ص
وجدنا	المُعَاشِر	وافر	۳۲
فليت	القُبُورُ	"	۸۰
فان	كَثِيرُ	"	۱۱۸
احين	مُسْتَشِيرُ	"	۱۶۲
تمنع	عَرَاسِ	"	۲۶۱
كان	العِرَارَا	"	۱۱۶
هلمي	الحِمَارَا	"	۱۸۳
ولقد	اَنْشُرْ	كامل	۱۵
افكلما	عَابِرُ	"	۱۴۲
ان كنت	بَدْرِ	"	۱۰۸
صبر	الفَقْرِ	"	۱۰۹
ابنى	آثَارِ	"	۱۱۴
بكى	الذِكْرِ	"	۲۰۵
عمن	الْمَعْذُورِ	"	۲۳۷
يسعى	مُشِيرًا	"	۱۱۳
وكانه	وَاَمْطَرَا	"	۱۴۷
هاان	مُطِرُّ	مجزوء الكامل	۹۷
قل	خَفِيرُ	رجز	۱۲۸
ولست	لِلْكَاثِرِ	"	۲۵
مَنَحْتُهَا	بِالضِرَارِ	"	۶۰

صدر البیت	قافیہ	بحر	ص
وكثرة	القَتِيرِ	رجز	۸۲
مالک	تَجْرِی	"	۶۰
يا ربة	مِحْوَرِي	"	۲۴۶
فسحرت	عَنَابِرِهَا	"	۵۷
جاؤوا	الشَّرَا	"	۹۱
لن يعدم	حَزْوَرَا	"	۱۳۰
فلاتلوماني	المُغَافِرَا	"	۲۵۷
تامل	نَوَاهُمَا	"	۱۷۲
تدامرنی	النَاهِرَة	"	۱۳۸
افلح	مَرَّة	"	۱۴
من اى	قَدِرُ	"	۱۳
يخبطن	الكَمَرْ	"	۴۹
وزاد	قَصَرْ	"	۱۰۰
ان لم	يُزَرْ	"	۱۴۶
امجوار	القِصَرِ	"	۱۶۵
يضربن	المَعْذُور	"	۲۳۶
لاادلج	اَبْتَكِرْ	"	۲۴۹
لست	مُنتَشِر	"	۲۴۹
ثم زادوا	فَخَرْ	رمل	۱۰
لم يك	بِالشَرَرْ	"	۷۷

صدر البيت	قافية	بحر	ص
نحن	يَنْتَقِرْ	رمل	۸۴
هذرياں	نَشِزْ	"	۲۲۴
اقف	وَالْبَقَرْ	منسرح	۱۵۸
تسبح	اَلْحَوَاجِزِ	متقارب	۶۴
اضمر	بِالْمِرَادِ	"	۱۵۵
فابرحت	جاراً	"	۵۵
تجانف	النُّذُرُ	"	۶۳
لعمرى	الشَّجَرُ	"	۱۱۴

(ز)

ان العجوز	قَفِيْزا	رجز	۱۶۲

(س)

اقاتل	اَلْكَيِّسُ	طويل	۷۹
وقفت	اَخْرَسِ	"	۱۶۵
فلم ادر	فوارِسَا	"	۵۹
قدسرت	جَسَّاسِ	بسيط	۱۵۱
واستلب	الجَلِيسُ	كامل	۲۹
اماالهنك	لمتيّسِ	"	۲۸
كانهن	الشَّمْسُ	رجز	۲۵
مازال	للشمسِ	"	۱۲
قداغتدى	الخَمِيسِ	"	۱۵۱

صدر البيت	قافية	بحر	ص
رب	مُوَاسِ	رجز	۱۶۵
ملسا	اَلشَّمْسَا	"	۱۱
لقد رأيت	خَمْسَا	"	۵۶
نومت	ونفسا	"	۶۰
اأن	عَابِسَا	"	۱۳۳
وصاحب	أَحْلاسَا	"	۱۶۸
فقشت	نَفْسُ	رمل	۲۴۰
أضرب	الفرسِ	منسرح	۱۳

(ش)

صبحن	المُشَاشِ	رجز	۱۰۵

(ص)

اماترينى	مناصِى	رجز	۱۴۴

(ض)

اصبح	قابضُ	طويل	۶۲
مابال	اَلْمَرِيضِ	رجز	۱۳۰
ارق	نُهُوضِ	"	۲۲۲
وقربوا	مغرضة	"	۱۱۴
ياامن	مَضِيْضَا	"	۵۲
وصاحب	تمخمضا	"	۱۶۸

[۱] وآخر فى لسان العرب ج ۴ - ۲۲۳ مسخ

[۲] واوله فى لسان العرب ج ۳ - ۲۳۵ سبرج

[۳] واوله فى لسان العرب ج ۹ - ۸۶ فيض

صدر البیت	قافیہ	بحر	ص
کانما	ظَلَفُ	بسیط	۴۶
یقلب	مُسْتَطِیعُ	وافر	۱۱۶
نعم	عِجَافُ	کامل	۱۰۷
واطعن	اَسْدَفَا (ق)	رجز	۱۷۷
تقول	وَذَائِقُ	طویل	۳۳
وانی	لَحَقِیقُ	"	۱۹۲
وصلت	وَعَقِیقُ	"	۲۱۳
فاقسمت	وَشَقَائِقُهُ	"	۷۱
وکنا	البوارِقِ	"	۶۴
لهوت	شَبَارِقَا	"	۴۷
ساشکر	فَتَمَزَّقَا	"	۱۵۲
اتته	تَفَلَّقَا	"	۱۶۳
انی	وَالْاَرَقُ	بسیط	۱۴۰
یا ایها	الخُلُقُ	"	۱۸۱
الم	بِالْحِقَاقِ	وافر	۱۶۶
فلولا	وَالْحِقَاقِ	"	۱۵۱
افقت	الطریقا	"	۱۸۰
یالیت	ونیاقُ	کامل	۱۰۶
یاعمر	وَلَاتَشْتَاقُ	رجز	۱۱۴

صدر البیت	قافیہ	بحر	ص
یا ایها	الطَّرِیقِ	رجز	۱۰۲
انقذ	لِلرُّسْتَاقِ	"	۱۰۵
ان سرک	طَارِقِ	"	۱۲۹
لقد	اللَّازِقِ	"	۱۳۶
ماهن	وَلَاتَسَاقِ	"	۱۲۰
ان سره	بُوقُ	"	۲۱۵
(ک)			
الم تک	الالکا	طویل	۱۵۴
اسمع	کَدَّاعا	رجز	۹۰
اشبه	ذَاکا	"	۹۲
یا ابن	اِلَیْکا	"	۱۰۵
اذا	بَکَّہ	"	۱۲۸
(ل)			
بلاد	نَبْسُلُ	طویل	۳
زیادتنا	نَتَشْلُو	"	۴
زیادتنا	نَتَشْلُو	"	۲۷
تقاک	یَغْسِلُ	"	۲۷
فهذا	راحلُ	"	۱۰۹
ان کان	الاناملُ	"	۵۳
لعمری	وشُغالُ	"	۱۱۵

صدر البیت	قافیہ	بحر	ص
فیوما	تَغَوَّلُ	طویل	٢٠٣
فان لا	عَنسَلُ	"	٢١٩
الاخبرتنی	تَقَوَّلُ	"	٢٢٠
ضحا	قَبَلُ	"	٢٢٩
وذی رحم	بلالها	"	١٥٤
عبأت	مُقَاتِلُهُ	"	٢٢٣
وان تلقنی	وَاُخذُلِ	"	٢٠
فلیت	بالِ	"	٢٥
قلیلة	سِلسالِ	"	٣٧
علی	بیلالِ	"	٤٨
اعاذل	اَلغَوائلِ	"	١٥٥
ودسنا	حَنظَلِ	"	١٥٩
غدت	مَجهَلِ	"	١٦٣
یصیح	وَاَفکَلِ	"	١٨٤
الاالاری	بجلِ	"	٢٠٧
اعیاش	فاصطلی	"	١١٣
ابی	تَبلا	"	٤١
ابا	اَسفلا	"	١١٥
شدید	اَکُلا	"	١٢٥
اخذی	ذُبّلا	"	٢٠٨
اتعرف	اَوَّلا	طویل	٢٠٨
کل امریٔ	فَضلا	"	٢٢٣
قدینعش	الشَّمَلُ	"	٢٩
تذکرت	یَتَمَلَّلُ	"	٣١
الا	اَلاَجبَلُ	"	٨٣
یجنی	تَخییلُ	بسیط	٩
انی الی	اَلجَبَلِ	"	١٤٣
یاکاس	مالِ	"	١٥٤
کم من	اِقلالِ	"	١٤٨
اقسمت	اَزوالا	"	٦٥
لما	بَعَلا	"	٤١
وقصرک	اِبتِذالُ	وافر	١٩
الاقالت	الحِبالُ	"	٧٦
دعوت	اَقُولُ	"	١٢٧
ترکت	عَوِیلُ	"	١٤٨
کان	مُثُولُ	"	١٥١
ماتنفک	اَلفَصِیلُ	"	١٨٦
کمیت	الحِبالِ	"	١١٥
فابلغ	مَالِ	"	١٣١
سقی	هِلالِ	"	٢١٣

صدرالبیت	قافیته	بحر	ص	صدرالبیت	قافیته	بحر	ص
فخبروا	بَالَا	وافر	۲۱	وعتل	زُحَلْ	رجز	۲۵۳
سمعت	مبلالا	"	۳۲	کل شیٔ	جَلَلْ	رمل	۱۳۴
لا ینعمون	بِالْاَوْصَالِ	کامل	۲۵	فعرفنا	بِاَبْلَلْ	"	۱۵۷
ومطیات	الْاَظْلَلِ	"	۷۷	فسلام	الْقِلَالِ	خفیف	۳۸
اجبیر	فاعجلِ	"	۱۱۳		(م)		
تشکو	اَمْلَلِ	رجز	۲۴	وقدعلم	وَآکْرَمُ	طویل	۲۰
اعمر	الْاَجْلَلِ	"	۴۴	افاطم	بیتیم	"	۱۲۶
یبری	مِذْیَلِ	"	۱۶۵	عفا	فَمِنیمُ	"	۱۴۰
یقلن	کَالْمَشْکُولِ	"	۱۷۷	اصبحت	هِیَامُهَا	"	۲۲۶
اذرام	بِجَحْفَلِ	"	۲۴۰	وقدمات	وحاتِم	"	۳۵
ان تخلی	اَلْمُوَلِّی	"	۵۳	فلم ار	وَمُسْلِمَ	"	۱۴۲
ویبها	وَلَا تَعَالَهُ	"	۱۳	اسرک	اَلْمُحْتَلِم	"	۱۴۴
ساقطهن	خَصَلَا	"	۱۴۵	المتر	فَهَاشِم	"	۱۵۰
یاصاحبی	اَلْمُحِیلَا	"	۱۶۵	الحی	مُکَلَّم	"	۱۵۶
انکلن	الشَّحِیَالَا	"	۱۸۷	ومجهولة	وَنَائِم	"	۱۶۰
علمنا	بِالرِّحِلْ	"	۳۰	ادارم	التَّهُم	"	۱۸۱
یاام عمرو	یَصِلْ	"	۴۰	ان اسل	اَلْحَمَائِمُ	"	۲۱۴
یاایهذا	یُصَلْ	"	۳۹	فلن	وَآنْعَمَا	"	۵۳
اشبه	وَکَلْ	"	۹۲	وعاذلتان	تَلُوْمَا	"	۱۰۹
ویل	الشَّلِیْلُ	"	۲۴۴	الم تعلمی	آنَکَرتَمَا	"	۱۸۲

وآخره ۱۱،۱۱ ۱۳۴۰ - ۱۲۴ - حلا

صدر البيت	قافیہ	بحر	ص
ولع	مُقَتَّمَا	طويل	٢٣٩
اقيس	تُذَمَّمُ	"	١٢٦
فاتى	سُلَمَهْ	مديد	٥٥
كانت	وَلَمْ تُلِمِ	بسيط	١١
انا ذممنا	من تَمِيمِ	"	٢٦
الاقالت	الكَرِيمِ	وافر	١٦
رأيتكم	اللِّحَامُ	"	١٥٢
تسائلني	تَمِيمُ	"	١٥٣
واهلكني	اَسْتَقِيمُ	"	٤١
فانك	اَلاَدِيمُ	"	٢٢٤
فيا ندما	حِلمِي	"	٣٣
فلا تتشلل	وَلَن تُلَامَا	"	٧
وما عهد	أُمَامَا	"	٣١
الااضحت	أُمَامَا	"	٣١
وغار	مُقَامَا	"	١٢٣
اخى	الخِذَامَا	"	٤٥
الاالله	أُمَامَا	"	١٤٧
ابنى	اَكْرَمُ	كامل	٢٤
فتعلمن	صُرُوم	"	٢٨
ومقامة	قِيَامُ	"	٢٥٧

صدر البيت	قافیہ	بحر	ص
بنى	وَالطَّعِيمِ	رجز	١٣٤
ارسل	يَعْلَمُهُ	"	١٦٦
اماترى	مُلهَزِمُهُ	"	٥٢
يا ايها	سَوَامُهُ	"	١٢٩
جارية	تَضَمُّهَا	"	١٠٢
لاتحسبن	اليُرْثُمِ	"	١٨٩
ماوى	بِالْمِيْسَمِ	"	٥٥
يحسبه	لم يَعْلَمَا	"	١٣
ان لنا	اِخْطَامَا	"	١٢
خبرت	الأرْمَا	"	٨٩
انى	يا اللّهُمَّا	"	١٦٥
ياخازباز	لَارِمَا	"	٢١٩
ياخازباز	لازِمَا	"	٢٣٥
اتخنت	سُدَامَا	بسيط	٣٤٤
مامن	رَئِمُ	متقارب	١٧٩
وقمير	قُومَا	خفيف	٢١٠

(ن)

صدر البيت	قافیہ	بحر	ص
اذا ضيع	قَمِينُ	طويل	٢٠٤
يسوق	لَعِيْنُ	"	٢٤٨
وكنا	تُدِيْنُهَا	"	٢٢٣

صدر البیت	قافیه	بحر	ص	صدر البیت	قافیه	بحر	ص
مررت	بُسْتَانِ	طویل	۶۵	تعددنا	مُقْتَوِینَا	وافر	۱۸۸
فلافتک	وَدَدَانِ	″	۶۶	وعان	الْآخِرِینَا	″	۱۹۱
وقبلک	الأَبَانِ	″	۱۴۸	مر	بِالأَظْعَانِ	کامل	۴۰
الایا اسلمی	حَزِینَا	″	۲۴	اودی	ظُعْنَیَانِ	″	۱۴۰
ختام	وَعِبْدَانُ	بسیط	۸۷	فرخت	والدَّبِینِ	رجز	۴۸
ختام	وَعِبْدَانُ	″	۱۷۷	کان	مَجْنُونِ	″	۶۰
مهلاً	تلینوا	″	۴۷	قدجعلت	الْقَرِینِ	″	۱۲۸
فان تری	فَتَیَانِ	″	۲۲	جاریة	بِالْمَتْنِ	″	۱۶۷
انی	عَرَبَانَا	″	۴۵	فیاشالی	فَبَیَنِی	″	۱۶۹
هل ترجعن	أَفْنَانَا	″	۱۸۴	یا ایها	عَنِّی	″	۲۲۲
ورجلة	سِجِّینَا	″	۲۰۹	ان تسعدی	فَلَانَا	″	۱۵
کان	غَضْبَیَانِ	وافر	۴۴	لاجعلن	دُهْدُنَا	″	۵۰
والقیت	الْمُبِینِ	″	۱۷۷	هل	آنَه	″	۵۹
فظل	أَرُونَانِ	″	۲۰۵	انا ابنته	وَأَجْنَبْکُنَّه	″	۲۴۶
وکولی	ذَکِّرِینی	″	۳۲	اذا وردنا	عَمَرْنَاه	″	۲۳۸
وقد	الیمانی	″	۱۴۷	ان بنی	رِبَعِیتُون	″	۸۷
وهم	رانِّی	″	۲۰۹	یاصاحبا	عَنّ	″	۱۰۳
وددت	لایَبْصُرُونِی	″	۲۳۰	ان الشیب	هَیِّنِ	″	۱۲۸
وکان	الْآخَرِینَا	″	۱۱۱	لادلو	اثْنَانِ	″	۱۲۹
ونطعن	عَیْبَیْنَا	″	۱۷۶	یحک	بِالْعَرَنِ	″	۱۲۳

علی محمد سندھی (مولوی فاضل)

بہاولپور ریسرچ سٹوڈنٹ

اقتباساتِ تحفۂ سامی

راجع بہ ہنروران

اصل مقصود کی طرف رجوع کرنے سے پہلے مؤلف تحفۂ سامی اور اسکی کتاب کا مختصر سا حال دیا جاتا ہے۔

تحفۂ سامی شاہ اسمٰعیل اول صفوی کے بیٹے سام میرزا کی تالیف ہے۔ شاہ موصوف نے ہرات کو ۹۲۸ میں ازبکوں کے محاصرہ سے مستخلص کر کے سام میرزا کو وہاں کا والی مقرر کیا اور چونکہ اسکی عمر اسوقت صرف ۱۵ سال کے قریب تھی۔ اس لئے درمش خان کو اسکا اتالیق مقرر کیا ۹۶۹ میں سام مرزا نے اپنے بھائی شاہ طہماسپ اول کے خلاف بغاوت کی۔ جس پر اسکو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا جب شاہ اسمٰعیل ثانی ۹۸۴ میں تخت نشین ہوا تو سام مرزا کو ہلاک کر دیا گیا[1]۔

تحفۂ سامی ۹۵۷ میں تالیف ہوئی۔ کتاب میں چند جگہ مولف نے اس سن کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً صحیفہ اول میں سلطان سلیمان خاں بن سلطان سلیم خان کے حال میں لکھا ہے "تا حالی کہ سنہ سبع و خمسین و تسعمایہ است" اسی طرح ہمایوں بادشاہ کے ترجمہ حال میں کہا ہے "تا اکنوں کہ سنہ سبع و خمسین و تسعمایہ است"

مولف نے اس تالیف کی غرض اپنے دیباچہ میں یوں بیان کی ہے کہ چونکہ صفوی دور کے شعرا کے حالات بہارستان مجالس النفائس اور تذکرۃ الشعرا (دولت شاہ)

---

[1] انسائکلوپیڈیا آف اسلام (بذیل سام میرزا)

میں نہیں ملتے۔ بسبب اسکے کہ یہ کتابیں اس دور سے پہلے تصنیف ہوئیں۔ اسلئے مؤلف نے شعری دور صفویہ کے حالات اور منتخب اشعار جمع کرکے اس کمی کو پورا کیا۔ اصل عبارت یہ ہے:

"بے سخن سخنوران این روزگار گوی لطافت بچوگان مسابقت از شعرای سلف ربوده اند و بصیقل نزاکت و دقت زنگ کدورت[1] از خاطر اہل ادراک* زدوده اند ہریک در اقلیم سخنوری خسرو وسعدی و انوری و ہریک در کشور دانائی پیشوای فردوسی وسنائی، اما چون در رسایلی کہ خصوصیات حالات وصادرات اقوال و مقالات این زمرہ[2] کثیر الصفات* مرقوم رقم بلاغت شیم گشتہ چون بہارستان و مجالس النفائس و تذکرۃ الشعراء از این طبقہ[3] اثری نیست و از این طایفہ[4] خبری نہ چرا[5] کہ این فرقۂ* جلیل القدر بعد از تدوین آنہا از بدو[6] طالع آفتاب عالمتاب این دولت عظمی الی یومنا ہذا لوای فصاحت افراشتہ اند و دواوین بلاغت تدوین[7] درمیان ہمگنان گذاشتہ لاجرم چون ملاحظہ نمودہ کہ بمرور ایام و تمادی شہور و اعوام ذکر این نادرہ گویان از صفحۂ زمان سترده می گردد[8]* مہما امکن بتتبع[9] احوال و خلاصۂ اشعار ہریک نمودہ بر صفحۂ تحریر نگاشتہ، و این صحیفۂ گرامی کہ موسوم است بہ تحفۂ سامی مشتمل است بر تنبیہ وہفت صحیفہ و ذیل" (تحفۂ سامی ورق ۲ ب ببعد)

تنبیہ بہت مختصر ہے۔ اس میں مؤلف نے دو باتیں بیان کی ہیں۔ اول تو اس امر کا عذر کیا ہے۔ کہ کتاب میں احیاناً بعض "مخالفان[10] دین و دولت" کا ذکر بھی آگیا ہے۔ عذر یہ ہے کہ اس سے غرض ایک تاریخی بات کا بیان کرنا ہے نہ ان مخالفوں سے اظہار محبت۔ "غرض از ایراد آن جماعت تاریخ است نہ شمول عطوفت و عنایت"۔

---

[1] نسخۂ پ: از خاطر اہل کدورت (اس نسخۂ پ کا ذکر صفحہ ۷۶ پر آتا ہے)، [2] نسخۂ پ: نیکو صفات
[3] پ: طایفہ [4] پ: طبقہ [5] پ: چہ این زمرۂ [6] پ: بدء
[7] در پ ندارد [8] پ: نگردد [9] آ: بہ تتبع [10] یعنی ازبکوں وغیرہم کا،

دوسری بات جو مؤلف نے بیان کی ہے یہ ہے کہ کتاب میں "صاحب قران مغفور" سے مراد "شاہ ماضی" یعنی شاہ اسمعیل اول (۹۰۷ تا ۹۳۰) ہے۔ اور "حضرت صاحب قران" سے مراد "شاہ عالم پناہ" یعنی شاہ طہماسپ اول (۹۳۰ تا ۹۸۴)۔ بادشاہ کی دعا پر تنبیہ ختم ہوتی ہے۔

سات صحیفے جن پر کتاب مشتمل ہے یہ ہیں:-

صحیفہ اول - در ذکر شمۂ از احوال فرخندہ مآل حضرت صاحب قران مغفور و اولاد و احفاد و سلاطین معاصر ایشان (نسخہ اصل میں یہ بیان ورق ۸ آ سے شروع ہوتا ہے)

صحیفہ دوم - در ذکر سادات عظام و علماء افادت اعلام (ورق ۱۳ ب) صفحہ اول در ذکر سادات (ورق ۱۳ ا) صفحہ دوم در ذکر علما (ورق ۲۹ ا)

صحیفہ سوم - در ذکر اسامی سامی حضرت واجب التعظیم کہ اگرچہ شاعر نبودہ اند اما گاہی زبان بگفتن شعری کشودہ اند (ورق ۳۳ ب) اس صحیفہ کا ایک ذیل بھی ہے جو اس مضمون میں درج ہوگا

صحیفہ چہارم - در ذکر وزرای مکرم و سایر ارباب قلم (ورق ۴۸ ا)

صحیفہ پنجم - در ذکر شاعرانی کہ بتخلص مشہور اند و آن مشتمل است بر دو مطلع (ورق ۵۳ ا) مطلع اول از صحیفہ پنجم در ذکر کبرای شعرای و عظمای بلاغت (تخمیناً ۵۴ ا) مطلع دوم - ان دو نسخوں سے جو میرے سامنے ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ اس مطلع کا آغاز کون سے ورق سے ہوتا ہے۔

صحیفہ ششم - در ذکر طبقۂ ترکان و شعرای نامور سفر ایشان (ورق ۱۰۳ ب)

صحیفہ ہفتم - در ذکر سایر عوام و اختتام کلام (ورق ۱۱۲ ا)

اس صحیفہ کے ذیل میں مصنف نے کچھ نمونہ اپنے کلام کا بھی دیا ہے۔

کتاب کے مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ مولف کی غرض تالیف کتاب سے یہ تھی کہ بعض شعرا کے تراجم اور ان کا کلام دیا جائے۔ لیکن صحیفہ سوم کے ذیل میں خصوصاً اور کتاب کے دیگر ابواب میں عموماً شعرا کی ذیل میں بعض بزرگوں کے تراجم بھی آگئے ہیں اور چونکہ مولف ان کا معاصر ہے۔ اس لئے جو تھوڑی بہت اطلاع ان کے حالات سے اس نے دی ہے وہ بہت غنیمت معلوم دیتی ہے، بنابریں ایک عرصہ سے راقم سطور کا ارادہ تھا کہ ان تراجم کو کتاب سے الگ کر کے شایع کیا جائے۔ مگر چونکہ دوسرا نسخہ موجود نہ تھا۔ اس لئے تصحیح متن کی میسر نہ آسکتی تھی۔ حسن اتفاق سے گذشتہ پنجاب یونیورسٹی جوبلی کی تقریب پر ایک نمایش مخطوطات کی ترتیب دی گئی۔ اور اس سلسلے میں پروفیسر آذر کے کتاب خانہ سے ایک اور نسخہ تحفۃ سامی کا آگیا، اور ان دو نسخوں کے مقابلہ سے اقتباسات ذیل کا شایع کرنا ممکن ہوگیا۔

اب ان دو نسخوں کی کیفیت سنئے، ایک نسخہ جو میرے کتاب خانہ کا ہے ۱۱۹۷ھ میں کلکتہ میں نقل ہوا، کاتب نے آخر میں اپنا نام یوں درج کیا ہے "بخط بندہ نظام الدین احمد و برخوردار نور چشم احمد مکی ولد شیخ غلام حیدر مرحوم صورت اختتام یافت" - یہ نسخہ پرانا نہیں ہے تاہم کسی مضبوط اصل پر مبنی ہے۔ تقطیع ۸ × ۵½ انچ تعداد اوراق ۱۱۸، سطور ۱۵، اس مضمون کے حواشی میں اس نسخہ کی علامت (آ) ہے،

دوسرا نسخہ جو مقابلہ کے لئے استعمال ہوا پروفیسر آذر کے کتاب خانہ کا ہے، ۹۹۶ھ میں نقل ہوا یعنی مولف کی وفات سے صرف بارہ برس بعد، اسکی عبارتوں میں فی الجملہ اختصار ہے، اور بعض تراجم بھی اس میں موجود نہیں ہیں۔ حواشی کا مواد اسی نسخہ پر مبنی ہے، تقطیع ۸ × ۴½ انچ (تقریباً) اوراق ۱۲۲ سطور ۱۹، حواشی میں (۳۱) کی علامت (ب) ہے،

اقتباسات درج کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نویں صدی کے ربع آخر اور دسویں صدی کے نصف اول کے بعض بادشاہوں اور شاہزادوں کی ہنر پسندی کا تذکرہ کیا جائے اسلئے کہ جن ہنروروں کا ذکر تحفۂ سامی میں آیا ہے ان کا زمانہ یہی ہے اور اس دور کا ہنر زیادہ تر بادشاہوں اور انکے امراء کی قدردانی اور سرپرستی کا رہین منت ہے۔ سطور ذیل میں اس موضوع پر صرف ایک سرسری نظر ڈالنا ہی ممکن ہوگا کیونکہ اس بحث کے استقصا کا یہ محل نہیں ہے اور مقصود فقط یہ ہے کہ اجمالی طور پر ایران۔ ہندوستان اور ترکستان کے چند منتخب بادشاہوں اور شاہزادوں کے مذاق ہنر کی طرف توجہ دلائی جائے۔ جنکا ذکر حبیب السیر، تحفۂ سامی، لطائف نامہ فخری اور عالم آرای عباسی وغیرہ سندوں میں موجود ہے،

میر علی شیر نوائیؒ کا مفصل تذکرہ اسی رسالہ میں کسی دوسری جگہ پر درج ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ذی اقتدار امیروں کی خوش مذاقی کا اثر بھی ارتقای ہنر پر نہایت گہرا پڑا۔ مگر ان کا ذکر شامل کرنے سے بحث زیادہ طویل ہو جاتی۔ اس لئے بالفعل صرف بادشاہوں اور شاہزادوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے، سب سے پہلے ہم آل تیمور کو لیتے ہیں۔ جنکی ہنر پروری کا شہرہ چار دانگ عالم میں ہے۔

آل تیمور۔ آل تیمور میں سے سلطان ابو الغازی حسین اسی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ خراسان میں اسکی حکومت کا زمانہ ۸۷۵ سے ۹۱۲ تک ہے۔ اسکا دربار اہل ہنر کا مرجع تھا اور ہرات اسکا دار السلطنت تھا،

صاحب حبیب السیر (ج ۳ حصہ ۳ ص ۲۰۲) نے اسکی نسبت لکھا ہے:

در رعایت جانب سادات عظام و علماء اسلام و فضلاء روزگار و شعراء بلاغت شعار ہرگز تغافل و اہمال ننمودی و در انجاح ملتمسات و وصول سیورغالات و انعامات

این زمرۂ کریمہ ہموارہ احکام مطاعہ مبذول فرمودی ... و بناء بقاع خیر از مساجد و مدارس و خوانق در ارابطہ بغایت مایل و راغب بودی و قصبات معمورہ و مستغلات مرغوبہ از خالص اموال خویش خریدہ وقف نمودی۔ در تعمیر قصور دلکشای و عمارات فرح افزا بسیار سعی و اہتمام کردی در طرح باغ و بساتین و نضارت اشجار و ریاحین بغض نفیس لوازم جد و اجتہاد بجای آوردی'

اسی طرح سام مرزا[1] کہتا ہے :

سلطان حسین میرزا بادشاہ عدل گستر و شہریار رعیت پرور بود[2]، بہار ایام دولتش چون ایام بہار خرم و خوش و زمین بہ ہنگام سلطنتش مانند ہنگام خورمی دور از غم و دلکش و * بی تکلف مدح گستری[3] بدانچہ او را موافق شدہ کم پادشاہی را میسر شدہ چون بسطت زمان سلطنت، و توفیق ساختن بقاع خیرات، و رعایات علما و طلبۂ علوم، و ادرار و وظائف و اشاعت مبرات، چنانکہ دران ایام دوازدہ ہزار طالب علم در ہرات موظف بودہ اند، دیگر معموری بلاد و رفاہیت عباد و رعایت اہل ہنر و شعرا[4] ازین قیاس توان کرد[5]، در واقع* کسی را کہ مثل امیر علیشیر چاکری و مثل مولانا جامی مدح گستری[6] * باشد ہمانا کہ از مدحت مادحان غنی و از صفت و اصفان مستغنی است ..... و در فضل و شجاعت و فہم و سخاوت او ہیچکس را اختلافی[7] نیست و در خوش طبعی و ہنرپروری احدی را خلافی[8] نہ'

سلطان حسین کے بیٹوں کی نسبت تحفۂ سامی اور لطائف نامہ فخری کی عبارتیں ملاحظہ ہوں ۔

بدیع[9] الزمان میرزا ولد نخستین[10] سلطان مزبور است و بعلو ہمت و ہنرپروری در افواہ و السنہ مذکور (تحفہ ورق ۸ ا)

---

[1] آ، ورق ۲ ب' [2] ب: بود [3] اصل: خرمی، تصحیح از روی ب
[4] از روی ب در آ ندارد [5] ب: بدانچہ [6] ب: شعر [7] ب: می توان کرد که اگر مد واقع
[8] ب: ثناگوی [9] ب: خلافی [10] ب. اختلافی [11] نیز رک بہ لطائف نامہ فخری ص۲۱۲ [12] ب: نجیب

شاہ غریب میرزا او نیز[1] از جملۂ پسران آن گیتی ستان است[2] در فنون فضایل و کمالات غریب و در صنوف آداب و خصایل ادیب، ہموارہ ہمت بلند بر کسب کمال می گماشت مانند منقوان شباب دست از شیخ و شاب باز داشتہ متوجہ شبستان عدم شد۔

(تحفہ ورق ۹ ب)

سلطان حسین کی اولاد میں سے فریدون حسین میرزا بھی تھا۔ جسکی نسبت لطائف نامہ (ص ۲۱۲) میں ہے:

اگرچہ ہمہ اولاد امجاد خاقان منغفور سلطان حسین میرزا اخلاق حمیدہ و اطوار پسندیدہ بزیور کمال و فضل آراستہ و بحلیۂ شعر و معما و سایر فضایل پیراستہ بودند، توان گفت کہ او بر ہمہ سبقت کردہ بود و بارباب فضل از ہمہ مایل تر بود۔

اسی دودمان تیموری سے اس زمانہ میں بابر اور اس کے بعد ہمایون ہندوستان میں تخت نشین ہوئے۔ انکا ذکر بھی یہیں کر دینا چاہیئے۔ ان کی نسبت ان کا یہ معاصر (سام میرزا) جو کچھ کہتا ہے بہت دلچسپ ہے، مثلاً ملاحظہ ہو عبارت ذیل (تحفہ ص ۱۰ ببعد):

بابر بادشاہ: ... صیت سخاوت و شجاعت او بگوش اقاصی و ادانی رسیدہ خوان احسان او بر روی روزگار کشیدہ بعیش دوام (در) مجالست خوبان[3] گل اندام اشتہار تمام داشت ... در موسیقی و ادوار پیش رو اہل روزگار بود[4] و در شعر خصوصاً ہمچو آفتاب مطلع اختیار[5] (کذا)

فخری نے (لطایف نامہ ص ۲۰۹) بابر بادشاہ کی نسبت لکھا ہے:۔

باکثر فنون و فضایل و کمالات آراستہ بلکہ نادرۂ اہل زمان است خصوصاً در موسیقی کہ بی بدل واقع شدہ و شعر ترکی و فارسی را خوب ورزیدہ است۔

---

[1] نیز رک بہ لطایف نامہ ص ۲۱۳ [2] ب: ابناء [3] ب: بود و [4] ب: بستان
[5] ب: جوانان [6] ب: اختیار۔

تحفۂ سامی میں ہمایون بادشاہ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

ہمایون بادشاہ بن بابر بادشاہ[1] پادشاہی است کہ بکثرت حشم و ہنرپروری از سلاطین سلاطین آفاق متفرد بود (و) بوفور سخاوت و فرط[2] معدلت و داد گستری از عظمای خواقین منفرد و در فن حکمت خصوصاً قسم ریاضی ثالث افلاطون و افلیموس[3] (؟) و در کثرت خیل و حشم ثانی اثنین[4] سکندر بن فیلقوس، . . . و در نظم اشعار خسرو ارباب نظم و در حسن المقال سردفتر اصحاب فہم و در دایرہ خطش حفظی کامل و در توقیعات انشایش رسایل[5] ہمایون خطّ او توقیع خوبی راست طغرائی کہ ننوشت است منشی قضا ہرگز مثال او این مطلع زادۂ طبع الیشان است مثنہ

آن نہ سرو است کہ در باغ قد افراختہ است   شمع سبزیست کہ پروانۂ او فاختہ است

ترا کمۂ آق قوینلو یہی زمانہ سلطان یعقوب بن امیر حسن بیک بن علی بن قرا عثمان (۸۸۳ تا ۸۹۶) کا ہے جو طائفۂ آق قوینلو سے تھا، اس گھرانے میں سب سے پہلے حسن بیگ تخت نشین ہوا پھر اس کا بیٹا سلطان خلیل، لیکن ۶ ماہ کے بعد سلطان خلیل کا چھوٹا بھائی یعقوب بیگ جو اس کی طرف سے دیار بکر کا حکم تھا آذربایجان میں جا کر باغی ہو گیا اور ۸۸۳ میں نواح خوی میں بھائی کو ہلاک کر کے سلطنت پر قابض ہو گیا۔ اور اکثر بلاد ایران کو اپنے تصرف میں لے آیا، جب صفویوں کا ظہور ہوا تو اس نے اُنکی مخالفت کی اور بالآخر ۸۹۶ میں ہلاک ہوا، اسکی نسبت سام مرزا نے تحفہ ورق ۱۱ (پر) لکھا ہے:

در زمان او اختر شعرا از حضیض ہبوط باوج ثریا رسیدہ و شیوۂ شعر و شاعری چون ملت سامری درمیانہ بنی اسرائیل شیوع تمام یافت،

صفویہ اب ہم صفویوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

---

[1] در ب ندارد [2] آ: فر، تصحیح از روی ب [3] ب: اقلیموس [4] ب: شریف او
[5] ب: مطلع

شاہ اسمٰعیل اوّل (۹۰۷ تا ۹۳۰) کی شاعری کی نسبت سام میرزا کہتا ہے:

باوجود این عظمت و اعتلا و اشتغال بامور دین و دنیا گاہی بنا بر تشحید خاطر بمقاطر متوجہ طبع آزمائی می گشتہ اند '.....

شاہ طہماسپ اوّل (۹۳۰ تا ۹۸۴) کے متعلق عالم آرای عباسی ص ۱۲۷ پر ہے:

حضرت شاہ جمجاہ جنت بارگاہ نقاش نادرہ کار و مصور نازک قلم سحر نگار بود.....

... آنحضرت شاگرد استاد سلطان محمد مصور مشہور بود عراقی و نزاکت قلم را بمرتبہ کمال رسانیدہ بودند در آغاز جوانی ذوق و شغف بسیار باین کار داشتہ و استادان نادرہ کار این فن مثل استاد بہزاد و استاد سلطان محمد کہ درین فن شریف طاق اند و در نزاکت قلم شہرۂ آفاق در کتابخانۂ معمورہ کار میکردند (و) آقا میرک نقاش اصفہانی کہ از اکابر سادات آنجا بود و درین فن منفرد انیس خاص و مونس بزم اختصاص داشت آنحضرت با این طبقہ الفت تمام داشتند ہرگاہ از مشاغل جہانداری و تردداتِ مملکت آرائی فراغی حاصل می شد بمشق نقاشی تربیت دماغ می کردند در اواخر از کثرت مشاغل فرصت آن کار نمی یافتند و استادان مذکور نیز صورت ہستی را از رنگ آمیزی حیات پرداختند آنحضرت کمتر متوجہ آن کار می شدند'

اسی مصنف نے لکھا ہے کہ شاہ نے مولانا یوسف غلام خاصہ کو جو خطِ ثلث خوب لکھتا تھا اور شاہ موصوف کا تربیت یافتہ تھا کتاب دار مقرر کیا اور کتب سرکار خاصہ اس کی تحویل میں دیں۔ اسکے بعد میرزین العابدین کے حال میں کہا ہے کہ وہ شاہ طہماسپ کا استاد تھا۔ اور نقاش خوب اور مجلس ساز و مصور بیقرینہ۔ بہزاد کا چہرہ پرداز کتابانہ "شاگرد انش کارخانہ نقاشی را بر ساختہ کار می کرد... خود ہمیشہ جہت شاہزادگان

دا۔ او اعیان کارکردہ رعایت می یافت، و انواع توجہ و مرحمت اکابر بہ صحیفۂ حالش
می تافت در زمان اسمعیل میرزا [بن طہماسپ اوّل] کہ ابداع کتابخانہ مجدد نمود
مشار الیہ نیز از اصحاب کتاب خانہ گردید"
اس گھرانے کے متعدد شاہزادوں کا ذکر بھی ملتا ہے جو علم و ہنر کی قدر دانی میں ممتاز
تھے۔ مثلاً بہرام میرزا بن شاہ اسمعیل (م ۹۵۵) جس کی نسبت سام مرزا یوں رقمطراز
ہے:

بہرام میرزا۔ شاہزادۂ جوان بخت کثیر الافضال و کامگار خجستہ اطوار بی نظیر و بی مثال
بود و اوقات فرخندہ[1] ساعات* بہ نیل آمال و امانی و خلاصۂ حیات خجستہ مآلش
بالتذاذ حظوظات نفسانی معروف[2] بود و طبعی بغایت متصرف[3] و ذہنی بصفت حدت
متصف داشت[4] و در خطوط خصوصاً در نستعلیق انگشت نما بودہ[5] و در معمورۂ طراحی و
شعر و معانی بی قرینہ و ہمتا[6] بود ؎

ریاض خط تو ہمچون بہشت خرم و خوش نبات شعر تو چون خیر[7] خیرات* حسان (؟)

احیاناً میل بفن موسیقی نمودہ و قانون استعداد را بچنگ گرفتی و نواحی عشاق بی نوا
را در پردۂ بزرگی نہفتی' (تحفہ ورق ۶ ا)

بہرام میرزا کا بیٹا ابراہیم میرزا (م ۹۸۵) بھی اپنے باپ کی طرح اوصاف مذکورہ سے
متصف تھا چنانچہ عالم آرای عباسی چند مقام پر اسکا ذکر اس سلسلے میں آیا ہے۔ مثلاً
ص ۱۲۸ پر ہے کہ مولانا شیخ محمد سبزواری کہ خطاط اور مصور تھا " صورت فرنگی را در عجم او تقلید
نمود و شایع ساخت، تا کسی بہزاد و گونہ سازی و چہرہ پردازی نکرد، در سبزوار ملازمت سلطان
ابراہیم میرزا اختیار نمودہ در خدمت او بعراق آمد" اسی طرح علی اصغر کاشی کی نسبت لکھا ہے

---

[1] ب: شریفش [2] آ: معروف [3] ب: متصرف داشت [4] ب: ندارد [5] ب: بود [6] آ: ممتاز، تصحیح از روی ب،
[7] ب: جرجزات، آ: خیر خیرات،

"استاد بیقرینہ و مصور پاکیزہ ساخت در پرداخت و رنگ آمیزی منفرد و در کوہ پردازی و درخت سازی از اقران در پیش بود او نیز در خدمت سلطان ابراہیم میرزا می بود" بانا خر ص ۱۲۹ پر بذیل مولانا عبد اللہ شیرازی لکھا ہے " او نیز مذہب خوب بود او تتبع مولانا حسن مداشت .... در خدمت سلطان ابراہیم میرزا می بود در قرب و منزلت از دیگران درپیش و از اقران میش بود بعد از واقعہ میرزا از جملۂ اصحاب کتاب خانہ اسمعیل میرزا گردید"

اب ہم اوزبکوں کے ذکر پر اس بیان کو ختم کرکے تحفۂ سامی کے اقتباسات درج کرتے ہیں:

شیبانیہ اس دور میں شیبانیوں نے وسط ایشیا میں عروج پایا۔ اس خاندان کا بانی محمد شیبانی اوزبک چنگیز خان کی نسل میں سے تھا محمد شیبانی کا زمانہ حکومت ۹۰۶ سے ۹۱۶ تک تھا، سلطان حسین میرزا کی وفات کے بعد اسکی اولاد میں نا اتفاقی اور بے دولتی نے زور کیا تو شیبانی نے خراسان پر حملہ کر کے میرزا کی اولاد سے ملک چھین لیا، آخر مرغاب کے کنارے اسکے اور شاہ اسمعیل صفوی کے درمیان جنگ ہوا اور وہ مارا گیا۔ بقول لین پول (محمڈن ڈائینیسٹیز ص ۲۷۰) دودمان چنگیزی کے عظیم الشان جنگ آزما بہادروں کا سلسلہ اسی محمد پر ختم ہوا، اس کی ہنروری اور ہنر پروری کا حال ملاحظہ ہو:" باوجود ترکیت و جلفیت خود را در اکثر فنون و استعدادات مہدی دانستہ در تصویر استاد بہزاد نقاش کہ تا مصور قدرت صورت انسانی را بر تختۂ ہستی چہرہ کشائی نمودہ چون او مصور چابک دست[1] نکشیدہ و در خطِ[2] مولانا سلطان علی مشہدی کہ [کلک][3] کرام الکاتبین مثل او خوشنویسی بر صفحہ وجود ننگاشتہ دخل بیجا[4] کردہ صورت او را بقلم[5] اصلاح نمودی و خط این را بنوک قلم مشو رقم نسخ کشیدی و گفتی کہ چنین می باید کشید چنین می باید نوشت و در زمان خود حکم کردہ بود کہ شعرا شاہنامہ فردوسی را ترک کنند"

---

[1] ب: چابکدستی [2] ازردی ب [3] ب: بجد [4] آ: بقلم کلک [5] ب: مور وتی

از صحیفهٔ دوم

(در ذکر سادات عظام و علماء افادت اعلام)

(صحیفه اول - در ذکر سادات)

۱- امیر صدرالدین محمد

ورق ۲۳ اسکومیشت[۱] واسکویه[۲] دهی است از نواحی تبریز و میر مذکور باسم بازه که ذکر ایشان بعد ازان در سلک تحریر می آید در خدمت حضرت صاحب قرانی ترقی کلی کردند چنانچه در نوروز و عید که خلق[۳] بپای بوس می آمدند شاهزاده ها و امرای بزرگ و سایر سادات پای آن حضرت را بوسه می دادند و [و اخوان[۴]] دست آنحضرت را بوسه می کرد[۵] [ند] اما چون روستای کم تجربه بود[۶] [ند] خاطر جمیع ارکان دولت و اعیان حضرت از خود آزرده ساختند بلکه آنحضرت را نیز از خود آزرده کردند و ایشان نیز تنگ آمدند (و) حکم کردند که در اسکویه بوده باشند و دیگر باردوی معلا نیایند گویند که این بیت در حق ایشان گفته [اند[۷]] ؎

روستائی اگر ولی بودی خرس در کوه بوعلی بودی

---

[۱] ب: اسکوبی [۲] ب: اسکوبه، نزهة القلوب ص ۷۹: اسکونه (نسخهٔ حاشیه: اسکویه)، [۳] ب: خلایق، [۴] از روی ب [۵] آ: کرد، ب: کردند [۶] آ: بود، ب: بودند،

همه حال اندک مولویتی[1] دارد، خط نستعلیق و نسخ[2] را طوری می نویسد و در[3] اعمال دیوان[*] زیاده او را میل نبود[*] اما برادران دیگر سخن او عمل نمی کردند این مطلع از وست منه[4]

تا چو گل خندان ترا در روی هر کس دیده ام
غنچه وار از رشک آن بر خود بسی پیچیده ام

۲- امیر قمر الدین محمود

(ورق ۴۲ الف)

برادر میر مذکور است و او نیز اندک طالب علمی[5] داشت[*] (و) از وحیثیتی که مشاهده شده باشد[6] اصول در رقص بود که باوجود گیسو ها رقص[7] از و بدنمی نمود[8] این مطلع از وست منه[4]

تیری که ز شصت تو مرا بر جگر آید — من منتظر استاده که تیر دگر آید

۳- سید عبد الصمد

ورق ۴۲ ب

کاشی است عطائی تخلص می کند و در نقاشی و تصویر و تذهیب استاد بود این مطلع از وست منه[4]

خویش را در جستنت رسوای مردم میکنم — چون تو پیدا می شوی من خویش را گم میکنم

---

[1] در ب ندارد [2] ب: درین اعمال [3] ب: میلی بوده
[4] کذا در آ، ب: مطلع، در آ "منه" را جای بجای بطور علامت شعر و غیره می آرد نه بمعنی اصلی این لفظ
[5] ب: مولویتی دارد [6] در ب ندارد [7] ب: در رقص [8] ب: کرد

۴ - سید هبة اللّٰه

(ورق ۱۲۷ ب)

از کاشانست و بتجارت مشغول [بوده] و در تیرگری و خوش نویسی مشهور و معروف این مطلع از وست

گر چه جانم زین متاع خانه تن می کند امشب که آه آتشینم خانه روشن می کند امشب

۵ - میر شکری

(ورق ۱۲۷ ب)

از سادات شیراز است و در صحافی و لاجورد شوئی وقوفی داشت و می گویند که در ساز نیز دستی دارد این مطلع یادگار ایشان نوشته شد

ز عقل بیهده پیمای خود مقید دیم کجاست جذبهٔ عشقی که وارهاند از نیم

۶ - امیر ابراهیم قانونی

(ورق ۱۲۸ ا)

از اکثر فضایل بهره مند است و خط [نستعلیق] را نیز خوب می نویسد و در نواختن قانون روش خواجه عبد الله پیش گرفته و نغمات نش بغایت با آهنگ نیک است و این رباعی از وست

تا لعل تو دلفروز خواهد بودن کارم همه آه و سوز خواهد بودن
گفتی که بخانهٔ تو آیم روزی آن روز کدام روز خواهد بودن

بلم از روی ب ، ۲ ب : معروفست ۳ ب : دل و جانم

۴ ب : نواختن ۵ غالباً مراد از خواجه شهاب الدین عبد الله بیانی (نمره ۱۲۵)

۶ ب : دسکیں ۷ ب : رباعی ۸ ب : درد ،

۷- میر شریفی

مرد طالب علم و متقی است و در علم موسیقی وقوفی تمام دارد و این مطلع زادهٔ[1] طبع ایشان است* مطلع[2]

ابکه سیل غمت از دیده دمادم گذرد   روز هجر تو مرا چون شب ماتم گذرد

۸- آقا[3] میرک نقاش

از سادات اصفهانست و در طراحی و تصویر بی نظیر زمان و حالیا در خدمت حضرت[4] صاحب قرآنی بسر می برد* پیشوا و مقتدای این طایفه است[5]، در جواب این[6] مطلع جامی[7] که* ؎

دو هفته شد که ندیدم مه دو هفته خود را   کجا روم بکه گویم غم نهفته خود را

این مطلع از وست مطلع

بباغ رفتم و دیدم گل شگفته خود را   شنیدم از گل و بلبل غم نهفته خود را

من با یشان گفتم که غم نهفته خود را از گل و بلبل هر دو شنید[8] یا از بلبل، جواب دادند که گل هنگام شگفتن صدائی میکند مراد آنست،

۹- میر علی کاتب

اصل او از سادات هرات است در مشهد مقدسه رضویه نشو و نما یافته

---

۱ ب: از وست   ۲ ب: مطلع   ۳ ب: میر   ۴ ب: صاحب قران بارک به ۵،
۵ ب: اوست   ۶ در ب ندارد   ۷ ب: مولانا جامی که گفته   ۸ ب: بشنیدند

در خدمت والانا سلطان علی مشق خط نستعلیق می کرد[۵۱] فی الواقع که بعد از[۵۲] مولانای مذکور خط نستعلیق راکسی به از و ننوشت[۵۳] در شهور سنه ۹۴۵[۵۴] بواسطۂ انقلاب خراسان بماوراء النهر افتاده می گویند که در آن[۵۵] وقت در باصره اش ضعفی پیدا شده بدین واسطه خطش تنزل کرده[۵۱] طبعش در نظم اشعار ملایمت تمام دارد این معما باسم مهدی از وست منه

خوش آنکه بعشق مبتلا گردیده   بیگانه زخویش و آشنا گردیده

یکبارگی از قید خرد وارسته   در میکدها بی سر و پا گردیده

[ورق ۲۹

۱۰ - میر[۵۶] صفی

از سادات رفیع الدرجات نیشاپور است و در خوش طبعی و دقت ذهن بغایت مشهور[۵۷] و در[۵۸] علم عروض ماهر[۵۹] و خطوطش خصوصاً نستعلیق بسیار خوب و در محاورت[۶۰] و آداب صحبتش[۶۱] بس[۶۲] مرغوب این مطلع از یشان[۶۳] است منه

بردار نقاب از رخ و حیرانی من بین   بکشا گره از زلف و پریشانی من بین

---

۵۱ ب: کرده   ۵۲ ب: از گذشت   ۵۳ ب: ننوشته

۵۴ کذا در ب، اما در آ عدد ثانی غیر واضح است و ممکن است که ۲ یا ۳ یا ۴ باشد، ریو در فهرست مخطوطات فارسیه ص ۵۳۱ ۹۴۵ نوشته است، از روی نسخۂ تحفۂ سامی که در موزۂ بریطانیه محفوظ است اما بظاهر آن صواب نیست،   ۵۵ ب: درین   ۵۶ آ: امیر.

۵۷ آ: مشهور است،   ۵۸ در ب ندارد   ۵۹ آ: خوب دارد

۶۰ آ: محاورات و آداب صحبت، تصحیح از روی ب،   ۶۱ آ: بس، در ب ندارد، تصحیح قیاسی است،   ۶۲ ب: اند   ۶۳ ب: مطلع،

از صحیفہ ۲، صفحہ ۲ (در ذکر علماء)

۱۱ - مولانا کمال الدین حسین

ولد رشید[۱] حکیم مذکور [یعنی مولانا[۲] رکن الدین مسعود] است، نفس نفیسش تریاق[۳] فاروق دارد خاصۂ[۴] "و اذا مرضت فھو یشفین" و قدم شفا اثرش نجات بخش "ما[۵] ھو شفاء و رحمۃ للمومنین" در علم[۶] طب ید بیضا [داشت[۷]] و در علم حکمت نفس مسیحا، در اصناف فضایل و سایر اقسام علوم علم تفوق می افراشت خطش رقم نسخ بر تعلیق استادان می کشید و سلیقۂ موزونش در بیت[۸] الفضایل* زمانہ فرید بود در شہور سنۂ اثنتی[۹] خمسین و تسعمایہ* بسابقت[۱۰] قوات (؟) مبتلای مرض شدہ* بہ مطب[۱۱] عدم خرامید این [دو مطلع[۱۲]] از وست منہ

[غنچۂ پُر از در و گوہر دہن می خوانمش — می فشانی از دہن گوہر سخن می خوانمش]

ــہ یاقوت آبدار لبت قوت جان دہد — لب تشنہ را بچشمۂ حیوان نشان دہد

---

[۱] در ب ندارد [۲] اصل مولانا رکن الدین از شیراز ست وی از عظماء و اطباء عصر خود و شاگرد مولانا شمس الدین علی طبیب بود وی از شیراز متوجہ کاشان شدہ در انجا توطن فرمود و در آخر ایام بہ طبابت نواب صاحبقرانی شاہ اسمعیل اول، شرف امتیاز یافت و در شہور ۹۴۶ بمرد (منہ) [۳] ب: تریاک، [۴] قرآن مجید ۲۶: ۸۰، آ: فاذا ذکر درست نیست، [۵] قرآن مجید ۱۷: ۸۲، در آ و ب: وما ذکر درست نیست، [۶] در ب ندارد، [۷] از روی ب [۸] ب: ثبت فضل [۹] ب: ۹۴۳، [۱۰] ب: مریض شد [۱۱] ب: بطلب عذب [۱۲] ب: مطلع،

از صحیفهٔ سوم

(در ذکر اسامی حضرات واجب التعظیم که اگرچه شاعر نبوده اند اما گاهی زبان بگفتن شعری گشوده اند)

۱۲- خواجه شهاب الدین عبدالله بیانی مشهور بمروارید*

[1] در صدف وجود خلف خواجه محمد کرمانی است[2] و او را یکی از سلاطین تیموری[3]
بضبط رسالت بر تطبیق* و بحرین فرستاد و بعد از معاودت دری شاهوار و
مروارید (ی) چند آبدار برسم تحفه آن[4] شهریار آورده بود[5] بدان جهت مسمی بدین[6]
لقب گردید، ما وی[7] از روی خلقت واستعداد و علو فطرت[8] وارشاد گوهریست که
غواص روزگار همچو وی کم بروی کار آورده بود[9] بدان جهت لجه کمالاتش* مملو از
درر غرر فواید[10] و بحر اندیشهٔ استقامت پیشه اش مشحون بزواهر جواهر نکات
و فواید* انامِلش رقم نسخ بر رقاع[11] (؟) توقیعات استادان زرین قلم کشیده مصراع

به ثلث او نتوید کسی گر یاقوت

---

۱ در ب: مدار رد
۲ ق: المشهور به مروارید؛ برای وی رک به بابرنامه (شیخ بریل) ورق ۱۷۰ الف، ۱۸۲ و حبیب السیر ۳: ۳: ۳۲۱ و ۳۳۰؛ پدر شهاب الدین عبدالله را "خواجه شمس الدین محمد مروارید" می نویسد، پس نزد وی بظاهر حکایت درهای شاهوار متعلق بوده باشد به پدرش نه به بیانی
۳ ب: بضبط پا رساله بتطبیق ۴ ب: نزد آن ۵ ب: بدان
۶ ب: گشته ۷ ب: قطره (که بظاهر تصحیف "فطرت" است) ۸ ب: لجه کمالش
۹ از روی ب،

(و[1]) مضراب مسرت[2] آیاتش قوت[3] بخش روح[4] و روان و حرکات دست طوبت افزایش در خواص زیاده از آب حیوان* ، در عنفوان جوانی ملازمت[5] سلطان حسین میرزا نموده[6] صدر صدارتش بعز وجود آن نخیل ارباب[7] فضل زیب[8] و زینت گرفت* و روز بروز رشد[9] او در تزاید* بود تا بمرتبهٔ امارت رسید و در زمرهٔ امرای عظام در آمد[10] بجای امیر علی شیر مهر زد و تا آخر سلطنت آن پادشاه مذکور[11] بامر مزبور قیام می نمود بعد از و کنج انزوا گرفت و* بکتابت مصحف مجید مشغول گردید[12] تا آنکه حضرت صاحبقران[13] مغفور ملک خراسان را بحر حضور مشرف گردانیدند او را از زاویهٔ خمول بیرون آورده[14] رقم قبول بر ناصیهٔ احوالش کشیدند و او بواسطهٔ غلبه مرض آبلهٔ فرنگ آهنگ گوشه گیری کرده از شرف ملازمت استعفا نمود و در آن ایام وقایع سلطنت آنحضرت را بنظم و نثر در آورده در سلک تحریر کشید ؎

نظم بدیع و نثرت ای نازنین شمایل ... هر کو شنید گفتا لله در قایل

و با تمام تاریخ نثر توفیق یافته پیشتر* از اختتام تاریخ منظوم نظم حیاتش از سلسلهٔ بقا فرو گسیخت وکان ذلک فی شهر رجب[15] المرجب سنة اثنی وعشرین از نتایج طبع[16] وقادش* دیوان قصاید و غزلیات و رباعیات موسوم بمونس الاحباب

---

[1] از روی ب [2] ب: لطافت [3] ب: حیات [4] در ب ندارد [5] ب: بملازمت

[6] ب: رسیده [7] ب: اہل [8] ب: یافت [9] ب: در ترقی

[10] ب: آمده [11] ب: بهمین امر قیام کرد بعد ازان انزوا اختیار کرده [12] ب: گردیده

[13] یعنی شاه اسمعیل اول [14] ب: آورد و [15] ب: رجب ۹۲۲

[16] ب: طبعش ،

وتاریخ شاہی و منشآت درمیانۂ فرزن عباد مشہور است و تاریخ منظوم دو ۱ خسرو شیرین بواسطۂ عدم اہتمام متداول نگشت۔ این صد بیت از منظومات ایشانست [مولف نے دو صفحے منتخب اشعار کے دئے ہیں جو حذف کیے گئے]

۱۳۔ خواجہ عبدالمومن

پسر خواجہ عبداللہ مروارید است، ذہن لطیفش غواص درر معانی و طبع مستقیمش صیرفی نقود سخندانی است، فقرات فصاحت آیاتش کہ[۱] از قلم خجستہ رقم ناشی شد سرخط فضلای بلاغت آئین است در اکثر خطوط[۲] بتخصیص ثلث و نسخ ثالث یاقوت و صیرفی و ناسخ استادان متقدمین و متاخرین است،

ہر حرف دلکشی کہ محقق[۳] شدہ بحسن	تعلیق کردہ بر صفحات مصورش
ہر حرف او ز گنج معانی ست گوہری	کو صیرفی کہ فہم کند نرخ گوہرش[۴]

شمۂ اگر از فضایل او معین گردد کتابی شود معین، من در خدمت ایشان درس خواندہ ام و اندک سیاہ و سفیدی کہ فرق می توانم کرد از برکت ایشان ست، در ہرات و شیراز یا من بود منصب صدارت مرجوع بدیشان شد[۵] بعد از آن[۶] مدتی در خدمت صاحبقرانی بسر برد[۷] آخر بواسطۂ بعضی امور متوجہ ہند شد[۸] در شہور سنہ ثمان و اربعین و تسعمایہ درانجا فوت شدند* و در وقت توجہ این غزل گفتہ[۹]

ملکہ گردون ہمچو خود می خواست سرگردان مرا	عاقبت کرد از غمت سرگشتۂ دوران مرا
آنچنان گشتم ضعیف از محنت ہجران کہ نیست	دیگر از درد جدائی طاقت افغان مرا
مشکل شبہای ہجران گر بماند اینچنین	دولت وصل تو کی روزی شود آسان مرا

---

[۱] در ب ندارد [۲] ب: دریای [۳] آ: خطوطش ب مثل متن، [۴] ب: دلکشش کہ مصور [۵] ب: جز [۶] ب: گفتہ بود غزل، [۷] ب: جان،

بسکه خونبار است چشم بی تو خواهد شد خراب ‏ ‏ شهر هستی دمبدم از موج این طوفان مرا
همچو موی تن بی سر و سامان نبودم پیش ازین ‏ ‏ در ره وکار تو آخر شد سر و سامان مرا

افشان بیخته از مخترعات آنجناب است، این مطلع نیز زادهٔ طبع اوست منه*

هر کس چو من آشفتهٔ آن زلف دوتا شد
دیوانه صفت بستهٔ زنجیر بلا شد

۱۴- ملک قاسم نقاش

شیرازی بود و میگفت از اولاد شاه شجاع کرمانیم و بغیر ازین عیبی نداشت و معلوم خوب بود و بهمه قلم خط را خوب می نوشت و در انشا ید طولی داشت و در معما و عروض مهارتی بی انتها و قوت حافظهٔ او بمرتبهٔ بود که بیک خواندن سی بیت را یاد می گرفت* اما بسیار بی طالع واقع شده* بود و ازین دولت حظی نیافت و در جوانی در شهور سنه سبع و اربعین و تسعمایه از عالم رفت، این رباعی در شکایت روزگار* از وست منه

روز عجب است و روزگار مشکل ‏ ‏ کز دهر صفا گشت بکلی زایل
خالی ز غبار یکدگر یک ساعت ‏ ‏ چون شیشهٔ ساعت نتوان یافت دو دل

۱۵- مولانا سلطان علی

در خط نستعلیق مشهور [تر] ازانست که او را* احتیاج بنوشتن تعریف باشد این مطلع از وست منه

له ب: سرکار ‏ ‏ له ب: هم از نیشانست ‏ ‏ له در ب ندارد ‏ ‏ له ب: تمام ‏ ‏ له ب: حفظ می کرد،
له ب: رباعی ‏ ‏ له ب: روزی عجب ‏ ‏ له رک به لطایف نامهٔ فخری ص ۱۰۰،
له از روی ب ‏ ‏ له ت: مطلع،

گل در بهار ازان رخ گلگون نمونه ایست   چون اشک من که از دل[1]* پرخون نمونه ایست

بازوی پنجه‌ی قوی او از شصت سال متجاوز بود خط را خوب می نوشت چنانچه[2] این دو بیت
را در مثنوی که برای خود در رشته‌ی نظم کشیده بود منه*

رسیدم بشصت و سه سال بیش و کم   هنوزم جوان است مشکین قلم
توانم هنوز از خفی و جلی   نوشتن که العبد سلطان علی

۱۶ - حافظ علی

اصلش از غوریان هرات است و[3] او* بحدّت ذهن و جودت طبع موصوف بود
و اکثر خطوط را نیک می نوشت در علم عروض و صنایع اشعار بسیار ماهر[4] است[5] چنانچه
قصیده‌ی مصنوعه[6]* خواجه سلمان را مکرر تتبع کرده[7] است* این مطلع یکی از آنهاست منه[8]

حریم حرمت کوی تو جنت ابرار   شمیم نکهت موی تو راحت احرار

۱۷ - میرزا میرکی کوزا[9] (؟)

ورق ۳۸

در خوش نویسی مسلم روزگار و در انشا سرآمد فضلای بلاغت شعار بود[10] پدرش
بوزارت[11] شاهزاده[12] بدیع الزمان میرزا اشتغال می کرد[13]* و خود بطالب[14] علمی و کسب علوم سامی
جمیله بظهور می آورد* بعد ازان بسپاهی گری مشغول شده[15] درخدمت درویش خان که لاله‌ی
من بود بسر می برد و خان مذکور با وی اظهار تهامی کرده[16] و او ازین آزرده خاطر بود و دل[17]

---

[1] ب: گزان [2] ب: چنانکه ازین بیت معلوم می شود. بیت [3] در ب ندارد [4] ب: دارد
[5] ب: مصنوع [6] ب: نموده [7] ب: مطلع [8] ب: بوی [9] آ: کو، ب: کور
[10] ب: بود [11] ب: وزیر [12] ب: بود [13] ب: طالب علمی می کرد [14] ب: شده
[15] ب: کرد [16] ب: درین عصر موضعی است یک منزلی از هرات رک به کتاب الکنة خلافت شرقیة از لیسترنج ص ۴۱۱
[17] رک ب دیباچه این مقاله ص

و [۱] این دو بیت بطرز [۱] بوستان حسب الحال خود انشا [۲] فرمود منه *

یکی را بر آری و خانی دہی   بصد عزتش کامرانی دہی

یکی را بر آتش و نوکر کنی   بخاک سیاهش برابر کنی

آخر در شهور سنه [۳] اثنتی و ثلثین و تسعمایه * در هری در خانه خواجه حبیب الله بدست

اتراک شهید شد، این ابیات و دو رباعی از جمله اشعار اوست منه [۴]

پیش واعظ منشین قصه طولانی شنو   قدبر افراز کر کوته شود این افسانه

منه [۵]

مشکل [۶] حکایتیست که گفتن نمی توان   و پیش [۷] مشکل دگر که نهفتن نمی توان

منه [۸]

ای خاطر مستمند ناشاد از تو   بر جان و دلم همیشه بیداد از تو

فریاد ز بیداد تو و داد از تو   فریاد از تو هزار فریاد از تو!

منه [۹]

آمد بر من قاصد آن سرو سهی   آورد بهی تا نبود دست تهی

من هم رخ زرد خود بدو [۹] دادیم   یعنی ز مرض نهاده ام رو به بهی

روزی با میرزای مذکور بباغ مراد هرات بطریق [۱۰] گشت * رفته (رو) در خانه که مشهور

به بیت العشرت است [۱۰] منزل کرده بودیم این رباعی و مطلع [۱۱] را بدیهه گفته بر دیوار خانه

بنوشت منه [۱۲]

---

۱ ب: بطرز   ۲ ب: گفته بیت   ۳ ب: بیاری

۴ ب: ۹۳۲   ۵ ب: بیت   ۶ در ب ندارد   ۷ آ: این، ب مثل متن،

ا تصحیح حاشیه: مشکل تر آنکه از تو الخ   ۸ ب: رباعی   ۹ ب: بیان

۱۰ ب: بگشت   ۱۱ ب: را در

دردا که گل امید از باغ مراد | هرگز براو دل غمگین نکشاد
افسوس زهجریار جانی افسوس | فریاد ز درد نامرادی فریاد

منه[1]

ای بی تو گردش فلک بی مدار حیف | باشد زمانه و تو نباشی هزار حیف

وگویا این مطلع را حسب حال خود نوشته مولانا شوقی[2] یزدی این مطلع را تضمین کرده در پهلوی خط او بر دیوار خانهٔ مذکور نوشته

تا گر ز گردش فلکت خون بریختند | ای بی تو گردش فلک بی مدار حیف
بودی و در زمانه نظیری نداشتی | باشد زمانه و تو نباشی هزار حیف

۱۸ - مولانا[3] شمس الدین* محمد کاشی

ورق

جوانیست با نواع هنر آراسته و از اکثر استعدادات بتخصیص خطوط و علم قافیه و معما صاحب وقوفست تخلصش نواییست در محلی[4] که* متوجه هند بود این قطعه را گفته[5]

منه*

سوی هندوستان روم کانجا | کار اهل هنر نکو رفته
که سخا و کرم ز اهل زمان | بزمین سیه فرو رفته

۱۹ - مولانا احمد

رو

پسر [مولانا[6]] سلطان محمد استرابادیست جوانی بود در کمال فهم و استعداد (ر)

---

[1] ورق ندارد [2] ت: از [3] رک به نمره ۴۵ [4] ت: خواجه تاج الدین، اما غالباً صواب آنست که در متن است و کاتب ت "خواجه تاج الدین" را سهوا از ترجمه سابق مکرر نوشته است [5] ت: وقتی که [6] ت: در سلک نظم کشیده [7] ت: که [8] از روی ت

خطوط رانیک می نوشت و بقدر طالب علمی کرده تخلصش مشربی بود در عنفوان
جوانی وفات یافت این مطلع ازوست[۱] منه *

بزم اختلاط گرم دارد آفتاب من — ندارد رحم برسوز دل چشم پرآب من

و[۲] این بیت نیز ازوست منه*

مرا آمد نصیب از عشق خوبان داغ نومیدی
نصیب کس مبادا یارب این داغی[۳]* که من دارم

(ق ۴۳ ب)

۲۰- خلیفه[۴] میرک

پسر خلیفه محمد حیات است * و در جهات صنایع حربیه[۵] صاحب اختراعات
از جمله در شعر بافی در زیر فلک نیلوفری[۷] نظیر ندارد[۸] تا نقش پرداز فلک اطلس[۶]* و
استاد کارخانه سپهر معصفری تار و پود لیل و نهار در کارگاه روزگار در کشیده مثل
اولی ندیده طبعش در [شعر] هم خوب است این مطلع ازوست منه[۹]

بلبل بچمن نالد و من بر سر کویش — او عاشق گل گشته و من عاشق رویش

۲۱- خواجه شهاب الدین عبدالله

همدمی تخلص می کند از مشهد امام رضا علیه الصلوٰة والسلام* است اما
اکثر اوقات در آستانه حضرت امیرالمومنین علی[۱۰] علیه السلام میگذرانیده* و مرد

---

[۱] ب: و بیت ازوست مطلع [۲] در ب ندارد [۳] ب: این چنین دردی
[۴] ب: خلیفه او هم پسر خلیفه محمد حیات است [۵] ب: جزیه [۶] ب: اطلس
[۷] ب: نیلوفری و تا [۸] ازروی ب [۹] ب: مطلع
[۱۰] ب: بن ابی طالب کرم الله وجهه می گذرانده

خوش فہم و خوش نویس و در علم سیاق خوب، این مطلع از وست منه[1]

از بس تنندهٔ[2] نگر فتنۂ[3] عالم با اوست　　وز قدش جلوه ببین روح مجسم با اوست

۲۲- مولانا فضلی

مولدش قزوین است و از طلازادہای آنجاست خلقش خوب و حسن اختلاطش مرغوب، این مطلع در تعلق روزگار یادگار ایشانست منه*

دل در برم طپید مگر یار می رسد　　یا نامۂ ز جانب دلدار می رسد

ذیل صحیفه سوم

در ذکر ارباب استعداد که پیرایهٔ خود را بزیور شعر آراسته اند و از غایت دوق[4] صفای خاطر شعر را علاوهٔ آن فضایل ساخته،

۲۳- مولانا شاه محمود

اصلش از نیشاپور است و در خط نستعلیق قطعات سحر آیاتش سواد بخش دیده حور، اگرچه درین فن شاگرد مولانا عبدی است اما از و در خوش نویسی بیش است و باوجود چندین هنر[5] بسی* فقیر و درویش است، این غزل از وست منه[6]

چشم از ناز دمی باز نکردی هرگز　　نظری سوی من از ناز نکردی هرگز

---

[1] ب: مطلع [2] آ: فتنه نگر فتنهٔ ب: شکل قتی [3] ب: از وست [4] ب: در پس [5] اصل: مسرلتی؟ التصحیح از روی ب
[6] ب: غزل،

سنگ بیداد زدی بر سر اغیار و مرا | بچنین لطف سرافراز نکردی هرگز
چون کنم با تو عیان راز دل خویش چو تو | بخودم همدم و همراز نکردی هرگز
چون برم ره من دل تنگ بسر دهنت | لب چو با من بسخن باز نکردی هرگز
تا شد از خیل سگان سر کویت مخلص | یکرهش سوی خود آواز نکردی هرگز

۲۴- مولانا عبدی

خال مولانا شاه محمود مذکور است و در خط شاگرد مولانا سلطان علی مشهدی است[۱] باوجود کبر سن خط را خوب می نوشت[۲] با آن که ع
سفید شد چو درخت شگوفه دار سرش*
نهال آرزوی سرو[۳] قامتان در چمن جان می کاشت*' مدتها در خدمت صاحبقران[۴] مشرف بود و درین دو سال بعالم جاودانی[۵] شتافت*' این مطلع و مقطع از وست منه[۶]

ما را سریر سلطنت آن خاک در بس است
وز برق آه بر سر ما[۷] تاج زر بس است
ای دل کشیده دار چو عبدی عنان صبر
کز مهر مهوشان هوش[۸] این قدر بس است

۲۵- مولانا انیسی

اصلش از ولایت خوارزم است[۹] و در خدمت سلطان یعقوب می بود

---

[۱] در ب ندارد [۲] ب : باوجود پیری [۳] ب : سرو قدان در چمن دل می کشت
[۴] یعنی شاه طهماسب اول [۵] ب : باقی شتافته [۶] در ب ندارد
[۷] ب : من [۸] ب : هوسم [۹] ب : بود'

و او خط نستعلیق چنان می نوشت که مردم او را قرینۂ مولانا سلطان علی مشہدی می دانند و فی الواقع[1]* که دران روش خط[2] را بسرحد سحر رسانیده، گاہی نظم از وسر می زد. این مطلع مشہور[3] از وست منہ

مژہ مانع نشود اشک من محزون را　　نتوان بست بخاشاک رہ جیحون را

۲۶۔ عبد الکریم پادشاہ

برادر مولانا انیسی است وجہ تسمیہ او[4] آنکہ دماغش[5] پریشانی پیدا کردہ[6] بود* وخود را "پادشاہ" نام کردہ[7] و بمردم عکمہای غریب می کرد امافقیر وکم آزار بود و نستعلیق روش برادر را خوب می نوشت و در آخر قطعہا می نوشت کہ "کتبہ خدا" وگاہی نوشتی "کتبہ[8] رزاقہ" (کذا)، واسم مقرری[9] او "پادشاہ" بود۔ باوجود این شعر نیز می گفت این دو مطلع از وست منہ

ترا در دیدہ جا کردم کہ از مردم نہان باشی
چہ دانستم کہ آنجا ہم میان مردمان باشی

منہ

نمی گوئی حکایت با من و آنگہ کہ میگوئی
زبس حیرت[10] ندانم* باکہ میگوئی چہ میگوئی

۲۷۔ حافظ باباجان

از تربت خراسانست و خط نستعلیق را خوب[11] می نوشت و نقاری و زرنشانی

---

[1] ب: دروا قع
[2] تربت ندارد　[3] ب: اورا　[4] آ: دماغ　[5] ب: کرد　[6] از روی ب؛　[7] آ: رزاقہ؛ ب: زرانہ

[8] ب: مقرر خود کہ مینوشت کتبہ　[9] ب: زحیرت می ندانم　[10] ب: بسیار خوب؛

در استخوان خوب می دانست و در سازها عود و شش‌تار[1] را خوب می نواخت که باعتقاد من هیچکس به از و ننواخت و خلیق و درویش نهاد است[2] و در عروض و معما طبعش خوب[3]،
این مطلع از وست منه

بجان از ستمهای دوران رسیدم رسیدم بجان تا بجانان رسیدم

در شهور سنه اربع واربعین وتسعمایه* در تبریز فوت شد این مطلع هم از وست
منه

درخت اینها که حیران نیستند نقش دیوارند انسان نیستند

۲۸ - مولانا مالک[4] دیلمی

[زندہ ۹۴۶] اصلش از تبریز است و بعضی گفته اند از قزوین و اکثر خطوط خصوصاً نستعلیق را خوب می نویسد و از موسیقی و شعر هم وقوف تمام دارد و در معما بدیهت منه

تا بکی یار رقیب از بهر آزارم شوی کی بود کز بهر آزارش دمی یارم شوی

۲۹ - مولانا ابراهیم

از استرآباد است و خطوط[8] خصوصاً تعلیق* را خوب می نویسد و بنابرین مدتی منشی سرکار رضویه علیه[9] السلام* بود این مطلع از وست منه

منم جا داده در صحرای دل مشکین غزالی را برآورده بخوناب جگر نازک نهالی را

---

[1] رشد در غوسازیست در رساله فضل الله خان، صاحب لغات نوائیه می گوید: شش‌تار در غو نوعیست از عود (یعنی ساز معروف) که آن را شودرغو و چپتر نود نیز گویند [2] ب: کسی [3] ت: بود [4] آ: خب بود را با بود زیادت بعداست) [5] در ب ندارد [6] ب: ۹۴۴ [7] آ: ملک، تصحیح از ری ب [8] این مطلع از وست [9] ب: خط نستعلیق [10] ب: علی ساکنها التحیة

۳۰ - مولانا اسمعیل

پسر مولانا ابراهیم است خط نستعلیق ابد می نوشت و در شعر تخلصش نجاتی است ' این مطلع ازوست منه[1]

دود مسازیم ما و فی بکنج درد و غم باهم — که می نالیم از درد جدائی و مبادم باهم

۳۱ - مولانا حیدر[2] خیابانی

از خیابان شهر تبریز است قرآن را حفظ کرده و قانون و ششتر[3] و را بد می نوازد این مطلع ازوست منه[4]

دست عشق آمد زکوی عقل بیرونم کشید
موکشان در دست غم پهلوی مجنونم کشید

۳۲ - حافظ مجلسی

از شهر تبریز است و قرآن را حفظ دارد و قانون و ششتر[5] و را بد می نوازد و در خوش نویسی نیز دستی دارد*' این مطلع ازوست منه

قدت نهال طوبی و طوبی روان خوشست
حسنت در آن خوبی و خوبی دران خوشست

۳۳ - دوست محمد کوشوانی

کوشوان دیهی است در حوالی هرات[6] و مولانا جوان [آمد][7] می و خوش صحبت شوخ

---

۱ ب: مطلع ۲ ب: صدر ۳ ب: ششتر عو ۴ ب: خطش نیز بدیهت وسوای این بیت حیثیت می شمارد که دارم ۵ ب: هری ۶ از روی ب ۱ عہ رک به نمبر ۲۹۵

طبیعت[1] است * خط نستعلیق را خوب می نویسد و در شعر و عروض و معما مهارتی دارد و گاهی با میرصانی[2] نیز می پردازد و تخلص او کاهی[3] است این اشعار از وست منه[4]

تا چند غیرت در و دیوار تو بینم از خانه برون آی که دیدار تو بینم
بخرام که از هر طرفی سرو قدان را حیران شده قامت و رفتار تو بینم

۳۴ ـ مولانا زین العابدین

مشهور[5] به تکلتو خان[6] * قصه[7] بلاغت آثارش * زنگ زدای هر غصه و غم و حرکات دلپذیرش مزیل محنت و الم ، اصلش از شیراز است در اوایل سفر بسیار کرده بود و اوقات بمعرکه گیری صرف می نمود و آخر بخدمت صاحب قران مغفور افتاد و چندان رعایت یافت که هیچکس ازین طایفه در هیچ زمان[8] مثل آن نیافته * و ظرایف و لطایف که میان او و صاحب قران مغفور واقع شده[9] مشهور عالم است چون ایراد آن موجب بی ادبی بود گستاخی ننمود ، این مطلع از وست منه[10]

ز هم بگشا لب و بنما بخوبان نکته دانی را که نگشاید کسی چون تو معمای نهانی را

۳۵ ـ مولانا کمال الدین قصه خوان

خود می گفت که از اولاد مولانا کمال غیاث فارسی ام اما او[11]را * تولد در اصفهان است[12] شیرین سخن و گرم گفتار بود مدت دوازده سال با من می[13] بود بعد[14] ازان مدت هفت

---

[1] ب: طبعت [2] ب: بصحانی [3] ب: کافی [4] ب: مطلع و بیت ،
[5] در ب ندارد [6] در ب ندارد ، تکلتو چیزی ست که از نمد وغیره دوزند و زیر زین بگذارند تا آسیب به پشت اسب نرسد (تتمه برهان قاطع) ، [7] ب: قصه بلیغش [8] ب: زمانی مثل آن نیافته اند [9] ب: گذشته [10] ب: یافته ام ، [14] ب: بعد ازین هشت سال ،

سال دیگر* در خدمت صاحب[۱] قرانی بسر می برد و در آواخر[۲] از مداومت افیون تفاوتی[۳] فاحش در صورت و سیرت او پیدا شده[۴] بود* گویا[۵] که ممسوخ* شده بود یا بمذہب تناسخ روح او را در قالب دیگر در آورده بوند تا در شہور سنه اثنی[۶] و خمسین و تسعمایہ* فوت شد و در اوایل گاہی کلام[۷] نظمی از و سری زد این چند[۸] بیت* از انجمله است منه

ای خوش آن ساعت که در کوی تو منزل داشتم
صد مراد از دیدن روی تو حاصل داشتم
داشتم پنہان ز عشقت آتشی در دل چو شمع
بر زبان آوردم اینک آنچه[۹] در دل داشتم

منه

صرف راه تو چه باشد که به[۱۰] از جان باشد　　جان ہمان به که نثار ره جانان باشد
گفتمش در غم عشق تو پریشانم گفت　　ہر که عاشق بود البته پریشان باشد

۳۶- مولانا قطب الدین احمد*

برادر مولانا کمال الدین حسین قصه خوان است و مصاحب حضرت صاحب[۱۱] قران* این مطلع زاده[۱۲] طبع* اوست منه

دل فگار از غم دلدار خویش است　　سینه ریش از ستم یار خویش است　　(ق ۱۴۷)

---

[۱] مراد از شاه طہماسپ اول است کما مر　　[۲] ب: آخر　　[۳] ب: تفاوت
[۴] ب: شد　　[۵] ب: بہ گونہ کہ نسخ　　[۶] ب: ۹۵۲، ت ندارد
[۷] ب: مطلع　　[۸] ب: ہر چہ　　[۹] ب: سازم　　[۱۰] ب: صاحب قرانیست،
نیز رک به حاشیه ۱،　　[۱۲] ب: از، ع ولیعنی نمره ۳۵،

۳۷ - مولانا دوست محمد

از ساکنان های مقرر شهر هرات است بعضی[۱] اوقات در گیلان بخدمت پادشاه* گیلان می بود بعد ازان در خدمت حضرت صاحب قران بسری[۲] برده آخر بطرف هرات رفته* در شهور سنه تسع و اربعین و تسعمایه در انجا* فوت شد، این رباعی از وست مثنه[۳]

تا چند ز تو بر دلم آزار رسد جور و ستم و طعنهٔ اغیار رسد
باری بهمین خوشم اگر از سر لطف گاهی نظرت بر من بیمار رسد

۳۸ - محب[۴] علی

از هرات[۵] است* نی را بسیار خوب می نواز[۶] و خط نستعلیق را نیک می نوشت اما بسیار بی پروا و لو[۷] مشرب و ظریف است* و مدتی با من می بود بعد ازان بواسطهٔ بعضی مردم که حجی در ایشان نیست حضرت صاحبقرانی او را بسید بیگ[۸] که مشهور است واسم[۹] او سید منصور کمانه است سپردند و حالیا با او می باشد و او با سید مذکور ظرافتها می کند، چنانچه سید مذکور در خیمه نشسته بود و شعر عربی می خواند[۱۰] و ترجمه آن را میگفته ناگاه اشتر[۱۱] ایشان که در بیرون بسته بود بادی جدا[۱۲] کرده چنانچه[۱۳] آوازه* باندرون خیمه رسیده، استاد مذکور[۱۴] بسید بیگ گفته: خداوندا شتر شما نیز شعر می گوید سید بیگ را بد آمده گفته اگر[۱۵] دیگر مثل این سخنان میگوئی ترا ادب[۱۶] می کنم* او در جواب گفته که شما[۱۷] را می باید که مرا

---

۱ در ب بجایش سهوا نوشته است: محب علی نایی ۲ ب: در گیلان چندگاه در خدمت والی
۳ ب: می بود آخر بهرات رفت ۴ ب: در ۹۴۹ آنجا ۵ در ب ندارد،
۶ در ب سهوا نوشته است: استاد دوست محمد (نیز رک به ح ۱)، ۷ ب: هرلیست ۸ ب: لوندست و مشرب بد
ظریف دارد ۹ ب: بیک کمانه کرا سم در ب کمانه مشد و ابهر دو جا ۱۰ ب: خوانده ۱۱ ب: اشتر ۱۲ ب: را
۱۳ ب: چنانکه آواز آن ۱۴ ب: محمد علی مذکور ۱۵ ب: که اگر ۱۶ ب: تربیت خواهم کرد ۱۷ ب: مرا جانب
شفقت فرماید، ۱۸ رک به ح ۵،

جایزهٔ شفقت فرمایند* که لطیفه[1] گفته ام سید بیک زمانی تامل کرده بعد ازان تصدیق او نموده[2] و از روی حسد[3] گفت[4] راست می گوئی، این مطلع[5] (بیت*) ازوست منه[6]

نیست غیر از بلا سرایت عشق ز اول عشق تا نهایتِ عشق
آه مجنونِ عشق پیشه کجاست تا برم پیش او شکایتِ عشق

۳۹ - آشفته[7] قصه[8] خوان

استرآبادیست، در[9] قصه خوانی و شاعری سخنش خالی از اثری نبود* این مطلع[10] ازوست منه[11]

بدور ماه نخشبی[12] تا خط بنفشه دمید قدم ز رشک خطش چون قد بنفشه خمید

۴۰ - مولانا قاسم علی قصه خوان

از مشهد[13] است* بسیار خوش طبع بوده[14] و قصه را بحرارت و چاشنی می خواند این ازوست منه[15]

چو توئی نبوده هرگز به وفا و مهربانی بتو هیچکس نماند تو به هیچکس نمانی

۴۱ - حافظ چرکین[16]

تبریزیست، نقشها[17] و سوتها* را طوری می بندد[18] و در هجو عملها دارد و از جمله برای مولانا زینی[19]* که بغایت سیاه و جسیم بوده عملی بسته تاریخ وفات او "بود[20] خر سیاه". پیدا کرده بود[21] و وی[22]* بسیار برش می خورد و با وجود آواز گرفته[23]* خوانندگی هم[24] می کرد[25]، و اعتقاد تمام بشعر خود دارد و خاطر مجمع قوی بزیب و زینت خود می گمارد تخلصش فراقی[26] است، این مطلع[27] ازوست منه

دمبدم می گردم از شوق لب لعل تو مست لعل جان بخش ترا کیفیت بسیار هست

---

[1] ب: کرده [2] ب: گفته [3] در ب ندارد [4] ب: مطلع [5] ب: ز ...
[6] ب: مشهدیست [7] ب: بود [8] ب: شعر [9] ب: چیرکن [10] ب: نقش ...
[11] آ: واند، تصحیح از روی ب [12] آ: مولانا رسی ب: ملا زینی [13] ب: کرد و ...
[14] ب: می کند [15] ب: فراقی [16] ب: مطلع ...

۴۲ - خروشی[1]

اصلش از مشهد مقدس است و در کاشان متولد شده از[2] طفولیت* پیش من می بود و این مطلع از وست مثنه[3]

بسوزم از غم شمع شب افروزی که من دارم
ندارد هیچ عاشق همچنین[4] سوزی که من دارم

۴۳ - مولانا مجنون چپ نویس

از خوش طبعان هرات است و در خط چپ بی بدل عالم بود و خط دیگر اختراع کرده بود[5] که[6] او را* توامان نام نهاده و صورت[7] خطی آن چنان* که دو صورت بقلم می نوشت که این دو بیت در و خوانا بود مثه[8]

توامان مخترع مجنون است[9] کز قلم چهره کشائیها کرد*
تا[10] شدم* مخترع صورت کش خط کم صورتکی پیدا کرد

و رساله نظمی[11] باسم من[12] در بحر لیلی و مجنون بسلک[13] تحریر آورده بود* و در قواعد خطی و[14] تعریف چگونگی قلم و سیاهی و رنگ کردن* کاغذ و[15] متعلق بها جهت نسبت* این بیت دو[16] رنگ کاغذ ازان* بخاطر بود[17] نوشته شد مثه[18]

---

[1] ب: خروشی آوی در ذیل ارباب استعداد مذکور است اما مولف واضح نکرده است که خصوصیتش چه بود،
[2] ب: در طفلی [3] ب: مطلع [4] ب: اینچنین
[5] ب: آورده، ب مثل متن [6] ب: و آن را خط [7] ب: صورتش انکه [8] ب: بیت
[9] ب: شد - کز قلم چهره کشائی میکرد [10] ب: باشدم [11] در ب ندارد،
[12] ب: باسم من نوشته بود و در سلک تحریر درآورده [13] ب: در سلک،
[14] ب: بیت،

رنگی که صفای خط از تست | از آب حنا و زعفران است

این مطلع هم از وست منه

بی وفا بودی ز اول من ترا نشناختم | حیف اوقاتی که در عشق تو ضایع ساختم

این مطلع قصیده هم بدو تعلق دارد منه

فیروزهٔ چهره را انگشترین تست | روی زمین تمام بزیر نگین تست

صحیفهٔ پنجم

در ذکر شاعرانی که بتخلص مشهورند

مطلع اول

در ذکر کبرای شعرای و عظمای بلاغت انتما

۴۴- مولانا بنائی

مولدش هراتست و چون پدرش معمار بود بنا بران این تخلص اختیار نموده و ذاتش چون در اصل قابل افتاده* در اوایل جوانی روشنی توجه بجانب کسب کمالات آورده در اکثر فنون گوی مسابقت از اقران ربود** و بنیان فضایلش [سمت] کانهم بنیان مرصوص پیدا کرده، از امیر غیاث الدین منصور منقول است که می گفته که ملا بنائی ملای شاعران و شاعر ملایان است، در تصوف و خوشنویسی و خوش خوانی مشهور بود و در علم موسیقی و ادوار که از اقسام ریاضیست رسایل دارد و ظرایف و لطایف طبعش بمرتبه بود که نسبت بمیرعلیشیر

ب: در ب: مطلع رک برای وی بیاض تامه (طبع گیب ٹرسٹ) ورق ۱۷۹ ب بعد و لطایف نامه فخری ۱۰۱ ، در ب ندارد ب: متوجه بکسب کمال شد در اکثر فنون سابق بر اقران شد،
از روی ب ت: خرمنه و ر (مجالس ام)

که علم نزاکت می افراشت و[۱] نزاکت مزاجش از آن مشهورتر است که احتیاج بتعریف داشته باشد سخنان می گفت، از جمله آنکه روزی بدکان پالان دوزی رفته گفت[۲] که پالان میر علیشیر می خواهم، و این سخنان[۳] بامیر علیشیر رسانده[۴]، با او سوء مزاج پیدا آمده چنانکه در وطن اصلی نتوانست ایستاد[۵] و بعراق کرده[۶] در خدمت سلطان یعقوب اندک ترقی کرده[۷] کتاب بهرام و بهروز را بنام پادشاه مذکور گفته[۸] و چون یوسف بیک برادر سلطان یعقوب نیز مقارن آمدن او وفات یافته دران باب گوید[۹] نظم *

نه از یوسف نشان دیدم نه از یعقوب آثاری

عزیزان یوسف ار گم شد چه شد یعقوب را باری

و بعد از اندک زمان[۱۰] حب وطن او را بجانب هرات کشید دیگر باره امور نا ملایم ازو در وجود آمد درین نوبت میر علی شیر بیشتر از پیشتر * رنجیده کار بجائی[۱۱] رسید که پروانه قتلش[۱۲] حاصل کرد، از جمله [بواعث[۱۳]] رنجش یکی آنکه چون میر[۱۴] بنا بر عدم توجه بجانب تاهل بعنینیت[۱۵] اشتهار یافته بود (و) مولانا قصیده جهت او گفته صله چنانچه مطلوع[۱۶] او بود [بدو] نرسید! بنا علیه آن قصیده را بنام سلطان احمد میرزا عم سلطان حسین میرزا کرده بدو گذرانیده این معنی مسموع میر شد[۱۷] نسبت بملا در مقام کلفت شده، مولانا جهت تلافی این قطعه را نوشته بملازمتش فرستاد[۱۸] قطعه

دختران * که بکر[۱۹] فکر منند — هر یکی را بشوهری دادم

آنکه کابین نداد عنین بود — زو گرفتم[۲۰] * بدیگری دادم

---

۱ در ب ندارد ۲ آ: بود، ب: گفته ۳ ب: سخن ۴ ب: رسیده
۵ ب: بودن ۶ ب: آورده ۷ ب: کرده ۸ ب: گفت ۹ ب: گفت بیت ۱۰ ب: زمانی ۱۱ ب: بحدی ۱۲ ب: قتل او ۱۳ از روی ب ۱۴ ب: میرزا ۱۵ ب: بعنت، ۱۶ ب: مطبوع ۱۷ ب: شده ۱۸ ب: فرستاده ۱۹ آ: فکر بکر ۲۰ ب: زو ستادم

لاجرم جلا نمود، بطرف[1] ماوراءالنهر* رفت و در خدمت سلطان علی میرزا ولد سلطان احمد میرزا پسر[2] سلطان ابوسعید که در[3] آن وقت والی ماوراءالنهر بود راه تقربی یافته در آنجا قصیده مجمع الغرائب که جمیع ابیات آن مصنوع است در سلک نظم کشیده* این دو بیت از وست[4]

شعر
آنکه در ذات کاملش این شد | حکم عالی پادشاه زمان
شهره ملک ماوراءالنهر | شاه سلطان علی بهادرخان

تا آنکه محمد خان شیبانی بر آن ولایت دست یافت و مولانا بنائی در درگاه خان[5] منصب ملک الشعرائی یافته[6] همراه او متوجه[7] خراسان شد و امور نامرضیه از و در هرات ظاهر شد از جمله آنکه مال شاعری بمردم حواله کرد و بعد از آنکه صاحب[8] قران مغفور بر خان اوزبک استیلا یافت او در قرشی ماوراءالنهر بود تا آنکه میر نجم ثانی که دستور[9] اعظم* صاحب قران مغفور بود بر آن ولایت دست یافته بقتل عام فرمان داد بنای حیات مولانا بنائی را نیز در آن واقعه بانهدام رسانیدند و کان ذلک فی شهور سنه ثمان عشر[10] و تسعمائه از اشعار مولانا بنائی دیوان غزل [illegible] است و غزل چند[11] دیگر در تتبع خواجه حافظ بتخلص حالی[12]* گفته و در قصاید خوب [illegible] این چند[13] بیت از وست[14] نظم*

گلستانیست خرم دیده ام از عکس رخسارش | ز مژگان خارها بگرفته بر اطراف دیوارش
[سه] بسرمه آنکه سیه کرد چشم یار مرا | چو چشم یار سیه کرد روزگار مرا
کنم غوغا به بیگانه که تا در کوی او بینم | که تا آید برون بهر تماشا روی او بینم

---

[1] ب: بماوراءالنهر [2] ب: ندیم شده پسر (بجای پسر) [3] [illegible]

[4] ب: از آنست [5] ب: حالی [6] ب: یافت [7] [illegible]

[8] ده ورق بخط جدید است [9] یعنی شاه اسمعیل اول [10] آ: [illegible]

[11] آ: عشر (بجای عشرة) ب: عشرین که غلط است [illegible]

[illegible]

منه

ز از خون جگر مژگان من بر یکدگر بسته که بی او مردم چشم بروی غیر در بسته

منه

تعالی الله چه گلزاریست رخسار عرقناکش
که آب از چشمهٔ خورشید داده ایزد پاکش

[ص ۵] نخواهم غبار گردم در کوی او در آیم
تا هر که بیند او را در چشم او در آیم

این رباعی نیز از جملهٔ اشعار اوست. رباعی

یوسف صفتان اهل پرهیز کجا شیرین نفسان شهوت انگیز کجا
با بوالهوسان نسبت عشاق کمن یعقوب کجا خسرو پرویز کجا

این دو مطلع هم از اشعار اوست

بر دل زرم هر زمان کان مه دلارای منست
خاطر خویش میکنم او را چه پروای منست

ز بدخوئی چنان بیگانه شد آن بیوفا با من
که شد بیگانه با هر کس که گردید آشنا با من

۴۵- شوقی یزدی

[۱] از ولایت خود به یزد است [illegible] مرد خوش صحبت و آدمی سیرت است خط نستعلیق را می نویسد و در انشا مهارت تمام دارد چنانچه بعضی اوقات منصب انشای من[۲]

---

[۱] [illegible] ۵۲ آ: [illegible] ترجمهٔ شوقی نیز بخط جدید است،

[۲] [illegible] ۵۵ [illegible] ندارد

طلق بدمود بشت[۱] (از پ) اکثر کتابخانه که فقیر داشتم او باخبر بود و کتب متداوله را خوانده ست و شاعر* پاکیزه گوست[۲] و از اقسام شعر* بقصیده گوئی بیشتر مشغولی میکند[۳] در جواب قصیده مولانا امیدی[۴] گفته است[۵]

ای تو سلطان ملک زیبائی ما گدا پیشها[۶] بتماشائی

قصیده[۷]

ای رخت ماه اوج زیبائی قامتت سرو باغ رعنائی

سرو و گل را اگر بود با تو دعوی حسن و لاف زیبائی

سرو برجا بماند از خجلت چون خرامان بباغ فرمائی

گل ز شرم رخ تو آب شود[۸] اگر از پرده روی بنمائی

ماه را با رخ تو نسبت نیست سرو را با قد تو مانائی

سرو آزاده ایست گوشه نشین هرزه گردیست ماه هرجائی

درین[۹]* قصیده مطلع قصیده مولانا امیدی را تضمین کرده[۱۰] خوبست منه*

ای تو شاه سریر دلجوئی ای تو سلطان ملک زیبائی

روز میدان ز خرگه لعلی چون گل از غنچه برون[۱۱] آئی

عزم میدان کنی و چون خورشید عالم از روی خود بیارائی

زلف چوگان صفت بدوش نهی وز بتان گوی حسن بربائی

شاه خوبان عالمی و ترا ما گدا پیشها[۱۲] تماشائی

در جواب قصیده ردیف گل مولانا کاتبی[۱۳] قصیده گفته که ازین بیت باقی قصیده را معلوم

۱- پ: شاوری ۲- در پ نا رسا ۳- ب: دارد ۴- ب: فرد ۵- آ: پیشکان ۶- در آ بعد از حک و اصلاح افزوده است: گفته این چند بیت از انجاست، پ مثل متن ۷- ب: نماند ۸- در ب به تصحیح "شود" را "شده" مبدل کرده ۹- آ: و این ۱۰- پ: قصیده ۱۱- آ: کر برون، ب مثل متن ۱۲- آ: پیشکان، ب مثل متن ۱۳- پ: کاسے

می توان کرد منه[1]

شاخ گل را از تفاخر سر زگردون بگذرد تو گل من گر زند بر گوشهٔ دستار گل

واین مطلع نیز[2] از وست منه

شب تا بروز گریهٔ جانسوز می کنم بی تو شبی بخون جگر روز می کنم

۴۶ - گلشنی[3] کاشانی

در اوایل بمشک فروشی اشتغال می نمود شوق سخن عنان او را گرفته بجانب غزالان مشکبوی عنبر موی کشید، بار دوی همایون تردد داشت، مردی مصاحب و عاشق پیشه است عزم عتبات عالیات نموده بشرف زیارت مشرف شد و از انجا سفر کرده بشوستر افتاد در انجا جوانی دیده دل از دست داد والحال انجا بسر می برد، خط نستعلیق را بمزه می نویسد این مطلع و رباعی از وست منه

بلبل بباغ گر سخنی زان دهن برد از شرم غنچه سر بته پیرهن برد

رباعی

ای شوخ بلا آفت جانی شدهٔ از بهر من پیر جوانی شدهٔ

می خواست دلم سرو روانی زین باغ تو خاستهٔ سرو روانی شدهٔ

۴۷ - مولانا فیضی

برادر حافظ بابا جان[4] بود و حافظ کلام الله، خط را خوب می نوشت و جوانی بفهم بود و در شعر هم طبع خوب داشت این رباعی و مطلع از وست رباعی[5]

---

[1] ب: ـــ [2] ب: هم [3] ب: مطلع [4] ترجمه اش را ندب ندارد
[5] رک به ص ۱۰۱، [6] ب: م

ازپیش من آن زهره جبین می گذرد   آشوب دل و آفت دین می گذرد
عمرم همه بگذشت ندیدم رویش   افسوس ز عمری که چنین می گذرد

منه

مومی شده ام بی خط مشکین رقم او   کو بخت که آیم بزبان قلم او

۴۸ - ذهنی نقاش

(ورق ۱۴۳)

از جملهٔ خوش طبعان و لوندان شهر یزد است و سر حلقهٔ ارباب سوز و درد بوده ذهن معانی و سلیقهٔ وافی داشت چنانچه ازین مطلع معلوم[1] می توان کرد منه*

بعد از وفات هر قلم استخوان ما   سر رشته نامه ایست ز درد نهان ما

۴۹ عبدالله شهابی

(ورق ۱۸۴ ۱)

در اصل از ممالیک سادات سیفیه[2] قزوین است اما چون فطرتش بغایت قابل افتاده بود باندک جد و جهدی در فنون فضایل مثل خط و انشا و شعر و معما ترقی[3] نموده در خوش طبعی مشهور و معروف است[4] و وفات مولانا در وبای عظیم بغداد در حلهٔ فی واسطهٔ شهر جمادی الاولی [سنة] اثنتی و عشرین و تسعمایه*

این مطلع از وست منه[5]

شراب عشق عجب شورشی بجان من آورد   که هرچه در دل من بود بر زبان من آورد

۵۰ - قدیمی نقاش

(ورق ۱۸۴ و)

اصل او از گیلانست مصور خوبست و در شاعری خود را کمتر از دیگران نمی داند این

---

[1] ب: می توان دانست ام / [2] ب: سیفیه [3] ب: ترقی تمام [4] ب: اکشت [5] ب: مطلع

[مطلع و بیت] از وست[1]

دیده ام روئی و عاشق شده جانی عجبی		رو نموده ست مرا بازه بلائی عجبی

چاره در عشق تو جان دادنم از درد و غمت[2]		طرفه دردیست کرم را دوائی عجبی

۵۱ - عشقی تبریزی[3]

(ورق ۸۶ الف)

معمائی و کتابه نویس خوبست و گاهی شعری بگوید این مطلع از وست منه

چون بگذرد بخاک من زار پیکرم
گر سر ز خاک بر نکنم خاک بر سرم

۵۲ - آیتی اصفهانی

(ورق ۸۶ ب)

اوقات بکتب داری میگذراند و خط نسخ و نستعلیق را خوب می نویسد این مطلع از وست منه

میان ما و سگ یار فرق بسیار ست		چرا که ما سگ اوئیم و او سگ یارست

۵۳ - نباتی تبریزی

(ورق ۸۷ ب)

به نقاشی و لاجوردشوئی اوقات می گذراند این مطلع از وست منه

عکس رخسار آن پری رو تا در آب انداخته
از خیالات آب را در اضطراب انداخته

در مقطع این غزل تخلص نباتی بسیار شیرین واقع شده منه

---

[1] از رو کتاب ب		[2] آ: غمت، ب مثل متن
[3] تراجم عشقی تا شیخی کرمانی را در ب ندارد، و باقی تراجم این صحیفه را در آن نسخه در صحیفه هشتم آرد

از هوای آن لب شیرین ثباتی روز و شب
چون مگس خود را درون شهد ناب انداخته

۵۴ - گلیمی گیلانی
(ورق ۸۹ ب)

همگی اوقات بترقی خط و انشای گمارد و در بعضی اقسام حکمت وقوفی دارد
این مطلع از وست منه

صفحه

خطش که گرد رخ همچو ماه تابان است   نوشته سورهٔ یوسف بخط ریحانست

۵۵ - مولانا کشوری

از ارد و باد قزوینست و خط نسخ و نستعلیق را طوری می نویسد و شعر بسیار
گفته بهترین اشعارش این مطلع است منه

بنو بهار رخت آفت خزان مرساد!   غبار غم بتو ای سرو نوجوان مرساد!

۵۶ - شیخی کرمانی
(ورق ۹۰ ب) (ورق)

در نقاشی بی بدل بود و در طلائی مکمل این مطلع از وست منه

طره ات مار خفته را ماند   چهرهٔ ماهِ دو هفته را ماند

۵۷ - مولانا[۱] جان کاشی*
(ورق ۹۲ ب)

[کاتب][۲] خوشنویس بود و خطی اختراع کرده است موسوم به شکسته بسته بدین

---

۱ ب: ملا جان   ۲ از روی ب،

کیفیت که در دو ورق کاغذ تنک که پاره ازین ورق[1] سفید* و پارهٔ ازان سیاست چون بر بالای هم می نهند صورت خط ظاهر میشود و در شعر گفتن قدرت[2] عجبی داشت چنانکه در یک شب هزار بیت می گفت و در قافیه و عروض و معما رسایل دارد واوقات بتعلیم اطفال می گذرا[3]ند[4] این مطلع از وست منه[5]

ای از رخ تو سورهٔ یوسف حکایتی   نون والقلم[6] ز ابرو و قدت کنایتی

۵۸- گلشنی[7] کاشانی

(۹۲۶؟)

خطوط را طوری می نویسد و بتعلیم اطفال مشغول است، این دو مطلع از وست

منه

آنکه به گریهٔ من خندهٔ بسیار کند   گر بداند غم من گریه بد[8]و کا[9]ز کند

منه

بشمع سان یکسشب اگر سر در سرای من کنی   گریهٔ بسیار چون شمع از برای من کنی

۵۹- مولانا[10] محمود* صبوری

(۹۹۴؟)

در طهران بکتابت مشغولست، این مطلع از وست منه

نیست اشک لاله گون کز چشم پرخون می رود   از غمت خون جگر از[11] دیده بیرون می رود

---

[1] در ب ندارد [2] ب: وقوفی ـ قدرت [3] ب: گذرانید [4] ب: مطلع

[5] ب: روایتی [6] ب: نعمتی، اما ترجمهٔ نعمتی کاشانی را در آ چند سطر پیش ازین آورده است،

[7] ب: تکرار [8] ب: در،

ورق ۱۹۴ | ورق ۱۰۰

۶۰- وفائی تونی

طالب علم و ظریف[1] و خوش صحبت و خوشنویس است این مطلع از وست منه[2]

نشسته طوطی خط بر لب لعل شکر بارش
به پیش آن دهان بود ولی بارای[3] گفتارش

ورق ۱۹۵

۶۱- نگاهی[4]

ورق ۱۰۱

مولدش هرات است و اوقات او بکتابت می گذرد[5] و هر روز چهار بار فیون می خورد این مطلع از وست منه

با بتان دل شرح درد بی نوائی میکند
بی نوائی از در دلها گدائی میکند

ورق ۱۹۵ | ورق ۱۰۲

۶۲- مولانا عینی[6]

از جمله[7] کاتبان شیراز بود[8] بسرعت کتابت او کم کسی کتابت می کرد و گاهی بشعر میل می کرد[9] این مطلع از وست منه[10]

بی روی دلفروزت عشاق را طرب نیست
با ماشی بسر بر کیشب هزار شب نیست[11]

---

[1] ب : ظریف خوش طبع است ، [2] ب : مطلع

[3] ب : یاری [4] مولانا نگاهی هرویست ، کتابت می کند [5] عینی ، ب مثل متن

[6] در ب ندارد [7] ب : در سرعت کتابت مثل او نبود [8] ب : مطلع :

مرا [دده ؟] دیده خون خندان [خون چندان ؟] آذان بهاری ، میگوفت کہ چشمی مرا بر سر مثال کاسۂ خوفت (خونست)

(۹)

۶۳-رضائی گنگ

از عراقست کاتب سریع الکتابت بود چنانچه روزی هزار بیت می نوشت و در شعر شناسی مستقیم بود، بروم رفت و دیگری خبر[1] از و نیامد* این مطلع از وست منه[2]

جام برکف چشم بر رخسار ساقی مانده ام
تا بغفلت نگذرد این عمر باقی مانده ام

(۱۰)

۶۴-مولانا حسین

از ری است، خط نستعلیق[3] را بدنمی نویسد[4]، این مطلع از وست منه[2]

کی نسبت قد تو بشمشاد توان کرد　　صد سرو ببالای تو آزاد توان کرد

(۱۱)

۶۵-مولانا نظام

از جمله[2] حفاظ آستانه[3] امام زاده عبد[5] العظیم است[4] و در کتابه نویسی دست[6] دارد* این بیت از وست منه[7]

چگونه یاد گران بینمش که نپسندم　　غبار غیرز غیرت بگرد دامانش

---

[1] ب: چیزی از و نماند　[2] در ب ندارد　[3] آ: تعلیق، ب مثل متن

[4] ب، نوشت،　[5] ب: عبداللطیف　[6] ب: دستی داشت

[7] ب: ۲ (علامت بیت)

(ورق ۱۰۷ ب)

صحیفهٔ ششم

در ذکر طبقهٔ ترکان و شعرای نامور مقرر ایشان

(ورق ۱۰۸ ا)

۶۶ - میر دوست طارمی

از جمله خدام آستان عالی مقام ملایک[1] پاسبان* امام انام و مقتدای اهل اسلام علی[2] بن موسی الرضا علیه السلام* من الملک العلام است، اصلش از امیرزادهای چغتای[3] است و خود نیز در پیش[4] بابر میرزا رتبهٔ عالی داشت، شبی حضرت امیرالمومنین علی علیه[5] السلام را[6] در خواب دیده[7] و آنحضرت او را به ترک دنیا که ترک الدنیا راس کل عبادة و حب الدنیا راس کل خطیئة و توجه بآستان عالی شان امام همام اشارت فرموده[8] اند* بنابران ترک امارت کرده و بدرگاه عالم پناه روی آورده[9] و مدت ده سال در انجا بعبادت و طاعت اوقات صرف کرده و معاش از وجه کتابت گذرانیده از هیچکس[10] طلبی* و توقعی نکرده[11] بعد ازان بایش[12] رتبه سرفراز گشت* و حالا[13] چند سالست که بدین خدمت مشغولست، خط را خوب می نویسد و در علم اعداد مهارت تمام دارد و در شعر و معما نیز[14] طبعش خوبست، و با این همه درویشی و دردمندی بسیار خوش صحبت و شیرین سخن واقع[15] شده*، این مطلع[16] از وست منه[17]

چاکهای کز جدائی در گریبان منست ‍ ‍ ‍ هر طرف راهیست کز جانان[18] سوی جان* منست

---

[1] در ب ندارد [2] ب: خدمت [3] ب: کرّم الله وجه [4] ب: دید [5] ب: فرمودند [6] ب: اوردند
[7] ب: از کس طمعی، [8] ب: بان مرتبهٔ عالی سرافراز شده [9] ب: حالیا [10] ب: هم
[11] ب: است [12] ب: مطلع [13] ب: تا با جانان،

۶۷- میر شاه علی

از امیرزاده‌های چغتائی بود و جوان رشید و هنرمند[۱] خط نسخ[۲] و نستعلیق را طورشی[۳] می نوشت و در کمانداری سرآمد زمان خود بود و من در کمانداری شاگرد اویم و دیگر در معما و عروض و حدت ذهن از تعریف زیاده بود و در سپاهی گری بی بدل و[۴] در شهور سنه[۵] ثمان و ثلثین و تسعمایه فوت شد، قصیده در جواب مولانا[۶] امیدی گفته بود این مطلع[۷] و بیت از انجاست منه

ای رخت بر سپهر زیبائی   آفتابی بعالم آرائی
تو بیازار حسن یوسف مصر   ما تهی کیسهای سودائی

۶۸- یوسف بیک توشمال[۸]

۱۰۱

از اقوام ایوب اغلیست که اصلش[۹] از قبیله چغتایست، اول[۱۰] در خدمت حضرت صاحبقران مغفور[۱۱] در سلک پروانه چیان[۱۲] می بود الحال منصب توشمالی[۱۳] صاحبقرانی تعلق بدو دارد و اوقات بتقوی و طهارت میگذراند قوت مطالعه عجبی دارد و اکثر خطوط مثل کوفی و معقلی و خطائی و خط نصاری را می تواند خواند و با وجود اشتغال بخدمت یک لحظه بی کار نمی ماند و پیوسته کتابت کتب[۱۴] فقهی و حدیث و تفسیر میکند و طبعش در شعر[۱۵] ترکی و فارسی هم خوبست این مطلع ترکی که برای خلف نامی گفته نوشته شد منه[۱۶]......

---

[۱] ب: است و [۲] در ب ندارد [۳] ب: خوب می نویسد و در تیراندازی
[۴] ب: ۹۴۸ [۵] ب: از دست سعر [۶] آ: نوشال، ب مثل متن، توشمال سفرچی را گویند دستارگلس،
[۷] ب: ام [۸] آ ب: چنان، تصحیح قیاسی ست [۹] آ ب: نوشالی
[۱۰] آ ب: کتاب، تصحیح قیاسی است [۱۱] بیت ترکی را حذف کرده ام

(ورق ۱۱۰ ر)

۶۹- نگاهی

اصلش از ترکان[۱] چغتایست جوان عاشق پیشه بود و[۲] در هنرمندی ید بیضا می نمود بخاتم بندی و نقاشی و در شعر هم طبعش[۳] ملایم است*، این مطلع از وست منه[۴]

فلک : و زهی[۵] که از کوی توام آواره می سازد
فلاخن از مه نو سنگ از ستاره می سازد

(ورق ۱۱۰ ب)

۷۰- موسی بیگ

اگرچه اصلش[۱] کرد* است اما در تبریز متولد شده، علم سیاق و حساب خوب ورزیده[۲] بواسطه تشریف[۳] انشای* آستانه متبرکه[۴] منوره صفیه[۵] رضویه[۶] محفت بالانوار القدسیه مشرف شده، در نوشتن خطوط و شعر و انشا سبق از اقران و امثال[۷] برده، این مطلع از وست منه[۸]

بدل تیری کز ان ترک کمان ابرو کند منزل   نهالی گردد و تخم محبت باشدش حاصل

(ورق ۱۱۲)

صحیفهٔ هفتم

در ذکر طرفه گویان مقبول الکلام و ایراد نساير عوام

(ورق ۱۱۳ ر)

۷۱- قفالی قفل گر

از بزرگ زاده های زمان و نوادر دوران است در آن صنعت بمرتبهٔ ماهر بود که دوازده قفل

---

[۱] ب: ندارد [۲] ب: بخوبت [۳] ب: مطلع [۴] ب: اصل او از کردی [۵] ب: میدانند [۶] ب: ... [illegible]
[۵] ب: آنکا،
[۵] آ: صفویه

از فولاد ساختہ بود کہ از درون پیوست پلیستہ میکند (؟) و ہمہ را کلید بود و بعد از
ہفتاد سال بخاطر ایشان رسید کہ شاعر باید شد بنیاد شاعری کرد با وجود آنکہ شعر او ناموزون
است معنی ہم ندارد، این مطلع زادۂ طبع لطیف ایشانست منہ

خوش گنبدیست گنبد نقاشش ز ل در صفاہان سر بچہ رخ و پا بگل

در جواب این مطلع خواجہ حافظ

مزرع سبز فلک دیدم و داس مہ نو یادم از کشتۂ خویش آمد و ہنگام درو

استاد مذکور این مطلع فرمودہ اند منہ

کرہ تند فلک دیدم و اندر تگ و دو گفتمش تند مرو جو جو! جو جو! جو جو!

در محل خواندن مصرع ثانی بہر دو دست دامن خود را گرفتہ می جنبانید ہمچو کسی کہ جو بہ
گریختہ نماید۔

۷۲-شاہ وردی

پسر پہلوان مولانا سلطان علی بیلدار سبزواریست اما او را در بیلداری دستی
نیست، خط نستعلیق را بدنمی نویسد این مطلع و بیت از وست منہ

شام ہجران چند باشم بی گل رخسار او ای خوش آن صبحی کہ بینم یک نظر دیدار او
می کشد دور از گل رویش بصد خواری مرا گاہ پند دوستان گہ طعنۂ اغیار او

۷۳-استاد[2] شاہ قلی نقاش

از شہر قمست در نقاشی و رمالی وقوف تمام دارد و در شعر خود را یگانۂ آفاق می داند

---

[1] کذا در آ؛ در ب نمرہ ۱، و ۲، را ندارد۔ [2] در ب ندارد۔

وتخلص او الوانی[1] است* این مطلع از وست[2] منه

ماهی که او نظر بمن خسته داشت رفت — ما را بدست ظلم رقیبان گذاشت رفت

۷۴- مقصود بنا

پسر عبدالسلام معمار است که معمار تبریز بود مردی آدمی و کاسب[3] است و کتابهٔ ایوانی که در سرکار حضرت[4] صاحبقرانی ساخته خود گفته مطلع آن اینست[5] منه

قصری که عکس شمسهٔ آن مهر انور است — از خاک برگرفتهٔ دارای کشور است

در مقطع قصیده[6] لفظ مقصود طوری واقع شده منه

مقصود رخ[8] نتافت ازین در بهیچ باب — معلوم شد که قبلهٔ مقصود این در است

۷۵- خواجه خورد بیلدار

پهلوان زمان و استاد بیلداران[9] عراق و خراسان بود و در رقص باوجود ضخامت[10] جثه چنان صاحب اصول بود که ظرفا او را کوه[11] اصول می نامیدند و در کمانداری نیز استاد بود و در اکثر اوقات تلاوت قران می کرد و بطاعت مشغول[12] بود اما در آخر از و چیزهای غریب نقل می کردند که ایراد آن لایق نیست در شهور سنه ثلاث و خمسین و تسعمایه فوت شد و از زبان مردم زمان هنوز خلاصی[13] نیست* نوبتی در افلاس و مدح بیلداران

---

[1] ب: خوابیست [2] ب: مطلع [3] ب: کاتب [4] ب: شاه طهماسب کامتر [5] در ب ندارد [6] ب: این قصیده
[7] ب: مقطع [8] ب: رو [9] ب: پهلوانان [10] آ: زخامت
[11] ب: کمان [12] ب: مشهور [13] ب: خلاص نمیشود

عرضداشتی کرده بود بطریق نظم[۱] این مطلع و بیت از انجاست منه

بیداران که در جهان فاش شند مفلسند و غریب و قلاشند

از سر غیرت و جگر خواری[۲] سنگ خارا به بیل بخراشند

۷۶ - استاد قاسم کمانگر

از هرات ست و در کمانگری و چاقگری[۳] در[۴] سر آمد کمانگران ازمان، در صیادی نیز وقوفی دارد، زهگیر[۵] را خوب می تراشد، این مطلع خود را بر گوشه کمانهای خود می نویسد منه

آنکه اولاد علی را خادم است خاکِ راهِ دردمندان قاسم است

۷۷ - محمود زهگیر[ای] [۱]

او نیز از همان طایفه است زهگیر و قنطر[۶] تراز و راخوب می سازد و آواز بهایم را تقلید می کند[،] بسیار بد و بیمزه حسب حال خود دگفت[۷]، این مطلع از وست منه

گهی محمود زهگیرم گهی محمود قنطرهم گهی اسیم[۸] گهی اشتر[۹] گهی گاوم گهی خرهم

۷۸ - دیوانه نقاش

از شهر تبریز است گویند در مجلس سلطان یعقوب او را راه ندیمی بود، این مطلع از وست منه

غلط کرده طلب کردیم جاه و سربلندی را دریغا ما ندانستیم قدر دردمندی را

---

۱ پ: مطلع ۲ ب: جگرداری ۳ پ: چاقگری ۴ در ب ندارد ۵ آ: زهگیر، پ: زهگیری، زهگیر انگشترمانندی باشد از شاخ و استخوان وغیره که در انگشت ابهام کنند - برهان، ۶ پ: قنطار و ۷ از روی ب ۸ پ: تمام ۹ آ: اشتر، پ: اشعر

خطاطی کے نمونوں کی تشریح

۱۔ **سلطان علی مشہدی** جس کی وصلی کا فوٹو شائع کیا جا رہا ہے۔ وہی مشہور خطاط ہے جسکا حال اس رسالہ کے صفحہ ۹۲ و نمرہ ۱۵ پر درج ہے' اصل کی محرر سطح کی تقطیع: ۳½×۵

۲۔ **محمود شہابی** کا ذکر تحفۂ سامی میں نہیں آیا۔ گو وہ اسی زمانہ کا خطاط ہے'۔ اسکے حال کے لیے دیکھو تاریخ عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ (بذیل مولانا محمود اسحق سیاوشانی)، اور اسلامی میگزین جلد ۲ نمبر ۲ ص ۱۴' اسکا سن وفات ۹۹۱ ہے' محمود بن اسحق شہابی کی ایک وصلی کا عکس مسلم ریویو کلکتہ ج ۲ نمبر ۲ پلیٹ ۲ میں بھی چھپا تھا' یہی شخص محمود اسحق سیاوشانی ہے۔ دیکھو ہیوار (Huart) کی کتاب مشرق اسلامی کے خطاط اور مصور ص ۲۲۸' صاحب عالم آرای عباسی کہتا ہے کہ وہ مولانا میر علی کا شاگرد تھا۔ "دران عصر نستعلیق را کسی بہتر از مولانا محمود مذکور نمی نوشت" یہ بھی لکھا ہے کہ "خط او اعتبار تمام دارد و قطعہ او را باطراف و جوانب عالم خصوصاً ہند و ماوراء النہر می برند" اصل کی محرر سطح کی تقطیع: ۴½×۲½

۳۔ **عبدالرحمن الخوارزمی**' اس کے تذکرہ کے لئے دیکھو ہیوار کی کتاب مذکورہ بالا ص ۲۵۷' یہ خطاط مولانا انیسی اور عبدالکریم پادشاہ کا باپ ہے۔ اُن کا ترجمہ سام مرزا نے دیا ہے۔ دیکھو یہی رسالہ ص ۹۹ نمبر ۲۵ و ۲۶' بقول ہیوار عبدالرحمن بھی سلطان یعقوب قراقوینلو کے دربار کا خطاط تھا۔ اُسنے اور اسکے دو بیٹوں نے نستعلیق کی پرانی طرز کو بدلا اور بعد کے لوگوں نے اس طرز کا تتبع کیا' دیوان حافظ کے ایک نسخہ سے جو عبدالرحمن مذکور نے ۸۵۹ھ میں لکھا دو مختلف صفحے بطور نمونہ کے لئے گئے' تقطیع اصل: ۶½×۴½ انچ'

---

[۱] Les Calligraphes etc (Paris, 1908).
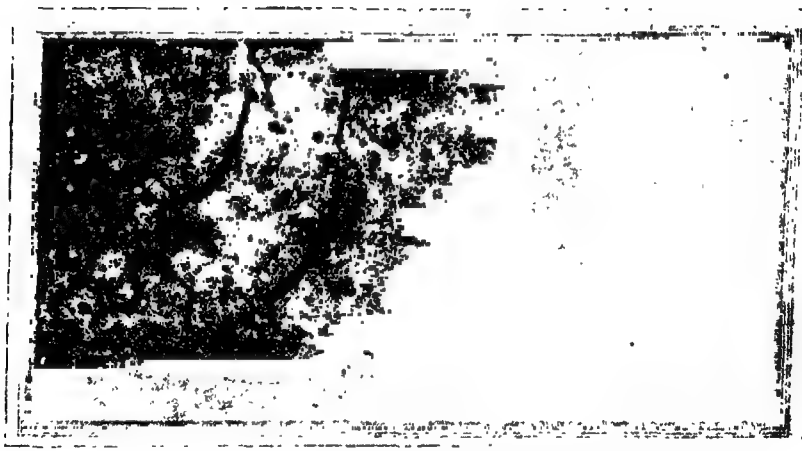
فہرستِ تراجم ہنروران

ہر شخص کے نام کے ساتھ وہ ہنر دیا گیا ہے جو اس کا طرۂ امتیاز ہے، ورنہ ذیل کا ہر شخص شاعر بھی ہے اور ان میں سے بعض اور خصوصیتیں بھی رکھتے ہیں -

---

(اڈیٹر)

فارسی کی بعض شاعر عورتیں

اور

اُن کا کلام

(بسلسلۂ اشاعت گذشتہ)

۵ ۔ زینب متخلص بہ عشرت اصلش از ولایت کاشان و از عمرش بیست و دو سال گذشتہ ساکن کاشان می باشد

لہا من الغزل

گر خداوندیت باید بندگی کن شاہ را　　خواجگان در بندگی جستند قدر و جاہ را

سر بنہ گر سروری خواہی ز خاک درگہش　　آبروی خویش گردان خاک این درگاہ را

رفعت درگاہ او را وہم سنجیدی بچرخ　　عقل گفتا بس کن این اندیشۂ کوتاہ را

خیز و در میدان او بین گوی چوگان مہر را　　آی و در جولان او بین نعل یکران ماہ را

پیروی نفس غیر از گمرہی حاصل نداشت　　ہم نگر راہی نماید عشق این گمراہ را

نفس شیطانیست رہزن در طریق بندگی　　عشق سلطانی کہ پرداز و ز دزدان راہ را

دست دہ بردست این سلطان نیک اندیش را　　پای نہ بر فرق آن اہرمن بدخواہ را

ور کند با عشق دعوی عقل از نادانیست　　جہل باشد پنجہ با شیر ژیان روباہ را

آتش سوزان بود عشرت وجود ما چو کاہ

آب بیحاصل بود چون سوخت آتش کاہ را

لہا ایضاً

عشق تو بر سر نام تو بر لب | آن عیش روزم این عشرت شب
نام تو جانان بر بازوی جان | بندم که هست آن حرز مجرّب
وصل تو جوید وصف تو گوید | هم شیخ خلوت هم طفل مکتب
جز وصف جنت جز حرف عشقت | خوانم چه آیا گویم چه یا رب
تا باز پرسی بیمار خود را | هرگز نخواهم آزادی از تب
باشد شب غم ز آهم شررها | آنرا که خوانی بر چرخ کوکب
عشرت تو خود را عاشق شماری | عاشق نخسپد هر روز تا شب

لہا ایضاً

ساقیم باز مجلس آرا شد | وز لب لعل باده پیما شد
از رخش تافت در دلم عکسی | دل ز عکس رخش مصفّا شد
عشقش آمد در خزانه گشود | نقد گنج هوا هویدا شد
جام گیتی نما بدستم داد | هر چه بود و نبود پیدا شد
گاه خالد شد و گهی سلما | گاه مجنون و گاه لیلا شد
حسن خود را ز دیدهٔ وامق | تا نظر اندر عذار عذرا شد

لہا ایضاً

ای فکر تو جستجوی درویش | وی ذکر تو های و هوی درویش
شاها چه شود ز چشم احسان | باری نگری بسوی درویش
رو بر درت آورم که باشد | خاک درت آبروی درویش

افگنده کمند شوق چون طوق ۔ گیسوی تو در گلوی درویش
تا چند شها شکسته خواهی از سنگ ستم سبوی درویش
باری چه شود اگر برآید از وصل تو آرزوی درویش
تا عشرت خود عیان به بینی بنگر برخ نکوی درویش

لها ایضاً

باشد اسیر هر خم زلفت هزار دل از بسکه کرده تیر نگاهت فگار دل
هر یک بعشوه دگر از راه میبری باشد اگر بسینه مرا صد هزار دل
دانست راه کوی تو مشکل که بعد ازان گیرد درون سینه تنگم قرار دل
هست از جفا و جور تو خون هر کجا دلیست تنها نه من ز دست تو دارم فگار دل
از بسکه پاره پاره ز مژگان فرو چکد آخر تمام ریخت مرا در کنار دل
عشرت ز داغ و درد تو فارغ دمی نبود
گر از فراق خون شد و گر ز انتظار دل

لها ایضاً

آمدی از در درون و من ز خود بیرون شدم اینقدر دانم که دیدم پس ندانم چون شدم
تا شدم زنجیری آن طرهٔ پر پیچ و تاب در بیابان جنون استاد صد مجنون شدم
من خود از روز ازل بودم گرفتار غمت تا نه پنداری اسیر عشق تو اکنون شدم
از سگان درگه او کمترم من بارها گرچه در عهد وفا زایشان بسی افزون شدم
هوشیاری را مگر در خواب بینم بعد ازین تا چه عشرت بی خبر از آن لب میگون شدم

لها ایضاً

ای روی نور بخش تو در حسن ماه من نوری بنخش در شب هجر سیاه من

آئینه را ز آه فتد زنگ بر جبین تا با رخت چگونه کند دود آه من
گرچه گدا و بی سر و پایم بعشق تو شاهم بدین گمان که توئی پادشاه من
نگریزم از بلای دو عالم بملجائی تا طاق ابروی تو بود تکیه گاه من
عشرت دگر چه لاف ز ایمان زند بگو
تو خود خدای و کوی تو شد قبله گاه من

٢ - مخدومه - اصلش از بلدهٔ کرمانشاهان و از عمر شریفش هجده سال گذشته و ساکن شهر خود می باشد،

لها من الغزل

اینست اثر در تو گر[1] آه سحرم را بندی تو بفتراک ستم زود سرم را
از بام تو ام قوت پرواز نباشد با آنکه نه بسته است کسی بال و پرم را
در هجر و هم جان بامیدی که رقیبان شاید برسانند بگوشش خبرم را
گوئی بدلش کرد اثر نالهٔ زارم کز سنگ جفا می شکند بال و پرم را
شادم که بکویش نگذارد اثر غیر
مخدومه گر انیست[2] اثر چشم ترم را

لها ایضاً

از دست دلم دیگر بردی و نمیدانم دیگر بچه تدبیرش از دست تو بستانم
ای حسن تو روز افزون لیلی برخت مفتون وقتست که چون مجنون بینی به بیابانم
در جان من این آذر تا فگند غم دلبر دانم که بر آرد سر روزی ز گریبانم
تا رخش جفا انگیخت دلدار بغیر آمیخت دل خون شد و آن خون ریخت از دیده‌ام

١ - در متن: گر تو در، ٢ - آگر نیست،

ای قاصد خجستہ آثار باز آی ز کوی یار   تا جان ز پی ایثار در پای تو افشانم

محذومہ سر آن کو چون تافت ز حسرت رو

یکبار تیر رسید او کو بلبل دستانم

۷ - محرم۔ اصلش از دار السلطنۃ طهران می باشد و از عمرش بیست و چهار گذشتہ ساکن طهران می باشد،

لہا من الغزل

مهربان با خود نہ بینم داستان خویش را   تا بگریم در برش درد نہان خویش را

رفتم از حسرت ز کویش چند بینم هر زمان   در کنار دیگران آرام جان خویش را

در بهارم چون ز تاراج خزان شد آگهی   بر سر شاخی نہ بستم آشیان خویش را

اختیار دل بدستم نیست ورنہ هرکسی   می شناسد ناصحا سود و زیان خویش را

میکنی آزار یاران تا بکی از بهر غیر   بیش ازین از خود مرنجان دوستان خویش را

راندی از کویت مرا چون مدعی ای گل چرا   فرق از گلچین نکردی باغبان خویش را

شادم از جورش و گرنہ از فغان آوردمی   بر سر مهر آن شہ نامهربان خویش را

بس بود این خونبهای من پس از کشتن گراو[1]   بر سر آید کشتۂ در خون طپان خویش را

محرما از عشق خوبان داستان شد همچو من

در بر هرکس کہ گفتم داستان خویش را

۸ - دختر خراسانی متخلص بہ عفیفہ اورا کردی بشیراز آوردہ و از عمرش سی و پنج سال گذشتہ حال ساکن شیراز می باشد،

لہا من الغزل

خوش پدید آمد بت عیّار ما   رشتۂ زلفش بشد زنّار ما

[1] متن: کرا،

در خرابات مغان و کنج دل — همنشین ما بود دلدار ما
میزند خنده بدریا همچو برق — دمبدم این دیدهٔ خونبار ما
نور مهر و ماه را دانی ز چیست — لمعهٔ گر بینی از انوار ما
عاقلی و زاهدی در کار تست — عاشقی و باده خواری کار ما
دیده روشن کن ز نور روی یار — هم ز چشم ما ببین دیدار ما
تا عفیفه کرد جا در غار دل — جان جانان گشت یار غار ما

۹ - دختر مازندرانی متخلص به حورا اصلش از بلدهٔ مازندران و از عمرش بیست و پنج سال [گذشته] و حال ساکن شیراز می باشد،

لها من الغزل

گفتم ز خط چو هاله کشد گرد ماه را — شاید دهد مراد دل داد خواه را
خطش دمید و هیچ دلش مهربان نشد — گویا خواص مهر نبود این گیاه را
تاثیر عشق بین که باین ضعف میکشیم — صد کوه غم چنانکه یکی برگ کاه را
گیرم که هست آه دل خسته را اثر — آن قوتم کجا که کشم از دل آه را
گفتم باو نظر نکنم در حضور غیر — شوق از کفم ربود عنان نگاه را
جرمی نکرده ام که بتیغم زند ولیک — شادم از آنکه میکشد او بیگناه را
زاهد ز زلف حور حکایت چه می کنی — تا دیدهٔ تو آن سر و زلف سیاه را

لها ایضاً

ای جمالت گشته مرآت جمال — وی جمال تو عیان اندر جلال
ز آتش شمع دلافروز رخت — سوخته پروانه سانم پر و بال

در ثنای شکرستان لبت　　طوطی طبعم شده شیرین مقال
ساقیم مست است و میریزد بجام　　عاشقانه ای می زمینای وصال

لها ایضاً

هر دم برنگی رخ می نمائی　　جان می فریبی دل می ربائی
از سبزه بر گل پیرایه بندی　　اکنون که بر خد خط می نمائی
در فتنه جوئی آشوب شهری　　ای در نکوئی صنع خدائی
دل می کنی ریش از تیر غمزه　　از چشمه چشم خون می گشائی
تا بوالهوس را دل میکنی شاد　　بر جان عاشق غم می فزائی
حورا چه رو داد کز آشنایان　　بیگانه گشتی از آشنائی

۱۰- دختر یزدی متخلص به عقیق و از عمر او بیست سال گذشته و در فنون شاعری گوی بلاغت از همگنان ربوده حال در شیراز می باشد '

لها من الغزل

ساقی بده آن جام شراب دو منی را　　تا آنکه بیکسو فگنم کبر و منی را
مطرب بزن آن پردهٔ پرشور رهاوی　　تا چند خوری غصهٔ دنیای دنی را
کم کرد بیک مرتبه دندان ولب و کام　　از لؤلؤ غلطان و عقیق یمنی را
نازم بحریفی که بیک جلوه کند مست　　سلمان و دو صد همچو اویس قرنی را
هرگز نکند خوف عقیقی ز قیامت　　چون شافع خود کرده رسول مدنی را

لها ایضاً

از لعل تو حالی قدح نوشش　　ما باده نخورده مست و مدهوش

یارب تو چه فتنهٔ که در شهر — در سوز تو هر دلیست در جوش
خون دو جهان بگردن خویش — افگنده و آن دو زلف بر دوش
شرمندهٔ ناصحم چه سازم — دل حرف کسی نمی کند گوش
هرچند مرا ببردی از یاد — یاد تو نمی شود فراموش
از رهزن دل ز من مپرسید — کاول نگهم بزد ره هوش
افسانهٔ زهد بس دراز ست — می نوش کن و فسانه مینوش
زاهد تو هم از حریف مائی — رو دین بفروش و زرق مفروش
گر جان برود عقیق در عشق
نومید مباش و در وفا کوش

لها ایضاً

مطربا زن ساعتی در چنگ چنگ — ساقیا می در قدح کن رنگ رنگ
زاهدا کم گو سخن از نام و ننگ — عارم از نام آید و از ننگ ننگ
تا بکی یارب ز دست خود زنم — بر سر خود زاندل چون سنگ سنگ
نیستم تنها شب هجران که هست — اندر آغوشم خیالش تنگ تنگ
محل[1] جانان مگر بر ناقه بست — ساربان کز دل زداید زنگ زنگ
گفتمش در سر چه داری با عقیق
زیر لب خندید گفتا جنگ جنگ

لها ایضاً

هر که واقف گشت از اسرار دل — نیست در چشمش بجز انوار دل

[1] در متن : محفل،

اہل وحدت را در آورد از وجود / دل بود چون نقطۂ پرکار دل

در محیط جان نگردیده غریق / کی بچنگ آری دُرِ شہوار دل

آن بت عیار بین در دیر جان / رشتۂ زلفش شده زنار دل

بگذر از ہستی خود منصور وار / رو انا الحق می سرا بردار دل

عاشقا ترا رونق دکان کجاست / جز متاع وصل در بازار دل

تا نتابد صیقل از نور عقیق

کی رود از سینہ ات زنگار دل

لہا ایضاً

یار ساقی و حریفان شده مدہوش ہمه / کرده نیک و بد ایام فراموش ہمه

تا که ساقی چه نماید ہمه سر چشم تمام / تا چه مطرب چه نماید ہمه تن گوش ہمه

زاہدان کان ہمه انکار ز می می کردند / تا تو ساقی شده گشتند قدح نوش ہمه

قامت و زلف و رخت در نظر آورده تمام / سنبل و سرو سمن کرده در آغوش ہمه

حسرت کوثر و طوبی ہمه بردی ز دلم / ای بقامت ہمه شمشاد و بلب نوش ہمه

تا بمرغان چمن قصۂ دام تو که گفت / که ز حسرت شده از زمزمه خاموش ہمه

ہیچکس را ز عقیق و غمش آگاہی نیست

رفته از نشۂ دیدار تو از ہوش ہمه

محمد اقبال

تبصرہ و تنقید

سخنوران ایران در عصر حاضر جلد اوّل [مولفہ آقای محمد اسحاق ایم - اے - بی ایس سی مطبوعہ جامعہ ملیہ پریس دہلی ۱۹۳۳ء کتابت و طباعت دیدہ زیب - کاغذ اعلےٰ [ص ۴۵۵ : تقطیع ۹½ × ۵½] قیمت ۱۲ (اٹھارہ روپے بلا محصول)

ملنے کا پتہ : عبد الحکیم ۱۵۷ چاندنی چوک سٹریٹ کلکتہ (ہندوستان)]

پروفیسر براؤن مرحوم نے ۱۹۱۴ء میں "ایران جدید کے پریس اور شاعری" کے موضوع پر جو کتاب لکھی تھی۔ انکے بعد اس پر آج تک کسی اہل علم نے قلم اٹھانے کی سعی نہ کی تھی۔ چنانچہ ایرانِ شہر اور ارمغان کے بعض مختصر اور ناکافی شذرات کے علاوہ اس موضوع پر ہمیں کوئی کتاب نہیں ملتی۔ انقلاب ایران نے ایرانی احساسات و جذبات میں جو انقلاب اور ہیجان پیدا کیا۔ اسکا اظہار شعرای ایران کی نظموں سے بھی ہوتا ہے۔ جن میں سے بعض پروفیسر براؤن نے متذکرہ بالا کتاب میں پیش کی ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے وہ کتاب شعرای جدید کی کمل فہرست و تذکرہ کی قائم مقام نہیں ہوسکتی +

پروفیسر محمد اسحٰق صاحب ایم - اے - بی - ایس - سی لکچرر فارسی و عربی اسلامیہ کالج کلکتہ نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ملک ایران کی سیاحت کی اور چند ماہ وہاں مقیم رہ کر "سخنوران جدید" کے متعلق بہت سی معلومات اکٹھی کیں۔ جنکو انہوں نے مرتب کرکے اپنی کتاب "سخنوران ایران در عصر حاضر" کے نام سے اہل ملک کے سامنے پیش کیا ہے + اسوقت کتاب کی پہلی جلد ہمارے سامنے ہے۔ جس میں مصنف نے صرف ۳۲ شعراء کا حال لکھا ہے۔ ۳۲ خوبصورت فوٹو بھی شامل کئے گئے ہیں۔ جن سے کتاب کی زیب و زینت میں خاص اضافہ ہوا ہے +

کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے ۔ کہ اس میں ایک ہندی نژاد بزرگ ادیب پیشاوری کا تذکرہ بھی شامل کیا گیا ہے ۔ جنکا پورا نام سید احمد ہے اور جو افغانستان اور ہندوستان کے درمیانی علاقے میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم و تعلم کے بعد ' ایران میں ہی اقامت گزین ہو گئے ۔

کتاب میں ایک شاعرہ کا تذکرہ بھی ہے ۔ جنکا نام " پروین اعتصامی " ہے ۔ پروین کی پختگیٔ فکر اور بلندیٔ خیال دوسرے شعرا سے کسی طرح کم نہیں معلوم ہوتی ۔

مؤلف نے شعرا کے حالات کافی تفصیل سے دیے ہیں ۔ دورانِ قیام ایران میں جن شعرا کے ساتھ ملاقات کا اتفاق ہوا انکا ذکر کیا ہے ۔ کلام کا انتخاب عموماً عمدہ ہے ۔ پرفیسر براؤن نے نسیم شمال ' آقای بہار ملک الشعرا ' عارف قزوینی اور بعض دیگر شعرا کی محض سیاسی نظمیں دی ہیں ۔ موجودہ کتاب میں دوسرے اصناف کلام کا نمونہ بھی دیا ہے جو موجودہ ایران کے تصورات سیاسی و معاشرتی کا صحیح معنوں میں آئینہ دار ہے ۔ مؤلف نے چونکہ اس جلد میں تنقید کرنے کی تکلیف گوارا نہیں فرمائی اس لئے یہ کتاب محض ایک بیاض معلوم ہوتی ہے ۔

مؤلف نے ان شعرا کے کلام کا جسقدر نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے وہ اکثر و بیشتر " مشروطۂ ایران " " جمہوریت " سیاسی و تجارتی آزادی ' اہل ایران کے جمود و وطن عزیز کی کس مپرسی کے موضوع پر مرتکز ہیں ۔ ان میں سے بعض ایسی ہیں جو مختلف اخبارات سے اکٹھی کی گئی ہیں اور بہت سی ایسی ہیں جو مولف نے ایران میں خود شعرا سے حاصل کیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ ابھی اس کتاب پر تفصیلی تبصرہ کرنا بے سود ہے کیونکہ ہنوز تین جلدوں میں سے صرف پہلی جلد طبع ہوئی ہے ۔ باقی جلدوں کے شایع ہو جانے کے بعد کتاب کی قدر و قیمت کے متعلق صحیح طور پر رائے قایم کی جا سکتی ہے ۔

مؤلف نے وعدہ کیا ہے کہ دوسری جلد میں باقی شعرا کے حالات پیش کئے جائینگے ۔ اور تیسری جلد میں موجودہ شاعری کے متعلق عمومی بحث ہوگی ۔ شعرا کی ترتیب باعتبار حروف

بتجی ہے۔ بہار کو بجائے ردیف البا میں رکھنے کے" ملک الشعرا" کی رعایت سے ردیف المیم میں رکھا گیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک صحیح ترتیب نہیں +

کتاب کے ساتھ فارسی اور انگریزی میں ایک مقدمہ اور آقای جمال زادہ کا ایک فارسی تبصرہ ہے - مقدمہ کسی قدر اجمالی ہے۔ فارسی شاعری کے ارتقا کے پانچ ادوار قرار دیے ہیں - لیکن تعجب کی بات ہے کہ فریدالدین عطار، رومی اور حافظ کے بعد دور قاچاریہ تک ایک ہی جست لگا دی گئی ہے۔ حالانکہ نظیری و عرفی وغیرہ کا دور بھی فارسی شاعری کے کسی دوسرے دور سے کم نہیں +

کتاب کے آخر میں تین مکمل فہرستیں دی گئی ہیں (۱) اسماء الرجال (۲) اسماء الاماکن (۳) اسماء ملل و قبایل و فرق (۴) اسماء کتب و جراید وغیرہ' غلطیوں کی اصلاح کے لئے ایک غلط نامہ بھی شامل کر دیا گیا ہے'

ہمارے خیال میں یہ کتاب موجودہ ایران کی شاعری اور دوسرے احساسات ملی کو سمجھنے کے لئے مفید اور قابل قدر ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے -اسکی اہمیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے - کہ اس موضوع پر ابتک بہت کم کتابیں موجود ہیں - اس لئے اس کتاب کی تدوین سے فارسی لٹریچر میں ایک قیمتی اضافہ ہوا ہے - ہماری نظروں میں اس کتاب کی وقعت و عزت کے لئے یہ وجہ بھی کچھ کم نہیں - کہ جس طرح ہندوستان کے فضلا ازمنہ ماضی سے فارسی کی عظیم الشان خدمات انجام دیتے آئے ہیں - آج پھر ہندوستان ہی کے ایک فرزند کو اس اہم مگر مشکل موضوع پر تالیف کی توفیق نصیب ہوئی +

"ع"

۲۔کیفیت العارفین و نسبت العاشقین } حضرت سید شاہ حسین الدین احمد صاحب رزاقی منعمی ابوالعلائی

(سجادہ نشین خانقاہ گیا) نے فی الحال کتاب مذکورہ عنوان مطبع منعمی واقع گیا سے ۲۰×۲۶ تقطیع پر شائع کی ہے - قیمت کچی روشنائی سے ڈھائی روپیہ لکھی ہے - غالباً

مشتبع سے ملیگی۔ اصل کتاب فارسی سادہ میں تین سو ساٹھ صفحات پر ہے۔ جس کے ساتھ مشتبع نے تیس صفحات کا ایک ضمیمہ بھی اردو زبان میں نکالا ہے'

یہ کتاب منجملہ تصانیف حضرت حاجی عطا حسین المنعمی سید شاہ عبد الرزاق منعمی القمری ابوالعلائی داناپوری ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے سلسلہ کے تمام اولیا کے حالات خصوصاً اپنے خاندان اور مریدوں کے تذکرے لکھے ہیں۔ جناب شاہ حسین احمد صاحب نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے کہ

یہ کتاب دراصل سلسلہ عالیہ ابوالعلائیہ کی ایک محققانہ جامع اور مختصر تاریخ و تذکرہ ہے جو ۱۲۸۸ھ میں ترتیب پائی ہے۔ اس میں اولاً حضرت مخدوم امیر وسیدنا ابوالعلا قدس سرہٗ کے حالات بابرکات پھر آپ کے صاحبزادگان خلفای ذی ارشاد کے حالات اور پھر اسی طرح عہد بعہد درجہ بدرجہ سلسلہ ابوالعلائیہ کے مشہور خلفا و ارباب طریقت کے تراجم و تذکرے ہیں جو مختلف دیار و امصار اور ہندوستان کے مختلف صوبوں اور شہروں میں عہد جہانگیری سے عہد مصنف تک اپنا اپنا فیض جاری کرتے رہے۔ اسلئے یہ مجموعہ سلسلہ عالیہ ابوالعلائیہ کے ارادتمندوں کی روحانی تسکین کا ذریعہ ہونے کے علاوہ عہد اکبری سے چودھویں صدی کے نصف اول تک کے ان صوفیۂ کرام کا ایک مستند و تاریخی صحیفہ بھی ہے جو سلسلہ ابوالعلائیہ سے وابستہ تھے یا وابستگان سلسلہ ابوالعلائیہ کے اسلاف میں سے تھے۔ ان بزرگوں کے حالات کے ضمن میں ہر صاحب ترجمہ کے مختصر حالات اسطرح اجمالاً مدون ہوگئے ہیں کہ سال ولادت و وفات و تحقیق نسب علم و فضل اخلاق، ریاضت اور فیضان کا مجموعی علم ہوجاتا ہے۔ بزرگوں کے مزارات کی جغرافی حدود سے صحیح تعیین بھی اس کتاب کی نمایاں خصوصیت ہے'

ضمیمہ ثانیہ میں مشتبع نے بعض عبارات اردو بھی حضرت شاہ عطا حسین قدس سرہٗ کے نقل کئے ہیں چنانچہ جب حضرت شاہ صاحب ٹمن پور کے مزار میں داخل ہوئے ہیں تو وہاں کے واقعات خود

یوں تحریر فرماتے ہیں :-

"الحاصل تیسری ڈیوڑھی تک کی اندر جانا چاہا۔ خدام مانع ہوئے۔ فاتحہ پڑھ کر لمحہ دو ایک محاذی میں مراقب ہوا۔ دل میں اپنے یہ کہا حضور ولی اللہ ہیں۔ جو کچھ حصہ اس فقیر کا حضور میں ہو اسی وقت عنایت ہو۔ مسکین قیام نہ کریگا۔ عین عنایت کی کافی ہے۔ ... حضرت شاہ بدیع الدین قطب المدار بعالم ارواح فقیر پر متوجہ ہوئے۔ اسقدر جسم میں حرارت با لطافت غالب ہوئی۔ اور عالم بیخودی آگیا۔ کیفیت جو آئی چند نعرہ کیا۔ ہاتھ پاؤں خوب پٹکا ذرہ ہوش نہ آیا"

شاہ صاحب پہلے لوگوں کی طرح اردو کو مقفی لکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اسی واقعہ کے تحت میں ضمیمہ کے صفحہ ۲ پر انکی عبارت یوں لکھی ہے :

جو کچھ دربار عالی سے اس کے حال پر ہوئی عنایت۔ مناسب نہ جانا اس کتاب قصہ میں اسکا مذکور۔ انشاء اللہ تعالےٰ کتاب دقیقۃ السالکین میں بیان کرونگا۔ ناظرین کتاب کو بمطالعہ پیدا ہو سرور +

مکاشفات و مشہودات اہل قصہ کے اظہار کا دستور نہیں۔ ان کا شمار تو اسرار میں ہے اگر کوئی لکھتا بھی ہے تو اجمالاً یا بصورت تمثیل اس لئے اظہار اسرار کی تمنا اس قسم کی کتابوں میں بیکار ہے۔ لہذا کم سے کم ان اہل اللہ کے اخلاق حسنہ پر کافی روشنی ڈالنا چاہیئے تاکہ طالبان ہدایت اس اسوہ کے پیرو ہو کر اس دنیا میں اپنے آپ کو نیک نفس بناسکیں افسوس ہے کہ اس قسم کی کتابوں میں اس صنعت کی کمی پائی جاتی ہے "ا"

۳۔ مشاہدات سائنس } از سید محمد عمر حسنی {

یورپ کے اکثر زبانوں میں سائنس کے مختلف شعبوں پر جہاں بیشمار علمی اور دقیق تصانیف موجود ہیں وہاں عام فہم (پاپولر سائنس) پر بھی بے حد وحساب کتابیں ہیں۔ اور عام فہم اسلوب کی پسندیدگی اس درجہ ہے کہ مشہور عالم فاضل طبعیات آئن اسٹائن کے نظریہ اضافیت کو آسان سے آسان اور مختصر سے مختصر

عبارت میں لکھنے والے مضمون نگار کے لئے ایک بہت بڑی رقم بطور انعام رکھی گئی تھی جو ایک شخص نے شرط پوری کرنے پر حاصل کی +

ہمارے ملک کی بے بضاعتی کو جو کسی خاص شعبہ کے ساتھ مخصوص نہیں دیکھتے ہوئے اس کتاب کو پڑھ کر یہ معلوم ہوا کہ اسنے بڑی حد تک اس کمی کو پورا کیا +

کتاب کے تقریباً سب مضامین طبعیات (فزکس) کے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں - اور وہ بھی زیادہ تر عملیات سے نہ کہ نظریات سے اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا - بعض مضامین عام ملک کیلئے نہایت درجہ مفید ہیں - مثلاً آسمانی بجلی جس میں بجلی کے طوفان سے بچنے کے طریقے بتلائے ہیں " تحت الثریٰ کی سیر" علاوہ دلچسپ ہونے کے ایک عجیب عالم تخیل کا قانون کے متعلق پیش کرتا ہے کہ کس طرح زمین میں چکر دے دے کر بھول بھلیاں کی طرح سیکڑوں میل کی مسافت کی کانیں بنجاتی ہیں - جہاں سطح زمین پر کی ہر آرام وہ چیز مہیا ہوتی ہے - گویا الف لیلہ کے الہ دین کا چراغ عالم واقع میں موجود ہے - ضمناً بہت سے مسائل طبعیات اس مضمون میں بھی آگئے ہیں " بچوں کی نشو و نما" اور "جرمانیہ کی صنعتی تعلیم" والے مضامین ہندوستانیوں کے لئے خاص طور پر مفید ہیں -

مذکورہ بالا مضامین جیسا کہ ان کے عنوانوں سے ظاہر ہے - معمولی استعداد والے لوگ بھی سمجھ سکتے - لیکن جن مضامین کے موضوع زیادہ علمی اور ٹھوس ہیں مثلاً "روشنی کی رفتار" جس میں روشنی کی رفتار ناپنے کے کئی طریق لکھے ہیں - علمی مضمون ہے جو عموماً کالجوں میں اف - ایس سی اور بی - ایس - سی کے طلبہ پڑھتے ہیں اور کم ہی طلبہ اس کو کما حقہٗ سمجھتے ہونگے - اس لئے کہ جن آلہ کی ضرورت ہے وہ ہر جگہ موجود نہیں ہوتا - لیکن مؤلف نے نہایت سادہ اور سلیس عبارت میں اسطرح روانی سے لکھا ہے - کہ قوت متخیلہ پر ذرا زور دینے سے کچھ نہ کچھ ہر شخص سمجھ سکتا ہے - " نظام شمسی" والے مضمون میں تمام مشہور سیاروں کے متعلق مفید معلومات دئے ہیں اور علم ہیئت جیسے

مشکل مضمون کا ایک مختصر مگر ضروری سا خاکہ کھینچ دیا ہے۔ مثالیں عموماً عام فہم اور روزمرہ کے مشاہدہ کی دی ہیں۔ علمی مضامین اکثر خشک اور دقیق ہوا کرتے ہیں۔ لیکن قابل مصنف نے ایسا دلکش پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے۔ کہ کتاب کے مطالعہ کے وقت ہماری دلچسپی آخر تک قائم رہتی ہے ٭

آخر میں علمی اصطلاحات کی ایک فہرست بھی اضافہ کر دی گئی ہے جو بہت مفید ہے۔ قیمت ۱۲/ ٭ ملنے کا پتہ: انجمن ترقی اردو۔ اورنگ آباد دکن اور مکتبہ جامعہ ملیہ۔ قرول باغ۔ دہلی ٭

"ط"

۴۔ داستان رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی ٭

سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر ۷ ٭

سید انشاء اللہ خان انشا کی شخصیت، اپنی ذہانت و استعداد علمی اور شعر و سخن کی مہارت کی وجہ سے اردو دنیا میں ایک حیرت انگیز شخصیت مشہور ہے، انکی مشہور تالیف "دریائے لطافت" جہاں انکی لسانی نکتہ دانی کی شاہد ہے، وہاں انکی شوخ نگاری اور بذلہ سنجی کا بھی دلچسپ ثبوت بہم پہنچاتی ہے ٭

زیر نظر کتاب ۵۱ صفحات کی ایک کہانی ہے جسے انشا کی جدت طبع نے اس التزام کے ساتھ تحریر کیا تھا کہ تمام کتاب میں عربی فارسی کا ایک لفظ تک نہ آنے پائے چنانچہ سبب تالیف کے سلسلے میں جسے وہ "ڈول ڈال ایک انوکھی بات کا" کہنا پسند کرتے ہیں لکھتے ہیں :-

"ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھ آئی کہ کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندوی چھٹ اور کسی بول سے نپٹ نہ ملے"

مولانا عبدالحق صاحب آنریری سیکرٹری انجمن ترقی اردو اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں :-

"اس داستان کا ذکر مدت سے سنتے آتے تھے۔ لیکن ملتی کہیں نہ تھی۔ آخر

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی پرانی جلدوں میں اسکا پتہ لگا۔ مسٹر کلنٹ پرنسپل
لامارٹن کالج لکھنؤ کو اسکا ایک نسخہ دستیاب ہوا تھا جسے انہوں نے سوسائٹی کے
رسالے میں طبع کرا دیا۔ سنہ ۱۸۵۵ء میں اسکا ایک حصہ طبع ہوا اور دوسرا حصہ ۱۸۵۸ء میں"
پنڈت منوہر لال زتشی ایم اے نے مولانا کو اسی داستان کا ایک نسخہ جو لکھنو میں ناگری حروف میں چھپا
تھا عنایت فرمایا" جس سے "مقابلہ کر کے مزید تصحیح کی گئی" اور اسطرح یہ عجیب و غریب اور دلچسپ
کہانی ہم تک پہنچی۔ جسکے لئے انجمن ترقی اردو مبارکباد کی مستحق ہے۔

انشا کی یہ کہانی ان ہزاروں کہانیوں میں سے ایک ہے جو مشرقی طبائع کی دلچسپی کی خاطر مافوق
الفطرت امور سے بحث کرتی ہیں۔ سادھوؤں کی ساحرانہ طاقت کا اس داستان میں ایسا ہی مظاہرہ
نظر آتا ہے جیسا ہم طلسم ہوشربا کے واقعات میں بار بار مطالعہ کرتے ہیں۔ کہانی کا پلاٹ اردو کی ابتدائی
کہانیوں کی طرح شہزادے کے "شکار" سے شروع ہوتا ہے اور ایک ہرنی کے پیچھے گھوڑا دوڑانے رات
ہو جانے اور ایک راج کماری رکیتکی سے اتفاقیہ دوچار ہونے پر مشتمل ہے۔

کہانی کی زبان، عربی فارسی الفاظ نہ ہونے کی وجہ سے ہندی بن گئی ہے لیکن بقول مولوی
عبدالحق "آج کل سی ایسی ہندی نہیں کہ نہ لکھنے والا سمجھے نہ پڑھنے والا۔ اردو والا بھی سمجھتا
ہے اور ہندی والا بھی۔ زبان اور بیان دونوں صاف ہیں۔ اسی کا نام ہندوستانی ہے"
اسی کے ساتھ موصوف نے بجا طور پر یہ بھی لکھا ہے کہ "قصے کہانی میں تو ایسی زبان نبھ
جاتی ہے (اگرچہ وہ بھی آسان نہیں) لیکن ادبی اور علمی مضامین ادا کرنے کی اسمیں سکت نہیں"
طباعت کے لحاظ سے اس کہانی کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ دکن کے اس نسخ ٹائپ
میں چھپی ہے جو ہنوز اردو مطبوعات کے لئے بالکل نیا اور بیگانہ ہے + ان خصوصیات کے باوجود
کتاب کی قیمت صرف ۸ر ہے جو حیرت انگیز طور پر کم معلوم ہوتی ہے +
کہانی انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) سے طلب کی جائے +
(د)

۵ - حال میں ایک کتاب مسمی بہ "مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر" مصنفہ مولوی عبدالحق صاحب بی - اے رعلیگ) انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن نے شائع کی ہے - کاغذ اچھا ہے - طباعت عمدہ ہے - قیمت غیر مجلد آٹھ آنہ ہے - انجمن مذکور سے ملتی ہے +

پہلے یہ مقالہ رسالہ اردو اورنگ آباد میں شائع ہوا تھا - اب کتاب کی صورت میں شائع کیا گیا ہے - کتاب کے نام سے مضمون کتاب واضح ہے -

علاء الدین کے زمانہ سے فارسی کا اثر زبان مرہٹی پر پڑنا مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں - جبکہ راجہ رام دیو تیرھویں صدی عیسوی میں مہاراشٹر پر حکومت کر رہا تھا -

مولوی صاحب نے اپنے دعوی کو تاریخوں - نوشتوں اور فرامین و اشعار سے بوجہ احسن کر دکھایا ہے - کتاب بہت اچھے معلومات پر مبنی ہے + " ا "

۶ - تسہیل العربیۃ - آج تک عربی زبان کی جسقدر "لغات" لکھی گئیں - علی العموم یا تو عربی میں ہیں یا بدرجہ اتل فارسی میں ' جن سے مبتدی مستفید نہیں ہو سکتا - مدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ عربی زبان کی کوئی ایسی جامع ڈکشنری تیار کی جائے جس میں عربی الفاظ کے معنی مروجہ اردو میں بیان کئے جائیں - ظاہر ہے کہ اس سے نوآموز ' عربی خوان طبقہ کو بہت فائدہ پہنچے گا - اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کتاب "تسہیل العربیۃ" لکھی گئی ہے - کتاب ہزار صفحات میں پھیلی ہوئی ہے اور قادیان ' اللہ بخش سٹیم پریس سے شائع ہوئی ہے - مجلد کی قیمت چار روپیہ ' اور غیر مجلد کی ساڑھے تین روپیہ ہے -

کتاب مذکور کو ہم نے متعدد مقامات سے دیکھا - کتاب کا مواد بیشتر لغت عربی کی مشہور تصنیف "المنجد" [مصنفہ لوئس یسوعی] پر مبنی ہے - ہمارے نزدیک مترجمین کو اسکا اعتراف کرنا چاہیئے تھا ' کیونکہ ترتیب مواد اور طرز بیان میں "المنجد" کا پورا پورا تتبع کیا گیا ہے - کتاب کو مجموعی حیثیت سے مفید کہا جا سکتا ہے -

آیۂ کریمہ "توفاہ اللہ" کے معنے لکھے ہیں "خدانے اسکو موت دی" مگر "ھو الذی یتوفاکم باللیل" کا ذکر نہیں کیا گیا۔

(۲) دغش۔ نیزہ مارنا ہے تو دغش نیزہ مارنا کیونکر ہو سکتا ہے۔

(۳) خاتم بفتح التاء و کسرہا ہر دو کے معنے لکھے "انگوٹھی، ہر چیز کا انجام" حالانکہ حاصل بالمصدر کی بجائے فاعلی معنے بیان کرنے چاہئیں تھے اور دونوں معنوں میں فرق کرنا چاہئے تھا۔

غرض اس قسم کی بعض کوتاہیاں کہیں کہیں کتاب میں نظر آتی ہیں۔ مگر من الحیث المجموع یہ کتاب مبتدیوں کو مفید ہے۔ امید ہے کہ آیندہ اڈیشنوں کی طباعت اس سے صاف تر ہوگی

"م ش"

(۷) **مجلّہ کابل** یہ ادبی، اجتماعی، تاریخی منثور رسالہ فارسی زبان میں کابل کی انجمن ادبی کی نگرانی میں ماہوار ٹائپ میں چھپ کر شایع ہوتا ہے۔ چندہ ولایاتِ خارجہ سے نیم پونڈ انگریزی ہے۔ اور طلبہ سے نصف قیمت لی جاتی ہے۔ انجمن ادبی جادۂ ارگ۔ کابل" سے طلب کیا جائے یہ رسالہ نفیس معلومات اور دلچسپ مضامین پر شامل ہوتا ہے، اور جدید افغانستان کی نئی زندگی کا آئینہ دار ہے۔ مشرق اور مغرب کی دلچسپیاں اس میں جمع کی جاتی ہیں اور افغانستان اور دیگر ممالک کے حالات کو واضح کرنے کے لئے جابجا تصاویر بھی دی جاتی ہیں۔ ہم اپنے اہل وطن سے اسکے مطالعہ کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔ خصوصاً پنجاب کے کالجوں میں فارسی کے طلبہ اس رسالہ کو بہت ہی مفید پائینگے۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۳۱ء کے رسالہ میں جو اسوقت ہمارے سامنے ہے "دیوان اشعار اعلیحضرت تیمور شاہ" کا حال آقای عبد الحی خاں حبیبی نے لکھا ہے، ہم موصوف کی اطلاع کے لئے لکھتے ہیں کہ اسی دیوان کے ایک نسخہ کا حال اورینٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۲۷ء صفحہ ۴۰ پر دیا جا چکا ہے، یہ خوشخط اور مکمل نسخہ کتاب خانہ ریاست کپورتھلہ میں موجود ہے تاریخ کتابت اس پر تحریر نہیں، یہاں یہ بھی ذکر کر دینا چاہیئے کہ اسی درانی گھرانے کے بادشاہ شاہ شجاع (م ۱۲۵۸) کے دیوان کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے (دیکھو تکملہ فہرست ریو ۲۲۶)،

۸- سرورِ دو عالم - یہ کتاب پیکو آرٹ پریس نے شائع کی ہے - اس کے مؤلف مسٹر فضل کریم خاں صاحب درّانی ہیں - کتاب کی عبارت میں روانی اور سہولت کا پورا خیال رکھا گیا ہے - عام فہم ہے - اسکو معمولی تعلیم یافتہ بھی سمجھ سکتا ہے - اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اکثر حال بیان کردئے گئے ہیں' البتہ جو واقعات عام لوگوں کی نگاہ میں بعید از عقل خیال کئے جاتے ہیں - یا تو انکو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے یا انکی تاویل کردی گئی ہے' واقعات کو باہم ربط دیا گیا ہے - کتاب میں بنو قُریظہ کو ہر جگہ 'ض' سے لکھا گیا ہے جو درست نہیں' عام طور پر کتاب مفید ہے' طباعت اچھی ہے' کاغذ متوسط درجہ کا ہے - تقطیع وہی ہے جو درسی کتابوں کی ہوتی ہے - قیمت غیر مجلّد عہ + مجلّد عہ +

"ن خ"

ملنے کا پتہ : پیکو آرٹ پریس لاہور

۹- مثنوی تغلق نامہ خسرو دہلوی شایع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن' بہ تہذیب و تحشیہ سید ہاشمی فرید آبادی (مطبع اردو اورنگ آباد ۱۳۵۲ھ)' یہ کتاب سلسلۂ مخطوطات فارسیہ کی پہلی جلد ہے اور ٹائپ کے حرفوں میں عمدہ طور پر چھاپی گئی ہے' مثنوی ۱۵۱ صفحہ پر ختم ہوئی ہے - مگر کتاب کے شروع میں جنابِ مرتّب کا دیباچہ (۴۴ صفحہ) اور خلاصۂ مثنوی (۴۸ صفحہ) اور مرحوم مولانا رشید احمد کا ناتمام مقدمہ (۲۱ صفحہ) بھی شامل کیا گیا ہے - اصل کے ایک صفحہ کا فوٹو اور کتاب کے آخر میں غلط نامہ بھی دیا گیا ہے - متن کتاب حبیب گنج کے کتاب خانہ کے ایک ہی نسخہ پر مبنی ہے جو آخر سے ناتمام ہے[1]' نہ معلوم یہ کتاب اس قدر کمیاب کیوں ہوگئی حالانکہ گیارھویں صدی کے اواخر میں وہ ہندوستان میں متداول

---

[1] مرحوم مولانا رشید احمد نے کشف الظنون کے حوالے سے جو کچھ صفحہ ۲۰ پر لکھا ہے وہ کشف میں کہیں نہیں ملا' سب حوالے دیکھے گئے' یہ بھی غالباً درست نہیں ہے کہ حاجی خلیفہ نے یہ کتاب دیکھی تھی - اس کو تو کتاب کا صحیح نام بھی معلوم نہ تھا - اس کے علاوہ حاجی خلیفہ کا دستور ہے کہ جن کتابوں کو اس نے خود دیکھا ہے انکی ابتدائی عبارتیں نقل کر دیتا ہے (دیکھو کشف مطبع استنبول ص۳۰) حالانکہ تغلق نامہ کا آغاز اس نے نہیں دیا'

لکھی، عقول عشرہ کا مصنف محمد رازی [رازی ؟] ۱۰۳۰ھ میں رقمطراز ہے: نو وہ نہ کتاب ازو [یعنی از امیر خسرو] مشہور است و آنچہ متداول است ضمن ذکرا خمسہ وہ ہزار بیت، عشقیہ چہار ہزار بیت و قران السعدین چہار ہزار بیت و نہ سپہر چہار ہزار بیت، تغلق نامہ سہ ہزار بیت عقل ۴، نمبر ۲۲، نسخہ خطی کتاب خانہ قادریہ بٹالہ، حبیب گنج کا نسخہ بھی خط کے اعتبار سے گیارھویں صدی کی تحریر ہی معلوم ہوتا ہے، اس نسخہ کو جس کا نام 'جہانگیر نامہ' لکھا ہوا ہے مرحوم مولانا رشید احمد نے بامعان نظر دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ تغلق نامہ ہے اور یہ کہ اس کے ابتدائی ۱۷۵ اشعار حیاتی کے ہیں، کتاب کی نقل اور تصحیح بھی ابتداء انہوں نے کی، پھر خطی اصل کے ساتھ جناب سید صاحب نے مقابلہ کرکے تصحیح کے کام کو مکمل کیا اور دیباچہ اور خلاصہ کے اضافہ کے ساتھ اس نایاب کتاب کو دنیا کے سامنے ایسی مطبوع صورت میں پیش کیا کہ ہمارے شکریے کے مستحق ہوئے:

حیاتی جس نے شروع کے ضایع شدہ اشعار کی بجای نئے اشعار جہانگیر بادشاہ کے حکم سے مکمل کئے وہ حیاتی گیلانی ہے یا حیاتی کاشی؟ اس مسئلے نے ہم کو ۱۹۲۶ء میں بھی پریشان کیا تھا[1] - اور آج بھی، قصہ یہ ہے کہ خان آرزو کے شاگرد خوشگو نے اپنے تذکرے میں جو ۱۱۴۷ میں مکمل ہوا ۔ ذیل کی عبارت حیاتی گیلانی کے ترجمہ میں لکھی: در تاریخ ہزار و بیست و پنج بشرف بندگی جہانگیر بادشاہ مشرف گردید ..... و بحکم بادشاہ تغلق نامۂ امیر خسرو دہلوی را کہ نا تمام ماندہ بود سرانجام داد و پادشاہ در صلۂ آن او را بزر کشید، سعیدای گیلانی تاریخ یافت سہ

چون حیاتی را بزر سنجید شاہنشاہ عصر	بادشاہ عدل گستر شاہ گردون اقتدار
شاہ نور الدین جہانگیر بن اکبر بادشاہ	آفتاب ہفت کشور سایۂ پروردگار
بحر تاریخش بروی گفتۂ میران چرخ	شاعر سنجیدہ شاہی رقم زر روزگار

[1] فہرست ایوان نمبرہ ۱۵۰۰ [2] دیکھو میخانہ حواشی صفحہ ۹۔

(سفینہ نسخۂ پنجاب یونیورسٹی)،

مجمع النفائس (تصنیف ۱۱۶۴) میں آرزو نے حیاتی گیلانی کے حال میں وہی بات کہی جو خوشگو نے کہی تھی: نور الدین جہانگیر بادشاہ او را بزر و نقرہ موازنہ فرمودہ... قریب پنجہزار بیت از و دیدہ اند مبنی بر اقسام سخن، از انجملہ تغلق نامہ (را) الحاقات شایستہ فرمودہ و حسب الامر بادشاہی باصل درست نمودہ والحق خوب گفتہ (مجالس نسخۂ پنجاب یونیورسٹی ص ۶۸)، لیکن صاحب خزانۂ عامرہ (تصنیف ۱۱۷۶) نے یہ لکھکر "کہ خان آرزو در حیاتی گیلانی و حیاتی کاشی غلط واقع شدہ" اتمام تغلق نامہ اور سونے چاندی سے تلنے کا قصہ حیاتی کاشی کی طرف منسوب کر دیا،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوشگو ایک طرف تو یہ کہتا ہے کہ حیاتی گیلانی خدمت جہانگیری میں ۱۰۲۵ میں پہنچا، ادھر سعیدائے گیلانی کا قطعہ تاریخ اتمام تغلق نامہ دے رہا ہے جس سے ۱۰۱۹ تاریخ نکلتی ہے، ان دونو بیانوں میں تضاد ہے، اسکو کیونکر رفع کیا جائے؟

حیاتی گیلانی کا جو ترجمہ خوشگو نے دیا ہے اسکو مآثر رحیمی (ج ۳ ص ۳۸، بعد، ترجمہ ملا حیاتی گیلانی) سے ملا کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ خوشگو نے حیاتی کے ترجمہ کا مواد بیشتر مآثر سے لیا ہے سوائے تغلق نامہ والے قصہ کے کہ اس کا کوئی ذکر مآثر میں نہیں ہے لیکن مآثر میں یہ نہیں لکھا کہ حیاتی ۱۰۲۵ میں خدمت جہانگیری میں پہنچا بلکہ فقط یہ لکھا ہے کہ "و الحال (کہ) سنہ ہزار و بیست چہار ہجری بودہ باشد بشرف بندگی جہانگیری مشرف است" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیاتی ۱۰۲۴ میں جہانگیر کی خدمت میں موجود تھا نہ یہ کہ وہ ۱۰۲۵ میں وہاں پہنچا، قرینہ یہ ہے کہ وہ ۱۰۲۴ سے پہلے جہانگیر کے پاس پہنچا کیونکہ مآثر میں ہے کہ وہ دس سال یا زیادہ دکن میں رہا اور چونکہ دکن کی فتوحات کا سلسلہ ۱۰۰۷ کے قریب سے شروع ہوتا ہے ناممکن نہیں

لہ حیاتی گیلانی کی تاریخ وفات صاحب مآثر رحیمی نے صفر ۱۰۲۸ دی ہے (ج ۳ ص ۴۷، ۴۸)، اسلئے صاحب خزانۂ عامرہ (طبع کانپور ص ۱۹۰) نے درست نہیں لکھا کہ وہ ۱۰۱۵ میں فوت ہوا،

کہ حیاتی گیلانی ۱۰۱۹ میں جہانگیر کے پاس موجود ہو، خود جہانگیر نے توزک میں لکھا ہے کہ ذیقعدہ ۱۰۱۸ میں حیاتی (بلا نسبت) دکن میں خانخاناں کو میرا زبانی پیغام دے کر واپس آیا۔ (ترجمہ توزک ج ۱ ص ۱۶۰) ان باتوں کے ساتھ تغلق نامہ کے شعر ۹۰ اور سعیدا کے قطعہ کو کوئی تناقض نہیں، اس کے علاوہ صاحب میخانہ نے جو خود حیاتی گیلانی کو ملا ہے ۱۰۲۸ کے تواح میں لکھا ہے کہ حیاتی گیلانی چند آکہ پھر جہانگیر کی خدمت میں آیا اور مثنوی سلیمان وبلقیس جہانگیر کے نام پر لکھی "چوں کنج اشرف رسید حیاتی را بصلۂ آن با زر کشید" (میخانہ ص ۵۲۶) بظاہر صاحب میخانہ کو مثنوی کا نام ٹھیک نہ معلوم ہو سکا مگر سونے میں تلنے کا قصہ اسنے ٹھیک سنا، ورنہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ حیاتی کاشی اور حیاتی گیلانی دونو کو جہانگیر نے سونے سے تولا تھا۔ گیلانی کو بقول اس کے معاصر صاحب میخانہ کے اور کاشی کو بقول آزاد کے جس کا ماخذ معلوم نہیں اور دونو کا تلنا بعید سی بات معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال راقم الحروف کے نزدیک مثنوی تغلق نامہ سے یہ تو ثابت ہے کہ ۱۰۱۹ میں حیاتی کو حکم اتمام ملا اور غالباً یہی سن مثنوی کے اتمام کا ہے جیسا کہ سعیدای گیلانی کے قطعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ مگر صاحب خزانہ کا یہ قول "کہ متمم حیاتی گیلانی نہ تھا کاشی تھا ہمارے نزدیک ثابت نہیں۔ اس کے برعکس حیاتی گیلانی ہی متمم تغلق نامہ ہو تو تعجب نہیں"

حیاتی گیلانی کے کلام کا جو اقتباس مآثر رحیمی میں دیا ہے۔ اسمیں چند اشعار مثنوی کے بھی ہیں جنکا مضمون حمد ہے، انکا انداز تغلق نامہ کے حمدیہ اشعار سے ملتا جلتا ہے اور ایک شعر تو دونوں میں مشترک ہے یعنی :

اگر از روح پرسی مایۂ اوست ۔۔۔ ور از عقل آن فروتر پایۂ اوست

(مآثر ج ۳ ص ۵۲، شعر ۴ تغلق نامہ شعر ۲۴) یہ بھی یاد رہے کہ صاحب میخانہ نے کہا ہے کہ حیاتی گیلانی کی مثنوی سلیمان وبلقیس شیریں خسرو کے بحر میں تھی، تغلق نامہ اسی بحر میں ہے،

تحفۂ سامی سے بعض اشعار کی صحیح نسبتیں

ذیل کے اشعار زبان زد خلایق ہیں مگر کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ شاعر کون ہے،

۱ - خیال شمعی اگر نیست در دلت فیضی   دل پُر آتش و چشم پُر آب یعنی چہ

یہ شعر میر معز الدین محمد اصفہانی کا ہے جو سات سال تک شاہ طہماسب اوّل کے زمانہ میں صدارت کے منصب پر فائز تھے، اور ۹۵۲ میں فوت ہو کر کربلا ی معلی میں دفن ہوئے، سام میرزا نے پوری غزل نقل کی ہے (تحفہ ورق ۱۴ ا)،

۲ - ما نقد عمر صرف رہ یار کردہ ایم   کاری کہ کردہ ایم ہمین کار کردہ ایم

یہ شعر سید مظفر طبیب کاشانی مصنف اخلاق شاہی کا ہے (تحفہ ورق ۲۴ ب)

۳ - محمد عربی کابروی ہر دو سراست   کسی کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

یہ شعر ہلالی استرآبادی کا ہے (تحفہ ورق ۵۷ ا)

۴ - گل بدستم چہ دہی در کف من خار خوشست
این گل تازہ بر آن طرۂ دستار خوشست

یہ شعر بابا نصیبی گیلانی معاصر فغانی کا ہے، بابا نے سلطان یعقوب کے دربار میں بہت تقرب پایا۔ اسکا سن وفات ۹۴۴ ہے (تحفہ ورق ۱۶۸ ا)

۵ - علی الصباح کہ مردم بکار و بار روند
بلا کشان محبت بکوی یار روند

یہ شعر ہمائی کا ہے جو ترکی الاصل اور اصفہانی الوطن تھا، اصفہان ہی میں فوت ہوا (تحفہ ورق ۱۰۹ ا)

۶ - خواہم کہ بآن سینہ نہم سینۂ خود را   تا دل بتو گوید غم دیرینۂ خود را

یہ شعر حاجی روشنی بغدادی کا ہے جو ایک فقیر گوشہ نشین تھا، (تحفہ ورق ۱۱۴ ا)،

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۰ - عدد ۳ | بابت ماہ مئی ۱۹۳۴ء | عدد مسلسل ۳۷

فہرست مضامین

کریمی پریس لاہور میں باہتمام محمد [illegible] طبع ہوا اور بابو این - این مترا نے دفتر اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

ن و مقاصد اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان
یت دی جائے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت۔ عربی۔
سی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؀

ن قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے۔ کوشش کیجائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے
امین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین
رجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے ؀

لے کے دو حصّے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصّہ اول عربی فارسی اردو اور پنجابی بحروف
ی۔ حصّہ دوم سنسکرت ہندی اور پنجابی بحروف گورمکھی۔ ہر ایک حصّہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؀

ن اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست* میں شایع ہوگا ؀

ت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے ۱۲؍ (ایک روپیہ بارہ آنے) اورینٹل کالج کے طلبا
چندہ داخلۂ کالج کے وقت وصول ہوگا ؀

و کتابت و ترسیل زر۔ خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب
پل اورینٹل کالج لاہور کے نام ہونی چاہئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات
یٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؀

فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؀

تحریر۔ حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے
ق ہیں۔ اور یہ حصّہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب
ہے ؀

---

* چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر عموماً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے ؀

پرتھی راج راسا از چند بردائی

مطالعہ اور مطالب

راسا ان خوش قسمت مگر جعلی کتابوں میں سے ہے جو اپنے بعض گوناگوں مفروضہ اوصاف
کی بنا پر دنیا سے عرصہ تک خراج ستایش و تحسین وصول کرتی رہی ہے اور زمانہ تصنیف
سے کر اب تک عوام الناس کے دلوں پر اپنے اقتدار کا سکہ جمائے ہوئے ہے۔ اس کے
پرستار اسکو ایک صحیفۂ آسمانی سے کم درجہ نہیں دیتے۔ کوئی اسکی قدامت پر مفتون ہے
کوئی اسکی شاعری پر اور کوئی اسکے تاریخی مواد پر۔ یوں تو ہر قوم اور زبان میں مجہول کتابوں
کچھ نہ کچھ سرمایہ پایا جاتا ہے۔ مگر ان کا عام اثر نہایت خفیف اور غیر محسوس ہوا کرتا ہے
راسا ان میں ایک واحد استثناء پیش کرتی ہے۔ جسنے ایک طرف نسا بین کو دوسری طرف مو
کو اور تیسری طرف ماہران لسانیات کو عرصہ تک اپنی فریب کاری کا شکار بنائے رکھا۔ عو
درکنار خواص اور محققین پر بھی اسکا جادو چلا۔ ہندو جنکے ہاں اسنے جنم لیا سدا سے اس کے
پرستار رہے ہیں۔ گذشتہ صدی سے اہل مغرب اس کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے
اور یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے دست و قلم سے اسکی شہرت کو بال پرواز دیے لیکن تعج
ہے کہ مسلمان جن کی بے غیرتی اور بزدلی کی افسانہ خوانی راسا کا ایک اہم موضوع ہے۔ ا

مطالب سے ناآشنائی کے باوجود اسکے غائبانہ معتقدین میں شامل ہیں۔

راسا کے بیٔے دعوی کیا جاتا ہے کہ چند بردائی کی تصنیف ہے جو پرتھی راج کے عہد کا کوی تھا۔ اسی بنا پر دیسی زبانوں میں اسکو سب سے قدیم کتاب کا درجہ دیا جاتا ہے تاریخی لحاظ سے راجپوتانہ کے اکثر راجپوت خاندانوں کے زمانہ اور نسب کے سلسلہ میں وہ یک نہایت قدیم ماخذ تسلیم کی جاتی ہے۔ بلکہ والیان ادیپور، جودھپور، جے پور۔ بوندی و سروہی اسکے اعتبار پر اپنے اسلاف کا زمانہ حیات و ممات متعین کرتے ہیں۔ راسا کا موضوع خاص اگرچہ پرتھی راج والی اجمیر و دہلی کے سوانح حیات و جنگی کارناموں کا تذکرہ بیان کرنا ہے۔ لیکن شہاب الدین کے ساتھ پرتھی راج کی جنگوں میں ان والیان ریاست کے اسلاف بھی پرتھی راج کے معاون و شریک کار بتائے گئے ہیں مثلاً راول سمر سنگھ والی میواڑ بڑی لڑائی میں جو پرتھی راج اور شہاب الدین کی آخری جنگ کا نام ہے۔ مارا جاتا ہے۔ پجّن راو والیان آمیر و جے پور کا مورث اعلیٰ بھی پرتھی راج کی جنگوں میں حصہ لیتا ہے۔ اسلئے جیپور کے مورخین نے اپنی تاریخیں راسا کے بیانات کی روشنی میں طیار کی ہیں۔ یہی حالت جودھپور۔ بوندی و سروہی اور جیسلمیر کی تاریخوں کی ہے جنکی بنیاد اسی کتاب کے بیانات پر ڈالی گئی ہے۔ قصہ مختصر پرتھی راج راسا اس طرح راجپوتانہ کے والیان ملک کی تاریخ کا عام ماخذ اور سرچشمہ بنجاتا ہے ؞

مغربی مصنفین میں اس کتاب کو بے اندازہ وقعت حاصل رہی ہے۔ گذشتہ صدی کے اکثر مورخین ہندوؤں خصوصاً راجپوتوں کی تاریخ کے سلسلہ میں اسی کے خرمن سے خوشہ چینی کرتے رہے ہیں۔ ٹاڈ نے اسی کے مواد پر اپنی تاریخ راجستان کی بنیاد ڈالی ہے۔ گروز بیمز اور ہرنلے لسانیات کے سلسلہ میں اسکو نہایت اہم ماخذ سمجھتے ہیں۔ ورنیکلر ادبیات میں گریرسن اسکے شاعرانہ محاسن کا ثناخواں ہے۔ اسکی گوناگوں اہمیتوں کا اندازہ کرکے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے اسکی طباعت شروع کردی اور ایک تہائی حصہ اپنی سرپرستی میں شایع

بھی کر دیا۔ مسلمانوں نے اس کے ساتھ بہت کم اعتنا کی ہے۔ لیکن مولانا محمد حسین آزاد نے قصص ہند و دیگر تعلیمی کتب میں اس کے بعض مطالب کی اشاعت کی ہے اور اردو زبان کی تاریخ میں سب سے قدیم دستاویز کی حیثیت سے جگہ دی ہے۔

۱۸۸۶ء تک یہ کتاب نہایت مقبول رہی اور اسکی داستانوں کے تراجم کثرت کے ساتھ اہل مغرب کے قلم سے علمی رسالوں میں شایع ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ بیمز نے اسکے قواعد صرف و نحو بھی شایع کر دیے۔ لیکن اس سال کویراج شیامل داس جی نے ایک محققانہ و عالمانہ مضمون لکھ کر جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالہ میں طبع ہوا ہے۔ راسا کے مطالعہ کی تاریخ میں ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ راسا ایک جعلی تصنیف ہے جو سترھویں صدی کے وسط میں کسی وقت لکھی گئی۔ اس انقلابی مضمون نے راسا کے معتقدین کی صف میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی۔ اسکا جواب موہن لال وشنو لال پنڈیا نے ایک علمی رسالہ میں بزبان ہندی دیا جو ۱۸۸۷ء میں میڈیکل ہال پریس بنارس سے شایع ہوا۔ اسی رسالہ کے ضروری مطالب پنڈیا جی نے اپنے مرتبہ پرتھی راج راسا کے ابتدائی حصہ میں جو ناگری پرچارنی گرنتھ مالا کے سلسلہ میں شایع ہوا ہے شامل کر دیے۔ ۱۸۹۳ء میں ڈاکٹر بیولر نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے سکرٹری کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے کشمیر سے ایک تازہ دریافت شدہ سنسکرت تالیف پرتھی راج وجے نامی کے مطالب کی بنا پر راسا کی اصلیت سے صریح انکار کر دیا بلکہ مشورہ دیا کہ سوسائٹی کو اس کتاب کی اشاعت بند کر دینی چاہیے۔ ادھر مسٹر سیام سندر داس سیکرٹری ناگری پرچارنی سبھا نے تلاش ہندی مخطوطات کی سالانہ رپورٹ میں (بابت ۱۹۰۰ء) ایک بظاہر مدلل اور پر از معلومات تبصرہ راسا کی حمایت میں لکھا جس سے راسا کے مغربی معتقدین میں حوصلہ کے آثار پیدا ہونے لگے۔ چنانچہ اس مضمون کی صدائے بازگشت رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ میں (بابت ۱۹۰۶ء) نیز ونسنٹ اسمتھ کی تاریخ ہندوستان میں نظر آتی ہے۔ ۱۹۲۸ء کے رسالہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی میں (جلد سوم) ر۔ ر۔ ہیلید

نائب کیوریٹر راجپوتانہ میوزیم اجمیر نے اپنے مضمون میں راسا کی تاریخوں کی عالمانہ انداز میں
تغلیط ثابت کی ۔ اسی سال ناگری پرچارنی پترکا جلد نہم میں پنڈت رامچندر نے ایک اور مضمون
راسا کی مخالفت میں سپردِ قلم کیا جو زیادہ تر اسکے لسانی پہلو سے تعلق رکھتا ہے ۔ ۱۹۲۹ء میں اسی
رسالہ میں ایک اور سیر حاصل مضمون رائے بہادر پنڈت گوری شنکر اوجھا کے قلم سے نکلا جس
میں ہر پہلو سے راسا کی تغلیط و تردید کی گئی ہے اور اسکی مصنوعی ہستی کے تار و پود کو بکھیر کر
رکھ دیا گیا ہے ۔

ابتک جس قدر کام ہوا ہے ہندو تاریخ و ادب کی رو سے ہوا ہے ۔ کیونکہ مضمون نگار
زیادہ تر سنسکرت داں طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور اسی لئے اس تمام بحث و مباحثہ میں اسلامی
تاریخ سے بہت کم اعتنا کی گئی ہے ۔ کویراج جی نے البتہ اسلامی تاریخ سے مدد لی بلکہ اسی کی
روشنی میں انھوں نے راسا کی تاریخوں کو غلط ثابت کیا ۔ باقیوں نے اس سے کوئی سروکار نہیں
رکھا بلکہ راسا کے مرتبین نے تو راسا کے بیانات کے اعتماد پر مسلمان مورخین کو مطعون کیا
ہے کہ انھوں نے سلطان شہاب الدین کی زندگی کے ایسے تاریک پہلوؤں کو جو اس کے
خلاف جاتے تھے قلم انداز کر دیا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں ہمیں بھی رائے زنی
کا حق ہے کیونکہ پرتھی راج کے بعد اسکا حریف سلطان شہاب الدین ہی وہ شخص ہے جسکا
مذکور راسا میں بکثرت آتا ہے ۔ دوسرے اردو زبان کی تاریخ کے سلسلہ میں ہمارے
اہل قلم ابھی تک راسا کو سب سے قدیم دستاویز مان رہے ہیں ۔ اس مغالطہ کا رفع کرنا بھی
نہایت ضروری ہے ۔ تیسرے تنقید کے بعض ایسے پہلو ہیں جو ابتک روشنی میں نہیں
آئے ہیں اور انکا منظر عام پر لایا جانا بھی مناسب ہے ۔ مزید براں اردو خواں طبقہ اب
تک راسا کے مطالب سے بالعموم ناواقف رہا ہے ۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان کو بھی
اس کے مضامین سے کسی قدر آشنا کیا جائے ۔

یہ ادبی تفنن جو ابتدا میں کسی معمولی علمیت کے بھاٹ نے محض ذاتی جلب منفعت

کے خیال سے راجپوتانہ کے کسی راجہ کو اپنے دام تزویر میں لانے کی امید میں کیا تھا۔
اور ہندی میں ایسے موضوعات کافی تعداد میں ملتے بھی ہیں۔ انجام کار مغرب کے بڑے
بڑے علماء کو جنکے نام تاریخ و لسانیات میں ادب سے لئے جاتے ہیں کامل طور پر گمراہ
کرنے میں کامیاب ہوا۔ مصنف کا ایک ایسا شاندار پہلو ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جس
کی نظیر تاریخ میں مشکل سے نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تالیف کو بحیثیت کتاب
تاریخ تسلیم کرنا ایک عظیم الشان غلطی تھی جو ہمیشہ قابل افسوس رہیگی۔ سب لوگ جانتے
ہیں کہ افسانہ کی ایک شاخ وہ بھی ہے جس میں تاریخی اشخاص کے گرد فرضی اور خیالی واقعات
کی عظیم الشان تعمیر کھڑی کر دی جاتی ہے۔ اسکی بہترین مثال ہمارے ہاں داستان
امیر حمزہ ہے جس میں تاریخی حصہ اسی قدر ہے کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب ہمارے
پیشوائے دین کے عم نامدار تھے۔ اور جنگ احد میں شہید ہوئے۔
تاریخی واقعات کی اس نازک اساس پر داستان امیر حمزہ تعمیر پاتی ہے جو چار ضخیم جلدوں
پر شامل ہے۔ اس کے ساتھ اگر باقی داستانیں جو اسی کی شاخیں ہیں اور لکھنؤ میں گذشتہ
صدی میں وجود میں آئی ہیں شامل کرلی جائیں تو ان کی تعداد ایک سو جلدوں کے قریب
پہنچ جاتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص داستان امیر حمزہ کو ایک صحیح تاریخ سمجھے تو یہ اس کی
اپنی سمجھ کا قصور ہے۔ ٹھیک یہی کیفیت پرتھی راج راسا کی ہے۔ پرتھی راج اور سلطان
معز الدین محمد بن سام تاریخی شخصیتیں ہیں۔ ان میں آپس میں ترائن پر دو جنگیں ہوئیں۔
پہلی میں معز الدین کو شکست اور دوسری میں فتح ہوئی اور پرتھی راج مارا گیا۔ اس قلیل
تاریخی سرمایہ پر پرتھی راج راسا کی ایک کم ستر داستانیں تعمیر پاتی ہیں۔ ضرورتاً اس میں
اور افراد قدیم و جدید شامل کرلئے گئے ہیں۔ جن میں بعض تاریخی ہیں ورنہ اکثر فرضی ہیں۔
چونکہ راسا کے مصنف کو پرتھی راج کے زمانہ کا صحیح علم نہیں تھا اس لئے اس نے اپنے قیاس
کے مطابق پرتھی راج کو اسکے اصلی زمانے سے نوے سال اقدم فرض کرلیا۔ چنانچہ یہ فاحش غلطی ان

تمام سنوں میں موجود ہے جو راسا میں دیئے گئے ہیں ۔

اب ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور سہولت کی غرض سے اسکو دو حصّوں میں تقسیم کرتے ہیں - پہلے حصّہ میں راسا کے مطالعہ کی سرگزشت پر ایک تفصیلی تبصرہ اور دوسرے میں اسکے مطالب کا بیان اور بعض داستانوں کا مختصر خاکہ دیا جاتا ہے جس سے ہمارے قارئین کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کس معیار کی حامل ہے ؟

(۱) راسا کا مطالعہ

جیمز ٹاڈ

راسا کو علمی دنیا میں روشناس کرنے کا سہرا جیمز ٹاڈ[1] کے سر ہے جو گذشتہ صدی کے پہلے ربع میں مغربی راجپوتانہ کی ریاستوں کا پولیٹکل اجنٹ تھا - یہ ٹاڈ ہی تھا جس نے ان ریاستوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان عہد نامے مرتب کئے - راجپوتانہ کے قیام کے زمانہ میں اسنے راجپوت حکمران خاندانوں اور انکی قدیم تاریخ میں گہری دلچسپی لی ہے اور ہر قسم کا تاریخی سرمایہ اسناد و فرامین و کتب - بھاٹوں برہمنوں اور جینیوں کے منظوم و غیر منظوم رسائل - تانبے پتر اور سنگی کتبوں وغیرہ کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم کرکے اسکی بنیاد پر ۱۸۲۹ء میں 'تاریخ[2] و عتیقیات راجستان' دو ضخیم جلدوں میں شایع کی - یہ کتاب اب تک معیاری پایہ کی تالیف سمجھی جاتی ہے اور انگلستان و ہندوستان میں کئی بار چھپ چکی ہے - ٹاڈ کا ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کے ساتھ علانیہ دشمنی کا اظہار کیا ہے وہاں خوشامد کی حد تک راجپوتوں کی طرفداری کی ہے - بلکہ راجپوت رؤسا کی یہ بیجا حمایت ہی تھی جس کی بنا پر گورنمنٹ اسکو بے اعتمادی کی نگاہ سے دیکھنے لگی - چنانچہ اس کے اختیارات میں کمی کر دی گئی اور دوسرے

---

[1] James Tod [2] Annals & antiquities of Rajas-
- than.

افسروں کو اسکا شریک بنا دیا گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسنے تنگ آ کر اپنے عہدہ سے استعفا دے دیا ۔ ٹاڈ نے اپنی تاریخ میں راجپوتوں کی مداحی کے جوش میں مغربی اصول تحقیقات کو بالائے طاق رکھ کر ہر قسم کے معتبر و غیر معتبر ذرائع سے کام لیا ہے خصوصاً ہندی ادب کی اس شاخ سے جو بھاٹوں کے دماغ و قلم کی یادگار اور تاریخی نقطۂ نظر سے ناکارۂ محض ہے ۔ مگر وہ اس ماخذ کو ملکی تاریخ کے سلسلہ میں نہایت بیش قیمت اور قابل قدر خیال کرتا ہے ۔ چونکہ ان تالیفات میں سوائے جنگوں اور قتل و غارت کے قصوں کے اور کچھ نہیں ہوتا ۔ اس لئے اس قسم کے اعتراض کے جواب میں یہ صفائی پیش کرتا ہے کہ " یہ چیزیں ایک جنگجو قوم کے لئے لکھی جاتی تھیں اسی لئے ان کے مصنف ملکی معاملات اور زمانۂ امن کے مشغلوں اور دھندوں کی طرف التفات نہیں کرتے ۔ صرف عشق اور جنگ انکا دلپسند موضوع ہے ۔ البتہ چند جو ہندوستان کے چوٹی کے بھاٹوں میں سب سے مؤخر ہے اپنے دیباچہ میں کہتا ہے کہ میں نظام سلطنت کے قوانین ۔ صرف و نحو اور انشا پردازی کے قواعد اور ملکی سیاسیات کی داخلی و خارجی حکمت عملی کی تعلیم دوں گا ۔ چنانچہ اسنے اپنی تصنیف کی مختلف داستانوں میں موقعہ بموقعہ ان عنوانوں پر دفتر پند و موعظت کھولا ہے " آگے چلکر ہمارا مصنف اضافہ کرتا ہے کہ " اگرچہ ان بھاٹوں کے کارناموں میں یہ بعض خامیاں ہیں ۔ تاہم ان سے ہمیں واقعات و کوائف ۔ مذہبی آرا اور رسم و رواج کی خصوصیات کے متعلق بڑی قیمتی اطلاع دستیاب ہوتی ہے ۔ اور چونکہ یہ امور بلا ارادہ زبان قلم سے ترشح پاتے ہیں ۔ اس لئے انکو ایسی تاریخی شہادت تسلیم کیا جاسکتا ہے جو ہر قسم کے شبہ سے بری ہے ۔ پرتھی راج کی رزمیہ تاریخ میں چند نے اپنے آقا کی معرکہ آرائیوں کے بیانات میں اکثر جغرافیائی اور تاریخی تفصیلات دی ہیں جنکا وہ عینی شاہد ہے کیونکہ وہ اسکا دائمی رفیق تھا ۔ اسکی شہرت کا نقیب تھا ۔ اسکا سفیر تھا ۔ بلکہ بیعزتی کی موت سے محفوظ رکھنے کی خاطر اسکی موت کی سازش میں شریک ہونے کا ناشاد فرض بھی اسکو ادا کرنا پڑا "

بھاٹوں کے منظوم کارناموں کے متعلق اس ارادتمندانہ رای کے ساتھ ٹاڈ اپنی تاریخ شروع کرتا ہے۔ اور فاتحہ سے لے کر خاتمہ تک انسے استفادہ کا کوئی موقعہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ اس غلط روی نے اسکی تالیف کو تاریخ کے بجاے افسانہ بنادیا ہے۔ لیکن مصنف کو اس امر کا احساس تک نہیں ہوا۔ مذکورۂ بالا اقتباس میں نے اس کے دیباچہ سے دیے ہیں۔ راسا کے متعلق تفصیلی راے ذیل میں عرض ہے۔ اسے بھی دیکھ لیجے :۔

" چند کی تالیف اس عہد کی ایک عمومی تاریخ ہے جس میں مصنف ہو گذرا ہے۔ ان ایک کم ستر کتابوں سے جو ایک لاکھ چھندوں پر شامل ہیں اور پرتھی راج کے کارناموں کی افسانہ خواں ہیں۔ راجپوتانہ کا ہر عالی رتبہ خاندان کچھ نہ کچھ اپنے اسلاف کی تاریخ معلوم کرسکتا ہے۔ اسی لئے ہر ایسا قبیلہ جو راجپوت کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ اس تصنیف کو اپنی قابل قدر خاندانی یادگاروں میں شمار کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے اسے اپنے قدیم تبرد آزما پرکھوں کا سراغ ملتا ہے جنھوں نے کرمان کی گھاٹیوں میں مریای خون میں شناوری کی ہے۔ جب جنگ کے بادل کوہ ہماچل سے اٹھ کر ہندوستان کے وسیع میدانوں پر چھا گئے تھے۔ پرتھی راج کے معرکوں۔ اسکی شادیوں اور اسکے بیشمار طاقتور باجگزاروں۔ انکی راجدھانیوں اور نسب ناموں کا ذکر چند کی تالیف کو بحیثیت تاریخی و جغرافیائی دستاویز نہایت قیمتی اور بیش بہا بنادیتا ہے۔ اسکے علاوہ اساطیری روایات اور ملکی رسم و رواج کا قابل قدر سرمایہ بھی اس میں شامل ہے۔ اس شاعر کا گہرا مطالعہ عزت و حرمت کی منازل کی طرف ہماری رہبری کرتا ہے۔ راسا کے معاملہ میں پراتم بھاٹ بھی میرے گرو[1] کی فضیلت علمی کے قایل تھے۔ جیسے جیسے وہ میرے سامنے پڑھتا جاتا میں ساتھ ساتھ ترجمہ کرتا جاتا۔ اسطرح تیس ہزار چھندوں کا ترجمہ تیار ہو گیا۔ جس زبان میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس سے واقفیت کی بنا پر بعض اوقات میں نے ایسا خیال کیا ہے کہ میں نے شاعر کی اصلی روح

---

[1] ٹاڈ کے استاد کا نام گیان چندر جتی ہے '

کو پالیا ہے لیکن میری جسارت ہوگی اگر یہ کہوں کہ میں اسکی روانی اور آبداری کے اخذ کرنے یا اسکی تلمیحات کو پورے طور پر فہم کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ البتہ میں اس امر سے واقف تھا کہ شاعر کن لوگوں کے واسطے لکھ رہا ہے۔ اسکے مشہور عالم تصورات اور جذبات روزانہ ان لوگوں کے منہ سے میرے سامعہ نواز ہوتے تھے جو انہی بہادروں کے خلف تھے جنکے کارنامے کا اسنے اپنی تالیف میں نقشہ کھینچا ہے۔ اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ جہاں فنون شعر کا ایک ماہر شاعر کے مطالب سمجھنے میں قاصر رہتا۔ وہاں میں اپنے نثری ترجمہ میں کامیاب ثابت ہوا ہوں" (جلد اول صفحہ ۲۹۷ مرتبہ ولیم کروک۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۲۰ء)

حیرت ہے کہ مغربی دلبستان کا یہ تربیت یافتہ فاضل اصل کو نقل سے اور راست کو باطل سے تمیز نہیں کر سکتا ورنہ بھاٹوں کی روایات کی بے حقیقتی اور مجہولیت کو بے نقاب کرنا کوئی ایسا دشوار مسئلہ نہیں تھا جسکے لئے بڑی دماغ سوزی کی ضرورت ہو۔ ان شطحیات میں کافی سے زیادہ قرائن موجود ہیں۔ جن میں سے کسی ایک کا تتبع انکی لغویت کی حقیقت واشگاف کر سکتا ہے۔ مگر جیمز ٹاڈ دانستہ ان سے اغماض کرتا ہے۔ میں بعض ایسے امور یہاں درج کرتا ہوں۔

کھومان راٹیسا کے حوالہ سے ٹاڈ لکھتا ہے کہ کلبھوج کے بعد کھومان ۸۱۲ء و ۸۳۶ء میواڑ کی گدی پر بیٹھا۔ اسکے عہد میں چتوڑ پر مسلمان حملہ آور ہوئے۔ کھومان نے کامیابی کے ساتھ اپنے ملک کی حفاظت کی۔ ان وحشیوں کو شکست دی۔ انکا تعاقب کیا اور ان کے سردار محمود کو گرفتار کر لیا (صفحہ ۲۸۲ و صفحہ ۲۸۴)

چونکہ یہ محمود مشہور فاتح محمود غزنوی سے دو صدی اقدم ہے اور اسلامی تاریخ میں اس کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ ٹاڈ نے اس گورکھ دھندے کا اسطرح حل کیا کہ کھومان مذکور خلیفہ المامون ۸۱۳ء و ۸۳۳ء کا معاصر ہے۔ مامون کے باپ مشہور ہارون الرشید نے اپنے دونوں فرزندوں امین اور مامون میں سلطنت تقسیم کر دی تھی مشرقی حصہ یعنی خراسان، زابلستان

کابلستان - سندھ اور ہندوستان مامون کے حصّہ میں آیا تھا - مذکورہ بالا رائیسا چتوڑ کے حملہ آور کا آنا زابلستان سے بیان کرتا ہے جسکو "محمود خراسان پت" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے - لہذا اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ کاتب نے اس موقعہ پر غلطی سے مامون کے نام کی جگہ محمود کا نام لکھ دیا (صلے ۲۵)

گویا ٹاڈ صاحب کی تحقیقات عالیہ کی رو سے خلیفہ مامون ہندوستان آکر چتوڑ پر حملہ کرتا ہے اور قید کر لیا جاتا ہے مگر وہ یہ نہیں بتاتے کہ آخر کھمان کے اس قیدی کا انجام کیا ہوا؟

یہ قصہ اگرچہ اختراع محض ہے اور اس سے زیادہ اسپر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں ہے - مگر ہم اپنے قارئین کی رہنمائی کے لئے اتنا اشارہ کر دیتے ہیں کہ وہ صدائے بازگشت ہے ان واقعات کی جو رانا سانگا اور سلطان محمود خلجی ۹۱۶ھ/۱۵۱۰ء و ۹۳۷ھ/۱۵۳۰ء والی مالوا کے درمیان رونما ہوتے ہیں - قصہ یوں ہے کہ سلطان محمود جو سلاطین مالوا کا آخری تاجدار رہے اپنے وزیر میدنی رای کے روز افزوں اقتدار سے تنگ آکر ایک روز اپنی دارالسلطنت منڈو سے جہاں وہ قیدیوں کی طرح زیر حراست رہتا تھا فرار کرکے سلطان مظفر شاہ گجراتی ۹۱۷ھ/۱۵۱۱ء و ۹۳۲ھ/۱۵۲۵ء کے پاس پناہ لیتا ہے اور اپنی داستان غم اسے سناتا ہے - مظفر اس پر ترس کھا کر ۹۲۴ھ میں ملوے آتا ہے - دہار اور منڈو فتح کرکے دوبارہ محمود کو تخت پر بٹھاتا ہے اور اسکی امداد کیلئے آصف خاں گجراتی کو چند ہزار سوار کے ساتھ چھوڑ کر واپس گجرات جاتا ہے - ملوے میں اسوقت میدنی رای اور سلہدی نہایت طاقتور تھے - محمود قلعۂ گاگرون کی استرداد کی غرض سے جسپر میدنی رای قابض تھا بڑھتا ہے - میدنی رای اپنی حمایت پر رانا سانگا کو بلاتا ہے - محمود جلد بازی کرکے غنیم کی فوج کے ساتھ بے موقع بھڑ جاتا ہے - مسلمانوں کو سخت شکست ہوتی ہے - ان کے بتیس بڑے بڑے سردار مارے جاتے ہیں - آصف خاں پالنو گجراتیوں کے ساتھ کھیت رہتا ہے - مگر محمود جس میں عقل کم اور جرأت زیادہ تھی - اب بھی منہ نہیں موڑتا اور دس سواروں کے ساتھ دشمن پر حملہ کرتا ہے اور جب تک زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے نہیں

گرجاتا راجپوتوں کے ہاتھ نہیں آتا۔ رانا سانگا اسکے علاج کا حکم دیتا ہے اور صحتیاب ہونے کے بعد عزت کے ساتھ منڈو بھیج دیتا ہے (تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۲۶۹ نول کشور)

واقعات کی اس داغ بیل پر کھومان راسا کی تعمیر کھڑی کی جاتی ہے جس میں واضع نے اگرچہ محمود غزنوی کو تاکا تھا۔ مگر ٹاڈ صاحب نے اسکی کمان کا رخ بدل کر ماہ دن کی طرف پھیر دیا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سولھویں صدی کی واردات آٹھویں نویں صدی کے اشخاص پر کس طرح چسپاں کر دیگئی۔ اسکا جواب ہمارے نزدیک ہندی ادبیات کی ابتری کا وہ مدوجزر ہے جس کے گرداب میں تقدیم و تاخیر کا امتیازی رنگ روغن باسانی دھل جاتا ہے۔ اور امسال و پار کا فرق اس کے سیلاب میں بہ جاتا ہے۔ جب واقعات کا سلسلہ سال و ماہ کی قید سے ایک مرتبہ آزاد ہوگیا پھر اسکے اجزاے پریشان کو جس شخص کے سر چاہو منڈھ دو چنانچہ یہی زیر بحث واقعہ ایک مرتبہ اور اسی محمود کے پردادا سلطان علاءالدین محمود خلجی ۸۳۹ھ/۱۴۳۵ء و ۸۸۰ھ/۱۴۷۵ء والی مالوہ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ میں یہاں ٹاڈ کی روایت نقل کرتا ہوں۔

رانا کومبھا ۱۴۳۳ء۔۱۴۶۸ء شاہان گجرات و مالوہ کے متحدہ لشکروں کو ۱۴۴۰ء میں شکست فاحش دیتا ہے اور محمود خلجی کو گرفتار کرکے چتوڑ لے جاتا ہے اور چھ ماہ تک قید میں رکھتا ہے۔ اس فتح عظیم کی یادگار میں کومبھا نے چتوڑ میں منارۂ فتح تعمیر کیا ہے جس پر یہ تمام قصہ لکھا ہے (صفحہ ۳۳۵ ٹاڈ)

مینار بیشک موجود ہے اور اسکے ایک طبقہ میں رانا کی فتح کا قصہ بھی پتھر کے چوکوں میں کندہ ہے۔ مگر کیا یہ امر عجیب نہیں کہ چتوڑ کے رانا مختلف اوقات میں تین محمودوں کو ہزیمت دیکر قید کر لیتے ہیں؟ اس مرتبہ ٹاڈ صاحب نے جس محمود کا ذکر کیا ہے وہ ایک اولالعزم اور جلیل القدر پادشاہ ہے جسکا اکثر زمانہ جنگوں اور میدانداریوں میں گذرا ہے۔ بقول فرشتہ چونتیس سال اور بروایت لین پول چالیس سال اسنے سلطنت کی۔ اس تمام عرصہ میں اسکے

دامن پر صرف ایک شکست کا داغ ہے جو گجرات میں اسے ملتی ہے۔ اس کے سوا فتح و نصرت ہمیشہ اس کے پرچم پر لہراتی رہی ہے۔ گجراتیوں سے اسکی ٹکر ہوئی دکن میں بیدر تک دھاوے کئے۔ شرقیوں سے اسکے معرکے رہے۔ اجمیر راجپوتوں سے اسنے چھینا۔ ہاڑوتی اور کوٹہ والے اسکے باجگزار رہے اور میواڑ پر تو اسنے کئی حملے کئے ہیں۔ سنہ ۸۴۶ھ میں رانا کونبھا زخمی ہوکر بھاگتا ہے۔ سنہ ۸۵۰ھ میں کونبھا پیشکش دے کر اپنا پیچھا چھڑاتا ہے۔ سنہ ۸۵۸ھ میں رانا کو پھر پیشکش دینی پڑتی ہے۔ سنہ ۸۶۲ھ میں محمود میواڑ کا مشہور قلعہ مندل گڑھ فتح کرتا ہے۔ سنہ ۸۶۳ھ میں قلعہ کوندی پر قابض ہوتا ہے۔ سنہ ۸۶۶ھ میں قلعہ کونبلمیر تک آیا اور چلا گیا۔ یہ تفصیل جو میں نے فرشتہ (ص۲۴۳ تا ص۲۵۴ جلد دوم) سے لے کر یہاں قلمبند کی ہے اس میں کوئی ایسا موقعہ نظر نہیں آتا جس میں رانا نے محمود کو گرفتار کیا ہو۔

راسا کے صفحات میں کئی موقعوں پر فرنگیوں کا ذکر آتا ہے۔ جنکے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ شہاب الدین کی فوجوں میں شامل تھے۔ ایک نقاد پرتھی راج کے عہد میں فرنگیوں کے ذکر سے معاً چونک اٹھتا کیونکہ ہندوستان میں فرنگیوں کی آمد سولھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہوتی ہے اور کیا ٹاڈ صاحب سے یہ امر مخفی تھا کہ ان کے ہم مذہب پرتگالی سب سے پہلے فرنگی ہیں۔ جو ہندوستان میں اپنا قدم جماتے ہیں اور بعد میں دوسرے فرنگی آئے۔ فرنگیوں کا ذکر ٹاڈ کی معتبر تاریخ راسا کی قدامت کا پردہ فاش کر سکتا تھا۔ مگر وہ اسکی پردہ داری کی کوشش میں ذیل کی انوکھی توجیہ پیش کرتے ہیں۔

"یہ اچنبھے کی بات ہے کہ چند فرنگیوں کو شہاب الدین کی فوج میں جب وہ پرتھی راج پر فتح پانے چلا ہے شریک بیان کرتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو یہ صلیبی مجاہدین کا کوئی بے قاعدہ یا فراری دستہ ہوگا (ص۹۳۶)

یہ تاویل ناقابل قبول ہے اور عذر لنگ سے زیادہ وقعت کی مستوجب نہیں۔ کیونکہ صلیبی مجاہدین نے ان اطراف میں کبھی قدم نہیں رکھا اور نہ تاریخ میں ان کا تذکرہ آتا ہے۔ ان

کی واقعہ طلبی شام و بیت المقدس تک ہی محدود رہی ہے ۔

راسا میں اسی طرح آتشیں اسلحہ توپ ۔ بندوق ۔ زنبورک ۔ ہتھ نال وغیرہ کا ذکر بھی بار بار ملتا ہے جو شہاب الدین اور پرتھی راج کے عہد سے بہت عرصہ بعد ایجاد ہوتے ہیں ۔ یہ امر بجای خود بدگمانی پیدا کرنے کے لئے کافی ہے ۔ لیکن ٹاڈ صاحب اس سے اغماض کرتے ہیں ۔

ٹاڈ نے راسا کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سمرسنگھ والی میواڑ نے شہاب الدین سے جنگ کی غرض سے چتوڑ چھوڑتے وقت اپنے چھوٹے فرزند کرن کو اپنا جانشین بنا دیا ۔ اس فعل سے اسکا بڑا فرزند جو گدی کا وارث تھا سخت ناخوش ہوا اور طیش میں آکر دکن کے شہر بیدر کی طرف چلدیا ۔ یہاں کے 'حبشی پادشاہ' نے جو وہاں کی حکومت پر قابض ہوگیا تھا اسکی بڑی آؤ بھگت کی' (صفحہ ۳۰۱)

قلعۂ بیدر اگرچہ قدیم الایام سے ہے لیکن شہر بیدر جسکا پورا نام احمد آباد بیدر ہے سلطان احمد شاہ بہمنی ۱۴۲۱ء ۸۲۵ھ و ۱۴۳۵ء ۸۳۸ھ کا آباد و ساختہ ہے ۔ بیدر کا اس عہد سے پہلے بحیثیت شہر وجود نہیں تھا ۔ راسا کے خلاف یہ ایک وزنی اعتراض ہے ۔ لیکن اس سے زیادہ اہم اس بادشاہ کا ذکر ہے جس کو راسا اپنے الفاظ میں 'حبشی پادشاہ' بیان کرتا ہے ۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے ۔ دکن میں مسلمانوں کی آمد علاء الدین خلجی ۱۲۹۵ء ۶۹۵ھ و ۱۳۱۵ء ۷۱۵ھ کی فتوحات کے بعد ہوتی ہے ۔ اور حبشیوں کو ملک عنبر و دیگر حبشی امرا کی وجہ سے سترھویں صدی میں عروج حاصل ہوتا ہے ۔ اگر ٹاڈ صاحب راجپوتوں کی قصیدہ خوانی سے ہٹ کر واقعات کو انکی صحیح روشنی میں دیکھتے تو یہ بعض امور جنکو ہم نے اوپر درج کیا ہے راسا کی مجہولیت طشت از بام کر دیتے ۔

اے۔ کے۔ فوربز

ٹاڈ کی غیر منتقدانہ رائے کے مقابلہ میں اے۔ کے۔ فوربز[1] کے خیالات بھی اس کے متعلق یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتے ہیں جو میں سمجھتا ہوں صداقت کے بہت قریب ہیں۔

فوربز کو سرزمین گجرات کے ساتھ وہی تعلق ہے جو ٹاڈ کو راجپوتانہ کے ساتھ ہے۔ اسکی مساعی اس خطہ کے راجپوت خاندانوں کی تاریخ کے واسطے دیر تک مبذول رہیں۔ اور کتاب راس مالا اسکی ان کوششوں کا نتیجہ ہے جو ۱۸۵۶ء میں پہلی مرتبہ شایع ہوئی بعض تاریخی امور کے سلسلہ میں فوربز نے راسا سے بھی کام لیا ہے۔ وہ اگرچہ اس کتاب کو جعلی تو نہیں کہتا مگر اسکے بیانات کو صحیح بھی نہیں مانتا اور مجبوراً اسے کہنا پڑتا ہے کہ اس میں الحاق ضرور ہوا ہے۔ میں یہاں اسکی رائے کا ترجمہ دے دیتا ہوں۔

"یہ ضروری ہے کہ ہم چند کی نظم کے متعلق اسکی رنگینی اور دلآویزی کے باوجود بڑی احتیاط کے ساتھ گفتگو کریں۔ بھاٹ تاریخ نگاروں میں اسکو اول درجہ کی شہرت حاصل ہے اور اسکی نظم ان تمام خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ متشخص کی جا سکتی ہے۔ جو اس جماعت کا خاص شیوہ ہے۔ اسکو ایک سنجیدہ راوی کی حیثیت سے ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا البتہ چوہانوں کا بھاٹ کہا جا سکتا ہے۔ اگر بادۂ ارغوانی یا کم از کم خاندانی رقابت اور معرکہ آرائیوں کی شراب سے بدمست نہ ہو گیا ہو۔ اسکا متن اسقدر مسخ ہو چکا ہے کہ بعض وقت بالکل مہمل اور بے معنی بنگیا ہے۔ مگر جہاں مطلب صاف ہے وہاں اصل عبارت کو جو رنگ آمیزی کی تہ میں لپیٹ دی گئی ہے شناخت کرنا نہایت دشوار ہے۔ یہ ملمع اسقدر چڑھا ہوا ہے کہ بعض اوقات تمام کتاب کی

---

[1] A. K. Forbes.

بات کے متعلق شک پیدا ہونے لگتا ہے - چند کی روایت کے مطابق بھیم دیو ثانی
پرتھی راج چوہان کے ہاتھ سے مارا گیا ہے - حالانکہ درست یہ ہے کہ وہ پرتھی راج سے بہت
عرصہ بعد تک زندہ رہا - اور موقعوں پر دیکھا جاتا ہے کہ راسا میں گجرات کے خاندانوں کے
نام بعض ایسے وقائع کے تعلق میں لئے گئے ہیں جو دیگر روایات کی رو سے ان خاندانوں کے
بانیوں کے زمانہ سے سینکڑوں سال قبل واقع ہوئے ہیں -
کتاب کے خلاف بدظنی پھیلائے بغیر پہلے غیر تاریخی بیان کی تاویل یہ فرض کرنے سے
ہو سکتی ہے کہ چند کو اپنے آقا اور رہبر کی ستائش گری کے لئے بڑا تردد اور اہتمام تھا - علی ہذا
دوسرے بیان کے جواب میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا خاندان اگرچہ شاعر کے بیان کردہ
زمانہ میں موجود نہیں تھے مگر چند کے زمانہ میں تو تھے - لیکن اس امر کا کیا جواب ہو سکتا ہے اگر
مثلاً کہا جائے کہ چند نے پیرمبھ کے گوہلوں کے جن معرکہ آرا کارناموں کو شہرت دی ہے - ان
کے متعلق یہ ثابت ہو گیا ہے کہ شاعر کے عہد سے تقریباً ایک صدی بعد تک پیرمبھ پر کسی
گوہل کا قبضہ نہیں ہوا تھا - ہمیں اندیشہ ہے کہ اس تالیف کے متعلق جو چند کے نام سے مشہور
ہے - ہمیں اعتراف کرنا پڑے گا - کہ بحیثیت مجموعی وہ چند کی تالیف نہیں ہے اور اس امر
کی دریافت کے بعد بھی اصلی کو نقلی سے جدا کرنا یا اس نقلی کو کسی خاص عہد کی طرف منسوب
کرنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے (راس مالا ج اول صفحہ ۲۲۹-۳۰ مرتبہ رالنس ۱۹۲۴ء)

جون بیمز

لسانیات کے عالی جاہ ماہر جون بیمز[1] کا نام راسا کے سچے خادم کی حیثیت سے ایک عرصہ
تک یادگار رہیگا - انکی مشہور کتاب ہندستانی آریائی زبانوں کی تقابلی صرف و نحو، ایک بلند
پایہ تصنیف مانی جاتی ہے - راسا کے سلسلہ میں ان کا نام سرعنوان لکھنے کے قابل ہے -

---

[1] John Beams.

اے ۔ کے ۔ فوربز

ٹاڈ کی غیر منتقدانہ رائے کے مقابلہ میں اے ۔ کے ۔ فوربز[1] کے خیالات بھی راسا کے متعلق یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتے ہیں جو میں سمجھتا ہوں صداقت کے بہت قریب ہیں ۔

فوربز کو سرزمین گجرات کے ساتھ وہی تعلق ہے جو ٹاڈ کو راجپوتانہ کے ساتھ ہے ۔ اسکی مساعی اس خطہ کے راجپوت خاندانوں کی تاریخ کے واسطے دیر تک مبذول رہیں ۔ اور کتاب راس مالا اسکی ان کوششوں کا نتیجہ ہے جو ۱۸۵۶ء میں پہلی مرتبہ شایع ہوئی بعض تاریخی امور کے سلسلہ میں فوربز نے راسا سے بھی کام لیا ہے ۔ وہ اگرچہ اس کتاب کو جعلی تو نہیں کہتا مگر اسکے بیانات کو صحیح بھی نہیں مانتا اور مجبوراً اسے کہنا پڑتا ہے کہ اس میں الحاق ضرور ہوا ہے ۔ میں یہاں اسکی رائے کا ترجمہ دے دیتا ہوں ۔

" یہ ضروری ہے کہ ہم چند کی نظم کے متعلق اسکی رنگینی اور دلآویزی کے باوجود بڑی احتیاط کے ساتھ گفتگو کریں ۔ بھاٹ تاریخ نگاروں میں اسکو اول درجہ کی شہرت حاصل ہے اور اسکی نظم ان تمام خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ مشخص کی جا سکتی ہے ۔ جو اس جماعت کا خاص شیوہ ہے ۔ اسکو ایک سنجیدہ راوی کی حیثیت سے ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کیا جا سکتا البتہ چوہانوں کا بھاٹ کہا جا سکتا ہے ۔ اگر بادۂ ارغوانی یا کم از کم خاندانی رقابت اور معرکہ آرائیوں کی شراب سے بدمست نہ ہوگیا ہو ۔ اسکا متن اسقدر مسخ ہو چکا ہے کہ بعض وقت بالکل مہمل اور بے معنی بنگیا ہے ۔ مگر جہاں مطلب صاف ہے وہاں اصل عبارت کو جو رنگ آمیزی کی تہ میں لیپ دی گئی ہے شناخت کرنا نہایت دشوار ہے ۔ یہ ملمع اسقدر چڑھا ہوا ہے کہ بعض اوقات تمام کتاب کی

---

[1] A. K. Forbes.

اصلیت کے متعلق شک پیدا ہونے لگتا ہے ۔ چند کی روایت کے مطابق بھیم دیو ثانی
پرتھی راج چوہان کے ہاتھ سے مارا گیا ہے ۔ حالانکہ درست یہ ہے کہ وہ پرتھی راج سے بہت
برسوں بعد تک زندہ رہا ۔ اور موقعوں پر دیکھا جاتا ہے کہ راسا میں گجرات کے خاندانوں کے
نام بعض ایسے وقائع کے تعلق میں لئے گئے ہیں جو دیگر روایات کی رو سے ان خاندانوں کے
بانیوں کے زمانہ سے سینکڑوں سال قبل واقع ہوئے ہیں ۔

کتاب کے خلاف بدظنی پھیلائے بغیر پہلے غیر تاریخی بیان کی تاویل یہ فرض کرنے سے
ہو سکتی ہے کہ چند کو اپنے آقا اور ہیرو کی ستائش گری کے لئے بڑا تردد اور اہتمام تھا ۔ علی ہذا
دوسرے بیان کے جواب میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا خاندان اگرچہ شاعر کے بیان کردہ
زمانہ میں موجود نہیں تھے مگر چند کے زمانہ میں تو تھے ۔ لیکن اس امر کا کیا جواب ہو سکتا ہے اگر
مثلاً کہا جائے کہ چند نے پیرمبھ کے گوہلوں کے جن معرکہ آرا کارناموں کو شہرت دی ہے ۔ ان
کے متعلق یہ ثابت ہو گیا ہے کہ شاعر کے عہد سے تقریباً ایک صدی بعد تک پیرمبھ پر کسی
گوہل کا قبضہ نہیں ہوا تھا ۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اس تالیف کے متعلق جو چند کے نام سے مشہور
ہے ۔ ہمیں اعتراف کرنا پڑے گا ۔ کہ بحیثیت مجموعی وہ چند کی تالیف نہیں ہے اور اس امر
کی دریافت کے بعد بھی اصلی کو نقلی سے جدا کرنا یا اس نقلی کو کسی خاص عہد کی طرف منسوب
کرنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے (راس مالا ج اول صفحہ ۲۲۹-۳۰ مرتبہ رالنس ۱۹۲۴ء)

جون بیمز

لسانیات کے عالی جاہ ماہر جون بیمز[1] کا نام راسا کے سچے خادم کی حیثیت سے ایک عرصہ
تک یادگار رہیگا ۔ انکی مشہور کتاب ہندستانی آریائی زبانوں کی تقابلی صرف و نحو ' ایک بلند
پایہ تصنیف مانی جاتی ہے ۔ راسا کے سلسلہ میں ان کا نام سر عنوان لکھنے کے قابل ہے ۔

---

[1] John Beams.

بیمز صاحب ان چند علما میں سے ہیں جنکی تحریک پر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے اس تالیف کی طباعت کو اپنے ذمہ لیا - اور اسکی ترتیب کا قرعہ بھی ان کے نام پر نکلا - اس کے علاوہ راسا کی داستانوں کے منظوم و منثور تراجم بھی جو مختلف علمی رسالوں میں شایع ہوتے رہے ہیں - ان کے قلم کے منت پذیر ہیں - بدقسمتی سے ہم ان کی پوری مساعی سے جو اس عنوان کے ذیل میں عمل میں آئیں ناواقف ہیں تاہم اسقدر کہہ سکتے ہیں کہ چودہ سال تک وہ اس صحرا کی جادہ پیمائی کرتے رہے ہیں - ذیل میں بعض ایسے مضامین کی فہرست درج کی جاتی ہے جن تک ہماری دسترس ہوئی ہے :-

(۱) پرتھی راج راسو کی پہلی داستان کا ترجمہ صفحہ ۸۲-۲۶۹ - انڈین انٹیکویری ۶ ستمبر ۱۸۷۲ء

(۲) چند بردائی کے رزمیہ کی پہلی داستان - منتخب حصوں کا ترجمہ صفحہ ۲۴۷ - ج ا س ب ۱۸۷۲ء

(۳) چند بردائی کی صرف و نحو کا مطالعہ صفحہ ۹۱-۱۶۵ - ج - ا - س - ب - ۱۸۷۳ء

(۴) راسا کے پہلے تیرہ چھندوں کا منظوم ترجمہ صفحہ ۱۹-۳۱۷ - انڈین انٹیکویری - ۴ اکتوبر ۱۸۷۲ء

(ماخوذ از ج - ا - س - ب)

(۵) چند کی نظم پرتھی راج راسا کی داستانوں کی فہرست صفحہ ۲۰۴-۷ ج ا - س - ب ۱۸۷۲ء

راسا کی درست قرات اور صحیح مفہوم حاصل کرنے کے لئے جن جن دشوار مراحل کو طے کرنا پڑتا ہے - ہم اسکی کہانی بیمز صاحب کی زبانی یہاں سناتے ہیں :-

"پرتھی راج راسا کی انیسویں داستان کے میرے ترجمہ پر مسٹر گروز کی سخت نکتہ چینی اور بعد میں اس سے دست برداری کے واقعہ کے بعد میں اس امر کا اظہار کرنا نہایت ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک ایسی ساخت کی نظم میں جیسی کہ راسا ہے ترجمہ میں کامل صحت کی پابندی مرعی رکھنا نہایت دشوار ہے - اس نظم کی کیفیت یہ ہے کہ اسکے ابیات عام طور پر اسمار کی ناتمام شکل کی لڑی پر شامل ہیں جن میں تصریفی لاحقے یا حالت صرفی کی کوئی علامت موجود نہیں - ایسی زبانوں میں جو اصول صرف کی پابندی سے آزاد ہیں - جملہ میں

الفاظ کی ترتیب ہی مطلوبہ معانی کا سراغ مہیا کرتی ہے - چنانچہ کے ہاں یہ حالت نہیں -
اسکے الفاظ جس ترتیب سے نظم میں بندھے ہیں - اگر اسی ترتیب میں رہنے دیے جائیں تو
ان سے مدعا برآری معلوم - بلکہ بعض حالات میں تو ان الفاظ کی ترتیب خواہ کتنی ہی کیوں
نہ بدلی جائے - لیکن بقول شاعر ؎

آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

مطالب و معانی کی طرف سے نامرادی سے سابقہ پڑتا ہے - البتہ جب افعال کا استعمال ہوتا
ہے - ان سے صیغہ کی حالت کا علم ہو جاتا ہے - مثلاً ماضی مطلق میں واحد مذکر کی علامت
'یو' ہے - واحد مونث کی 'ئی' جمع مذکر کی 'ے' اور جمع مونث کی 'یئں' ہے - مگر
اکثر اوقات تینوں ضمائر اور صیغے ایک ایسے فعل کے ساتھ جو 'ئی' پر ختم ہوتا ہے - مثلاً
کری - دیکھی وغیرہ بڑی بدسلیقگی کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں -

اس کے علاوہ ہمیں دو اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے - ایک تو ایسے مندرس
الفاظ کا استعمال جو نہ سنسکرت کے مادوں سے علاقہ رکھتے ہیں اور نہ جدید السنہ میں ان کا
سراغ چلتا ہے - ساتھ ہی وزن کی خاطر سے مزید علیہ حروف کا داخلہ مثلاً ت - سو - ھ جو
معنے کے لباس سے قطعاً معرا ہیں -

دوسری ایک بڑی دشواری جو راسا کے مترجم کو قدم قدم پہ محسوس ہوتی ہے - یہ ہے
کہ اسکے الفاظ انگریزی کی طرح علٰحدہ علٰحدہ مرقوم نہیں ہوتے - الفاظ کی قطاریں ایک دوسرے
کے ساتھ دوش بدوش کھڑی ہیں - جنکے درمیان کوئی بیاض نہیں چھوڑا گیا - اب ان الفاظ
کی مناسب تقسیم میں کہ ایک لفظ کہاں ختم ہوا اور دوسرا کہاں سے شروع ہوا سخت سے
سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے - ان حقایق پر نظر کرتے ہوئے میں خیال کرتا ہوں کہ
میں زیادہ طلبی کا مجرم نہیں مانا جاؤں گا - اگر اپنے نقادوں سے یہ التماس کروں کہ مجھے نرمی

کے ساتھ یہ اطلاع دے دیں کہ میں کہاں کہاں غلطی کا مرتکب ہوا ہوں بجای اسکے کہ مجھ پر اس زبان سے جہالت کا الزام عائد کیا جائے۔ جسکا میں نے چودہ سال کی صبرآزما مدت تک برابر مطالعہ کیا ہے۔ اور جسکی اشکال پر مجھ کو بھی اسی قدر دسترس حاصل ہے جتنی کسی اور کو۔

حال ہی میں مجھے اجمیر کے ایک عیسائی مبلغ کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ راجپوتانہ کے پیشہ ور بھاٹ بھی اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ چند کی نظم کا عام مفہوم سمجھنے کے سوا اس کے گہرے مطالعے سے قطعاً قاصر ہیں۔

اس ڈھیلی ڈھالی اور لاپرواہانہ قدیم انداز ترکیب کا راز صرف اسی وقت کھل سکتا ہے۔ جب ہماری تحقیقات اس وسیع اور قدیم زبان کے متعلق جس کا صرف ایک پہلو راسا واشگاف کر رہا ہے۔ مضبوط اساس پر قائم ہو جائیگی اور اسی مقصد پر نظر رکھتے ہوے ہم میں سے بعض اپنی فرصت کا وقت اس پر صرف کر رہے ہیں۔

میرا ذیل کا منظوم ترجمہ بحالت موجودہ شاید قبل از وقت ہے تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اس کٹھن مہم میں کچھ نہ کچھ امداد کا ثمرہ ضرور دے گا اور شایدان اصحاب کے حق میں رہبر ثابت ہو جو زمانۂ مستقبل میں تنقید کے اسلحہ سے جو آج ہمیں نصیب نہیں ہیں مسلح ہو کر اس مضمون پر ہاتھ ڈالینگے۔ پندرھویں صدی کے علما ہمارے عہد کے مقابلہ میں لاطینی اور یونانی السنہ سے بہت کم واقف تھے تاہم دنیا ارسمس اور رشلن کی ایک حد تک ضرور ممنون ہے۔ مجھے اور میرے معاصرین کو علم و فضیلت کی میزان میں خواہ کتنا ہی بیوزن کیوں نہ تولا جائے مگر یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہم ایسی بنیاد کی داغ بیل ڈال رہے ہیں جسپر آیندہ کا فاضل جسکو بہتر ذرایع نصیب ہونگے اپنی تعمیر کھڑی کرنے سے اغماض نہیں کریگا (جرنل ا۔ س۔ ب صفحہ ۴۲ ۱۸۷۲ء)

حقیقی علم پرستی کے ذوق و شغف کے ساتھ جب بیمز جیسے فاضل کو راسا کی بھول

جلیبوں نے دلدل میں پاپنگل دیکھا جاتا ہے تو ہمارا دل اس بدبخت بھاٹ کو کوسنے کو چاہتا ہے جسنے یہ گورکھ دھندا کھڑا کر کے ایسے علمی مہاتما کے ساتھ عملی مذاق کی بنیاد ڈالی۔ جس کی خوبیوں کے پیچھے اسکی قیمتی زندگی کے چودہ سال قربان ہوے۔ فوربز کے اشارات وکنایات کے باوجود بیمز صاحب کا رسی کو سانپ سمجھ لینا اور لکیر پیٹنا ہمارے لئے خود ایک معما ہے۔ مگر اس زمانہ میں مستشرقین مغرب میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی ہے جو راسا کی پاکدامنی پر ایمان کامل رکھتی ہے۔

اے - ایف - آر - ہرنلے

ان میں بیمز کے ساتھ ڈاکٹر رڈولف ہرنلے[1] قابل ذکر ہیں جو جے نرائن کالج بنارس میں سنسکرت کے پروفیسر تھے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی گوناگوں فضیلتوں کی بنا پر اپنے عہد کے مستند علما میں شمار ہوتے ہیں۔ ہندی زبانوں کے علاوہ مسلمانی زبانوں سے بھی واقف معلوم ہوتے ہیں۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے دبیر لسانیات اور ماہر مسکوکات ہیں۔ لسانیات ہند ان کا خاص میدان ہے اور یہی ذوق انہیں چند کے آستانہ پر کشاں کشاں لاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بیمز کے بعد راسا کا ایک حصہ سوسائٹی کے لئے ترتیب بھی دیا ہے اور حواشی وغیرہ بھی کثرت سے لکھے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے میں اس میدان میں ان کی کارگزاری سے ناواقف ہوں۔ انڈین انٹیکویری میں ان کے دو مضمون میری نظر سے گذرے ہیں۔ پہلا راسا کی ستائیسویں داستان ریواٹٹ پرستاو کا ترجمہ جو جنوری ۱۸۷۳ء میں شایع ہوا۔ دوسرا 'چند کی بعض عروضی خصوصیات'، جو اپریل سنہ مذکور کی اشاعت میں نکلا۔

راسا کی نویں داستان "حسین کتھا" پر ڈاکٹر صاحب کا ایک نوٹ ہے جو راسا کے بنارس ایڈیشن میں اس کتھا کے اختتام پر نقل ہوا ہے۔ اس سے چند کی ثقاہت کے متعلق ڈاکٹر صاحب کی راے کا اندازہ اور اسلامی تاریخ کے ساتھ ان کی غیر عالمانہ

[1] Dr. A. F. R. Hoernle.

سدش کا پتہ لگ جاتا ہے۔ وہ نوٹ درج ذیل ہے۔

۱۹۵۔ حسین خاں میر حسین خاں کا فرزند معلوم ہوتا ہے جو شہاب الدین کے حملۂ ہند کا جیسا کہ آٹھویں داستان میں بیان ہوا ہے۔ ابتدائی باعث ہے۔ میر حسین یا جیسا کہ باختلاف شاہ حسین یا حسین خاں کہا گیا ہے۔ شہاب الدین کا عمزاد (بندھوا) بیان ہوا ہے۔ یہ ایک ممتاز جنگ جو ہے جو غزنیں کے دربار سے تعلق رکھتا ہے۔ پادشاہ کے پاس چترریکھا نامی ایک پریزاد محبوبہ تھی اس کا قصہ دسویں داستان میں مذکور ہے۔ یہ حسینہ جبکی عمر پندرہ سال کی تھی فن موسیقی میں نہایت باکمال تھی اور سلطان کو اس سے بیحد محبت تھی۔ بالآخر حسین اسیر اور وہ حسین پہ عاشق ہوگئی۔ ایک دن پادشاہ نے حسین کو بلاکر اسکی بیوفائی اور کورنمکی پر ملامت کی مگر اسکے باوجود چترریکھا کے ساتھ حسین کے تعلقات جاری رہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ اسے غزنیں کو خیرباد کہنا پڑا۔ حسین اپنے عیال و اطفال مال و دولت نیز چترریکھا کو لے نکلا اور بھاگ کر پرتھی راج کے پاس ناگور آگیا۔ کسی قدر تردد کے بعد پرتھی راج اسکے ساتھ بڑی خاطر سے پیش آیا اور اپنی زیر حمایت لے لیا۔ یہ خبر سنکر شہاب الدین غضبناک ہوا۔ اسنے فوراً حسین کے پاس ایک قاصد چترریکھا کی طلبی کے واسطے بھیجا اور اسکو ہدایت کی کہ اگر وہ اپنے مقصد میں ناکام رہے تو پرتھی راج سے حسین کے اخراج کی درخواست کرے حسین نے چترریکھا کی سپردگی سے صاف انکار کردیا۔ ادھر پرتھی راج نے جواب دیا کہ ایسا شخص جو میری پناہ میں آگیا ہے کسی طرح حوالہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس جواب کے وصول ہونے پر شہاب الدین نے ہندوستان پر حملہ کی تیاریاں کردیں۔ ادھر پرتھی راج بھی جنگ کے لئے آمادہ ہوگیا۔ آنے والی جنگ میں حسین نے کارہای نمایاں کئے اور مردانہ وار جان دی۔ چامنڈ رای نے شاہ کو گرفتار کرلیا۔ اور لڑائی پرتھی راج کی فتح پر ختم ہوگئی۔ پانچ روز کے بعد شاہ کو رہا کردیا گیا۔ وہ جاتے وقت حسین کے فرزند غازی کو بھی اپنے ساتھ غزنیں لے گیا اور زبان دے گیا کہ ہندوؤں کے خلاف کبھی جنگ نہیں کرے گا۔ یہ کہنا فضول ہے کہ شاہ نے اپنے قول کا پاس

نہیں کیا۔ اور اس شدید عداوت کی آگ جو ان واقعات سے اس کے دل میں بھڑک اٹھی تھی۔ پرتھی راج کے قتل اور اسکی سلطنت کی کامل بربادی کے وقت تک ہرگز ہرگز ٹھنڈی نہیں ہوئی۔ پادشاہ کی گرفتاری جو یہاں مذکور ہے ان سات گرفتاریوں میں سے ایک ہے جن میں وقتاً فوقتاً پرتھی راج نے شاہ کو گرفتار کیا ہے۔ اسکی قید کا پہلا موقعہ حاشیہ ص۱۸۷ میں مذکور ہے۔ دوسری گرفتاری کا یہاں مذکور ہے۔ چترریکھا حسین کی نعش کے ساتھ زندہ دفن ہوگئی۔

یہ حسین خاں (غازی؟) جسکا یہاں ذکر آیا ہے اور جسے شہاب الدین اپنے ساتھ واپس غزنیں لے جاتا ہے۔ اگر حسین کبیر کا فرزند ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں وہ پرتھی راج کے پاس بھاگ آیا ہے۔ ان میں حسین کبیر بلاشبہ وہی شخص ہے جسے طبقات ناصری میں بار بار ناصرالدین حسین کے نام سے یاد کیا گیا ہے (ترجمۂ راورٹی ص۳۴۵ ص۳۶۱ ص۳۶۴ ص۳۶۵) وہ ملک شہاب الدین محمد کا خلف اکبر ہے اور یہ شہاب الدین محمد سلطان شہاب الدین کے باپ سلطان بہاءالدین سام کا چھوٹا بھائی ہے۔ اس لئے حسین کبیر جیسا کہ چند نے درست کہا ہے شہاب الدین کا عمزاد تھا۔ طبقات میں بیشک اس ناصرالدین حسین کے تعلق میں لکھا ہے کہ اسنے اپنے چچا علاءالدین حسین جہانسوز کے تخت پر جب وہ سلطان سنجر سلجوقی کی قید میں تھا غاصبانہ قبضہ کر لیا اور علاءالدین کے حامیوں نے اسکی رہائی اور واپسی پر اسے قتل کر ڈالا (ص۳۶۱) - لیکن اس قصہ کی تردید فعلاً تمام مسلمان مورخین کے اس بیان سے ہوجاتی ہے جب وہ علاءالدین کے فوراً بعد اسکے فرزند کا ذکر کر دیتے ہیں (راورٹی کا ذیلی حاشیہ ص۳۶۴) دوسرے اس امر کا زیادہ امکان ہے کہ غاصبانہ قبضہ کرنے والا ناصرالدین حسین کا باپ (شہاب الدین) محمد ہو سکتا ہے جو علاءالدین کا چھوٹا بھائی ہے نہ خود حسین - اس کی دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ ان چاروں بھائیوں میں سے سیف الدین سوری - بہاءالدین سام اور علاءالدین حسین یکے بعد دیگرے غور کے تخت پر حکمران ہوئے - اس لئے علاءالدین کے

حبس و قید کے زمانہ میں قدرتاً چوتھا بھائی شہاب الدین محمد غور کے تخت کا حقدار ہوسکتا ہے اور وہی تخت نشینی کے لئے جد و جہد کرسکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف طبقات کو اس موقعہ پر باپ بیٹے میں التباس ہو گیا ہے۔ جیسا کہ اور موقعوں پر بھی اسکو متشابہ ہوا ہے (دیکھئے ضیاءالدین محمد کے سلسلہ میں)، تیسرے ناصرالدین حسین کے چال چلن کا یہ بیان کہ " وہ عورتوں اور کنواریوں کا بڑا شوقین تھا اور سلطان کی حرم میں سے کئی کنیزوں اور باندیوں کو اپنے تصرف میں لے آیا تھا (طبقات ص۳۹۴) چند کے اس قصہ سے جس میں چترریکھا کے ساتھ اسکے معاشقہ کا ذکر ہے بہت کچھ مطابقت رکھتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چند نے حسین کے انقلابات زندگی کی رام کہانی صحیح صحیح بیان کر دی ہے۔ ہم یہ بھی اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ صاحب طبقات نیز دیگر مسلمان مورخین اسی حسین (نیز غوری شاہی خانوادہ) کے ایک مورث اعلیٰ کا قصہ سناتے ہیں جسکا نام بھی حسین یا حسن ہے وہ ہندوستان بھاگ آتا ہے اور کچھ عرصہ تک دہلی میں رہتا ہے ص۳۲۲ ص۳۲۳ ص۳۳۲) یہ قصہ غالباً بھولی بھٹکی یاد ہے۔ پرتھی راج کے ہاں حسین کے گریز کی جسکا راوی چند بردائی ہے" (ص۴۲۳ پرتھی راج راسا مرتبۂ موہن لال وشنو لال پنڈیہ بنارس ۱۹۰۴ء)

ڈاکٹر صاحب کے اس نوٹ پر چند کے زیب خوردہ مرتبین راسا کا تبصرہ بھی قابل غور ہے۔ وہ حسین کتھا کے خاتمہ میں لکھتے ہیں:

" یہ داستان ہندوستان کی تاریخ میں ہندوؤں کی حکومت کے زوال اور اسلامی سلطنت کے قیام کے اصلی اور حقیقی اسباب سے بحث کرتی ہے مگر تمام مسلمانی تاریخوں میں اس صداقت کو چھپایا گیا ہے۔ اسی لئے اس داستان کے بیان کردہ واقعات کا تذکرہ اسلامی تاریخ میں ملنا دشوار ہے۔ چند بردائی اگر یہ داستان نہ لکھ گیا ہوتا تو ہمیں صرف وہی باتیں معلوم ہوتیں جو اسلامی تواریخ میں درج ہیں۔ چند کو اگرچہ پرتھی راج اور ہندوؤں کا طرفدار کہا جاسکتا ہے لیکن اسنے مسلمانوں کی طرح مخالف قصوں کو چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے اور ان

کے مقابلہ میں اسنے تفصیلی بیانات دیے ہیں۔ جن سے مواد غیر متعلقہ کو حذف کرکے تاریخی
حصہ بآسانی جدا کیا جا سکتا ہے۔ جس حسین کی سرگزشت حیات اس داستان کا موضوع ہے
وہ کون تھا مسلمانی مورخ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتے لیکن اس بارۂ خاص میں مغربی
علما نے بہت تلاش و جستجو کی ہے۔ یاد رہے کہ جب خود اس داستان کے ہیرو حسین کا سراغ
اسلامی تاریخ میں نہیں ملتا تو دیگر جنگ آزماؤں کے اسماء و حالات جو اس قصہ میں مذکور ہیں
کیونکر مل سکتے ہیں۔ اس باب میں زیادہ خامہ فرسائی کرنے کے بجای ہم ڈاکٹر ہورنلے کا تبصرہ
درج کرتے ہیں۔ جس سے اس حسین کا پتہ اور چند کے اسکو سلطان کا رشتہ دار بیان کرنے کا
ثبوت ملتا ہے (ص ۴۲۳ راسا)

راسا کے مرتبین کے مدعیانہ مگر بے بنیاد تبصرہ پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں۔
البتہ ڈاکٹر ہورنلے کی تحقیقات پر ہم سرسری نظر ڈالتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب
کو اسلامی تاریخ و روایت سے بہت کم تعلق رہا ہے۔ اسی لیے چند کی اس خیالی مخلوق
حسین خاں کی جستجو میں ان سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں مثلاً

(۱) چند حسین خاں کو میر حسین کا فرزند بتاتا ہے۔ اول تو باپ بیٹوں کے نام
عام طور پر مختلف ہوا کرتے ہیں۔ دوسرے ایک میر کا فرزند ایک خان کس طرح ہو سکتا
ہے؟ غور و غزنی میں ان ایام میں میر اور خان کے الفاظ اسماء کے ساتھ لانے جانے کا
دستور نہیں تھا۔ خان ترکی لفظ ہے۔ جسکے معنے پادشاہ کے ہیں اور سلاطین ترکستان کا
لقب بھی ہے۔ یہ ایلک خانی یا ملوک افراسیابی ہیں جنکے نام کے ساتھ پہلے پہل یہ لفظ
استعمال ہونے لگا ہے۔ مثلاً ایلک خاں۔ قدر خاں۔ طمغاج خاں وغیرہ۔ خاقانی

ے خراساں گر حرم بودے بہیں کعبہ ملک شاہش
سمرقند ار فلک بودے مہیں اختر قدر خانش

غوریوں میں بہر حال اس لفظ کو یہ حیثیت نہیں ملی*

(۲) حسین کی تلاش میں ڈاکٹر کو طبقات میں شہاب الدین کا ایک عمزاد ملک ناصر الدین حسین خلف شہاب الدین محمد مادینی مل گیا اور یہ شخص انکی فال میں چند کا مبینہ حسین خان بن میر حسین برآمد ہوا - لیکن دونوں کی ولدیت کے اختلاف کی طرف ان کا ذہن منتقل نہیں ہوا - نہ انہوں نے اس امر کی پروا کی کہ شہاب الدین اور ناصر الدین حسین کی عمروں میں اگرچہ وہ آپس میں عمزاد ہیں بڑا فرق ہے - یعنے ناصر الدین حسین سلطان شہاب الدین غوری کی تخت نشینی سے جو ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء میں ہوتی ہے - کم از کم بیس سال قبل قتل کر دیا جاتا ہے - حسین کا زمانہ معلوم کرنے کے لئے ہمیں اس کے چچا علاء الدین جہانسوز ۵۴۵ھ و ۵۵۶ھ کے بعض حالات زندگی کی طرف رجوع کرنا ہوگا -

(۳) علاء الدین غوری جہانسوز بہرام شاہ بن مسعود غزنوی کو ہزیمت دے کر غزنیں پر قابض ہوتا ہے اور اس فتح سے اسقدر مغرور ہو جاتا ہے کہ ملوک غور جو اجناس سالانہ خراج میں سلطان سنجر سلجوقی کو ہمیشہ سے دیتے آئے تھے یک قلم بند کر دیتا ہے - یہ خودسری دیکھ کر سلطان سنجر بہ قصد گوشمال غور کی طرف بڑھتا ہے اور اوبہ پر مقابلہ ہوتا ہے - عین جنگ کے وقت ۶۰۰۰ سوار جن میں ترک - غز اور خلج شامل تھے - علاء الدین سے بیوفائی کر کے سنجر کے شریک ہو جاتے ہیں - جس سے غوریوں میں بددلی پھیل جاتی ہے تاہم وہ لڑتے ہیں اور شکست کھاتے ہیں - علاء الدین پکڑا جاتا ہے اور قید میں رکھا جاتا ہے - بقول نظامی عروضی یہ جنگ جس میں خود عروضی بھی شریک تھا ۵۴۷ھ / ۱۱۵۲ء میں واقع ہوتی ہے - سلطان سنجر ۵۴۹ھ / ۱۱۵۴ء میں غزوں کے ہاتھوں اسیر ہوتا ہے - اسلئے علاء الدین غوری کی قید کا زمانہ ۵۴۷ھ و ۵۴۹ھ کے مابین محصور ہو سکتا ہے - یہ زمانہ ہے جب امرای غور آئے دن کے فسادات سے تنگ آ کر ملک ناصر الدین حسین کو مادین سے بلا کر فیروز کوہ کے تخت پر بٹھاتے ہیں (راورٹی صفحہ ۳۶۴) لیکن جیسے ہی علاء الدین کی واپسی کی خبر پہنچتی ہے - علاء الدین کی کنیزیں جن پر ناصر الدین بجبر متصرف ہوا تھا اس کا کام تمام

کر دیتی ہیں - ۵۵۸ھ/۱۱۶۲ء علاء الدین کی واپسی اور ناصرالدین حسین کے قتل کا سال ہے - اس واقعہ سے بیس سال بعد شہاب الدین غوری ۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء میں غزنین کے تخت پر آتا ہے - اس لئے ناصرالدین حسین کا غزنیں میں آنا اور چتر ریکھا سے معاشقہ کرنا بالکل ناممکن ہے -

(۴) ڈاکٹر صاحب مصنف طبقات سے بدگمان ہیں اور تاریخی امور میں قیاس کو دخل دے کر فرماتے ہیں کہ چونکہ علاء الدین کے بعد دیگر مورخین اسکے فرزند سیف الدین کا ذکر کرتے ہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب طبقات اس موقعہ پر غلط مبحث کر گیا ہے - حالانکہ خود ڈاکٹر کا ماخذ یعنے راورٹی اپنے ذیلی حاشیہ میں صاف کہہ رہا ہے کہ " ناصرالدین کا ذکر اگرچہ دیگر مصنفین نے نہیں کیا جو علاء الدین کے فوراً بعد اس کے فرزند کا ذکر کرتے ہیں - لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ناصرالدین نے یقیناً تخت پر قبضہ کر لیا تھا اور علاء الدین کے قید کے زمانہ میں حکومت کرتا رہا (صفحہ ۳۶۴ ترجمہ طبقات)

(۵) یہاں ایک اور امر کی طرف بھی توجہ دلائی جاتی ہے - ناصرالدین حسین کا ایک چھوٹا بھائی سیف الدین سوری ہے جو اپنے باپ شہاب الدین محمد کی وفات پر حکومت مادین پر سرافراز ہوتا ہے - اس سیف الدین کی دختر شہاب الدین غوری کے ساتھ بیاہی جاتی ہے (صفحہ ۳۴۴) یہ واقعہ بھی ہمارے اسی عقیدہ کی تائید کرتا ہے کہ ناصرالدین اور اسکا چھوٹا بھائی سیف الدین بلحاظ عمر شہاب الدین غوری سے بہت بڑے ہیں +

جس طرح کسی شخص کی چیز گم جاتی ہے اور وہ ہر کس و ناکس پر شبہ کی نظریں دوڑاتا ہے - ڈاکٹر صاحب اس تحقیقات کے دوران میں اسی قسم کی ذہنیت کا ثبوت دے رہے ہیں - موصوف نے ہر حسن و حسین پر جو غوریوں میں انہیں مل سکا اپنی مشتبہ نظریں جما دی ہیں - حتیٰ کہ غوریوں کا جد امجد بھی انکے ہاتھوں سے نہیں بچ سکا نہ انہوں نے کسی کے سال وسنین کی پروا کی بلکہ تمام مسلمان مورخین کو بھی سہو و نسیان کا متہم بنا دیا ہے - ڈاکٹر صاحب کی یہ داد تحقیق اسی معیار کی ثقاہت پیش کر رہی ہے جو چند اور اسکی تاریخ میں مشاہدہ

کی جاتی ہے ۔

ایف ۔ ایس ۔ گروز

مسٹر ایف ۔ ایس ۔ گروز[1] ایم ۔ اے ، بی ۔ سی ۔ ایس ایک اعلیٰ پایہ کے نقاد اور چند کے ماہر ہیں ۔ مختلف علمی رسالوں میں ان کے مضامین اور تنقیدیں چھپتی رہی ہیں ۔ انکا ایک مضمون پرتھی راج راسا کے ابتدائی چھندوں کا منظوم ترجمہ معہ نقادانہ شرح ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالہ (ص۳۲۹ تا ص۳۴۲ ، ۱۸۷۳ء) میں چھپا ہے ۔ مسٹر بیمز کے بعض ترجموں پر جیسا کہ اوپر دیکھا جاچکا ہے انہوں نے تنقید کی ہے ۔ ادھر ڈاکٹر ہورنلے کے ترجمہ پر بھی انڈین انٹیکویری (ص۳۳۹ ، دسمبر ۱۸۷۲ء) میں نقد و تبصرہ کیا ہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ چند کی نظم کی چیستانی اور معمائی کیفیت جو صرفی پابندیوں سے مطلق آزاد ہے ۔ اسکی پہیلی بوجھنے کا شوق ان کے دل میں گدگداتی رہی ہے ۔ چنانچہ مسٹر بیمز کے ہمنوا ہوکر یہ بھی کچھ اسی قسم کا راگ الاپ رہے ہیں ۔ کہتے ہیں :

" چند کی تاریخ اس حد تک مغلق اور پیچیدہ ہے اور اس کے جملوں کی ساخت صرفیانہ قواعد سے اسقدر بے نیاز ہے کہ کوئی قاری کبھی بھی یہ یقین نہیں کرسکتا کہ وہ اس کے معانی کو پاگیا ہے ۔ بعض وقت ایک خوش بختانہ روشن ضمیری عبارت کے صحیح مفہوم تک ہماری رہنمائی کرسکتی ہے بحالیکہ ایک بہتر عالم دنوں تک اسکے حل کے لئے غلطان و پیچاں رہتا ہے (انڈین انٹیکویری ص۲۳۹ دسمبر ۱۸۷۲ء)

سر جارج گریرسن[2]

انکو لسانیات ہند کا دیوتا کہنا موزوں معلوم ہوتا ہے انکی مساحت لسانیات ہندوستان

[1] G. S. Growes. [2] Sir G. A. Grierson.

اور اسکی ضخیم مجلدات ان کے علم و فضل کی شاہد عادل ہیں - ۱۸۷۶ء میں انہوں نے مستشرقین کی کانگریس میں بمقام ویانا ہندوستان کے وسطی زمانہ کے دیسی ادبیات پر ایک فاضلانہ مقالہ پڑھا تھا جو اسقدر مقبول ہوا کہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے ۱۸۸۰ء میں اس کا ایک خاص نمبر نکالا اور ۱۸۸۱ء میں اسی کو کتابی شکل میں ' جدید دیسی ادبیات ہندوستان' کے نام سے چھاپ دیا - چند کی نسبت فاضل موصوف کی رائے ہے :-

" اس شاعر کے کلام کے مطالعہ نے مجھے اسکی محاسن شاعری کے مداحانہ جذبات سے معمور کر دیا ہے - لیکن مجھ کو شک ہے کہ ایسا شخص جو راجپوتانہ کی زبانوں سے تمام و کمال واقفیت نہ رکھتا ہو - اسکو خوشی کے ساتھ پڑھ سکے گا - بہرحال لسانیات کے طالب کے لئے ایک نہایت بیش قیمت دستاویز ہے کیونکہ مغربی مفتشین کے لئے فی زماننا آخری پراکرت اور قدیم گوڈی مصنفین کے درمیان کی صرف یہی ایک درمیانی کڑی ہے جو اس وقت موجود اور معلوم ہے - اگرچہ موجودہ تالیف کے واسطے یہ دعوی تو نہیں کیا جاسکتا کہ وہ خالصتہً چند کا کلام ہے تاہم یہ یقینی ہے کہ اس کلیات میں گوڈی ادبیات کے سب سے اقدم وہ نمونے محفوظ ہیں جن میں خالص اپبھرنش و سوراسینی بھاکاؤں کی ترکیبیں بہتات کے ساتھ موجود ہیں" (جدید دیسی ادبیات ہندوستان - طبع کلکتہ صہ)

کوی راج سیامل داس جی

راسا کے یہ مغربی نقاد جنکی ثنا خوانی بالآخر تحسین ناشناس ثابت ہوئی اس امر سے بالکل غافل تھے کہ اسی شہر کا ایک عالم جس میں بیٹھ کر ٹاڈ صاحب نے چند کے تیس ہزار اشعار کا ترجمہ کیا تھا ایک ایسا مضمون تیار کر رہا تھا جو راسا کی شہرت کو ہمیشہ کیواسطے گھٹانے والا ثابت ہوگا - اس سے ہماری مراد کوی سیامل داس جی اور انکا مضمون ہے جو ۱۸۸۶ء کے رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں شایع ہوا تھا - یہ مقالہ اس قدر

فاضلانہ اور محققانہ تھا کہ راسا کے معتقدین میں اس سے ہل چل مچ گئی۔ فاضل مضمون نگار نے جو فارسی بالخصوص ہندی مآخذ میں وسیع معلومات کے مالک معلوم ہوتے ہیں۔ مختلف پہلوؤں سے اس کتاب کی بے حقیقتی اور مجعولیت کا راز افشا کر دیا۔ انہوں نے اسپر تاریخی اور لسانی اعتراض کئے اور اپنی دلائل کو قدیم تاریخوں۔ کتبوں اور تانبے پتروں کی امداد سے استحکام دیا۔ یہ مقالہ اگرچہ ایک عرصہ تک صدا بصحرا ثابت ہوا تاہم اس سے ایک یہ فائدہ مرتب ہوا کہ راسا کی طرف سے بدگمانی کے علاوہ رفتہ رفتہ ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہو گئی جو اس کا مطالعہ کوی جی کے نقطۂ نظر سے کرنے لگی +

ذیل میں کوی سیامل داس جی کی بعض دلائل کا خلاصہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

"یہ مشہور ہندی رزمیہ جسکو علمی حلقوں میں پرتھی راج چوہان کے درباری شاعر چند بردائی کی تالیف مانا جاتا ہے اور جس میں راجہ موصوف کی ولادت سے لیکر موت تک کے حالات درج ہیں۔ میری ناچیز رای میں کوئی اصلی تالیف نہیں ہے بلکہ چند مذکور کے زمانہ سے کئی صدی بعد راجپوتانہ کے کسی نامعلوم بھاٹ نے اپنی ذات اور چوہانوں کا اعتبار و وقار قائم کرنے کے لئے جو اس سرزمین کے اصلی متوطن نہیں تھے اور نہ راجپوتانہ کے رئیسوں میں کسی احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ طیار کیا ہے۔ یہ نظم کوٹھاریا یا بیدلا چوہانوں کے کسی تعلیم یافتہ بھاٹ کے زور طبع کا نتیجہ ہے۔ راجگان میواڑ کی ثناخوانی میں مبالغہ کی حد تک اہتمام سے اسکی علت غائی صرف یہ ہے کہ لوگ کتاب کے بیانات سے چشم پوشی کریں اور اسکے مبینہ واقعات کی صحت تسلیم کریں تاکہ راجستان کے باقی راجہ بھی اس کے خلاف معترضانہ لب کشائی نہ کر سکیں۔

(۱) اس خیال میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ رزمیہ راجپوتانہ میں تالیف ہوا ہے کیونکہ اس

میں ایسے الفاظ اور بندشیں کثرت سے ملتی ہیں جو پنگل (برج بھاشا وغیرہ زبانیں) کے برخلاف ڈنگل (مارواڑی زبان) کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مصنف نے ماگدھی یا بھالا بھاشا کی تقلید کی کوشش کی ہے جو اب سے تین صدی قبل تک شاعری کی زبان تھی۔ اسی لئے کثرت کے ساتھ غنّہ کا استعمال کیا ہے۔ لیکن ماگدھی اور سنسکرت سے عدم واقفیت کی بنا پر یہ استعمال غلط کیا ہے۔

(۲) اس میں جسقدر تاریخیں دی گئی ہیں بالکل غلط ہیں۔ مثلاً پرتھی راج کی پیدائش کی تاریخ سمت ۱۱۱۵ بکرمی۔ اسکی تبنیت کی رسم سمت ۱۱۲۲ بکرمی۔ کیماس کی فتح سمت ۱۱۴۰ بکرمی پرتھی راج کا قنوج جانا سمت ۱۱۵۱ بکرمی اور شہاب الدین سے آخری جنگ سمت ۱۱۵۸ بکرمی

یہاں ہمیں ان تاریخوں کے تعلق میں کسی قدر بحث ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اس نظم میں جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں پرتھی راج اور شہاب الدین کی آخری جنگ کا سال سمت ۱۱۵۸ بکرمی دیا گیا ہے۔ لیکن طبقات ناصری کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنگ ۵۸۸ھ میں واقع ہوئی ہے جو فی الحقیقت سمت ۱۲۴۸ بکرمی کے مطابق ہے اس طرح راسا کی بیان کردہ تاریخ سمت ۱۱۵۸ ب اور طبقات کی تاریخ سمت ۱۲۴۸ ب میں پورے نوے سال کا تفاوت ہے۔

اب ہم کتابی شہادت سے روگردان ہوکر ان سنگی کتبوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جو علاقہ میواڑ میں برآمد ہوئے ہیں اور ان تانبے پتروں کا بھی ذکر کرینگے جو سوسائٹی کے رسالوں میں شائع ہوئے ہیں۔

پہلا کتبہ موضع بجھولی علاقہ میواڑ میں اودیپور سے ایک سو میل کے فاصلہ پر پارسناتھ کے کنڈ سے جانب شمال ہے اور پرتھی راج کے باپ سمیسور دیو سے تعلق رکھتا ہے جس میں راجہ مذکور موضع ریونا پارس ناتھ کے واسطے وقف کرتا ہے۔ یہ کتبہ کسی مہاجن نے سمت ۱۲۲۶ بکرمی میں تراشا ہے جو ۱۱۶۹ء کے مطابق ہے۔ اس میں چوہانوں کا نسب نامہ بھی درج ہے

جو سمیسور دیو پر ختم ہوتا ہے - اس سے واضح ہوتا ہے کہ پھاگن بدی سمت ۱۲۲۶ ب تک جب یہ کتبہ لگایا گیا تھا پرتھی راج گدی پر نہیں آیا تھا -

دوسرا کتبہ مینال گڑھ علاقۂ میواڑ کے ایک محل کے شمالی دروازہ پر کسی بھاو برہم کی دھرم سالہ کی تعمیر کی یادگار ہے اور پرتھی راج کے عہد اور اسی سال یعنے سمت ۱۲۲۶ ب سے تعلق رکھتا ہے - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پرتھی راج پھاگن بدی اور چیت بدی سمت ۱۲۲۶ بکرمی کے درمیان گدّی پر بیٹھا -

علاوہ بریں قنوج کے راجہ جے چند کے بعض تانبے پتّر ہیں جن پر سمت ۱۲۳۲ ب (۱۱۷۶ء) و سمت ۱۲۴۳ ب (۱۱۸۷ء) ہے (ملاحظہ ہو رسالۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال صفحہ ۳۱۷ بابتہ ۱۸۶۳ء)

جے چند سمت ۱۲۴۹ مطابق ۱۱۹۳ء موافق ۵۸۹ھ میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا جاتا ہے - چونکہ شہاب الدین - پرتھی راج اور جے چند معاصر ہیں - اس لئے بوجہ معاصرت ان کے سنین میں مطابقت یقینی ہے -

(۳) یہاں ان بعض تاریخی مغالطوں کی طرف بھی اشارہ کیا جاتا ہے جو پرتھی راج راسا کے اعتبار پر راجپوتانہ کے تاریخ نگاروں کو ہوئے ہیں -

مسلمانوں کے ہاں تاریخ نویسی کا ایک باقاعدہ ضابطہ تھا - لیکن ہندوؤں کے ہاں کوئی ایسا دستور نہیں تھا - ان میں اگر کوئی رواج تھا تو بس اسی قدر کہ نسب نامے بنائے جاتے تھے - تاریخی وقائع کے ذکر اذکار بھاٹوں کی کتابوں یا مبالغہ آمیز نظموں میں بہت کم ملتے ہیں - یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایسی کتابوں میں ذکر شدہ نسب نامے سمت ۱۶۰۰ بکرمی سے بعد کے تو کسی قدر قابل اعتماد ہیں - سمت ۱۶۰۰ ب اور سمت ۱۴۰۰ ب کے مابین کے اکثر موقعوں پر غلط ہیں لیکن سمت ۱۴۰۰ بکرمی سے قبل کے تو یقیناً غلط اور خیالی ہیں -

جب پرتھی راج راسا چند کی تصنیف کی حیثیت سے منظر عام پر نمودار ہوئی - تو بھاٹوں اور یاد فروشوں نے اس کے بیانات کی سند پر بارھویں صدی بکرمی میں پرتھی راج

کا زمانہ قرار دیا۔ مثلاً ہم کہتے ہیں -

(۱) راسا کے اس بیان کی بنا پر کہ پرتھی راج کی بہن پرتھا کی شادی راول سمرسی جی والی میواڑ سے ہوئی تھی۔ انھوں نے سمت ۱۱۰۶ بکرمی راول موصوف کی گدی نشینی کا زمانہ فرض کر لیا اور سمت ۱۱۵۸ ب اسکی وفات کا۔ اب سمت ۱۱۵۸ ب کے ساتھ تطابق دینے کے لئے جو پرتھی راج کی معیت میں سمرسی جی کے مارے جانے کا مفروضہ زمانہ ہے۔ ان بھاٹوں نے اپنی کتابوں میں قیاسی طور پہ ان تمام راجگان کے سنین وضع کر کے درج کر دئے جو راول سمرسنگھ اور موکل جی کے درمیان میواڑ کی گدی پر حکمران ہوئے ہیں جنکی کل پشتیں بیس ہوتی ہیں۔ یہی غلطی دوسری ریاستوں کے لئے بھی متعدی ثابت ہوئی چنانچہ اور جگہ بھی اسکا اعادہ ہوا -

ہمارا دعویٰ ہے کہ پرتھی راج کی بہن پرتھا کا بیاہ سمرسنگھ جی سے رچایا جانا قدرتی طور پہ ناممکن ہے۔ کیونکہ راول سمرسنگھ پرتھی راج کے عہد سے تقریباً ایک صدی بعد گزرا ہے۔ اسکی ہمارے پاس یہ دلیل ہے کہ گمبھیری ندی پر جو چتوڑ کے مشہور قلعہ کے پاس سے گذرتی ہے - ایک پل ہے جو اری سنگھ خلف مہارانا لکشمن سنگھ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور مسلمان اسے خضر خاں فرزند سلطان علاء الدین (سنہ ۶۹۵ و سنہ ۷۱۵ھ) کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ اسکی طرز تعمیر مسلمانی فن تعمیر کی مقلد ہے اور چودھویں صدی بکرمی کے خاتمہ کی یادگار ہے۔ اس پل کی کل نو محرابیں ہیں مشرق سے مغرب کی طرف جھانکتے ہوئے اسکی آٹھویں محراب میں ایک سنگی چوکا ہے - جس پر سمت ۱۳۲۴ ب کا ایک کتبہ راول سمرسنگھ کے باپ راول تیج سنگھ کے زمانہ کا ہے - ابتدا میں یہ کتبہ کسی مندر کی عمارت سے تعلق رکھتا تھا۔ مندر کا ملبہ پل کی تعمیر کے وقت ادھر منتقل کر دیا گیا چنانچہ یہ کتبہ بھی اسی کے ساتھ جڑ دیا گیا -

اور سنیے چتوڑ گڑھ کے محل کے صحن میں دبا ہوا ایک کتبہ راول سمرسنگھ کے عہد کا برآمد ہوا ہے جسپر سمت ۱۳۲۵ ب درج ہے - انہیں راول سمرسنگھ جی کا ایک اور کتبہ ہے -

جسکی تاریخ سمت ۱۳۴۴ بکرمی ہے ۔

ان کتبوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ راول سمر سنگھ کا باپ راول تیج سنگھ سمت ۱۳۲۴ بکرمی میں میواڑ کی گدی پر رونق افروز تھا اور سمت ۱۳۳۵ و سمت ۱۳۴۴ بکرمی کے درمیان سمر سنگھ حکمران تھا - اس لئے پرتھی راج کے ساتھ سمر سنگھ کے مارے جانے کی تاریخ سمت ۱۱۵۸ مندرجۂ راسا بالکل بے بنیاد ہے ۔

(ب) اسی سند پر جودھ پور کے تاریخ نویسوں نے بھی جے چند کی گدی نشینی کا زمانہ سمت ۱۱۳۲ بکرمی فرض کر لیا - چونکہ پرتھی راج سنجوگتا دختر جے چند کے ساتھ بیاہا گیا ہے - اس لئے ان میں معاصرت ضروری ہوئی - چنانچہ انہیں بھی یہ فاضل سال راجہ جے چند اور منڈور کے راجہ چندا کی درمیانی پشتوں میں قیاساً تقسیم کرنے پڑے ۔

(ج) اسی طرح جیپور کے بھاٹ بھی اسی غلطی کے شکار بنے - انہوں نے سمت ۱۱۲۷ و سمت ۱۱۵۱ بکرمی پرجن جی کچھواہا کی گدی نشینی اور وفات کی تاریخیں فرض کر لیں کیونکہ راسا میں اس راجہ کو بھی پرتھی راج کے ساونتوں میں شمار کیا ہے - یہ تاریخیں ہرگز ہرگز صحیح نہیں کہی جا سکتیں - اگر یہ صحیح ہے کہ پرجن پرتھی راج کے ساونتوں میں تھا تو اس کا زمانہ سمت ۱۲۴۸ بکرمی کے قریب ہونا چاہئے ۔

(د) یہی حالت بوندی سروہی اور جیسلمیر کے تاریخ نگاروں کی ہے جنہوں نے راسا کو اپنا خضر راہ بنا کر اپنی تاریخوں میں غلط سنین درج کئے ہیں ۔

(۴) راسا میں پرتھی راج کی ولادت کا جو زائچہ دیا ہے ہندو تنجیم کے اصول و قواعد کی رو سے سراسر غلط ہے - کوی راج جی نے بڑی تفصیل کے ساتھ اسکی اغلاط بیان کی ہیں - لیکن چونکہ یہ بیان نجوم کی اصطلاحات سے پر ہے - اس لئے راقم نے اس کا ترک کر دینا ہی مناسب خیال کیا ہے ۔

(۵) راسا کی تصنیف کا زمانہ :- اس عنوان کے تحت میں کویراج موصوف

فرماتے ہیں کہ اکبر کے عہد سے قبل کی ہندی تصنیفات میں جو راجپوتانہ میں وجود میں آئیں اور اب بھی موجود ہیں - فارسی و عربی الفاظ کا استعمال نظر نہیں آتا بلکہ وہ سنسکرت برج بھاشا ماگدھی اور راجپوتانہ کی بھاکاؤں سے پُر ہیں - راجپوتانہ کے حکمران اکبری عہد میں شاہی دربار میں پہنچے - چنانچہ اس کے آخری عہد میں میواڑی اور مارواڑی بھاٹ بھی شاہی دربار میں آنے لگے - اس عہد سے راجپوتانہ کی شاعری میں عربی فارسی الفاظ کا داخلہ شروع ہونے لگا - پرتھی راج راسا پر نظر ڈالتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عربی فارسی الفاظ آٹھ دس فی صدی ملتے ہیں اور میرا یہ خیال ہے کہ راسا سمت ۱۶۴۰ اور سمت ۱۶۷۰ بکرمی کے درمیان کسی وقت لکھا گیا ہے - اسکی دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ ہمیر کاویہ جو سمت ۱۵۴۰-۴۲ بکرمی کی تالیف ہے - ہمیر چوہان اور اس کے بزرگوں کی معرکہ آرائیوں کے قصے بیان کرتا ہے - اس تالیف میں پرتھی راج اور شہاب الدین غوری کے مابین جنگ کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ راسا کے بیانات سے مطابق نہیں - نہ ان دونوں نظموں کے بیان کردہ نسب نامے ایک دوسرے سے متفق ہیں - یہ امر قرین عقل ہے کہ ایک معیاری پایہ کی کتاب جیسی کہ پرتھی راج راسا ہے اگر ہمیر کاویہ سے مقدم ہوتی تو یقینی ہے کہ موخر الذکر تاریخی واقعات کے بیان کرنے میں اس سے خوشہ چینی کرتی -

اب میں اس امر کی صراحت کرتا ہوں کہ یہ کتاب سمت ۱۶۴۰ بکرمی کے بعد لکھی گئی ہے - راول سمرسنگھ کے نام پر مصنف نے راجگان میواڑ کی حد سے بڑھ کر تعریف و توصیف کے سلسلہ میں بعض تاریخی واقعات کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے - جن میں سے دو توصیفی جملے قابل ذکر ہیں :-

(۱) سلطان گرہنز موکھن (سلطان کو قید کرکے آزاد کرنے والا)

(۲) سلطان مان ملن (سلطان کا غرور ڈھلنے والا)

(۱) اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں مہارانا سنگرام سنگھ نے مالوے کے آخری بادشاہ سلطان محمود کو سمت ۲۲ ۹ء میں اسیر کر کے بعد میں رہا کر دیا تھا۔
(۲) کنایہ ہے سلاطین گجرات کی طرف جن کو رانا نے شکست دی تھی اور ان کے علاقہ کو تاراج کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ راسا کی تالیف ۱۵۷۴ ب (۱۵۱۸ء) کے بعد کسی وقت عمل میں آئی ہے۔ اور اس میں کثرت سے عربی فارسی الفاظ کا استعمال یہ ثابت کر رہا ہے کہ وہ ایسے وقت میں وجود میں آئی ۔۔ جب راجپوتانہ کے بھاٹ شاہی دربار سے تعلق میں آکر اپنی زبان میں ان غیر زبانوں کے الفاظ داخل کرنے لگے ہیں۔ اب میں یہ واضح کرتا ہوں کہ اسکی تصنیف سمت ۱۶۷ ب سے قبل کسی وقت ہوئی ہے۔

دلی کتھا پرستاو میں شاعر ایک پیشینگوئی کرتا ہے (III ۳۱) جس کا مقصد ہے کہ سمت ۱۶۷ بکرمی میں چتوڑ کا مالک دلی کو فتح کرے گا' اس پیشینگوئی سے ظاہر ہے کہ یہ رزمیہ اس تاریخ سے قبل لکھا گیا ہوگا اور غالباً سمت ۱۶۷۱ ب (۱۶۱۴ء) سے بھی قبل کیونکہ اسی سال مہارانا امر سنگھ اور شہنشاہ جہانگیر کے درمیان شہزادہ خرم کی معرفت ایک عہدنامہ مرتب ہوتا ہے۔ اس سمت کے بعد مذکورۂ صدر پیشین گوئی کی نہیں جاسکتی کیونکہ اسوقت تک رانایان میواڑ دہلی کی فتح کا خواب اپنے سر سے نکال چکے تھے۔ بلکہ رانا پرتاب سنگھ سمت ۱۶۵۸ ب (۱۶۰۱ء) کے عہد ہی سے انہوں نے سر منڈانا دھات کے برتنوں میں کھانا۔ تلوار باندھنا۔ جلوس کے پیچھے نقارہ رکھنا وغیرہ رسوم اس قسم کے ساتھ ترک کر دی تھیں کہ دلی پر فتحیابی کے بعد پھر انکو تازہ کیا جائیگا۔

رانایانِ میواڑ کے شاندار کارنامے جوان سے سمت ۱۶۴۰ و سمت ۱۶۷ بکرمی کے درمیانی زمانہ میں ظہور پذیر ہوے نیز مہارانا سنگرام اور اسکے اجداد کی ہیبت رفتہ رفتہ عوام الناس کے دلوں میں اس قوی امید کے موسس ہوے کہ ایک دن میواڑ کا کوئی نہ کوئی رانا دلی ضرور فتح کریگا۔ چنانچہ چند کا یہ شعر اسی عقیدہ کی صدائے بازگشت ہے' (حرتل

ا - س - ب ۱۸۸۶ء)

اسکا جواب پنڈت موہن لال وشنو لال پنڈیا کی طرف سے ۱۸۸۷ء میں دیا گیا - میں یہاں انکی بعض دلائل حوالۂ قلم کرتا ہوں -

پنڈت موہن لال وشنولال پنڈیا

پچھلے دو تین سال سے ایک تشویش میں ڈالنے والا نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ راسا میں دس فیصدی عربی فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں اور چونکہ ہندی کے ساتھ ان زبانوں کے الفاظ کی آمیزش عہد اکبری سے شروع ہوتی ہے لہذا یہ رزمیہ جدید الاصل ہے اور سمت ۱۶۴۰ و سمت ۱۶۷۰ بکرمی کے مابین کسی وقت لکھا گیا ہوگا - ہمارے خیال میں یہ ایک شاطرانہ فداعی ہے جو قطعاً بے بنیاد ہے - جو لوگ یہ رائے رکھتے ہیں - ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ نہ اس رزمیہ سے واقف ہیں اور نہ تاریخی واقعات سے آشنا ہیں - ہمارے خیال میں فارسی عربی الفاظ کا ہندی میں التیام ساتویں صدی سے شروع ہوتا ہے - چند کے ہاں ان الفاظ کی موجودگی کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ : -

(۱) یہ کہنا کہ اس میں عربی الفاظ دس بارہ فی صدی ہیں مبالغہ سے خالی نہیں -

(۲) خود شاعر نے انتالیسویں روپک میں صاف کہا ہے کہ میں قران (شریف) کی زبان کی طرف رجوع کرتا ہوں -

(۳) مصنف لاہور کا باشندہ تھا جہاں اسکی ولادت سے بھی ایک صدی قبل سے آل محمود کی حکومت قائم تھی - کیا اس مدت میں لاہوری زبان میں مسلمانی الفاظ کا آمیزہ نہیں ہوا ہوگا اور نہ مصنف سنسکرت والوں کے اس مقولہ پر عامل تھا کہ " یونی (مسلمانی) زبان مت سیکھو خواہ اس میں تمہاری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے "

(۴) پرتھی راج اور مسلمانی سلطنتوں کی حدود ایک دوسرے کیساتھ مل رہی تھیں -

ضرورت کے وقت ان میں خط و کتابت ہوتی تھی۔ سفیر آتے جاتے رہتے تھے۔ آخر یہ نامہ و پیام اور سفیروں کی بات چیت سنسکرت میں تو ہونے سے رہی۔

(۵) کیا پرتھی راج کی فوج میں مسلمان سپاہی ملازم نہیں تھے یا اسکے علاقہ میں مسلمان تاجر اور سیاح نہیں آتے تھے؟ اس لئے یہ توقع رکھنا کہ اس عہد کی ہندی بالکل خالص ہندی ہوگی اور مسلمانی الفاظ کی چھوت سے محفوظ محض خام خیالی ہے۔

(۶) تاریخ کے اوراق الٹیے۔ تھانہ پر ابوالعاص کے حملہ کو لیجے جو ۶۳۶ء میں ہوا۔ حجاج ظالم کے وقت ۷۱۲ء میں سندھ فتح ہوا۔ داہر مارا گیا۔ اسکا فرزند جے سنگھ سندھ کے رئیسوں کی ایک جماعت کے ساتھ مسلمان ہوگیا اور جب سے اب تک سندھ مسلمانی صوبہ بنا ہوا ہے۔ محمود کے سولہ سترہ حملوں پر غور کرو۔ سومنات پر اس کی چڑھائی کو لو۔ جسکی یاد میں لفظ 'بت شکن' گجراتیوں کے کانوں میں ابھی تک گونج رہا ہے۔ گجرات کے ناگر برہمن آج بھی اپنے آپ کو 'سپاہی ناگر' کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مسلمان سلاطین کے ملازم بن گئے تھے۔ پارسیوں پر لحاظ کرو۔ وہ نہایت قدیم زمانہ سے اس صوبہ میں آبسے ہیں۔ کیا ان تمام موثرات نے غیر زبان کا ایک لفظ بھی ہندی میں رائج نہیں کیا۔

(۷) برج لال شاستری کی تاریخ زبان گجرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زبان میں مسلمانی الفاظ سمت ۱۳۵۶ بکرمی سے داخل ہونے لگے ہیں اور اگر ہم اپنی تلاش جاری رکھیں تو مجھے یقین واثق ہے کہ ہم کو یہ پتہ مل جائے گا کہ مسلمانی الفاظ جیسا کہ میں اس سے قبل اشارہ کر چکا ہوں ساتویں صدی سے ہندی میں ملنے لگے ہیں۔

اب ہم پنڈت کی سراسیمہ کر دینے والی تاریخوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسکے لئے ہمیں روپک ۲۵۵ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ جسکی ابتدا ہے :-

ایکا دس سین پنچ دہ   وکرم ساکھ انند
(گیارہ سو پندرہ)   (انند بکرمی سمت)

اور پڑھنے دوہے کا مطلب ہے کہ اننَد بکرمی سن گیارہ سو پندرہ میں پرتھی راج اپنے دشمنوں پر فتح پانے اور انکے ممالک تاراج کرنے کے لئے پیدا ہوا - اس شعر میں لفظ انند سب کے نٹے بالعز ثابت ہوا ہے - یہ ایک مرکب لفظ ہے جس میں 'ا' نافیہ ہے اور نند بمعنے نو (۹) ہے - اگر ہم سو میں سے نو تفریق کریں تو باقی اکانوے رہتے ہیں - اس سے مقصد وہ سن ہے جو بکرمی سمت سے اکانوے یا نوے سال بعد شروع ہوتا ہے - جو نجومیوں اور بزرگوں کی اس روایت کی یاد دلاتا ہے کہ بکرماجیت کے دو سن تھے ایک جاری ہے - دوسرا ناپید ہو گیا - کوٹہ کے چندی دان جی شاعر کا بیان ہے کہ قدیم زمانہ میں دو سن تھے - پہلا سنند جو آج بھی قائم ہے دوسرا انند جو پرتھی راج کے رزمیہ میں استعمال ہوا ہے - اب ہمیں دیکھنا ہے کہ نوے یا اکانوے سال کا یہ فرق جو ان دو سنوں میں معلوم ہوا ہے ہماری مشکلات کو حل کر سکتا ہے یا نہیں - لہذا ذیل میں اسکے امتحان کے لئے راسا کے سنوں کا ایک نقشہ دیا جاتا ہے

پرتھی راج	انند سمت	سنند اور انند کا فرق	سنند	پرتھی راج کی باقی عمر	آخری جنگ کا امتحانی حال شامل
ولادت	۱۱۱۵	۹۱ / ۹۰	۶ / ۱۲۰۵	۰	۹ / ۱۲۴۸
دلی میں آمد	۱۱۲۲	ایضاً	۳ / ۱۲۱۲	۳۶	ایضاً
کیماس کی جنگ	۱۱۴۰	"	۱ / ۱۲۳۰	۱۸	"
قنوج کا سفر	۱۱۵۱	"	۲ / ۱۲۴۱	۷	"
آخری جنگ	۱۱۵۸	"	۹ / ۱۲۴۸	۰	"

شعر بالا میں انند کو آنند با الف ممدودہ پڑھنا ایک فاحش غلطی ہے - عوام اسکو آنند پڑھ کر سعد اور مبارک کے مفہوم میں لیتے ہیں - چنانچہ مہامہو پادھیا کویراج شیامل داس جی بھی اسی غلطی کے شکار ہوئے ہیں - سنسکرت کے لغات کی رو سے آنند کے معنے درد و تکلیف ہیں - یہاں نہ لفظ اسم ہے نہ صفت - صرف و نحو کی رو سے بھی انند اور

آنند میں بڑا فرق ہے اور عروض بھی اسکی اجازت نہیں دیتی۔ شاعر اس موقعہ پر اننند کا
لفظ لاکر دونوں سمتوں کے دقیق فرق کی طرف ایک لطیف اشارہ کر رہا ہے اور سعد و
نحس کے دلدل میں نہیں پھنستا۔

اننند میں الف نفی کا اور نند نو ہے جو نندا کی طرف تلمیح ہے۔ اس سے شاعر کا
مقصد ہے کہ رواجی سمت میں نندوں کا زمانہ شامل ہے۔ مگر وہ اپنے رزمیہ میں خالص
بکرمی سمت جس سے نندوں کا زمانہ تفریق کر دیا گیا ہے دے رہا ہے۔ تمیز کے لئے ہم
ان دونوں سنوں کو سننند اور اننند کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ انکی تشریح سے پیشتر
ہم ایک اور امر کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مغربی علما کی تحقیقات
سے ثابت ہوتا ہے کہ بکرمی سمت سے ۱۳۵ کی تفریق سے سالباہن کا سمت برآمد ہوتا
ہے۔ اور عیسوی سن بکرمی سمت سے بقدر ۵۶ یا ۵۷ سال کم ہے۔ بالفاظ دیگر حضرت
عیسٰے کی ولادت سے ۵۷ سال قبل بکرماجیت حکمران تھا۔ جسکے نام سے بکرمی سمت
مشہور ہے۔ ہمارے نزدیک یہ صریح بے انصافی ہے کہ بکرمی سمت کو بغیر کسی بحث
و تمحیص کے خاموشی کے ساتھ قبول کر لیا جائے۔ لیکن جب راسا کے بیان کردہ سنوں
کا موقع آئے تو ان پر نکتہ چینی کی جائے اور ثبوت طلب کیا جائے۔ ہر شخص تسلیم کرتا
ہے کہ بکرماجیت سمت ۱۳۵ بکرمی تک حکومت کرتا رہا اور کسی کو یہ سوال کرنے کی جرأت
نہیں ہوتی کہ آخر بکرمی سمت کب سے شروع ہوتا ہے۔ آیا بکرماجیت کی ولادت سے۔
تاج پوشی کے زمانہ سے یا اسکے کسی خاص نامی کارنامہ سے؟ اس باب میں عام عقیدہ
جس کی تردید کی ہمارے پاس کوئی شہادت نہیں یہ ہے کہ جب اس نے بچپن کر در
شاکاؤں[1] کی خونریزی کی تھی تب سے یہ سمت جاری ہوا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ شجاعانہ
فعل بکرماجیت سے اسکی طفلی کے ایام میں سرزد نہیں ہوسکتا۔ بدرجۂ اقل اس قتل عام
کے وقت اسکو پچیس سال کا ہونا چاہیئے۔ اس لحاظ سے بکرماجیت کی عمر (۲۵+۱۳۵=۱۶۰)

[1] Scythians.

ایک سو ساٹھ سال ہوتی ہے جو پرتھی راج اور سمر سنگھ کے نوے سال تک زندہ نہ رہ سکنے کے قیاس سے بدرجہا زیادہ مستبعد ہے۔ مختصر یہ کہ چند نے جو انند تاریخیں اپنے رزمیہ میں دی ہیں بناوٹی نہیں ہیں۔ اسنے بکرماجیت کی ایک سو ساٹھ سال عمر کو غیر ممکن احتمال تصور کیا اور یہ سمت جسکا نام ہم نے سنندر رکھا ہے اس میں نندوں کی حکومت کا زمانہ یقیناً شامل ہے جب موجودہ سمت اپنی صحت کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتا تو ہم اس اعتقاد میں کوئی ہرج نہیں دیکھتے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پرتھی راج کے عہد میں نوے اکانوے سال کی تفریق کے ساتھ ایک اور سمت جاری تھا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے عہد کے علما نے روپک ۲۵۵ و ۲۵۶ کے تسلسل پر غور نہیں کی۔ اگر وہ دونوں روپکوں کو ساتھ ملا کر پڑھتے تو ہمیں یقین ہے کہ راسا کے سنوں کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ انکے دل میں پیدا نہ ہوتا۔ اس لئے کہ یہ اشعار ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارا یہی مفہوم ہے اور بس۔

نندوں کے زمانہ کو چند کے شامل نہ کرنے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ دھانند کے نو فرزند تھے جن میں سے آٹھ بیاہتا بیویوں سے تھے اور نواں چندر گپت اسکی داشتہ نائن مورا نامی کے بطن سے تھا۔ اسی بنا پر یہ خاندان موریا کہلاتا ہے۔ بیوی اور باندی کی اولاد کا فرق دنیا ہمیشہ سے کرتی آئی ہے۔ اسی لئے آریا مورخین کا دستور رہا ہے کہ نجیب زادوں کے ذکر میں کم اصلوں کا ذکر شامل نہیں کرتے بلکہ اس سے اغماض کر جاتے ہیں یا کنایتہً کہہ جاتے ہیں کہ فلاں فلاں زمانہ میں تلوار یا نیام کی حکومت تھی۔ راجپوتوں کی تاریخ سے ایسی بے شمار مثالیں فراہم کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ اسی بنا پر میواڑ کی تاریخ میں بنبیر کو کوئی جگہ نہیں دی گئی نہ اسکا نام نسب ناموں میں شامل کیا گیا۔ اسی قسم کے کسی لحاظ کی بنا پر چند نے مقدس چھتریوں کا سمت ناپاک موریا خاندان کے نوے اکانوے سال ایام سلطنت تفریق کرنے کے بعد اختیار کیا۔ ہے اور اسی لئے اسکو انند سمت

کہنا پسند کیا ہے۔

سند سمت کے استعمال میں چند تنہا نہیں ہے بلکہ پرتھی راج۔ راول سمر سنگھ اور مہارانی پرتھا بائی نے بھی یہی سن ان چند پروانوں اور سندوں میں اختیار کیا ہے جو ہم تک پہنچے ہیں۔ ان دستاویزوں میں اسی قسم کی تاریخیں مرقوم ہیں جو راسا میں ملتی ہیں۔ ان میں پرتھی راج کی جو مہر ملتی ہے اس پر سمت ۱۱۲۲ جو غالباً اسکے جلوس کا پہلا سال ہے کندہ ہے۔ ہم نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ملاحظہ کے واسطے ان پروانوں کے فوٹو مشہور ماہر متیقیات ڈاکٹر رائے بہادر راجا راجندر لال ایل ایل۔ ڈی، سی۔ آئی۔ ای کی خدمت میں ارسال کئے ہیں اور آنکی مجبولیت کے متعلق کافی دیر تک خط کتابت کی ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب اتفاقیہ بیمار نہ ہو جاتے تو اب تک کبھی کی یہ دستاویزیں انکی رائے کے ساتھ ماہران مخطوطات قدیمہ کی خدمت میں پیش ہو جاتیں۔ ہمارے پاس ان اشیا کی اصلیت کے ثبوت موجود ہیں اور اسی وقت شایع کئے جائینگے جب اس قسم کا کوئی سوال اٹھایا جائیگا۔

کویراج شیامل داس کا راسا کی تالیف کے زمانہ کو سمت ۱۶۴۰ بکرمی کے درمیان حصر کرنا بھی نہایت عجیب ہے۔ اسلئے کہ اول تو ہمیں راسا کے مخطوطات اس زمانہ سے پہلے کے ملتے ہیں۔ ایک نسخہ سمت ۱۶۲۳ب کا اور دوسرا سمت ۱۶۴۵ بکرمی کا نوشتہ ہے اسکے علاوہ ایک کتاب میں جسکا نام 'چند چھند ورمن مہیا' تالیف سمت ۱۶۲۹ بکرمی اور ہماری ملک ہے۔ مرقوم ہے کہ سمت ۱۶۲۷ بکرمی میں جلال الدین اکبر بادشاہ نے پرتھی راج راسو اپنے دربار کے شاعر گنگ جی سے سنی ہے۔ ایک اور کتاب راناراسا مصنفہٗ راول دیال ہے۔ ہمنے اس کے ایک نسخہ نوشتۂ سمت ۱۶۷۵ب سے اپنے کتب خانہ کے لئے ایک نقل بھی حاصل کی ہے۔ اس تالیف کے آخر میں مصنف نے لکھا ہے کہ مہارانا امر سنگھ والی میواڑ کے حکم سے ایک شخص گنگا نامی نے راسا کی نقل کی ہے۔ مہارانا امر سنگھ کا زمانہ

سمت ۱۶۵۳ و سمت ۱۶۰۶ بکرمی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان دو تاریخوں کے درمیان راسا کی متفرق داستانوں کے اجزا کو مدون کیا گیا تھا۔ ان صورت حالات میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ راسا ایسے قریب تر زمانہ میں جیسے کہ سمت ۱۶۴۰ بکرمی ہے۔ عالم وجود میں آئے۔

پنڈیا جی کے طویل جواب سے جسکا اکثر حصہ امور غیر متعلقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ میں نے صرف چند باتیں انتخاب کر لی ہیں۔ انکے خاص خاص دلائل میں اگرچہ جوش و سرگرمی کا مواد بڑی حد تک موجود ہے۔ مگر یقین اور وثوق کا فقدان ہے۔ البتہ ایک بات ان کے حق میں ہے۔ اگر وفاداری بشرط استواری اصل ایمان مانی جا سکتی ہے۔ تو چند کی حمایت میں انکا جوش و خروش عین ایمان ہے اور لہذا واجب التعظیم۔ موصوف کی قابل ستایش خامہ فرسائی کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ راسا کے معتقدین میں جو لوگ متزلزل ہو رہے تھے۔ انکے ایمان سلامت رہ گئے اور چند سے بے دینی کی ہوا ایک حد تک تھم گئی۔ موصوف کا انند وسنند سمتوں کا شاطرانہ نظریہ مغربی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔ حتیٰ کہ اسمتھ جیسا نقاد مورخ بھی اس موج سراب کو حقیقت سمجھتا رہا۔ اسی طرح پرتھی راج۔ سمرسنگھ اور پرتھا بائی کے پروانوں اور سندوں کے ذریعہ سے جنکو نہایت ذلیل قسم کی تلبیس کہنا چاہیئے۔ ہندو حلقوں میں پنڈیا جی نے غیر متوقع کامیابی حاصل کر لی۔ انکا اصل جواب سب سے پہلے ۱۸۸۷ء میں بزبان ہندی میڈیکل ہال پریس بنارس سے نکلا۔ پھر اسی کو انگریزی لباس میں شایع کیا گیا۔ بدقسمتی سے میری ان دونوں نسخوں تک رسائی نہیں ہوئی۔ پھر اسی کا خلاصہ موصوف نے پرتھی راج راسو کے پہلے حصہ میں جو بنارس سے ۱۸۸۸ء میں چھپا تھا موقعہ بموقعہ شامل کر لیا۔ یہ پنڈیا جی کی زبردست حمایت اور مساعی کا نتیجہ ہے کہ راسا جسکو آج سے ایک عرصہ پیشتر تقویم پارینہ

بنجانا چاہیے تھا ہم میں اب بھی زندہ وسلامت موجود ہے اور پرتھی راج کے عہد کے ادبی کارنامہ کی حیثیت سے اسکو عزت دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر بیولر

۱۸۷۵ء میں ڈاکٹر بیولر کشمیر بغرض سیر و تفریح تشریف لے گئے۔ وہاں انہیں بھوج پتر پہ ایک قدیم سنسکرت تصنیف 'پرتھی راج وجے' نامی مل گئی۔ ڈاکٹر نے اسکے مطالب معلوم کرنے کے لئے اپنے ایک شاگرد کے حوالہ کردی۔ جب کتاب کی اہمیت منکشف ہوئی انہوں نے اکیڈمی کے واسطے ایک مضمون اسپر لکھنا شروع کیا اور ساتھ ہی ذیل کا خط ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے سکرٹری کے نام لکھا۔

"میں پرتھی راج راسائے مسئلہ پر اکیڈمی کے واسطے ایک یادداشت تیار کر رہا ہوں۔ جس میں ان لوگوں کے ساتھ اتفاق کرونگا۔ جو اسے جعلی تالیف مانتے ہیں۔ ۱۸۷۵ء میں مجھے کشمیر میں ایک سنسکرت تصنیف 'پرتھی راج وجے' ملی تھی۔ جسپر جون راج کی شرح بھی جو ۱۴۵۰-۷۵ء کے درمیان لکھی گئی تھی موجود ہے۔ پرتھی راج وجے (ظفرنامہ پرتھی راج) کا مصنف یقیناً پرتھی راج کا معاصر اور اسکے دربار کا شاعر تھا۔ وہ نسل کا کشمیری اور اعلٰے پایہ کا شاعر و عالم تھا۔ چوہانوں کے متعلق اسکے بیانات ہر موقعہ پر راسا کی تردید کرتے ہیں۔ اور سنگی کتبات مورخہ سمت ۱۰۳۰ و سمت ۱۲۲۵ بکرمی کے بیانات سے متفق ہیں۔ پرتھی راج کا نسب نامہ بھی وہی ہے جو ان کتبوں میں ملتا ہے اور اس تالیف کے بعض عصری واقعات وہی ہیں جو اور مآخذ سے دستیاب ہوتے ہیں۔"

سمیشور پرتھی راج کے باپ کے متعلق اب یہ دریافت ہوا ہے کہ وہ ارنوراج کا فرزند تھا اور اسکی چالکیہ ماں کینچن دیوی گجرات کے راجہ جے سنگھ کی بیٹی تھی۔

ارنوراج کی ایک بیوی مارواڑ کی شہزادی تھی - جس سے اسکے دو فرزند ہوے - پہلے فرزند کا نام کتاب میں قلم انداز کر دیا گیا ہے - دوسرے کا نام وگراج دیسل دیو تھا - اس نامعلوم الاسم فرزند نے باپ کے خون سے ہاتھ رنگین کئے - اسلئے گدی وگراج کو ملی - اسکا جانشین اسکا فرزند ہوا - پھر پدم کرشن کے فرزند کو موقعہ دیا گیا - آخر میں امرا نے سومیشور کو گدی پر بٹھایا - اسوقت تک سمیشور باہر ہی رہا اور اپنے نانا جے سنگھ کے ہاں تعلیم و تربیت پائی - بعد میں وہ چیدی چلا گیا اور وہاں کے راجہ کی بیٹی کپور دیوی سے شادی کی - پرتھی راج اور ہری راج اس رانی کے پیٹ سے پیدا ہوئے - سمیشور گدی نشینی سے کچھ عرصہ بعد فوت ہو گیا اور کپور دیوی پرتھی راج کی نابالغی کے زمانہ میں کدمباواما پردھان کی مدد سے حکومت کرتی رہی -

اس کتاب میں کوئی ایسا بیان نہیں ملتا جس سے یہ ظاہر ہو کہ پرتھی راج اننگ پال والی دہلی کی دختر کے بطن سے تھا - یا اننگ پال نے اسکو متبنیٰ کیا تھا - نہ قدیم مسلمان مورخ دہلی پر اسکی حکومت کا قصہ بیان کرتے - ان کے نزدیک وہ اجمیر کا راجہ ہے - مجھے اندیشہ ہے کہ ہمیں اس عہد کی تاریخ کے سلسلہ میں ترمیم کرنا ہی پڑے گی - اور بہتر ہے کہ اب چند کے راسا کی طباعت بند کر دی جائے - وہ یقیناً جعلی تالیف ہے جیسا کہ عرصہ ہوا جودھپور کا مراری دان اور ادیپور کا شیامل داس اعلان کر چکے ہیں - پرتھی راج وجے کے بیان کے مطابق پرتھی راج کے درباری ملک الشعرا کا نام پرتھوی بھٹ تھا نہ چند بردائی (رویداد ایشیاٹک سوسائٹی بنگال - اپریل ۱۸۹۳ء)

اس خط کا ایک فوری اثر یہ ہوا کہ سوسائٹی نے راسا کی طباعت بند کر دی -

مسٹر سیام سندر داس آنریری سیکرٹری ناگری پرچارنی سبھا بنارس

'تلاش ہندی مخطوطات' کی سالانہ رپورٹ میں بابو شیام سندر داس نے پنڈیا جی کی

ہمنوائی کا حق ادا کیا ہے ۔ راسا کی مدافعت میں ان کے دلائل زیادہ تر پنڈیا جی کے اثرات کے حامل ہیں ۔ بابو صاحب فرماتے ہیں :۔

چند ایک بڑا شاعر تھا اور اسنے یہ رزمیہ پرتھی راج راسو لکھ کر اس امر کا ثبوت دیا ہے کہ ایک عالی جاہ بادشاہ کی تاریخ لکھتے وقت شاعر کا مرغ تخیل کہاں تک بلند پروازی دکھا سکتا ہے ۔ اسکے دس فرزند تھے ۔ ان میں جلہ سب سے بڑا تھا اور رانا سمر سنگھ کو جہیز میں ملا تھا ۔ چند نے اس فرزند کو اپنا کلیات عنایت کیا تھا ۔ یہ تالیف ہمیشہ سے علما و فضلا کی مدح سنجی کے جذبات کو ابھارتی رہی ہے ۔ مختلف موقعوں پر اسکی طباعت کے واسطے کوشش کی گئی ۔ مگر بعض اسکی قدیم زبان اور دقیق ترکیبوں سے گھبرا کر عہدہ برآ نہ ہوسکے اور تھک کر بیٹھ رہے اور بعض خاطر خواہ سرپرستی کے نہ ہونے کی بنا پر ہاتھ نہ ڈال سکے ۔

اس تالیف کی اصلیت کے متعلق علما میں بہت کچھ اختلاف رائے ہے ۔ بعض انتہا پسندوں نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ وہ تاریخ نویسی کے مقصد کے لئے بالکل بیکار ہے حالانکہ اسکے مطالب پر ہم کو کماحقہٗ ابھی اطلاع بھی حاصل نہیں ۔ کویراج شیامل داس جی اس معاملہ میں سب سے پیش پیش ہیں اور یہ سنگین الزام عاید کرتے ہیں کہ یہ کتاب پرتھی راج کے زمانہ کی یادگار نہیں بلکہ اسکے عہد سے نہایت متاخر ہے کیونکہ اسکے بیان کردہ واقعات اور تاریخیں غلط ہیں ۔ یہاں ہمارے لئے یہ دریافت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تالیف کے بیان کردہ سال و سنین دوسری تاریخوں سے کہانتک مختلف ہیں ۔ راسا یوں تو اپنے عہد کی تاریخ عمومی ہے مگر پرتھی راج کی سوانح حیات اسکا خصوصی پہلو ہے جے چند ۔ پرتھی راج اور شہاب الدین کا زمانہ ہم کو معلوم ہے اور جانتے ہیں کہ وہ ہم عصر تھے ۔ کتب تاریخ کے علاوہ سنگی کتبے بھی انکی معاصرت کی شہادت دیتے ہیں ۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس تالیف کی تاریخیں دوسرے مآخذ کے سنین سے کہانتک متفاوت ہیں راسا کی رو سے پرتھی راج کی پیدایش سمت ۱۱۱۵ میں ۔ اسکی گودنشینی سمت ۱۱۲۲ میں ۔ قنوج

کا جانا سمت ۱۱۵۱ میں اور شہاب الدین سے آخری جنگ سمت ۱۱۵۸ میں ہوئی ہے۔ طبقات ناصری میں آخری جنگ کی تاریخ ۵۸۸ھ درج ہے جو سمت ۱۲۴۸ بکرمی کے مطابق ہے۔ اس حساب سے راسا کی تاریخ سمت ۱۱۵۸ اور طبقات ناصری کی تاریخ سمت ۱۲۴۸ بکرمی میں صریح نوے سال کا فرق رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر مذکورۂ بالا معترضہ سنین سمت ۱۱۱۵ سمت ۱۱۲۲ سمت ۱۱۵۱ اور سمت ۱۱۵۸ بروی تاریخ صحیح سمت ۱۲۰۵ سمت ۱۲۱۲ سمت ۱۲۴۱ اور سمت ۱۲۴۸ ہونے چاہیے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ چند نے ان سنین کے بیان کرنے میں نوے سال کی غلطی کی ہے۔ مگر ہر تاریخ میں نوے سال کا برابر فرق پایا جانا غلطی میں شمار نہیں کیا جاسکتا اسکا کچھ نہ کچھ حل ضرور ہے۔

ہم اپنی اس رپورٹ کے خاتمہ پر دس فوٹو جو قدیم پروانوں اور سندوں کی شکل میں ہیں اور پرتھی راج اور اسکے معاصرین سے تعلق رکھتے ہیں۔ درج کرتے ہیں۔ ان خطوں اور پروانوں میں بھی اسی قسم کی تاریخیں ملتی ہیں اور سمت ۱۱۴۳ سے لیکر سمت ۱۱۵۷ تک پر محیط ہیں۔ اسکے علاوہ یہ دستاویزیں بعض دیگر امور پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔

(۱) ریسکیس ویدی سے متعلق ہے جو دہلی اور میواڑ کے شاہی خاندانوں کا معالج ہے۔ یہ ویدی رانا سمر سنگھ کو پرتھا بائی ہمشیرۂ پرتھی راج سے شادی کے وقت جہیز میں دیا گیا تھا۔ اس پروانہ کی رو سے یہ واقعہ سمت ۱۱۴۵ کا ہے۔ ویدجی کا جہیز میں دیے جانے کا قصہ خود پرتھا بائی کے آخری خط سے جو انہوں نے اپنے فرزند حکمران میواڑ کو لکھا ہے ثابت ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ پرتھا بائی کی شادی کے موقعہ پر دہلی سے چار خاندان جہیز میں دیے گئے تھے۔ چنانچہ اس خط کے بیان کی تصدیق راسا کی داستان پرتھی راج سمیو سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں ان چاروں خاندانوں کا ذکر نام بہ نام آیا ہے ان میں پہلا سری پت ساہ ہے جو دیپورہ مہاجنوں کے خاندان کا مورث اعلیٰ ہے۔

دوسرا گرو رام پروہت، سناودہ برہمنوں کے خاندان کا بزرگ۔ تیسرا ریسکیس اچارج دوایما، برہمنوں کے خاندان کا جد امجد۔ چوتھا جلہ چند کا خلف اکبر خاندان راجوۂ لی کا بانی۔ یہ چاروں خاندان پرتھا بائی کی معیت میں آئے تھے۔ اور دربار میواڑ انکی بیحد تعظیم کرتے ہیں۔

(۲) پرتھا بائی کا اپنے بیٹے کے نام رقعہ ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آخری جنگ جس میں پرتھی راج مارا جاتا ہے۔ ماگھ سدی سمت ۱۱۵۷ کو ہوئی۔ چند نے یہ تاریخ سمت ۱۱۵۸ دی ہے۔

(۳) ان لوگوں کے علی الرغم جو پرتھا بائی اور سمرسنگھ کی شادی کے خلاف چہ میگوئیاں کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ مکمل دستاویزی شہادت موجود ہے جو مخالف قیاسات کے بطلان کے لئے کافی ہے۔

کویراج شیامل داس جی نے اپنے نظریہ کی تائید میں جو کتبے نقل کئے ہیں۔ پنڈت موہن لال وشنو لال پنڈیا نے اپنے رسالہ ' راسا کی حمایت ' میں انکی ثقاہت کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ اور ہم ان کتبوں کی صحت تسلیم کرنے کے لئے اسوقت تک آمادہ نہیں ہو سکتا جب تک انکے اصلی عکس مہیا نہ کئے جائیں اور کوئی قابل عالم انکی تدوین نہ کرے۔ کیونکہ یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ کسی مفسد نے ان کتبوں میں تحریف کرکے دو کے ہندسہ کی جگہ تین کا ہندسہ بنا دیا ہے۔

(۴) ایک پروانہ کی مہر میں جو خود پرتھی راج کی ہے۔ سمت ۱۱۲۲ درج ہے جو پرتھی راج کے گدی پر آنے کی تاریخ ہے۔ یہ تاریخ بھی راسا کی تاریخ سے مطابق ہے جو داستان دلی دان سمیو میں درج ہے۔

ہم بس اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان خطوں اور پروانوں کی اصلیت پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ سب ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہیں

البتہ ان دستاویزوں میں فارسی الفاظ کی موجودگی کی بنا پر ہمیں کسی قدر تردد ہوتا ہے لیکن یہ تردد اس خیال سے رفع ہو جاتا ہے کہ پرتھا بائی دہلی سے آئی تھی جہاں مسلمان سپاہیوں کا ایک دستہ راج میں ملازم تھا اور جہاں لاہور سے جو مسلمانوں کے زیر نگین تھا برابر مسلمان سفیر آتے جاتے رہتے تھے کیونکہ دونوں سلطنتوں کی حدود آپس میں ملحق تھیں۔

بیان بالا سے یہ امر صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ راسا میں مختلف وقائع کے بیان شدہ سنین غلط نہیں ہیں بلکہ اسی سن کے مطابق ہیں جو دربار کی دستاویزات و کاغذات میں عام طور پر ان ایام میں رائج تھا اور جو بقدر ۹۰ - ۹۱ سال بکرمی سمت سے کم ہے۔ اب یہ سن اس یکساں تفاوت کی جو راسا اور اس عہد کی دستاویزوں کے مبینہ سنوں میں اور سنگی کتبوں کے سنوں میں نظر آتا ہے پوری پوری تشریح کر دیتا ہے۔ پنڈت موہن لال وشنو لال پنڈیا کی رائے ہے کہ یہ انند سمت ہے جو بکرمی سن رواں سے ۹۰ - ۹۱ سال چھوٹا ہے۔ موریا خاندان جس کا بانی مشہور چندر گپت پسر مہانند ہے اسی بنا پر نند بنسی کہلاتا تھا۔ چونکہ یہ خاندان نیچی ذات کے ہندوؤں سے علاقہ رکھتا تھا اور نوے اکانوے سال حکمران رہا۔ اس لئے اونچی ذات کے راجپوتوں بالخصوص میواڑ والوں نے اس خاندان کے ایام سلطنت کو بکرمی سمت سے نفی کر کے انند سمت کا اجرا کیا۔ جس میں کم ذات موریا بنسی تسلیم نہیں کیا گیا۔ ان وجوہ سے ثابت ہوتا ہے کہ راسا کی تاریخیں فرضی نہیں ہیں اور جو وقائع اس رزمیہ میں بیان ہوئے حقایق راسخہ پر مبنی ہیں۔ لہذا یہ امر پایۂ تصدیق کو پہنچ جاتا ہے کہ پرتھی راج راسا مصنفہ چند بردائی وید و ملک الشعرای دربار پرتھی راج اتنا ہی اصلی اور حقیقی ہے جیسے کوئی اور تالیف جو قرون وسطے میں تحریر ہوئی اور ایسی جد و جہد جو اسکے جعلی اور مصنوعی ثابت کرنے کے لئے کی جاتی ہے بیجد فضول اور بے موقع بلکہ فتنہ پردازانہ ہے (سالانہ رپورٹ بابتہ تلاش مخطوطات ہندی برائے سال ۱۹۰۰ء از سیام سندر داس بی۔ اے آنریری سیکرٹری ناگری پرچارنی

سبھا بنارس - الہ آباد ۱۹۱۱ء)

انند سمت کی آڑ میں پنڈیا جی اور انکے مقلد شیام سندر داس جی نے خاصہ ہنگامہ آرائی کی ہے۔ لیکن ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ آخر موریا خاندان کا اس انند سمت سے کیا تعلق ہے۔ کیونکہ موریا خاندان بکرماجیت سے کم از کم پوری ایک صدی قبل گذرا ہے۔ قدیم تاریخ ہند کے امام مسٹر ونسنٹ اسمتھ کے بیانات کے مطابق جنکو تمام مورخین ہند تسلیم کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ موریا خاندان ۳۲۶ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۱۸۵ قبل مسیح تک حکومت کرتا رہا۔ اس حساب سے کل مدت سلطنت ایک سو اکتالیس سال بنتی ہے۔ نہ نوے اکانوے سال جیسا کہ ان بزرگوں کا خیال ہے۔ دوسرے موریا خاندان بکرماجیت کے عہد سے جسکے نام پر بکرمی سمت چل رہا ہے۔ پورے ایک سو اٹھائیس سال قبل ختم ہو چکا ہے۔ اب ان بزرگوں کا موریا خاندان کے زمانہ کو بکرماجیت سے کم از کم نوے اکانوے سال بعد تصور کرنا اور یہ مفروضہ مدت بکرمی سمت سے خارج کرکے انند سمت کے نظریہ کو پیش کرنا ہمارے نزدیک ایک علمی شعبدہ بازی ہے جو بالکل گمراہ کن ہے۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ خود ونسنٹ اسمتھ نے انند سمت کے نظریہ کو تسلیم کر لیا ہے۔ جیسا کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوگا۔

ونسنٹ اے - اسمتھ

اسمتھ[1] صاحب قدیم تاریخ ہند کے مایۂ ناز اور مقبول مورخ ہیں۔ انکی تاریخ جو اولاً ۱۹۰۴ء میں شایع ہوئی تھی ہند قدیم کے لئے ایک مستند ماخذ مانی جاتی ہے اور ہندوستان کی اکثر یونیورسٹیوں کے تعلیمی نصاب میں داخل ہے۔ راسا کے ساتھ انکا رویہ متزلزل سا رہا ہے۔ ابتدا میں مخالف ہیں۔ بعد میں متشکک اور آخر میں موافق ہیں۔ چنانچہ -

---

۱ - Vincent A. Smith.

(۱) " چند کے اس قصہ کی کہ پرمال (پرمار) یا پرمار دی؛ پرتھی راج کے ہاتھ سے شکست کھانے کے بعد گیا میں جا کر عزلت نشین ہو گیا اور وہیں فوت ہوا۔ مسلمان مورخین کے سنجیدہ اور مستند بیان سے تردید ہوتی ہے۔

یہ منجملہ ان بہت سے شواہد کے ایک ہے جو یہ دکھانے کے لئے نقل کیا جا سکتا ہے کہ چند کا رایسا جس حالت میں کہ وہ ہمارے پاس ہے۔ مورخ کے نقطۂ نظر سے محض ناکارہ اور گمراہ کن ہے " (جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ص ۲۹ ۱۸۱۱ء) اڈیٹر رسالہ نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے :-

" یہ قصہ پاک کر دینے والا بیان ابھی جبکہ چند کے اس عظیم رزمیہ کے مطالب ہی کافی طور پر معلوم نہیں ناواجب ہے "

(۲) " پرتھی راج کے حالات سے بحث کرنے والی بہترین کتاب ہندی رزمیہ چند رائسا یا پرتھی راج رائسا ہے جو صوبجات متحدہ میں نہایت مقبول ہے۔ اس کی تصنیف چند بردائی کی طرف منسوب ہے جو پرتھی راج کے دربار کا شاعر کہا جاتا ہے۔ اسکی موجودہ شکل و ترتیب پر لحاظ کرتے ہوئے اسکی اصلیت کے متعلق اختلاف آرا ہے۔ رایسا کے سنون میں مفروضہ غلطیوں کی تشریح اس دریافت سے ہو جاتی ہے کہ مصنف نے پرتھی راج کا آنند بکرمی سمت استعمال کیا ہے جو ۳۳ء کے برابر ہے اور اصل سانند بکرمی سمت ۵۸ء قبل مسیح سے بقدر نوے واکانوے سال چھوٹا ہے۔ ڈاکٹر بولر ' پرتھوی راج وجے ' نامی ایک سنسکرت تالیف کو جو کشمیر میں ملی تھی اور جسکا مصنف یقیناً پرتھی راج کا معاصر اور درباری شاعر ہے زیادہ مستند خیال کرتے ہیں۔ اسکا دیا ہوا نسب نامہ کتبوں میں نوشتہ نسب نامے کے ساتھ مطابق ہے۔ چند کا یہ بیان کہ رای پتھورا اننگ پال راجۂ دہلی کی دختر کا فرزند تھا غیر صحیح معلوم ہوتا ہے " (قدیم تاریخ ہند ص ۳۵۷ ، ۱۹۰۸ء اشاعت دوم)۔

(۳) ان رزمیوں میں سب سے مشہور چند راسا ہے جو پرتھی راج کی درباری شاعر چند بردائی کی تصنیف ہے۔ اس نظم میں جو پاستانی ہندی میں لکھی گئی ہے۔ ہومر سے منسوب نظموں کی طرح راسا خوانوں کے ہاتھ سے یقیناً بار بار اضافے ہوتے رہے ہیں۔ اشعار کی تعداد سوا لاکھ بتائی جاتی ہے۔ لیکن اصل تصنیف جس میں صرف پانچ ہزار اشعار تھے اب بھی موجود ہے اور شاعر کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔ یہ لوگ جودھپور میں رہتے ہیں۔ اور اس زمین پر جو ان کے نامی گرامی جد کو عطا ہوئی تھی متصرف ہیں۔ اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ یہ قیمتی نسخہ اصل سے نقل ہو کر چھپوا دیا جائے۔ چند بردائی کی تاریخوں میں کوئی مفروضہ غلطی موجود نہیں ہے۔ اسنے ایک خاص بکرمی سمت کا استعمال کیا جو معمولی رواجی سمت سے نوے یا اکانوے سال چھوٹا ہے (پاستانی اور ہندوانی ہندوستان ص۱۹۶ از ونسنٹ اے۔ سمتھ۔ آکسفورڈ ۱۹۲۲ء)

اسمتھ کا یہ قول کہ راسا میں دراصل پانچ ہزار اشعار تھے۔ بیرونی الحاق نے اس کو سوا لاکھ ابیات کی ضخیم جلد بنا دیا۔ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اسکا جواب پنڈت گوری شنکر کی تنقید میں ملیگا۔ انند سمت کے متعلق مسٹر ہلدر کا بیان ذیل ملاحظہ ہو۔

مسٹر آر۔ آر ہلدر نائب کیوریٹر راجپوتانہ میوزیم اجمیر

پرتھی راج راسا کے متعلق یہ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ بارھویں صدی عیسوی میں تالیف ہوا اور اسکی تاریخیں انند سمت میں جو بکرمی سمت سے نوے اکانوے سال کم ہے دی گئی ہیں۔ سطور ذیل کا یہ مقصد ہے کہ حتی الامکان اختصار کے ساتھ یہ ثابت کر دیا جائے کہ تقریباً اس تالیف کی تمام تاریخیں جو پرتھی راج کی سوانح حیات سے تعلق رکھتی ہیں بالکل غلط ہیں اور نہ اس میں بیان کردہ واقعات صحیح ہیں۔

ان تاریخوں کے جانچنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پرتھی راج کے حالات

جو دیگر ذرائع سے ملتے ہیں معلوم کرلئے جائیں۔ اس غرض سے ہم اسکے دادا ارنوراج سے شروع کرتے ہیں جو سمت ۱۱۹۶ سے سمت ۱۲۰۷ بکرمی (۱۱۳۹ء - ۱۱۵۰ء) تک حکومت کرتا رہا:-

ارنوراج کا جانشین جگدیو تھا جس کو اپنے باپ کے قتل کے الزام میں اس کے چھوٹے بھائی وبیلدیو نے بہت جلد بعد معزول کرکے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اسکا زمانہ سمت ۱۲۱۰ - سمت ۱۲۲۰ بکرمی (۱۱۵۳-۶۳ء) ہے۔ وبیل دیو کے بعد قدرتاً اس کا فرزند امرگانگیا اور اس کے بعد جگدیو کا فرزند پرتھی راج ثانی حکومت پر سرافراز ہوئے۔ مؤخر الذکر سمت ۱۲۲۴-۲۶ بکرمی (۱۱۶۷-۶۹ء) تک حکمران کرتا رہا۔ اب سومیشور کی باری آتی ہے جو سمت ۱۲۲۶-۳۴ ب (۱۱۶۹-۷۷ء) کے درمیان وارث ملک ہوا۔ سومیشور نے کوکن کے راجہ کے قتل کے بعد تریپوری کے راجہ کلکری کی دختر سے شادی کی۔ پرتھی راج اس رانی کے بطن سے پیدا ہوا۔ اسکی تاریخ ولادت سمت ۱۲۲۴ ب (۱۱۶۷ء) سے کسی قدر قبل ہونی چاہیئے۔ یا یوں سمجھنا چاہیئے کہ سمت ۱۲۱۷ و ۲۴ بکرمی (۱۱۶۰ و ۶۷ء) کے درمیان کسی وقت پیدا ہوا اور سمت ۱۲۳۶ تا ۴۹ بکرمی (۱۱۷۹ تا ۹۲ء) سلطنت کرتا رہا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسکا باپ سومیشور سمت ۱۲۳۴ و ۳۶ بکرمی (۱۱۷۷ و ۷۹ء) کے درمیان کسی وقت فوت ہوتا ہے۔ راسا میں مختلف واقعات کی جو تاریخیں درج ہیں حسب ذیل ہیں:-

(۱) ولادت پرتھی راج سمت ۱۱۱۵ (۲) بھولا بھیم والی گجرات کا سلکھ راجہ آبو پر حملہ سمت ۱۱۳۶ (۳) پرتھی راج کے ہاتھ سے شہاب الدین کی گرفتاری سمت ۱۱۳۶ (۴) انچھنی سے شادی سمت ۱۱۳۶ (۵) پرتھی راج کی دہلی میں گود نشینی سمت ۱۱۳۸ (۶) پرتھی راج اور شہاب الدین کی افواج کا مقابلہ سمت ۱۱۴۰ (۷) سنجوگتا دختر جے چند والی قنوج کی پیدائش سمت ۱۱۳۳ (۸) پرتھی راج کا قنوج پر حملہ سمت ۱۱۵۱ (۹) پرتھی راج

اور شہاب الدین کی آخری جنگ سمت ۱۱۵۸ء

ہم ان مدوں پر علٰحدہ علٰحدہ تبصرہ کرتے ہیں:

(۱) پرتھی راج کی تاریخ ولادت سمت ۱۱۱۵ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ وہ سمت ۱۲۱۷ و ۱۲۲۰ بکرمی (۱۱۶۰-۱۱۶۳ء) کے درمیان کسی وقت پیدا ہوا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ پرتھی راج راسا کی تاریخیں انند بکرمی سمت میں ہیں جو مروجہ بکرمی سمت سے نوے اکانوے سال چھوٹا ہے اور راسا کی تاریخوں میں یہ مدت یعنی نوے اکانوے سال اضافہ کرنے سے صحیح بکرمی سمت برآمد ہوتا ہے۔ اس نظریہ کو بھی تسلیم کرکے ہم دیکھتے ہیں کہ اس مدت کے اضافہ کرنے سے راسا کی تاریخیں درست نہیں آتیں۔

(۲) جہانتک ہمیں معلوم ہے آبو کے راجہ سلکھ کا نام کسی کتبہ اور معتبر دستاویز میں نہیں ملتا۔ سمت ۱۱۲۳-۱۲۰۱ بکرمی میں دھروبھٹ اور رامدیو آبو پر حکمراں تھے۔ اور دھارا ورش سمت ۱۲۲۰ سے سمت ۱۲۷۶ بکرمی (۱۱۶۳-۱۲۱۹ء) تک گدی پر تھا۔ ادھر بھولا بھیم والی گجرات سمت ۱۲۳۶ بکرمی (۱۱۷۹ء) تخت نشین ہوا۔ اس لئے بھولا بھیم کا حملہ سمت ۱۱۳۶ انند یا سمت ۱۲۲۶ سنت میں ان تاریخوں پر نظر رکھتے ہوئے ناممکن ہے۔

(۳) ہندوستان پر شہاب الدین کا سب سے پہلا حملہ ۵۷۱ھ مطابق سمت ۱۲۳۲ بکرمی (۱۱۷۵ء) میں ہوتا ہے۔ پرتھی راج سمت ۱۲۳۴ بکرمی کے بعد گدی نشین ہوتا ہے جو ۱۱۷۷ء و ۵۷۳ھ کے مطابق ہے۔ اس لئے پرتھی راج شہاب الدین کو سمت ۱۱۳۶ انند یا سمت ۱۲۲۶ سنند (۵۶۴ھ یا ۱۱۶۹ء) میں اسیر نہیں کرسکتا۔

(۴) کے لئے ملاحظہ ہو انڈین انٹیکوئیری منث جلد ۵۶

(۵) راسا کی روایت ہے کہ اننگ پال دہلی کے راجہ نے اپنی دختر کملا کی شادی سمیشور سے کی اور پرتھی راج اس شادی کا ثمرہ ہے۔ جسکو اننگ پال نے متبنّیٰ کرلیا اور اپنی زندگی میں راج دے کر خود تیرتھ کو چلا گیا۔ اسکے متعلق عرض ہے کہ سمیشور کے

زمانہ میں اننگ پال نام کا کوئی راجہ نہیں تھا کیونکہ بیسل دیو کے زمانہ سے دلی اجمیر کا ماتحت صوبہ تھا - اسکے علاوہ ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ سمیشور نے ترپوری کے راجہ کی لڑکی کپور دیوی سے شادی کی تھی - جسکے بطن سے پرتھی راج پیدا ہوا -

(۶) اسکے لئے ہمارے دلائل مندرجہ ۳ کافی ہیں اور مزید تردید کی ضرورت نہیں -

(۷) راسا کا بیان ہے کہ بجے پال راجہ قنوج نے کٹک کے سورج بنسی راجہ مکند دیو پر حملہ کیا - جسپر مکند دیو نے اپنی لڑکی بجے پال کے فرزند جے چند کو بیاہ دی - ان کے پیٹ سے سنجوگتا سمت ۱۱۳۳ انند میں پیدا ہوئی - اول تو جے چند کے باپ کا صحیح نام بجے چند تھا نہ بجے پال اسکا عہد حکومت سمت ۱۲۲۴-۲۹ بکرمی مطابق ۷۰-۱۱۶۷ء ہے - اس زمانہ میں کٹک پر گنگا بنسیوں کا راج تھا نہ سورج بنسیوں کا - اور مکند دیو نام کے راجہ کا سراغ نہ گنگا بنسیوں ہیں ملتا ہے نہ سورج بنسیوں میں جن کی حکومت کٹک پر ہو - اسلئے سمت ۱۱۳۳ انند یا سمت ۱۲۲۳ سنند میں جے چند کی مکند دیو کی دختر کے ساتھ شادی کا قصہ اختراع محض معلوم ہوتا ہے -

(۸) راسا میں مذکور ہے کہ جے چند نے راجسو جگ اور اپنی دختر سنجوگتا کا سوممبر رچایا جس میں اسنے پرتھی راج والی اجمیر اور سمرسنگھ والی میواڑ اور دیگر راجگان کو بلایا - اس رسم میں شامل ہونے سے ان دونوں کے انکار پر جے چند کی فوجوں نے ان پر چڑھائی کی - مگر بدقسمتی سے شکست کھائی - اس پر جے چند نے پرتھی راج کی توہین کی غرض سے اسکا ایک طلائی مجسمہ تیار کروا کر دربان کی جگہ پر رکھوا دیا - پرتھی راج اس ذلت کی تاب نہ لاکر سمت ۱۱۵۱ انند یا سمت ۱۲۴۱ سنند میں قنوج پر یورش کرتا ہے اور جے چند کو ہزیمت دیکر سنجوگتا سمیت واپس لوٹتا ہے -

یہ اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ مکند دیو کی بیٹی کے ساتھ جے چند کی شادی کا افسانہ

ناقابل یقین ہے - علاوہ بریں جے چند کے راجسو جگ منانے اور سنجوگتا کی رسم سویمبر ادا کرنے کا قصہ نہ کسی کتاب یا کتبے میں ملتا ہے بلکہ رمبھا مانگری ناٹک تالیف نے چندسوری میں جسکا موضوع خاص جے چند ہے - کوئی ایسا قصہ نظر نہیں آتا - اس لئے ہمارے پاس کوئی ایسے وجوہ نہیں جنکی بنا پر پرتھی راج کے قنوج کے حملہ کو تسلیم کریں -

(۹) سمت ۱۱۵۸ انند یا سمت ۱۲۴۹ سنند صرف یہی ایک ایسی تاریخ ہے جو مفروضہ انند سمت کی روسے صحیح ٹھہر سکتی ہے - یعنے اس میں اکانوے اضافہ کرنے سے بکرمی سمت ۱۲۴۹ برآمد ہوتا ہے -

اب ہم راسا کی بعض اور روایات پر نظر مارتے ہیں :

(۱) کہا گیا ہے کہ قنوج کے بجے پال نے دلی کے راجہ اننگ پال پر حملہ کیا - مگر اننگ پال اور سمیشور کی متحدہ افواج نے اسکو شکست فاش دی - اب یہ بیان محض بے بنیاد ہے - اس لئے کہ سمیشور کے عہد میں اننگ پال نامی کوئی راجہ نہیں تھا اور دلی ان ایام میں چوہانوں کے زیر نگیں تھی بلکہ یہ بیسل دیو چوہان ہے جو دلی کو فتح کرتا ہے -

(۲) منقول ہے کہ بجے پال نے انہلواڑہ کے راجہ بھولا بھیم پر چڑھائی کی - ہمارا کہنا ہے کہ بجے پال کا حملہ جسکا نام بجے چند ہے - انہلواڑہ کے راجہ بھولا بھیم یعنے بھیم دیو ثانی پر ممکن نہیں ہے - اس لئے کہ بھیم دیو کا عہد حکومت سمت ۱۲۳۵-۹۸ بکرمی (سنہ ۱۱۷۹-۱۲۴۱ء) ہے - اور بجے چند کا زمانہ سمت ۱۲۲۴-۲۵ بکرمی (سنہ ۱۱۶۸-۶۹ء) ہے اور نہ ان میں باہمی معاصرت ہے - بنابریں یہ بیان بھی بے اصل ہے -

(۳) لکھا ہے کہ اجمیر کا پرتھی راج چوہان - میواڑ کا راول سمرسنگھ اور آمیر کا والی پجّن باہم معاصر ہیں - یہ بھی ایک من گھڑت داستان ہے - پرتھی راج کا زمانہ سمت ۱۲۳۶-۴۹ بکرمی (سنہ ۱۱۷۹-۹۲ء) ہے - میواڑ کے رانا سمرسنگھ کا زمانہ سمت ۱۳۳۰-۵۸ (سنہ ۱۲۷۳-۱۳۰۱ء) ہے اور آمیر کے پجّن کا زمانہ جو دولہ رائے سے تیرھویں پشت میں ہے سمت ۱۰۳۴ ب (سنہ ۹۷۷ء)

اگر فی پشت اوسطاً بیس سال بھی رکھے جائیں تو تیرھویں صدی عیسوی کے منتصف میں قرار پاتا ہے۔ اس لئے ان تینوں حکمرانوں کی ہمعصری کا قصہ باکل باطل ہے۔

(۴) راسا میں یہ بھی مرقوم ہے کہ دیوگیری کے جادو بنسی راجہ بھانا کی دختر سے پرتھی راج کی اور پرتھی راج کی بہن پرتھا بائی سے راول سمر سنگھ والی میواڑ کی شادی ہوئی۔ اس سلسلہ میں ہم گذارش کرتے ہیں کہ بھلما دیوگیری کے خاندان کے بانی کا زمانہ سمت ۱۲۴۴ب (۱۱۸۷ء) رہے۔ یعنی پرتھی راج کے قتل سے صرف پانچ سال قبل یہ خاندان وجود میں آتا ہے اور پرتھی راج کے عہد میں بھانا نام کا کوئی راجہ جادو بنسیوں میں نہیں گذرا اور سمر سنگھ کے ساتھ پرتھا بائی کی شادی کے قصہ کی لغویت تو صرف اس بیان سے ظاہر ہے کہ پرتھی راج اور راول سنگھ کے عہد میں کم از کم ایک سو سال کا فرق ہے۔

(۵) راسا میں ایک اور بے حقیقت افسانہ ہے جو پرتھی راج ۔ چند بردائی اور شہاب الدین کی بیک وقت وفات سے تعلق رکھتا ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ پرتھی راج کو قید کر کے غزنی بھیج دیا گیا تھا ۔ چند اس کی تلاش میں غزنیں پہنچا اور قید خانہ میں پرتھی راج تک رسائی کر لی ۔ ادھر اسنے شہاب الدین کے سامنے پرتھی راج کی تیر اندازی کے قصّے سُنا سُنا کر سلطان کو اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ راجا کی تیر اندازی کا کمال ملاحظہ کرے ۔ چنانچہ راجہ دربار میں بلایا گیا ۔ جب تیر کمان راجہ کے قبضہ میں آ گئے ۔ اسنے چند کے اشارہ پر پہلا تیر سلطان کے سینہ سے پار نکال دیا جس سے فوری ہلاکت واقع ہوئی ۔ ساتھ ہی چند اور راجہ نے خودکشی کر لی ۔ یہ بیان بھی صداقت پر مبنی نہیں کیونکہ ۱۱۹۲ء میں پرتھی راج تھانیسر کے قریب شکست کھا کر بھاگتا ہوا مارا گیا اور شہاب الدین ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں لاہور سے غزنیں کی طرف واپسی کے وقت کسی فدائی یا کھوکروں کے ہاتھ سے قتل ہوا ۔

(۶) ایک اور بے بنیاد قصہ راسا میں درج ہے۔ وہ یہ ہے کہ پرتھی راج کے بعد اسکا فرزند رینسی دلی میں تخت نشین ہوا ہے۔ لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا فرزند گوبند راج عرف گولا اجمیر کی گدی پر بٹھایا گیا۔ اسلئے رینسی کی جانشینی کا افسانہ ناقابل قبول ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ جب ہم راسا کے بیانات اور اسکے سنین کا تحقیق کی کسوٹی پر امتحان کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی صحیح بنیاد پہ قائم نہیں ہے اس لئے ہم کہتے ہیں کہ راسا ایک جعلی تصنیف ہے جو پرتھی راج کے عہد کی یادگار نہیں اور نہ وہ اس عہد سے دو صدی بعد تک وجود میں آئی ہے۔ اگر پرتھی راج کے عہد کی تصنیف ہوتی تو اس میں ایسے پوچ اور مہمل بیانات موجود نہ ہوتے جو اس تالیف میں نظر آتے ہیں۔

موجودہ تنقید کی روشنی میں انند سمت کے نظریہ کو فروغ دینے والوں کی کوشش ناکام اور بیسود ثابت ہوئی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ پرتھی راج۔ پرتھا بائی اور سمر سنگھ کے پٹے اور پروانے جو انند سمت کی تقویت میں شایع کئے گئے ہیں۔ کسی سنجیدہ التفات کے سزاوار نہیں اس لئے کہ عہد معلومہ سے انکو دور کا بھی تعلق نہیں ہے (جرنل شاخ بمبئی رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد سوم صفحہ ۲۰۳، ۱۹۲۶ء)

رائے بہادر گوری شنکر ہیراچند اوجھا مہامہوپادھیا

ہندی نورتن میں مشر بھائیوں نے چند کی ولادت ۱۱۸۳ء بکرمی اور سال وفات ۱۲۴۹ء بکرمی بیان کیا ہے (ص ۵۵ طبع سوم) اور لکھا ہے کہ راسو جعلی نہیں ہے۔ بلکہ پرتھی راج کے زمانہ میں چند نے اسے تالیف کیا تھا اور اس کے اصلی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی شخص سولھویں صدی کی

ابتدا میں اسے بناتا تو وہ خود اپنا نام نہ لکھ کر پچیس سو صفحات کی ضخیم کتاب کو
آغو چند کے نام پر کیوں شہرت دیتا ص۵۹۱

اگر پرتھی راج وجے اور پرتھی راج راسو دونوں پرتھی راج کے عہد میں تالیف ہوتے تو پرتھی راج کا نسب نامہ اور اسکے خاندان کے افراد کے نام اور جنگوں کے واقعات جو ایک تالیف میں درج ہیں وہی دوسری تالیف میں بھی درج ہوتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ راسا کے بیانات وجے کے بیانات سے ہر معاملہ میں مختلف ہیں۔ ادھر وجے کے بیانات کی سنگی کتبات سے تصدیق ہوتی ہے اور راسو کے بیانات کی نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں دونوں کتابوں کی تصنیف کا وقت پرتھی راج کے عہد میں تسلیم کرنا موزوں نہیں ہے۔

اب ہم راسا کی تصنیف کے عہد کا اندازہ لگانے کے لئے اسکے دیے ہوے خاص خاص واقعات کا امتحان کرتے ہیں۔

(۱) راسا میں لکھا ہے کہ آبو پہاڑ پر ایک مرتبہ رشی لوگ ہون کرنے لگے۔ تو راکشش اس میں خلل انداز ہوئے۔ اس مداخلت سے تنگ آکر رشیوں نے وششٹھ کے پاس جا کر فریاد کی۔ اسپر وششٹھ نے اگنی کنڈ کے پاس آکر اس میں سے پریہار۔ چالکیہ اور پرمار چھتری پیدا کر دیے اور انہیں راکششوں کے ہلاک کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن جب یہ تدبیر کامیاب نہ ہوئی تو وششٹھ نے ایک نیا اگنی کنڈ بنایا اور چار منہ والے برہما کا دھیان اور جپ کرتے ہوے یگیہ کرنے لگے۔ اس سے فوراً ہی چار بازوؤں والا لمبا چوڑا قوی ہیکل انسان پیدا ہوا وششٹھ نے اسکا نام چوہان رکھا (پرتھی راج راسو سار۔ پہلا سمے ص۳۰)

فی زمانناان چاروں چھتریوں کے خاندان اپنے آپ کو اگنی بنسی مانتے ہیں لیکن پرماروں کے سنگی کتبہ سے دجو ریاست بانسواڑہ کے موضع ارتھرنا میں

شیوجی کے مندر میں اسی خاندان کے راجہ منڈن دیو کے زمانہ اور سنہ ۱۳۶۱ بکرمی کا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ وشوامتر آبو پہاڑ پر رہنے والے وششٹھ کی گائی نندنی نام اڑا کرلے گئے۔ اسپر وششٹھ جی خفا ہوئے اور اگنی کنڈ میں یگیہ کرنے لگے اسپر کنڈ میں سے ایک طاقتور انسان پیدا ہوا جو دشمن سے لڑکر نندنی گائی چھین لایا۔ اسکی بہادری سے خوش ہوکر رشی نے اسکا نام پرمار (دشمن زن) رکھدیا۔ پرتھی راج راسو میں پرماروں کے آغاز کا بیان مندرجۂ بالا کتبہ نیز دیگر کتب سے نہیں ملتا۔

پریہار - چالکیہ (سولنکی) اور چوہانوں کے سولھویں صدی کے قبل کے کتبوں و کتب میں کہیں بھی اگنی بنسی یا وششٹھ کے بارے میں کوئی بات نہیں ملتی بلکہ ان کے خاندانوں کی ابتدا کے متعلق مندرجۂ ذیل اطلاع ملتی ہے۔

(ا) گوالیر سے سمت ۹۰۰ کے قریب کا پریہار راجہ بھوج کی مدح میں ایک قصیدہ ملتا ہے۔ اس میں پریہاروں کو صاف سورج بنسی بتلایا ہے (رپورٹ سالانہ پیمایش اثریات بابتہ سنہ ۱۹۰۳-۴ء صفحہ ۲۸۰)

(ب) راج شیکھر نامی ڈراما نگار نے جو دسویں صدی بکرمی سے تعلق رکھتا ہے بھوج دیو کے فرزند مہندرپال کو جو راج شیکھر کا شاگرد بھی ہے۔ رگھوبنسیوں کا قشقہ (مایۂ ناز) اور مہندرپال کے فرزند مہی پال کو رگھوبنسیوں کا واسطۃ العقد بیان کیا ہے (بال بھارت، باب اول - شعر یازدہم)

(ج) شیخاواٹی کے مشہور ہرش ناتھ کے مندر میں چوہان راجہ وگرہ راج کے عہد کا ایک حجری کتبہ نوشتۂ سمت ۱۰۳۰ بکرمی ہے جس میں قنوج کے پریہاروں کو رگھو بنسی کہا گیا ہے۔

ان شواہد سے ثابت ہے کہ پریہار اولاً اپنے آپ کو رگھو بنسی (سورج بنسی)

مانتے تھے نہ اگنی بنسی ،

چنانچہ (سولنکی) راجا ومادت کے آٹھویں سال جلوس یعنے سمت ۱۰۸۵ بکرمی کے خیرات نامہ (دان پتر) میں سولنکیوں کو چندر بنسی لکھا ہے۔ (ایپی گریفیا انڈیکا جلد ششم صفحہ ۳۵۱-۵۸)

سولنکی راجہ کلوٹنگ چوڑ دیو ثانی کے وزیر بدھ راج کے دان پتر کندۂ سمت ۲۹۳ میں راجہ مذکور کے مشہور سلف گنج بشنو کو چندر بنسیوں کا نتیجہ بیان کیا ہے (ایپی گریفیا انڈیکا۔ جلد ششم صفحہ ۳۴۹)

جینیوں کے مشہور مصنف ہیمچند نے اپنی تصنیف دوآشرے میں راجہ بھیم دیو کے ایلچی کا جو چیدی کے راجہ کرن کے پاس بھیجا گیا ہے۔ ایک بیان دیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ پرتھی راج کے عہد تک سولنکی راجہ اپنے آپ کو اگنی بنسی نہیں بلکہ چندر بنسی اور پانڈوؤں کی اولاد کہتے تھے (باب نہم۔ ابیات ۵۰ تا ۵۹ دوآشرے)

پرتھی راج کے باپ سمیشور کے بڑے بھائی بیسل دیو چہارم (وگرہ راج) نے اجمیر میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ اس درسگاہ میں اسنے ایک خود نوشت ناٹک ہرکیلی اور اس کے درباری شاعر سمیشور کی تصنیف " للت وگرہ راج " ناٹک اور چوہانوں کی تاریخ پر ایک تصنیف، پتھروں پر کندہ کروائی تھیں۔ اب یہ مدرسہ ڈہائی دن کا جھونپڑا کہلاتا ہے۔ ان تالیفات میں جو ڈہائی دن کے جھونپڑے کے صحن سے برآمد ہوئی ہیں۔ چوہانوں کو سورج بنسی بتلایا گیا ہے۔

اسکے علاوہ " پرتھی راج وجے " میں بھی چوہانوں کو جگہ جگہ سورج بنسی ہی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اور ایک مرتبہ بھی بھول کر انہیں اگنی بنسی نہیں کہا۔

گوالیر کے تنور بنسی راجہ ویرم کے دربار کے جین شاعر نے چندر سوری نے بکرمی سمت ۱۴۶۰ کے قریب ہمیر مہاکاویہ تالیف کی۔ اس میں سورج بنسی خاندان چوہان کی پیدائش کا قصہ

اسطرح مذکور ہے ۔ کہ ایک مرتبہ برہما جی کے ہاتھ سے کنول کا پھول گر گیا ۔ جہاں یہ پھول گرا تھا اس مقام کا نام پشکر رکھ دیا گیا ۔ اسی مقام پر برہما نے راکششوں کے خوف سے سورج کا دھیان کیا ۔ اسپر سورج سے ایک فرشتہ نما انسان اُتر آیا ۔ اسکا نام 'چوہ مان' یا 'چوہان' رکھا گیا ۔ یہ فرشتہ نما انسان حکومت کرنے لگا ۔

بہرحال سمت ۱۴۶۰ بکرمی سے قریب تک کے تو ہمارے پاس کافی ثبوت موجود ہیں ۔ کہ چوہان قوم اپنے آپ کو سورج بنسی کہتی تھی ۔ اگر پرتھی راج راسو خود پرتھی راج کے عہد میں لکھا جاتا تو ہمیں یقین ہے کہ اسکا مصنّف چوہانوں کو اگنی بنسی نہ بتاتا ۔

راسا میں جو پرتھی راج کا شجرۂ نسب دیا گیا ہے وہ بالعموم بناوٹی اور بے اصل ہے ۔

راسا میں مذکور ہے اور یہ قصہ عام طور پر مشہور بھی ہے کہ پرتھی راج کی ماں اننگ پال کی بیٹی تھی ۔ جسکا نام کملا تھا ۔ اسکے بطن سے پرتھی راج پیدا ہوا جسے اننگ پال نے گود لے لیا ۔ یہ کہانی جس قدر مشہور ہے اسی قدر غلط بھی ہے کیونکہ ان ایام میں اننگ پال نام کا کوئی راجہ دلی کی گدی پر نہیں تھا ۔ اور نہ کوئی اسکی لڑکی کملا سمیشور سے بیاہی گئی ۔ صحیح یہ ہے کہ بیسل دیو کے عہد سے دلی اجمیر کے ساتھ ملحق ہو چکی تھی ۔ پرتھی راج کی ماں کا نام کملا نہیں تھا بلکہ کپور دیوی تھا اور وہ چیدی (قریب جبلپور) کے راجہ اچل راج کی دختر تھی ۔ چنانچہ ہمیر کاویہ میں بھی اس رانی کا نام کپور دیوی ہی مرقوم ہے ۔ 'سُرجن چرت' کا مصنّف بھی اسکو کپور دیوی لکھ رہا ہے ۔ اگرچہ وہ اسکو کُنتل کے راجہ کی دختر بیان کرتا ہے ۔

راسا کا بیان ہے کہ پرتھی راج کی بہن پرتھا بائی تھی جو میواڑ کے راول سمر سنگھ سے بیاہی گئی تھی اور سمر سنگھ پرتھی راج کی حمایت میں شہاب الدین سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا ۔ یہ قصہ بھی سراسر غلط ہے کیونکہ راول سمر سنگھ پرتھی راج کے عہد سے

پوری ایک صدی بعد گذرا ہے۔

راسا میں آتا ہے کہ پرتھی راج کا باپ سمیشور گجرات کے راجہ بھیم دیو کے ہاتھ سے مارا گیا اور پرتھی راج نے بھیم دیو کو قتل کرکے اپنے باپ کا انتقام لیا۔ سمت ۱۲۳۶ بکرمی کے آغاز میں راجہ سمیشور کی وفات اور پرتھی راج کی گدی نشینی کا زمانہ مانا جا سکتا ہے۔ (پربندھ کوش کے خاتمہ پر چوہانوں کا خاندانی شجرہ صفحہ) بھیم دیو ۱۲۳۵ء بکرمی میں گدی نشین ہوا۔ اس زمانہ میں وہ بالکل بچہ تھا اور تریسٹھ سال کی عمر یعنے ۱۲۹۹ بکرمی تک زندہ رہا۔ بھیم دیو ایسے ابتدائی زمانہ میں جبکہ وہ نا بچہ تھا سمیشور کو اول تو قتل ہی نہیں کرسکتا تھا۔ دوسرے بھیم دیو کا پرتھی راج کے ہاتھ سے مارا جانا کیا وہ تو پرتھی راج کے مارے جانے سے جو ۱۲۴۸ بکرمی کا واقعہ ہے پورے پچاس سال بعد تک زندہ رہا۔ اسلئے راسا کا یہ قصہ بھی غیر تاریخی ثابت ہوتا ہے۔

راسا میں پرتھی راج کی بیویوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ گیارہ سال کی عمر میں اس کی پہلی شادی ہوئی۔ یہ بیوی منڈور کے راجا ناہر رای پریہار کی بیٹی تھی۔ لیکن ناہر رای پرتھی راج سے کئی سو سال پہلے گذرا ہے۔

دوسری بیوی اچھنی آبو کے راجہ سلکھ کی لڑکی تھی۔ اسوقت پرتھی راج بارہ سال کا تھا۔ اس زمانہ میں آبو کا راجہ دھرا ورش تھا نہ سلکھ یا چیت۔

تیسری بیوی سے تیرہ سال کی عمر میں شادی ہوتی ہے۔ یہ عورت 'داہی ما' چامنڈ رای کی بہن تھی۔ اسکے پیٹ سے رینسی پیدا ہوتا ہے جو راسا کے بیان کے مطابق پرتھی راج کے بعد گدی پر آتا ہے۔ مگر جو فرزند پرتھی راج کا جانشین ہوتا ہے اسکا نام گووند راج تھا جسے فارسی خواں گولہ کہتے ہیں۔

چوتھی بیوی 'ششی ورتا' دیوگیری کے راجا بھان جادو بنی کی بیٹی بتائی گئی ہے۔ مگر ان ایام میں اس نام کا کوئی راجہ دیوگیری میں نہیں گذرا۔

پانچویں 'ہنساوتی' رن تھنبھ کے جادوبنسی راجہ بھان رای کی دختر نیک اختر بیان کی گئی ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسوقت رن تھنب یا رنتھنبور میں تو خود چوہانوں کا راج تھا۔

ہم صرف اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ راسانے تو پرتھی راج کی گیارھویں سال کی عمر سے لے کر اس کے چھتیسویں سال کی عمر تک ہر سال ایک بیوی کے حساب سے پچیس بیویاں درج کی ہیں۔حالانکہ وہ تیس سال کی عمر میں مارا جاتا ہے۔

تقریباً سارا راسا فرضی کہانیوں سے بھرا پڑا ہے۔ہم نمونتہً بعض اور اور درج کرتے ہیں:۔

(۱) لکھا ہے کہ سمیشور نے میوات کے مغل بادشاہ پر جس کا نام مگدل رای ہے خراج نہ دینے کی بنا پر چڑھائی کی۔ مگدل رائے نے جنگ کے لئے پرتھی راج کو بھی طلب کیا۔چنانچہ پرتھی راج آیا اور اسنے مغل راجہ کو شکست دی۔ہم کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں میوات تو اجمیر کے زیر حکومت تھا۔ دوسرے پرتھی راج اپنے باپ کی وفات کے وقت بالکل بچہ تھا۔ پھر وہ جا کر مگدل رای کو کیسے شکست دے سکتا ہے۔

(۲) سنجوگتی کے سومبر کی رسم۔ پرتھی راج اور جے چند کی لڑائی کا قصہ بھی بوجوہ آیندہ بے سروپا ہے۔ اول تو کہا گیا ہے کہ سومبر یگیہ کے موقعہ پر منایا گیا تھا اور اس میں بہت سے راجہ موجود تھے۔ جے چند نے کوئی راجسو جگ نہیں منایا۔ دوسرے جن راجاؤں کے نام دیے گئے ہیں وہ سب فرضی ہیں۔ راجسو جگ یا سومبر کا قصہ نہ ہمیر مہاکاویہ میں آتا ہے اور نہ رمبھا منجری نامی ناٹک میں جو ناٹک کہ خود جے چند کی شہرت و اقتدار قائم کرنے کے لئے تصنیف ہوا۔

(۳) راول سمر سنگھ کے بڑے لڑکے کرن کا گدی نہ ملنے پر ناراض ہو کر بیدر چلا جانا۔ شہاب الدین سے پرتھی راج کی آخری جنگ تک کنبھ کیا اسکا باپ سمر سنگھ بھی پیدا نہیں

ہوا تھا اور نہ دکن میں ان ایام میں مسلمان موجود تھے نہ انکی حکومت تھی ۔ دکن کو علاء الدین خلجی سمت ۱۳۵۹ بکرمی میں فتح کرتا ہے اور بیدر کو بہمنی خاندان کا دسواں پادشاہ سلطان احمد شاہ سمت ۱۴۸۱ بکرمی میں آباد کرتا ہے ۔ اس لئے کنبھ کا باپ سے ناراض ہوکر بیدر جانے کا قصہ ایک تراشیدہ داستان ہے ۔

(۴) پرتھی راج کے ہاتھ سے شہاب الدین کے قتل کا واقعہ ایک اور بے بنیاد افسانہ ہے ۔ قصہ یوں ہے کہ شہاب الدین پرتھی راج کو غزنیں قید کرکے لے گیا اور اسکو اندھا کردیا ۔ چندکوی اپنے آقا کی تلاش میں غزنیں پہنچا ۔ اور شاہ کے دربار میں رسائی حاصل کرکے پرتھی راج کے پاس قید خانے میں بھی آنے جانے لگا ۔ راجہ سے اُسنے شہاب الدین کے قتل کی چنت و پز کرلی ۔ پھر شہاب الدین کے سامنے راجہ کے کمال تیراندازی کے قصے سُنا سُنا کر سلطان کو اس امر کی ترغیب دی کہ وہ اپنے قیدی کا کمال ملاحظہ کرے چنانچہ راجہ ایک دن دربار میں بلایا گیا ۔ اس کے ہاتھ میں تیر و کمان دیے گئے ۔ چند کے اشارہ پر اسنے پہلا تیر سلطان کے سینے کے پار کردیا ۔ جس سے فوری موت واقع ہوگئی راجہ اور چند کو سلطان کے ملازمین نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ۔ مگر صحیح یوں ہے ۔ کہ پرتھی راج تراین کی جنگ کے بہت جلد بعد مارا جاتا ہے جو سمت ۱۲۴۹ بکرمی کا واقعہ ہے اور سلطان شہاب الدین اس واقعہ سے ۱۴ سال بعد سمت ۱۲۶۳ بکرمی میں لاہور سے غزنیں جاتے وقت عین نماز میں کھوکھروں کے ہاتھوں سے قتل ہوا ہے ۔

راسا ہمارے خیال میں سنہ ۱۶۰۰ بکرمی کے آس پاس لکھا گیا ہے ۔ اسکے وجوہ ہمارے پاس حسب ذیل ہیں :۔

(۱) ہمیر مہاکاویہ سمت ۱۴۶۰ بکرمی کی تالیف ہے ۔ راسا اس سے یقیناً ایک موخر تالیف ہے ۔

(۲) چونکہ اس میں بیدر کا ذکر آتا ہے جو سمت ۱۴۸۷ بکرمی میں آباد ہوتا ہے ۔ اس

لئے اس سن سے بھی موخر ہے۔

(۳) ہندوستان میں مغل سلطنت سمت ۱۵۸۳ بکرمی سے شروع ہوتی ہے۔ اور امیر تیمور کا حملہ ہند سمت ۱۴۵۵ بکرمی میں ہوتا ہے۔ چند کے اس بیان سے کہ میوات میں مغل راج تھا۔ راسا کی تالیف کو ان دونوں سمتوں کے بعد ظہور میں آنا چاہیئے۔

(۴) سمت ۱۵۱۷ بکرمی میں مہارانا کنبھ کرن نے کنبھل گڑھ کے قلعہ کی تعمیر کی اور وہاں ماما دیو (کنبھ سوامی) کے مندر میں پتھر کے بڑے بڑے پانچ چوکوں پر کئی سو اشعار کی ایک تصنیف کندہ کروائی۔ اس میں سمر سنگھ کی پرتھی راج کی بہن پرتھا بائی سے شادی یا شہاب الدین کی جنگ میں سمر سنگھ کے مارے جانے کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر سمت ۱۷۳۲ بکرمی میں مہارانا راج سنگھ نے اپنے تعمیر کردہ راج سمندر تالاب کے نوچوکی نام کے بندے پر ۲۵ بڑے پتھروں پر ایک مہا کاویہ کندہ کروائی۔ اس کاویہ کے تیسرے باب میں سمر سنگھ اور پرتھا کی شادی اور سمر سنگھ کا شہاب الدین کی جنگ میں مارے جانے کا قصہ پہلی مرتبہ دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ قصہ راسا میں مفصل درج ہے (راج پرشستی مہاکاویہ - باب سوم)

اب صاف واضح ہوتا ہے کہ راسا سمت ۱۵۱۷ و سمت ۱۷۳۲ بکرمی کے درمیان کسی وقت بنائی گئی ہے۔ راسا کا سب سے قدیم نسخہ سمت ۱۶۴۲ بکرمی کا نوشتہ ہے۔ اس لئے اسکا سال تالیف سمت ۱۵۱۷ و سمت ۱۶۴۲ یعنے سمت ۱۶ بکرمی کے قریب قیاس کرنا چاہیئے۔

راسا کی زبان سمت ۱۳۰۰ بکرمی کی نہیں بلکہ سمت ۱۶۰۰ بکرمی کے قریب کی ہے۔ سمت ۱۵۹۲ بکرمی تک کی مختلف تصنیفات کی زبان اور راسا کی زبان میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

پڑھے ہوئے بھاٹ اب بھی شاعری کرتے ہیں۔ رزمیہ نظمیں ڈنگل زبان میں اور دوسرے مضامین عام بولی میں لکھتے ہیں۔ ڈنگل میں قواعد صرف کی چنداں پابندی

نہیں کی جاتی - اسلئے الفاظ انکی ترتیب اور لاحقے بھی پرانے ڈھنگ کے ہوتے ہیں - ایک ہی تصنیف میں اگر طرح طرح کی زبان دیکھنی ہو تو سمت ۱۸۰۰ بکرمی میں آڈھا کشن کے بنائے ہوئے بھیم ولاس اور بیسویں صدی بکرمی کی تالیف - مشرن سورج مل کی ضخیم " بنش بھاسکر کو دیکھیے -

راجستانی زبان میں پہلے فارسی الفاظ کا استعمال نہ تھا - مگر بعد میں ہونے لگا - چنانچہ راسا میں دس فیصدی عربی فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں - آجکل کے اہل قلم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زبان کی کسوٹی پر تو راسا بالکل ہی نہیں ٹھہرتی اور اسکی صرف تو بالکل بے ٹھکانہ ہے - دوہے اور چھپّے تو خیر کسی قدر درست بھی ہیں - لیکن چھوٹے چھندوں میں غنہ دار الفاظ کی وہ کثرت ہے کہ توبہ ہی بھلی - ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ کسی نے سنسکرت اور پراکرت کی نقل کرکے رکھ دی ہے - بعض موقعوں پر اسکی زبان موجودہ سانچوں میں ڈھلی نظر آتی ہے - افعال جدید شکل میں ملتے ہیں - لیکن ساتھ ہی زبان قدیمی ادبی رنگ میں پائی جاتی ہے - لاحقے و دیگر روابط کلام قدیم طرز کے ہیں - ان حالات میں بھاٹوں کی اس لفظی بھول بھلیاں میں اصلیت اور تصنّع کی سراغ رسی نہایت دشوار ہے اور اسی بنا پر یہ کتاب نہ مورخین اور نہ ماہرین ادب کے کام کی رہی ہے (ناگری پرچارنی پتر کا - جلد نہم ۳۳۳ و ۳۴۴ رامچند و شیام سندر داس)

بعض اصحاب جو راسا کی اصلیت کے معترف ہیں جب اس کے واقعات تاریخ کی رو سے غلط پاتے ہیں تو یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اصلی راسا دراصل بہت مختصر تھا - بعد میں لوگوں نے اس میں الحاقی حصے بڑھا کر اسکو موجودہ ضخیم حالت میں پہنچا دیا - اگرچہ اسکا امکان تو ہے مگر یہ عذر بھی ناقابل سماعت ہے کیونکہ چند کی اولاد میں جلدونا تھ شاعر سمت ۱۸۰۰ بکرمی کے قریب کی تالیف ' ورتی بلاس ' میں اپنے خاندان کے ذکر میں رقمطراز ہے کہ چند نے پرتھی راج کے حالات زندگی میں پرتھی راج راسا میں ' ۱۰۵۰۰۰ '

اشعار لکھے ہیں۔ اب یہ بیان ناگری پرچارنی سبھا کے مرتبہ پرتھی راج راسا اور اس کی ضخامت کے ساتھ بالکل منطبق ہے۔ جادو ناتھ کے پاس اپنے مورث اعلےٰ کا نسخہ ضرور موجود ہوگا اور اسی کی بنا پر اسنے اس نسخہ کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ اس صورت حالات میں راسا کے ابتداءً مختصر بنائے جانے کا قیاس بالکل بے بنیاد ہے (ناگری پرچارنی پترکا جلد دہم ص۲۳ ، سمت ۱۸۹۶ بکرمی)۔

(حافظ) محمود شیرانی

ابن الہبّاریّہ (م ۵۰۴ھ)

کا

قصیدہ نظام الملک کی تعریف میں

آپ کا نام محمد اور لقب نظام الدین بغدادی اور کنیت ابو یعلی اور ابن ہباریہ ہے آپ کا نسب ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ملتا ہے۔ شعر و شاعری میں بڑا درجہ حاصل کیا۔ ہجو گوئی میں زیادہ دلچسپی تھی یہانتک کہ کوئی انکی ہجو سے نہیں بچ سکا۔ شاہ الپ ارسلان کا وزیر (نظام الملک ابو علی) انکا ممدوح رہا۔ آپ نے ممدوح مذکور سے بڑے بڑے انعام اور صلے پائے۔ علاوہ انعامات کے دائمی وظیفہ خوار بھی تھے۔ باوجود ان انعامات اور وظائف کے نظام الملک بھی ان کی ہجو سے نہ بچ سکا۔ واقعہ یوں ہوا کہ نظام الملک اور تاج الملک

ابن دارست کی آپس میں کچھ چلی ہوئی تھی۔ تاج الملک نے ابن ہباریہ کو ایک بڑی رقم کا پختہ وعدہ دے کر چاہا کہ وہ نظام الملک کی ہجو لکھے۔ گو ابن ہباریہ نے پہلے انکار کیا اور کہا کہ میں ایسے شخص کی ہجو کیسے کروں۔ جس کی نعمتیں میرے ہر ہر بال میں موجود ہیں لیکن آخرکار تاج الملک کے اصرار پر ذیل کے ابیات ہجو یہ لکھے :۔

لا غرو ان ملك ابن اسحاق وساعده القدر

(ترجمہ) اگر ابن اسحاق کو بادشاہی ملی ہے اور تقدیر نے اسکا ساتھ دیا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں +

وصفت له الدنيا وخص ابو الغنائم بالكدر

(ترجمہ) اور اگر دنیا ابن اسحٰق کی موافقت میں ہے اور اس کے خلاف ابو الغنائم (تاج الملک) کو دنیا کے مکدرات دیے گئے ہیں ، تو یہ بھی تعجب کی بات نہیں)

فالدهر كالدولاب ليس يدور الا بالبقر

(ترجمہ) کیونکہ زمانہ رہٹ کی طرح ہے جو ہمیشہ بیل کے موافق گردش کرتا ہے (اس شعر میں اپنے ممدوح نظام الملک کو بیل کہا)

جب یہ اشعار ہجویہ نظام الملک کو پہنچے تو اس کریم الاخلاق نے اپنے مکارم اخلاق کا ثبوت دیتے ہوئے بجائے اسکے کہ ابن ہباریہ کو کچھ سزا دیتا الٹا اسے انعام دے کر غریق خجلت کر دیا۔

ابن ہباریہ میں آزادی اور لاابالی پن بھی تھا۔ چنانچہ ذیل کے اشعار سے اسی لاابالیہ کا پتہ مل رہا ہے :۔

يقول ابو سعيد اذ رآني عفيفا منذ عام ما شربتُ

(ترجمہ) میں نے جب برابر ایک سال تک شراب نہیں پی تو میرا دوست ابوسعید مجھے پارسا سمجھ کر کہنے لگا۔

فقلتُ علی ید الافلاس تبتُ　　علی ید ای شیخ تبت قل لی

(ترجمہ) کہ تو نے کونسے پیر (مرشد) کے ہاتھ پہ توبہ کی - میں نے جواب دیا افلاس (کے پیر) کے ہاتھ پر +

ابن ہباریہ کی مایۂ ناز تصنیفات

۱ - نتائج الفطنتہ - اس کتاب میں کلیلہ دمنہ کی مشہور کہانی کو نظم کیا ہے '

۲ - کتاب الصادح والباغم - یہ ایک عجیب نظم ہے - جس کو دس سال کے عرصہ میں لکھا - کل اشعار اس کے دو ہزار ہیں (دائرۃ المعارف ج ۱ ص ۷۲۶)

ذیل کا قصیدہ جو غالباً اس سے پہلے طبع نہیں ہوا ایک قلمی مجموعہ سے لے کر بعد تصیح و ترجمہ درج کیا جاتا ہے ' یہ قلمی نسخہ مرحوم مولانا فضل امام خیرآبادی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے :-

قال الشریف ابو یعلی بن الھباریۃ یمدح المولی نظام الملک قدس اللہ روحہ العزیز

سقی العقیق واھلہ وزمانہ　　یا حبذا ارندالعقیق وبانہٗ[۱]

(ترجمہ) وادی عقیق کے رندکی خوشبو کیا خوب ہے اور کیا خوب ہیں اس کے بان کے درخت خدا کرے یہ وادی اور اس کے رہنے والے اور اسکا موسم ہمیشہ تر و تازہ رہیں +

وصفت علی حصبانہ غدرانہ　　وصفت خمائلہ ورقّ نسیمہ

(ترجمہ) اس کے باغیچے بہت اچھے ہیں اور ہوا لطیف ہے اور چشمے سنگریزوں پر صاف ہو کر بہ رہے ہیں +

وافتر عن نوّارہ حوذانہ[۴]　　وذکی خزاماہ[۲] وطاب بریرہ[۳]

---

[۱] بہ ہ بانتہ [۲] اصل نسخہ میں حزاماہ ہے جس کے کوئی مناسب معنے نہیں ملے غالباً کاتب سے خاء کا نقطہ رہ گیا ہے خزامی ایک ... یا خوشبودار درخت ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی خوشبودار درخت نہیں ۱۲ لسان العرب ج ۱۵ ص ۶۶ ...

[۳] بریرہ البریر ثمرالاراک اذا اسود وبلغ ۱۲ ' لسان العرب ج ۵ ص ۱۲۰ س :- [۴] ایک درخت کا نام ہے ۱۲ قاموس

(ترجمہ) اس میں بابونہ کے بوٹے مہک رہے ہیں - اور میوے پک گئے ہیں - جو ذاں کے پھول کلیوں سے کھل رہے ہیں ؞

وتجاوبت اطیارہ وتبرجت   اقمارہ[1] وتنعمت غزلانہ

(ترجمہ) وادی کے پرند باری باری سے بول رہے ہیں اور قمر پرندے جلوہ گر اور ہرن خوش عیش ہیں -

وتبسمت ازہارہ وتنسمت   اسحارہ وتمایلت اغصانہ

(ترجمہ) کلیاں کھل رہی صبح کی ہوائیں چل رہی ٹہنیاں جھوم رہی ہیں -

وتأرجت ارواحہ وتلألأت   اشیاحہ[2] وتعممت[3] کثبانہ

(ترجمہ) ہوائیں مہک رہی خوشبودار درخت چمک رہے ٹیلے سرسبز ہیں -

ودنت قطوف اللہو فی ارجائہ   وتزخرفت للعاشقین جنانہ

(ترجمہ) اس وادی کے اطراف میں عیش و عشرت کے میوے پک گئے ہیں - اور عشاق کے لئے وادی کی کیاریاں سنواری ہوئی ہیں -

وشکت بتاریخ الصبابۃ ورقہ   وتمایلت بید الصبا افنانہ

(ترجمہ) اسکی قمریاں فرط شوق کا شکوہ کر رہی ہیں اور صبا کے ہاتھ سے اس کی ٹہنیاں جھک رہی ہیں -

فالنہر بین معصفر ومعنبر   ومزعفر ذہبیۃ ارادنہ

---

[1] غالباً قمر کی جمع ہے - والقمر طائر صغیر ۱۲ لسان العرب جلد ۵ ص ۴۲۷ س ۲۲ (نوٹ) قمر قمری کے علاوہ ایک پرند ہے - قمری کی جمع قماری اور قمر آئی ہے نہ اقمار [2] اصل نسخہ میں اشباحہ ہے جس کے معنے مناسب نہیں ملے - غالباً یاء کا نقطہ رہ گیا ہے - الشیح نبات لہ رائحۃ طیبۃ وطعم مر ۱۲ لسان العرب ج ۳ ص ۳۲۲ س ۱۵ لیکن شیح کی جمع شیحان دی ہے نہ اشیاح اسلئے اگر اشیاح کی جگہ شیحان ہو تو مناسب ہوگا - شیح اور شیحاں کا وزن عروضی ایک ہی ہے [3] عمامہ سے ماخوذ ہے مراد سرسبز ہونا ؞

(ترجمہ) پس پھول خوشبودار زعفرانی زرد رنگ ہیں جنکی آستینیں زرِیدار ہیں۔

والغیم بین مفوّض ومفوّض — شہدت علی امواھہ نیرانہٗ

(ترجمہ) بادل برس کر جا رہے ہیں (اور) بجلیاں ان کے پُرآب ہونے پر گواہی دے رہی ہیں۔

والماء بین مُصفّق ومُرقرق — ومُروّق شرقت بہ غیطانہٗ

(ترجمہ) اور پانی ٹپک رہا ہے یا ادھر ادھر بہ رہا ہے۔ یا چھن رہا ہے اور وادی کے سب گڑھے بھر گئے ہیں۔

والطیرُ بین مسجّع ومرجّع — ومفجع تشکو الھوی الحانہٗ

(ترجمہ) پرند غم کے لہجہ میں چہچہا اور گیت گا رہے ہیں۔ انکی سُریلی آوازیں عشق کی شکایت کر رہی ہیں

یا حبّذا آرامہ وظباؤہ — ونعامہ وغیاضہ واوانہٗ

(ترجمہ) کیا خوب ہیں ہرن اور ہرنیاں اور کیا خوب ہیں ہرنوں کی جھاڑیاں اور کیا خوب ہے وادی کا موسم۔

ورغاء ھجمتہ ومسرح ذودہ — وندی الاصیل بذیعہ ریعانہٗ

(ترجمہ) کیا خوب ہے اونٹوں کا بلبلانا اور انکی چراگاہ اور شام کی شبنم جسکو دھوپ اڑا دیتی ہے

ومُھفھف خنث اللحاظ مریضھا — بالدلّ مخمور الصبا اسنانہٗ

(ترجمہ) اور ایک ایسا تیلی کمر والا محبوب جو بیمار چشم اور یہ حالت اسکی ناز پر مبنی ہے اور جس کے دانتوں نے محبت کی شراب پی لی ہے۔

لہ جمع غائط،

ٹہ غیاضہ۔ اصل نسخہ میں غیاصہ ہے جسکے معنے مناسب نہیں لے غالباً نقطہ رہ گیا ہے والغیضۃ بالفتح الاجمۃ ومجمع الشجر فی مغیض ماء والجمع غیاض ۱۲ قاموس ٹہ ہجمۃ کا اطلاق اونٹوں کی اس جماعت پر کیا جاتا ہے جو ۹۰ سے کم نہ ہوں ۱۲ قاموس ٹہ المھفھف والمھفہاف الرجل الخمیص البطن الدقیق الخصر والجاریۃ مھفھفۃ ۱۲ لسان العرب مھفہف کی خبر چھٹا شعر وسارقۃ الخ ہے،

کتب العذار علی صحیفۃ خدہ   بالمسک سطراً صار غیر محتوانہ

(ترجمہ) رخسار کے بالوں نے اس کے رخساروں پر ایسی مشک کی سطر لکھی ہے۔ جس کا عنوان اس کی بناگوش ہے۔

جمعت بساتین الربیع بدائع   الزھر الانیق وفاقہا بستانہ

(ترجمہ) ربیع کے بستانوں نے گو عجیب عجیب پھول جمع کئے ہیں۔ لیکن چہرہ اور اس کے اس محبوب کا بستان کہیں بڑھ کر ہے۔

یجنی بنفسجہ ولیقطف وردہ   ولیشم نرجسہ ویرشف خانہ[1]

(ترجمہ) محبوب کے باغ کا پھول اور گل بنفشہ چنا جاتا اور گل نرگس سونگھا جاتا ہے اور باغ کے مالک (محبوب) کو بوسہ دیا جاتا ہے۔

ماکنت احسب قبل غصن قوامہ[2]   غصناً لجنۃ عبقر خلانہ

(ترجمہ) اس محبوب کی شاخ قد کے دیکھنے سے پہلے پہلے مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ جنت کی شاخ عجیب مخملی کپڑے بھی پہنے ہوئے ہوتی ہے (شاعر کو اتنا یقین ہے کہ محبوب کا قد جنت کی ایک شاخ ہے)

ساہرتہ[3] نظر المریب وذو الھوی   یخفی فیعلن شانہ ما شانہ

(ترجمہ) میں اس محبوب کو مشتبہ انسان کی طرح دیکھنے لگا۔ اور گو عاشق محبت کو چھپاتا ہے۔ مگر اسکا حال بتا دیتا کہ اصلی کیفیت کیا ہے۔

کتمتہ کلفی فافصح مدمعی   وشکا الیہ ما تخبت اجفانہ

(ترجمہ) میں اپنی تکلیف چھپانے لگا۔ لیکن میرے آنسو نے اسے فاش کر دیا۔ اور جس محبت یا آنسو کو جو عاشق کی آنکھوں نے چھپا رکھا تھا اسنے یہ شکایت معشوق سے کر دی۔

یا مفرداً فی حسنہ صِل مفرداً   فی[4] حزنہ لعبت بہ احزانہ۔

(ترجمہ) اے میرے یکتا محبوب اپنے ایسے یکتا عاشق کو اپنے وصل سے متمتع کر دے کہ عشق کے غموں نے کھلونا بنا رکھا ہے

---

[1] رشف اذا مص ریق جاریتہ۔ رشفت قبلت ۱۲ لسان العرب [2] وداں کو اک مراد محبوب۔
[3] خبر ہے جس کا مبتدا او مطلب پہلے گذر چکا۔ [4] فی حزنہ متعلق بمفرداً ۱۲

وَفَلاً[1] كظهر الظبي لمع سرابها — في قلب كلّ متيّم خفقانهُ

(ترجمہ) اور بہت سے چٹیل میدان جس کا سراب ہرن کی پیٹھ کی طرح چمک رہا تھا اور جس کا سا اضطراب اور قلق ہر عاشق دلدادہ کے قلب میں ہوتا ہے۔

ساريت فيها النجم فوق عذافر[2] — وسم الربى بدمائه نملانهُ

(ترجمہ) میں ایسے میدان میں تاروں بھری رات کو ایک ایسے مضبوط اونٹ پر سوار ہو کر چلا جس کے دوڑنے نے اس کے خون سے ٹیلوں کو رنگ دیا۔

والليل لم ينصل[3] خضاب عذاره — والصبح ما عمّ الربى سيلانهُ

(ترجمہ) اور رات نے ابھی تک اپنے رخساروں سے تاریکی کا خضاب نہیں اتارا تھا اور صبح کی شعاعیں ٹیلوں پر نہیں پڑتی تھیں۔

حار الدليل فدلّني في جنحه — نور بدى يهدي الورى لمعانهُ

(ترجمہ) (ایسی حالت میں) میرا رہبر متحیر ہو گیا۔ پس اچانک اس رات کے اطراف میں ایک ایسے نور نے میری رہبری کی۔ جسکی چمک تمام لوگوں کی رہبری کرتی رہتی ہے۔

من غُرّة المولى ابن اسحٰق الذي — تجري بامواه النُضار بنانهُ

(ترجمہ) (وہ نور) میرے مالک ابن اسحٰق کے روشن پیشانی کا تھا جسکے کرم کے ہاتھ سونے کو بہاتے رہتے ہیں۔ یعنی سائلین کو سونا دیتا رہتا ہے۔

شمس الكفاة اتابك السامي الذي — اضحت بحبّات القلوب مكانهُ

(ترجمہ) وہ شمس الکفاۃ بلند مرتبہ اتابک جو لوگوں کے دلوں میں بستا ہے۔

عقدت حباه على ثبير[4] رزانةً — وسمت على هام السُها تيجانهُ

(ترجمہ) وہ ایسا باوقار ہے کہ گویا کوہ ثبیر پر گوٹھ مار کر بیٹھا ہے۔ اسکی شرافت کا تاج اتنا بلند مرتبہ ہے۔ گویا سہا ستارہ سے بھی اونچا ہے۔

---

[1] وفلا الخ مبتدأ ساريت خبره ١٢ [2] العذافر العظيم الشديد من الابل ١٢ قاموس [3] لم ينصل لم يخرج ١٢ لسان العرب [4] اسم جبل

زینت بکثرۃ اصعاب واذعن لھا ٥ ومن لم یرتجی اذعانہ

(ترجمہ) بڑے بڑے سرکش ابن اسحق کے حملہ کی وجہ سے منقاد ہوگئے اور باغی اور ایسے لوگ جن کی اطاعت کی کچھ امید ہی نہیں تھی۔ سب کے سب مطیع ہوگئے۔

عمّ البریۃ عدلہ وسماحہ وصفا لوارد بحرہ احسانہ

(ترجمہ) ممدوح کا عدل و کرم سب لوگوں پر عام ہے اور اسکے احسان کا گھاٹ گھاٹ پر آنے والوں کے لئے صاف اور ستھرا ہے۔

ملک یقر بفضلہ حسادہ ونزل عن میدانہ اقرانہ

(ترجمہ) ممدوح ایک ایسا بادشاہ ہے جسکے فضل کا حاسدوں کو بھی اقرار ہے اور بڑے بڑے بہادر اس کے مقابلہ میں پھسل جاتے ہیں۔

یجرے الی رتب العلاء وانما بدل الرغائب للعلا میدانہ

(ترجمہ) ممدوح مراتب عالیہ حاصل کرتا رہتا ہے اور اسکا میدان جنگ مرغوبات اور عشق و محبت کا بدل ہی ہے۔

احیی بہ اللہ العلوم واھلھا والشرع قد عمّ الوریٰ نسیانہ

(ترجمہ) اللہ تعالےٰ نے بواسطۂ ممدوح جب کہ شریعت کو لوگ بھول چکے تھے علوم اور علماء کی از سرنو پرورش کی۔

فاستدرک الاسلام وھو علیٰ شفا جرف ہار باھلہ خزّانہ

(ترجمہ) پس ممدوح نے ایسے وقت میں کہ اسلام مٹنے کو تھا اور اہل اسلام کہ محافظان اسلام مٹ رہے تھے آکر سنبھالا۔

صافی السریرۃ لایخالف فی الذی یبدیہ عن اسرارہ اعلانہ

(ترجمہ) ممدوح ایسی صاف طبیعت والا ہے کہ منہ سے وہی بات کہتا ہے جو اسکے دل میں ہوتی ہے۔

۱؎ اصل: اللھی ۲؎ خزّان سے مراد علماء ہیں جنکے پاس شریعت کا خزانہ ہے۔

لم يلهه سلطانهٗ عن ربه　　ولكم مليك صدّه سلطانهٗ

(ترجمہ: اس وزیر کو اپنے رب سے بادشاہ غافل نہیں کر سکتا اور بہت سے وزیر ایسے ہیں کہ بادشاہ کی خاطر اپنے رب سے رکے ہوئے ہیں۔

فالدهر جسم وهو منه روحه　　والملك طرفٌ فضله انسانهٗ

(ترجمہ) پس تمام زمانہ گویا ایک جسم ہے اور ممدوح اسکی روح ہے اور تمام ملک گویا ایک آنکھ ہے جسکی مردمک یہ ممدوح فاضل ہے۔

...... الوزير ادعوة خادم　　قد قلّ عمّا يستحق بيانهٗ

(ترجمہ) اے وزیر، (یہ میرا قصیدہ) ایک خادم کی دعا ہے جسنے ممدوح کا پورا حق ادا نہیں کیا۔

ما الشعر اهلا ان يحيط بوصفه　　كلّا ولا يسطيعه شيطانهٗ

(ترجمہ: شعر کی کیا مجال کہ ممدوح کے اوصاف کو احاطہ کر سکے۔ ایسا نہیں ہو سکتا (شعر تو کیا) یہ بات تو شعر کے ابلیس کی بھی نہیں ہے۔

انا جار بابك وهو في شرف العلى　　لم يغز حسن ازاءهن جيرانهٗ

(ترجمہ) میں تمہارے اس دروازہ کا پڑوسی ہوں جو بلندی مراتب میں ایک ایسا محفوظ مکان ہے کہ اسکے پڑوسی بھی (آفات زمانہ) سے محفوظ ہیں۔

لا يزهدنّك منظري عن مخبري　　والبحر ملح ميهه عقيانهٗ

(ترجمہ، میری ظاہری ہیئت آپکو میرے باطن سے بے رغبت نہ کرے (کیونکہ) گو سمندر بظاہر شور لیکن اس کے پانی کے اندر سے سونا نکلتا ہے۔

ليس القدود ولا البرود فضيلة　　ما المرء الا قلبه ولسانهٗ

(ترجمہ) بدن کا اعتدال اور لباس فاخرہ کوئی فضیلت کی چیز نہیں ہے۔ انسان تو درحقیقت قلب اور زبان کا نام ہے۔

علی محمد (مولوی فاضل)

لہ الوزرا [illegible] ... چاہئے ... ممکن ہے کہ "یا سید" ہو ۔ ۵۲ لا یزهدنّک غالباً شاعر بدصورت ہوگا۔
لہ [illegible] ۱۲ لسان العرب ج ۱۶ ص ۲۰۲ ۔ ۵۳ عقیان: العقیان ذہب ینبت انباتاً ولیس مما یستذاب ویحصل من الحجارۃ ۱۲
لسان العرب ج ۲۰ ص ۳۱۲۔

مُغل اور اُردو

(دو تاریک پہلو)

نواب سید نصیر حسین خیال عظیم آبادی، اردو زبان کے بلند مرتبہ انشا پرداز ہیں، اکثر نقاد انکو اردو کا بہترین 'فصیح البیان اور سلاست نگار' صاحب طرز تسلیم کرتے ہیں، بلاشبہ جو روانی اور آمد ان کی انشا میں پائی جاتی ہے، اُردو کی دنیائے ادب میں مفقود ہے۔

۱۹۱۶ء میں 'آل انڈیا اُردو کانفرنس' قائم ہوئی۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۱۶ء کو لکھنؤ کے 'قیصر باغ' کی مشہور بارہ دری میں اس کانفرنس کا پہلا جلسہ منعقد ہوا اور حضرت خیال اس کے صدر بنائے گئے۔

اس موقعہ پر صدر کی حیثیت سے جو طویل خطبہ آپ نے ابلاغ کیا، وہ اپنی ادبی لطافت اور انشائی سلاوت کے لحاظ سے بہت مقبول ہوا، اور شائع ہونے پہ ہاتھوں ہات نکل گیا۔ اسکی یہ ہر دلعزیزی اور قبولیت دیکھ کر خیال صاحب نے اسکی بنیادوں پر ایک طویل تالیف "داستان اردو" کی طرح ڈالی، جسکا ایک باب 'مغل اور اُردو' کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔

'مغل اور اردو' ۱۶۰ صفحات کو محیط ہے۔ اسکا مقصدِ تالیف 'ہندوستان کے مغل بادشاہوں کے ان احسانات کو اجاگر کرنا ہے' جو انہوں نے اُردو زبان و ادب پہ کئے --- کتاب کا نام 'مقدمہ نگار کا بیان' اور خیال صاحب کے مختلف مگر

متعدد اشارات، کتاب کے اسی مقصد اساسی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں — چنانچہ بابر سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک، کوئی مغل بادشاہ ایسا نہیں، جسکا نام اور تذکرہ اس کتاب میں اردو کے محسن کی حیثیت سے نہ آیا ہو۔

(۱)

اس مقصد میں خیال صاحب کو کس حد تک کامیابی ہوئی ؟ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کتاب کا موجودہ سرمایہ معلومات و اطلاعات اسکی انتہائی ناکامی کا اعتراف کرتا ہے — آخری دور کے چند مغل پادشاہوں اور شہزادوں مثلاً شاہ عالم، جہاندار شاہ، بہادر شاہ اور میرزا سلیمان شکوہ کے ذوق شعر وسخن (اردو) سے قطع نظر کیجیے تو اردو زبان سے مغل فرمانرواؤں کی وابستگی ایک افسوسناک بے تعلقی بن جاتی ہے۔

اردو کا وہ سرمایۂ شعر و ادب، جو مغل حکمرانوں کے عہد کی پیداوار ہے — ان حکمرانوں کی تحریک، دلچسپی یا احسان کا رہین نہیں ہے، بلکہ قدرتی نتیجہ ہے۔ ان سیاسی، لسانی اور ذہنی و فکری انقلابات کا جو ہندوستان کی سرزمینوں میں پرورش پا رہے تھے اور پنجاب سے لے کر دکن تک کی فضاؤں کو محیط تھے۔ "مغل اور اردو" میں زیادہ تر اسی غیر مغلی سرمایۂ ادب و شعر سے بحث کی گئی ہے اور ہم نہیں سمجھ سکے کہ اس قسم کے ادبیات کی پیداوار سے مغلوں کا کیا تعلق ہے ؟

اس اجمال کی تفصیل کے لئے ہمیں بابر سے لے کر آخری مغل بادشاہ تک کتاب کا اسی ترتیب کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے، جو مولف ممدوح نے قائم کی ہے۔ بابر کے ذکر میں فرماتے ہیں :—

"ایک دفعہ اسنے اپنے تخیلات و جذبات کے پتلے کو، ترکی خرقہ اور ہندی جامہ ساتھ پہنایا اور شوخیوں کے ساتھ محفل میں اُسے یوں جلوہ دیا ہے

بھکانہ ہوا کچ ہوس مانک و موتی — فقرا نبیغہ لبں بولفو سیہ ور پانی ورونی" [ص ۵]
یاقوت — فتیہ — روٹی

یہ ہے ہندوستان کے پہلے مغل فرمانروا کا وہ عظیم الشان احسان، جو اُس نے "اردو" زبان و ادب پر صرف فرمایا اور بقول خیالؔ صاحب، اپنی پیاری رعایا کی پیاری زبان کو اسطرح منہ لگایا اور خلعت نظم تک بخشا"

اگر کسی غیر ملک میں رہ کر اسکی زبان سے ابتدائی واقفیت حاصل کر لینا اس زبان پر "احسان" کرنے کا مترادف ہے تو معلوم نہیں، خیالؔ صاحب ان انگریز افسروں کو اردو زبان کا کتنا بڑا محسن سمجھیں گے جو چند سال ہی کے قیام میں اپنے بیروں سے ٹوٹی پھوٹی اردو میں بات چیت کرنے لگتے ہیں؟ ان تازہ وارد افغانوں کو کیا کہیں گے جو پہلے ہی سفر میں دہلی پہنچتے پہنچتے اردو میں اظہار مطلب کرنا سیکھ جاتے ہیں؟ یقیناً ان کا احسان مغل بادشاہوں کے احسان سے کہیں زیادہ مستحق توصیف و تحسین ہے!

لیکن بعض اور امور جو بابر کے ہندوستانی زبان سے اعتنا کے سلسلہ میں کہے جا سکتے تھے ـ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حضرت خیالؔ نے ان کو محروم التفات چھوڑا ہے ـ مثلاً واقعات بابری میں وہ ہندوستان کے حیوانات ـ اشجار، ہفتہ اور ماہ ـ اعداد و اوزان وغیرہ کے ہندی نام دے رہا ہے اور تقریباً یک سو سے زیادہ ایسے الفاظ اسکی تصنیف میں ملتے ہیں ـ بلکہ بعض ہندی خصوصیات لسانی تک کا وہ ذکر کرتا ہے ـ مثلاً ملک ہست کے ذکر میں کہتا ہے:

"نام اصلی اسد بود ـ ہندوستانیان این چنین حرکت را گاہے ساکن میخوانند چنانچہ خَبَر را خبْر می گویند ـ اَسَد را اَسْد گفته اند رفته رفته ہست شده" [ص ۱۴۱]

آم کے بیان میں کہتا ہے:ـ

"یکے انیہ است اکثر مردم ہندوستان بے را بے حرکت تلفظ می کنند" یہ تلفظ پنجاب میں آج بھی رائج ہے۔

ایک موقعہ پر کہتا ہے کہ ہندوستانی شین کو سین بولتے ہیں :- "اہل ہندوستان شین را سین تلفظ مینمایند"

کالے ہرن کے متعلق لکھتا ہے :-

"ہندوستانیان کلہرا می گویند۔ دراصل کالا ہرن بود یعنے آہوی سیاہ تخفیف کردہ کلہرا گفتہ اند"

ہتنیہ پول کی تشریح اس طرح کی ہے :- پیل را ہاتی گویند۔ دروازہ را پول ازین جہت ہتنیہ پول می گویند (ص۲۲۴)

یہاں اسقدر اور اضافہ کیا جاتا ہے کہ مخصوص ہندی اصوات تک بابر کی رسائی نہیں ہوئی۔ وہ ایک تازہ وارد مغل کے لہجہ میں انہیں لکھتا ہے۔ مثلاً گھڑیال کو گریال۔ سدا پھل کو سدا فل۔ امرت پھل کو امرفل۔ گھڑی کو گری۔ بڑھل (بڑھل) کو بدل۔ چمگادڑ کو چمگادر۔ کھرنی کو کرنی اور گرڈھل کو گرل کی شکل میں بولتا ہے۔

ہمایوں کا ذکر، خیال صاحب نے اس لئے نہیں کیا کہ وہ "برگشتہ تقدیر" رہا۔ لیکن انکا خیال ہے کہ "اسکے سے سخن رس کو موقعہ ملتا تو اسی وقت یہ زبان شہد و شیر سے دھوئی بلکہ نہلا دی جاتی" اور وہ "اپنے باپ کی اس منہ بولی (اردو) پر سمرقند و بخارا تک نثار کر دیتا" ـــــ اُردو کو ہمایوں شہد و شیر سے نہلا دیتا یا نہیں؟ ہم اسکا فیصلہ خیال صاحب کی خوش فہمی پر چھوڑتے ہیں۔ گو تنقید کی دراز دستیاں کسی کسی کی خوش فہمی پر رحم کرنے کی عادی نہیں۔ بہرحال چونکہ، بقول خیال صاحب "یہ شرف بھی اکبر ہی کے لئے اٹھا رکھا گیا تھا" اور جب وہ پخنت ہو کر بیٹھا تو ادھر بھی متوجہ ہوا" اس لئے ہم بھی ہمایوں کو چھوڑ کر اکبر کے اس "شرف" کی طرف متوجہ ہوتے

ہیں -

اکبر کا یہ شرف جو اسنے اردو زبان وادب کو بخشا ' یا اُردو کی وجہ سے خود حاصل کیا خیاؔل صاحب کے نزدیک دو باتوں پر مبنی ہے - اول تو یہ کہ اسنے 'کرنگ 'کو ہرنگ اور الہ آباد کو 'الہ باس 'کے نام سے بدل دیا - دوسرے یہ کہ اسنے ایک مرتبہ جہانگیر کی کسی عرضی پر یہ رباعی دستخط کی ہے

"پوچھی جو گھڑی مجھ سے براہ عادت تو ہمل کو ساعت کی نہیں کچھ حاجت
ہو جاتی ہے ملنے سے مبارک ساعت ساعت کا بہانہ نہیں خوش ہر ساعت" (ص ۱)

ہرنگ اور الہ باس سے ہمیں یاد آیا کہ خاکروب کا نام حلال خور - کنجری کا کچنی اور ہاتھی کی اندھیاری کا نام اجیالی اکبر ہی کا رکھا ہوا ہے - مگر یہ الفاظ اسکی طبیعت کی ایجاد اور اپج کی دلیل مانے جاسکتے ہیں نہ اسکی اردو نوازی کی - کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکبر نے اور ایسے نام ایجاد کئے ہیں جو یقیناً اردو کے محاورہ اور اسکی روح کے مخالف ہیں مثلاً فارسی مہینہ مرداد کو اکبر امرداد کی شکل میں تبدیل کرتا ہے - ہاتھی کے ایک خاص قسم کے شامیانہ کا نام میگھ ڈنبر رکھتا ہے - ایک نو ایجاد شکار کا نام (جس میں کئی کئی چیتے بیک وقت ہرنوں کی ڈار پر چھوڑے جاتے تھے) - چتر منڈل - ایک نئے کھیل کا (جسے سولہا آدمی کھیلتے تھے) ، چندل منڈل اور اپنی چہیتی بندوق کا نام سنگرام رکھتا ہے - اسی طرح سو تولہ کی اشرفی کا نام سہنسہ - اسکے نصف کا رہس - چہارم کا آتمہ - اور پانچویں حصہ کا نام بنست رکھا تھا - علیٰ ہذا روپیہ کے نصف کا دَرب - چوتی کا چرن - پانچویں حصہ کا پانڈو - آٹھویں کا اشٹ - دسویں کا دسا - سولھویں کا کلا اور بیسویں حصہ کا نام سوکی رکھا تھا -

یہی نہیں بلکہ عام لباس کے رائج الوقت اور عام فہم نام بدل دیتا ہے - یعنے جامہ کا نام سرب گاتی - پاجامہ کا یار پیراہن - نیم تنہ کا تن زیب - لنگی کا پت گت -

برقع کا چتر گپت - کلاہ کا سیس سوبھا - عورتوں کے موباف کا کیس گہن - کمر (پٹکا) کا کٹ زیب - دوشالہ کا پرم نرم اور پاپوش کا نام چرن دھرن بنا دیتا ہے -

یہ الفاظ اردو کے مقابلہ میں برج کے ذخیرہ سے تعلق رکھتے ہیں - اس لئے جہانگیر کو اردو کے محسنوں میں شمار کرنا حضرت خیال کا حسن ظن ہے -

رہا رباعی کا دستخط کرنا، جس کے لئے خیال صاحب جلوۂ خضر کا حوالہ دیتے ہیں - اس کے لئے اسکے سوا کیا کہا جائے کہ محض جلوۂ خضر کا حوالہ، انکی تنقیدی اور تاریخی ذمہ داری کو ہلکا نہیں کر سکتا - وہ زبان جو اس رباعی میں برتی گئی ہے، اکبر کے اخلاف کے عہد میں بھی مفقود تھی، اکبر کے زمانے میں کہاں سے آئی ؟ ہم تو اسے حضرت خیال کی حد سے گزری ہوئی خوش اعتقادی خیال کرتے ہیں -

جہانگیر کی کلاہ افتخار میں، خیال صاحب کی مشاطۂ قلم نے، جو طرہ ٹانکا ہے - وہ یہ ہے کہ اسنے شراب کو " رام رنگی " کا خطاب بخشا تھا اور ایک مرتبہ " سفر کشمیر " میں بیچ ہزارا ایک پر فضا مقام پر پہنچکر ادھر کی ایک کہاوت کو یاد کر کے اور جھوم کر کہا تھا ؎

" بیچ ہزارا کا بھلیاں دھنی کھوب گائیں
سور سکیر تی گھوڑے بھلے او بہشت نگر کے دعائیں " ص ۱۶

جہانگیر کی اس " اردو نوازی " کو اگر ہندی نوازی کہا جاے تو ہمارے خیال میں بے جا نہ ہوگا -

نور جہاں کے تذکرے میں خیال صاحب فرماتے ہیں :-

" خدا کی قدرت، ایرانی حورزادی، ہندی رانیوں کو بھی مات کرے اور ان کی زبان میں بھی جو کچھ کہدے وہ اردو دانوں کی دستار کا طرہ بنے - وہ اس طرف آتی تو اپنے جذبات کا یوں اظہار کرتی ہے ؎

دیں جگہ زخم جفا کو دل صد چاک میں ہم
دیکھیں گر کچھ بھی وفا اس بت بیباک میں ہم

نقش پا کی طرح اے راحتِ جانِ عاشق (ص ۱۷)
تیرے قدموں سے جدا ہو کے ملے خاک میں ہم

کون صاحب ہوش ان اشعار کو نورجہاں کا کلام مان سکتا ہے؟ یہ منجھی ہوئی زبان، اس کی روانی، فصاحت اور بیان کی صفائی جو ان شعروں میں نظر آتی ہے، خود صفیر بلگرامی کے کلام میں بھی نہ ہوگی، جسکے تذکرہ "جلوۂ خضر" سے حضرت خیال نے یہ اشعار نقل فرمائے ہیں، نورجہاں کے زمانہ میں کہاں سے آئی؟ یہ حضرت خیال کا خیالی فیضان ہو تو ہو۔ اس موقعہ پہ تذکرۂ مرآت خیالی کی عبارت ذیل دلچسپی کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے۔

"نورجہاں حرم محترم جہانگیر بن اکبر شاہ بادشاہ ہند کا نام نامی ہے جسکے نام سے خطبہ و سکہ نے بھی زینت پائی ہے۔ اس کے بیان میں تذکرہ نویسوں نے خوب خوب گل کھلائے ہیں۔ عجیب عجیب طرح کے فقرے اڑائے ہیں۔ سب سے بڑھ کر تو یہ لطیفہ ہے کہ دو چار شعر اردو کے اسکی طرف منسوب کیئے گئے"

(صکشہ مرآت خیالی حصہ اول ۱۸۸۳ء طبع اکمل المطابع دہلی)

مرآت خیالی جس عہد میں تصنیف ہوتا ہے۔ اسوقت ہندی اہل قلم تحقیق و تنقید کے عادی نہ تھے اور ہر رطب و یابس پہ یقین لانے کے لئے تیار تھے لیکن نورجہاں کی اردو شعر گوئی کا قصہ اس وقت بھی ناقابل اعتبار مانا گیا۔ حضرت خیال پہ ہمیں تعجب آتا ہے۔ کہ اس تحقیق و تنقید کے دور میں اس افسانہ کو ایک تاریخی واقعہ کے طور پہ منظر عام پہ لا رہے ہیں۔

بابر، اکبر، جہانگیر اور نورجہاں کے بعد، اب آئیے ذرا شاہجہاں کے اس عظیم

احسان کی طرف توجہ کریں جو اُسنے اردو کے حال زار پہ کیا ہے۔

خیالؔ صاحب کی زبان میں :-

"شاہ (شاہجہاں) جب قلعۂ آگرہ میں زچ ہوا تو گوشۂ تنہائی میں اپنے اسی طفل (اُردو) سے کھیلا اور جی بہلایا کرتا تھا" ص ۲۰

اس "تمام کھیل اور جی بہلاؤ" کا ثبوت وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ اس کا ایک شقہ شاہی اورنگ زیب کے ہاتھ لگ گیا تھا" جسکا اُردو زبان میں ہونا اورنگ زیب کے اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے "آن فرمان عالی کہ در زبان اہل ہند از دستخط خاص رقمے فرمودہ . . . ." ص ۲۱

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"یہ زبانِ ہند وہی زبان ہے جو ان دونوں قوموں (ہندو مسلمان) کے صدیوں کے ارتباط و اتحاد کا ایک خوشگوار نتیجہ اور زمین ہند کا وہ عام میوہ تھی جو بزار میں لایا اور مزے لے لے کر کھایا گیا۔ اب شاہی دسترخوان پر بھی اسنے زینت پائی" ص ۲۱

لیکن اس سے زیادہ عجیب و غریب بیان یہ ہے :-

"شاہجہان کو اردو پہ وہی حق و دعویٰ ہے جو کسی صناع کو اپنی کاریگری پہ ہوا کرتا ہے اور جب تک یہاں کی یہ دو بڑی قومیں (ہندو مسلمان) زندہ ہیں اپنے اس ہندی شہنشاہ کی اس بے مثل صناعی اور اپنی قومیت کی اس زبردست نشانی کو یاد کرتی رہینگی تا آج۔ جما (جامع) مسجد اور قلعۂ معلیٰ کی سی شاندار عمارتوں کے ساتھ اردوے معلےٰ کی یادگار عمارت بھی اسی فیاض و سیر چشم بادشاہ کے مبارک نام سے قائم رہیگی" ص ۱۸

شاہجہان کو اردو پہ یہ مفروضہ "حق و دعوے" کیونکر حاصل ہوا ؟ اور اسنے اردوے معلےٰ کی یہ یادگار عمارت کسطرح قائم کی ؟ خیال صاحب اور انکے پیشرو تذکرہ نویس اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے ! خیالؔ صاحب نے "بہت سعی کی" تو اورنگ زیب کے

خطوط سے ایک فقرہ ایسا نقل کر دیا جس سے نظربندی کی حالت میں شاہجہاں کا "زبان اہل ہند" میں ایک شقہ لکھنا ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ اورنگ زیب کا سا "فارسی پسند" 'مغل'، جس زبان کو 'زبان اہل ہند' کہتا ہے وہ اردو ہے یا ہندی ___ ؟

دارا شکوہ کے تذکرے میں مولف "مغل اور اردو" کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے:

" بھاشا اور سنسکرت سے اسکا اخلاص پوشیدہ نہیں ۔ ۔ ۔ کاشی (بنارس) میں بیٹھ کر اسنے پنڈتوں کے آگے زانوے ادب و شاگردی تہ کیا۔ گیتا کا وہ وظیفہ خواں رہا۔ اور اپانی شادش کو اسی نے سرالاسرار بنا دیا جسنے جوگ وششٹا کو فارسی جامہ بخش کر اپنی ددھیالی زبان کو سجایا۔ وہ اپنے گرو بابا لال داس اور اپنے برہمن مشیر و دیوان چندر بھان کے سے شاعر و ادیب کی مدد سے اپنی مادری اور باپ کی پیاری زبان کو کہانتک نہ سنوارتا مگر مشیت اسکے خلاف تھی ۔ ۔ ۔ سارسنگرہ کی سی دوہوں کی بیاض اسی کے حکم سے ترتیب پائی اور اپنی انگوٹھی پر 'پرا بھو' کی سی نشانی اسی نے کھدوائی" ص ۲۴

دیکھا آپ نے! دارا شکوہ کو اردو سے کیسا زبردست تعلق تھا؟ غریب "اردو" سیکھنے کے لئے کاشی جاتا اور پنڈتوں کے آگے زانوے ادب تہ کرتا ہے! گیتا اس لئے پڑھتا ہے کہ وہ اردو ادب کی بہترین کتاب تھی! اپانی شادش اور جوگ وششٹا کو وہ 'اردو' سے فارسی میں منتقل کرتا اور اس لئے فارسی پر نہیں 'اردو' پر احسان کرتا ہے! سارسنگرہ کی سی دوہوں کی بیاض مرتب کروا کر وہ "اردو زبان" کو زندہ جاوید بنا تا ہے! اور اپنی انگوٹھی پر 'پرا بھو' کی نشانی کھدوا کر "اردو" کی خاتم پر اپنی سرپرستی کا نگینہ جڑ دیتا ہے۔

یوں تو "مغل اور اردو" شروع سے آخر تک "دلچسپیوں" کا مجموعہ ہے لیکن دارا شکوہ اور "اردو" کے تعلقات کے سلسلے میں خیال صاحب کا مذکورۂ بالا بیان حد درجہ مضحکہ خیز ہے

پنڈت، وہ ہے جو گ وششتا، اپانی شاہش، ہندی۔ بھاشا۔ سنسکرت، پراجو کوئی نام بھی تو ایسا نہیں جسکی تفصیل یا تذکرے کو اردو سے دور کا بھی تعلق ہو!.... پھر اس لمبی چوڑی تفصیل کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ مغل اور اردو، لکھ رہے ہیں، مغلوں کے عام حالات یا علم نوازی کا تذکرہ نہیں!

اورنگزیب (عالمگیر) کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں :-

"جب بنگالے سے ایک شخص اس (بادشاہ) کا مرید ہونے آتا اور صلابت خاں میر توزک اسے حضور میں پیش کرتا ہے تو وہ (عالمگیر) مسکراتا اور عربی فارسی مثل کے عوض بے اختیار یہ ہندی کہاوت ؎

ٹولی پنڈی باورہ دینڈی کواڑے بیچ چوہا گمدن باولے، تو گل باندھے چھیچ

کہتا ہے" ص ۲۵ و ص ۲۶،

خیال صاحب اسے خود ہی "ہندی کہاوت" کہتے ہیں! پھر کیا کسی ہندی کہاوت کا عالمگیر کی زبان سے ادا ہونا اسکا "اردو" پر احسان ہے؟

آگے چلکر وہ عالمگیر کی سرپرستی علوم و فنون اور سعی نشرِ تعلیم پر بحث کرنے کے بعد کہتے ہیں :-

"جو بادشاہ علم و تعلیم کا اتنا حامی ہو.... وہ اپنے بزرگوں کی یادگار اردوے معلےٰ کا کہاں تک خیال نہ رکھتا ہوگا" ص ۲۸

ہم نہیں سمجھ سکے کہ "رکھتا ہوگا" سے جناب خیال کا کیا مقصد ہے؟ اگر محض اپنے حسن ظن اور قیاس کا اظہار ہے تو وہ خود ہی انصاف فرمائیں کہ یہ کس حد تک انکے موضوع تالیف کی متانت کے مناسب اور شایان شان ہوگا؟

خیال صاحب نے اورنگزیب کے رقعات کا ذکر کیا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ فارسی میں ہیں! اور انکا عالمگیر اور اردو کے تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

وہ اس کا ایک شعر نقل کرتے ہیں ؎

"غمِ عالم فراوان است و من یک غنچہ دل دارم چسان در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیابان را"

یہ بھی فارسی میں ہے،

اس کے فرامین بھی فارسی میں لکھے جاتے تھے — پھر وہ کون سی چیز ہے جو اُردو سے اس کے تعلقات کا اظہار کرسکے؟

دلی والیاں اگر اپنے شوہر کے فراق میں گاتی تھیں کہ ؎

'دلی سہر سہاونا اور کنچن برسے نیر سب کے کنت ہٹور کے لے گئے عالمگیر' صفحہ ۳۱

تو اسے دلی والیوں کا 'اردو' پر احسان کہا جا سکتا ہے عالمگیر کا نہیں'

خیالؔ صاحب پورے ، صفحات رنگنے کے باوجود' عالمگیر اور اُردو کا کوئی تعلق ثابت نہ کرسکے۔

زیب النسا کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

" اردو میں بھی اسنے جو کچھ کہا وہ اس زبان کا سرمایۂ ناز سمجھا جاتا ہے .... اسکا اُردو کلام اب نایاب ہے ... مشہور فرنچ تذکرہ نویس میسیو تاسی خبر دیتے ہیں کہ " زیب النسا کی اردو نظمیں میں نے دیکھی اور پڑھی ہیں" .... صاحب جلوۂ خضر ... فرماتے ہیں کہ ایک پرانی بیاض میں شہزادی کے اُردو شعر ہماری نظر سے گزرے ہیں" .... ان مرحوم نے اپنے تذکرے میں یہ تین شعر نقل بھی کر دیے ہیں ؎

جدا ہو مجھ سے مرا یار یہ خدا نہ کرے خدا کسی کے تئیں دوست سے جدا نہ کرے

دیکھو کتنا صاف کہتی اور اردو زبان کا انداز قائم رکھتی ہے' سنو ؎

کہتے ہو تم نہ گھر مرے آیا کرے کوئی پہ دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی

شہزادی غضب کا شعر کہتی اور آجکل کے شعرا سے داد طلب ہے ؎

آکر ہماری لاش پہ کیا یار کر چلے   خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے" ص۳۶
اردو کے ساتھ زیب النسا کے اس شغف کو جو ان اشعار سے واضح ہوتا ہے۔
بلاشبہ ہم اکبر، بابر، جہانگیر، دارا شکوہ اور نورجہاں کے احسانات سے زیادہ وزنی
اور قابل داد سمجھتے۔ اگر یہ اشعار واقعی زیب النسا کے ہوتے! تاسی اور صاحب جلوہ
خضر کی رہنمائی میں "خیال صاحب "کعبہ" کی بجائے "ترکستان" پہنچ گئے ہیں۔ انہوں
نے آنکھیں بند کر کے ایک غیر اہل زبان پروفیسر اور ایک ناواقف "تنقید" داستان گو"
کی روایتوں پر اعتماد کر لیا ہے اور ذاتی درایت سے کام نہیں لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ "کتنا
صاف کہتی اور زبان کا انداز قائم رکھتی ہے" درحالیکہ اہل نظر کے نزدیک یہ صاف
کہنا اور زبان کا انداز قائم رکھنا ہی اسبات کی دلیل ہے کہ یہ اشعار اورنگ زیب کی
دختر کے نہیں ہو سکتے۔

آخری شعر کے متعلق اسقدر کہا جا سکتا ہے کہ تذکرۂ بہارستان ناز میں از حکیم
محمد فصیح الدین رنج میرٹھی طبع ۱۲۸۱ھ اس شعر کو گنا بیگم اور ان کے شوہر نواب عماد الملک
غازی الدین خاں کی طرف بدیں حکایت منسوب کیا گیا ہے:۔

" نواب ایک روز باغ میں تشریف لائے۔ بیگم باغ کی سیر میں مشغول تھیں۔
بولے چلو بارہ دری میں بیٹھ کر نظارۂ چمن کرینگے۔ بیگم نے کہا حضور تشریف لے چلیں
لونڈی بھی حاضر ہوتی ہے۔ نواب بارہ دری میں جا کر پلنگ پہ لیٹے اور آنکھ لگ گئی۔
جب بیگم آئیں۔ دیکھا۔ نواب سو رہے ہیں۔ پاؤں کی آہٹ سے نواب کی آنکھ کھل گئی
نواب نے بیگم کو دیکھتے ہی یہ مصرع پڑھا ع

آ کر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے

بیگم نے فی الفور جواب میں کہا ع

خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے

لیکن بند گلشن بے خار صاحب مرآت خیالی منشی درگا پرشاد نادر کا بیان ہے کہ "یہ شعر مرزا عظیم بیگ عظیم شاگرد حاتم کا ہے" (ص ۱۱)

ہم اپنے ناظرین کی سہولت کے لئے اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ یہ میرزا عظیم بیگ وہی بزرگ ہیں جنکے سید انشاء اللہ خان انشا سے معرکے رہے ہیں۔ انکا مخمس بہ جواب انشا بہت مشہور ہے۔

منشی کریم الدین نے اپنی تاریخ شعرای اردو میں اس شعر کو مرزا عظیم بیگ ہی کے نام پر درج کیا ہے۔ چنانچہ :-

آ کر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے ۔۔۔ خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے

بالیں پہ میری آکے دم نزع کل عظیم ۔۔۔ رو کر لگا وہ کہنے یہ کیا یار کر چلے

(تذکرہ کریم الدین ص ۲۴۲)

زیب النسا کے بعد عالمگیر کے تین فرزندوں کا ذکر آتا ہے محمد سلطان، معظم اور اعظم ۔ محمد سلطان کا یک سطری تذکرہ [یک سطری اسلئے کہ خیال صاحب کو بھی اسکی "سرپرستی اردو" کا دعویٰ نہیں] ہمارے دائرۂ بحث سے خارج ہے۔ اعظم کے لئے لکھتے ہیں :-

"سانسکرت و بھاشا سے الفت رکھتا اور ہندی شعرا کا سرپرست تھا۔ نواز شاعر نے اسی شہزادے کی فرمائش پر سکنتلا کو فارسی جامہ پہنایا۔ اور بعد کو اسے بھاشا کے روپ میں پیش کیا۔ ست سئے کی سی سنسکرت تصنیف بھی اسی کے حکم سے تدوین پاکر اشاعت اعظم کے نام سے مشہور ہوئی" (ص ۱۴۴)

خط کشیدہ الفاظ کو غور سے دیکھئے اور بتائیے اعظم کا اردو سے کوئی تعلق ظاہر ہوا؟ بہتر ہو کہ خیال صاحب "مغل اور گوالیاری" کے نام سے کوئی کتاب مرتب فرمائیں اسمیں ان ممدوح مغل فرمانرواؤں کے تذکرے وہاں زیادہ موزوں تھا بت

ہونگے :

معظم کے لیئے ارشاد ہوتا ہے ؛۔

" معظم کو خدا نے دو بڑے اتالیق دیئے ایک مرزا عبد القادر بیدل اور دوسرے نواب خان صادق " ص ۳۷

بیدل کو معظم کا اتالیق بتا کر معلوم نہیں خیال صاحب کیا کہنا چاہتے ہیں؟ اگر انکا مقصد یہ ہے کہ چونکہ بیدل کے "دو" اردو شعر مشہور ہیں، اور وہ معظم کا وابستۂ دولت تھا اس لیئے معظم اردو کا سرپرست بنگیا ، تو ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ اس مقصد میں ناکام رہے ہیں۔

اسی سلسلے میں وہ معظم کے متعلق ماثر عالمگیری اور سیر المتاخرین کا قول نقل کرتے ہیں :۔

" .... عربی ایسی بولتا تھا کہ فصحائے عرب پسند کرتے تھے۔ ترکی اور فارسی تو اسکے گھری زبانیں تھیں۔ سانسکرت اور بھاشا کا علم رکھتا اور ہندی کویوں کو بیحد مانتا تھا...... " ص ۳۸

فرمائیے : عربی ، ترکی ، فارسی ، سانسکرت اور بھاشا کے ساتھ کہیں اردو کا ذکر آیا؟ یا اس زبان کا جو اس زمانے میں رائج تھی ؟ اور جس پر ہمیں اردو کا شبہ ہو سکتا ہے؟ خواہ اس عہد میں اسکا نام کچھ ہی کیوں نہ ہو ؟

یہاں یہ کہنا بھی خالی از لطف نہ ہوگا کہ خیال صاحب نے ماثر عالمگیری اور سیر المتاخرین کا جو قول نقل کیا ہے۔ اس سے کسی طرح بھی معظم کی اُردو سے دلچسپی کا اظہار نہیں ہوتا — اور یہ ظاہر ہے کہ ماثر عالمگیری اور سیر المتاخرین کے بیان کے مقابلے میں خیال صاحب کے خیال کی کوئی وقعت نہیں رہتی ع

یہ اگر سچ ہے تو ظالم! اسے کیا کہتے ہیں؟

پھر فرماتے ہیں :-

"معظم کا علمی دربار مشہور ہے - خافی خاں (مشہور مورخ) کا ساخموش صاحب قلم اگر حضوری میں ہے تو نعمت خان عالی کا سا مبلی ہزار داستاں بھی صحبت میں چہک رہا اور میر جعفر (زٹلی) کے سے زبان آور کا طوطی بھی بول رہا ہے - دیکھا شاعر اگر اپنا فارسی ' ہندی کلام سناتا تو عالم برہمن کوی بھی اپنی عالم کیلی (تصنیف) کھول کر رادھا ' کرشنا کی داستان لے بیٹھتا ہے - رسک پریا (ہندی تالیف) پڑھی جاتی اور خوش مذاق بادشاہ مزے لیتا اور اسکی شرح لکھنے کا حکم دیتا ہے" (ص ۲۹)

کیا اس بیان سے کسی طرح بھی (ثابت ہونا درکنار) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معظم کو اردو سے کچھ تعلق تھا ؟ اور یہ کہ اسنے اردو زبان کی کوئی خدمت انجام دی ؟ میر جعفر (زٹلی) کی اردو دانی مسلم ! لیکن اس کی زٹلیات کو معظم کی " اردو شناسی " سے کیا تعلق ؟ بالخصوص اس حالت میں جبکہ زٹلی کا معظم سے وابستہ ہونا کسی تذکرہ و تاریخ سے ثابت نہیں ! . . . . . زٹلی نے معظم کی ہجو ضرور لکھی ہے - لیکن یہ ہجو معظم کی سرپرستی اردو کی دلیل نہیں !

ان تمام " سخنہائے گفتنی " کے بعد بھی ' خیال صاحب یہ دعوی کرتے ہیں .

" افسوس ہے کہ معظم کی حیات نے وفا نہ کی - مگر اپنی چندسالہ حکومت میں علم و ادب کی شان اور پھر اردو کا نشان جس طرح اسنے بلند کردیا وہ قابل تعریف ہے" ص ۲۹

اردو کا نشان بلند کرنا اسی کو کہتے ہیں تو ع

بیا کہ ما سپر انداختیم اگر جنگ است !

اب اسکا ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ نعمت خاں عالی اور خافی خاں کی فارسی ،

وانی ' اور عالم کوی کی عالم کیلی اور رسکت پریا کی بھاشا اردو زبان سے کیا تعلق رکھتی ہے ؟ .... پھر اُردو کا نشان کسطرح بلند ہوا اور کس نے بلند کیا ؟ ع

این سخن را چہ جواب است تو ہم میدانی !

اب فرخ سیر کا زمانہ آتا ہے — ہمدردانِ اردو کو توقع ہوگی [اور توقع ہونی چاہیئے] کہ اگر اسکے آبا و اجداد نے اردو کے لئے کچھ نہیں کیا تو انکے "نعم البدل" کے طور پر وہ ضرور اُردو کی کوئی نہ کوئی خدمت انجام دیگا — لیکن آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہیگی جب آپ دیکھیں گے کہ ع بحرِ ہزج میں ڈال کے بحر رمل چلے !

کے مصداق ' خیال صاحب نے فرخ سیر کے تذکرے کو بیدل اور جعفر زٹلی کے اذکار پر ختم کر دیا ہے — جنکا اسکی اردو کی سرپرستی سے کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوتا ۔

محمد شاہ کا تذکرہ خیال صاحب نے طب اور نجوم کی ترقی اور ہندی کے شعرا کی قدرشناسی کے حالات پر ختم کر دیا ہے ۔ اس دفتر پریشاں میں اگر کوئی مناسب موقع بات ہے تو وہ محمد شاہ کا ایک اردو شعر ہے ؎

" پیری میں نہ کس طرح کروں سیر جہاں کی
دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشہ گذری کا " مں'

پورے اٹھارہ صفحات میں صرف یہ ایک شعر ہے جو محمد شاہ کا اردو سے کسی قسم کا تعلق ظاہر کرتا ہے ۔ ناظرین اسے اردو پر محمد شاہ کا احسان سمجھ لیں ۔ یا اس عہد کے لسانی رجحان کا اثر اور عوام کے ذوقِ اُردو کی 'صدائے بازگشت ' کہہ لیں ۔

" احمد شاہ اور اردوے معلّٰے " کا دلچسپ عنوان دیکھ کر ناظر کو توقع ہوتی ہے ۔ کہ غالباً یہاں ناکامی نہ ہوگی اور احمد شاہ نے اردو زبان و ادب پر احسان نہیں تو کم از کم اس سے تعلق ضرور پیدا کیا ہوگا ! لیکن پورے ۱۲ صفحات پڑھ جانے پر بھی " احمد شاہ اور

"اُردوے معلٰے" کی وابستگی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ میر ضاحک کا شہر آشوب، نواب اکرام اللہ خاں ودود، فدوی لاہوری اور اشرف علیخاں فغاں کا ذکر اور نمونۂ کلام ضرور دیا ہے۔ لیکن کسی پادشاہ کے ہمعصر و ہم عہد شعراء کا اُردو کلام اُس پادشاہ کا "اُردوے معلٰے" سے کوئی تعلق ظاہر نہیں کرتا ✦

(۲)

"مغل اور اردو" کا ایک اور نقطۂ نظر سے بھی مطالعہ کرنا ضروری ہے جس حد تک، اس دلچسپ کتاب کے بیانات کے مآخذ کا تعلق ہے۔ مؤلف نے حوالہ دینے سے افسوسناک بے پروائی برتی ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر دو چار حوالے دئے بھی گئے ہیں۔ تو انہیں بیانات کے سلسلے میں جو ہر لحاظ سے نا قابل تسلیم اور غیر معتبر ہیں، مثلاً "نور جہاں کا اردو کلام" بحوالہ تذکرہ جلوۂ خضر، مؤلفۂ صفیر بلگرامی۔ "زیب النسا کا اردو کلام" بحوالہ تاسی و صفیر بلگرامی، اور اکبر کا جہانگیر کی عرضی پر ایک اردو رباعی دستخط کرنا، بحوالہ صفیر بلگرامی ✦

حوالوں سے، اس بے نیازی اور بے پروائی نے مغل اور اُردو کی علمی حیثیت اور اسکی وقعت کو مجروح کردیا ہے۔ اس قسم کی کتابوں میں مآخذ کے حوالے ایک ضروری اور اہم عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں اور علمی و تاریخی کام کرنے والوں کو اس ضروری عنصر سے غفلت نہیں برتنا چاہیئے ✦

"مغل اور اردو" کا ایک سرسری مطالعہ بتاتا ہے۔ کہ اس کے اجزائے تعمیر میں متعدد تاریخوں، تذکروں، اور لسانی تالیفات کے بیانات کا خمیر صرف ہوا ہے۔ تمام "سرمایہ ماخوذ" پر نظر ڈالنا وقت اور فرصت کا طلبگار ہے اسلئے ہم یہاں محض ان بیانات سے بحث کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو صرف ایک کتاب "پنجاب میں اُردو" سے تعلق رکھتے ہیں ✦

"مغل اور اردو" کے مطالعہ کے ساتھ جب ہم ایک نظر "پنجاب میں اُردو" پر ڈالتے ہیں تو شک پیدا ہوتا ہے کہ "پنجاب میں اردو" کے بعض بیانات صاحب "مغل اور اردو" کے ضرور پیش نظر ہیں۔ گو ان کا حوالہ نہیں دیا گیا ع

اینک بشہادت طلبم لوح و قلم را

خیال صاحب نے "اردو اپنے گھر میں" کے عنوان سے جو باب لکھا ہے اس میں "پنجاب کی ایک مخلوط زبان" "شمالی ہند کی ایک نئی زبان"۔ "دِلّی کا پنجاب کی ایک نوآباد چھاؤنی بننا" ـــــ ایسے بیانات ہیں، جن سے "پنجاب میں اردو" کا پرتو صاف طور پر نمایاں ہے۔ "پنجاب میں اردو" پہلی تالیف ہے جس نے ان معاملات سے تفصیلی بحث کی ہے اور اس لحاظ سے کم از کم اس بارۂ خاص میں اُس کا حوالہ نہ دینا حیرت انگیز ہے۔

میر جعفر زٹلی کے تذکرے میں اُس کے یہ اشعار جو اس نے محمد معظم کی ہجو میں کہے ہیں ؎

نختیں کلاں تر کہ بر کمنڈ کرد	ہمہ کاروبار پدر بھنڈ کرد
چناں لوٹ شد بستی بھگ نگر	نہ خدما صفا ماند، نہ ما کدر
جہاں ہووے ایسا کپھن کپوت	لگے خلق کے منہ کو کالک بھبھوت" ص۷۰"

اور یہ اشعار جو محمد اعظم شاہ کی ہجو میں ہیں ؎

دگر شاہ اعظم ہمہ کنند در	برسوائی انداخت کار پدر
بہ خوشدامن و خسپورہ ساختہ	بہ للو پتو کار در باختہ ص۷۱

بجنسہٖ "پنجاب میں اردو" میں درج ہیں۔

اسی طرح اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کی یاد میں میر جعفر زٹلی نے جو اشعار لکھے ہیں ؎

کہاں اب پایئے ایسا شہنشاہ ۔۔۔ مکمل اکمل و کامل دل آگاہ
رکت کے انجھواں دل رووتا ہے ۔۔۔ نہ میٹھی نیند کوئی سووتا ہے
دووو ہر طرف بھاگڑا پڑی ہے ۔۔۔ بچہ وہ گور سر کھٹیا دھری ہے
اُزاں سو اعظم و زیں سو معظم ۔۔۔ زمیں کے واسطے لڑتے ہیں باہم
بیا جعفر زباں کو مختصر کر ۔۔۔ زدور مختلف دل میں حذر کر" (ص ۲۰۰، ۲۰۱)

چار شعروں کے اضافے کے ساتھ یہ اشعار "پنجاب میں اردو" میں بھی دیکھے جاتے ہیں۔ ایک فرق ضرور ہے کہ دو مصرعوں میں تبدیلی نظر آتی ہے۔ "مغل اور اردو" کا مصرعہ

رکت کے آنجھواں دل رووتا ہے

"پنجاب میں اُردو" میں اس صورت میں ملتا ہے ع

رکت کے آنسوؤں جگ رووتا ہے

اور ع

زمیں کے واسطے لڑتے ہیں باہم

کی جگہ "پنجاب میں اردو" میں ہے ع

جھڑا جھڑو دھڑا دھڑ ہے دوپایم

معلوم نہیں یہ تبدیلی، خیالؔ صاحب نے کی ہے یا یہ اشعار اُنہوں نے کسی اور جگہ سے نقل کئے ہیں۔ بہرحال حوالہ ضرور دینا چاہئے تھا۔

علاوہ بریں میرؔ کا "شہر آشوب" ؎

گیا اخلاص عالم سے عجب یہ دور آیا ہے ۔۔۔ ڈرے سب خلق ظالم سے عجب یہ دور آیا ہے
نہ یاروں میں رہی یاری نہ بھائیوں میں وفاداری ۔۔۔ محبت اُٹھ گئی ساری عجب یہ دور آیا ہے
نہ بولے راستی کوئی، عمر سب جھوٹ میں کھوئی ۔۔۔ اتاری شرم کی لوئی عجب یہ دور آیا ہے
خوشامد سب کو ہیں زر کی، اچھ بیگانہ چہ ان گھر کی ۔۔۔ بھلا دی بات سب ہر کی عجب یہ دور آیا ہے
(ص ۱۳۶)

دونوں کتابوں میں مشترک ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ "مغل اور اُردو" میں مندرجۂ ذیل شعر نقل نہیں کیا گیا ؎

نفر کی جب طلب ہووے نفر باہر کھڑا رووے | میاں گھر میں پڑا سووے عجب یہ دور آیا ہے

فرخ سیر کا سکہ ؎

"سکہ زد از فضل حق بر سیم و زر | بادشاہ بحر و بر فرخ سیر"

اور اس پر میر جعفر کی چوٹ ؎

"سکہ زد بر گندم و موٹھ و مٹر | بادشاہ پشہ کش فرخ سیر" ص ۵۴

بھی بظاہر "پنجاب میں اردو" سے منقول ہے۔

"پنجاب میں اردو" میں زٹل کا "اردو الفاظ کو عربی بندش دینا"۔ "مغل اور اردو" میں "اردو الفاظ کو عربی ترکیب دینا" بن جاتا ہے اور جعفر کی نثر۔ "چوں گھڑگھڑاہٹ الرعد فی الغمام و کڑکڑاہٹ البرق فی البھرام بر سر ست ...... الخ" کا اندراج دونوں کتابوں میں مشترک نظر آتا ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ "پنجاب میں اردو" سے خیال صاحب نے استفادہ کیا ہے۔ لیکن حوالہ نہیں دیا جعفر کی چھ مختلف چیزیں خیال صاحب "مغل اور اردو" میں درج کرتے ہیں اور یہ چھٹوں چیزیں "پنجاب میں اردو" میں موجود ہیں۔ کیا وجہ ہے۔ کہ ان چھ چیزوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں جسے خیال صاحب "مغل اور اُردو" میں نقل کرنا ضروری نہ سمجھیں!

"مغل اور اردو" میں اٹل نارنولی کا کلام بھی درج کیا گیا ہے ؎

"رخسار پہ بہار ہے جن رونق چمن | یا گل گلاب کا کہوں یا لالہ یاسمن
یا حقۂ جواہر و یا درج در کہوں | یا غنچۂ گلاب کہوں یا کہوں دہن
گیسوئے تابدار ہیں یا ناگ ہے بھونگ | یا زلف مشک رنگ ہے یا نافۂ ختن

بانو خوش خرام چلے جب لٹک لٹک　　　شمشاد او صنوبر غم کھاویں در چمن

. . . .

بر توسن کرشمہ سوار است نازنین　　　بید اثل زیادہ دیدار او گمن" ص۴۲

خیال صاحب نے دو شعر خارج کر دئے ہیں۔ اور یہ نظم بھی "پنجاب میں اردو" سے نقل کی ہے۔

"پنجاب میں اردو" میں ان اشعار کے نیچے حسب ذیل حوالہ ملتا ہے :-

"از بیاض پرتاپ سنگھ ساکن موضع آور عملہ پرگنہ راہون۔ دوآبہ بست جالندھر بست و نہم شہر جمادی الاول ۱۱۴۵ھ جلوس والاے محمد شاہ بادشاہ غازی" (پنجاب میں اردو ص۱۲۲)

لیکن خیال صاحب نہ اس بیاض کا حوالہ دیتے ہیں! نہ "پنجاب میں اردو" کا اور نہ کسی دوسرے تذکرے یا کتاب کا ع

ساقی یہ تری کم نگہی یاد رہے گی!

محمد شاہ کے تذکرے میں ارشاد ہوتا ہے :-

"اردو کے اکثر لفظوں کو نادری واقعات سے نسبت ہے اور وہ ہمارا محاورہ ہو کر ایک مزیدار تاریخ بن گئے ہیں۔ نادری، نادر شاہی نادری حکم، اور نادر گردی اور پھر غمزۂ نادر جیسے سے

قتل عام است در جہاں آباد　　　آخر این غمزۂ تو نادر نیست"! ص۶۹

یہ شعر بھی "پنجاب میں اردو" سے ماخوذ ہے۔ جہاں دل محمد دلشاد پسروری کے نام سے درج ہے۔ لیکن "مغل اور اردو" میں نہ "پنجاب میں اردو" کا حوالہ نظر آتا ہے۔ نہ غریب شاعر کا نام درج کیا جاتا ہے ــــــ درحالیکہ یہ شاعر پہلی مرتبہ "پنجاب میں اردو" اور صرف "پنجاب میں اردو" کے ذریعہ سے روشناس ہوتا ہے۔

فدوی لاہوری کے ذکر میں خیالؔ صاحب نے اُس کے تین شعر درج کئے ہیں ؎

نہ پوچھو رنگ حسندی کا کفِ قاتل پہ اے یارو کسی کے خون میں اسکے ہاتھ کو تلوار لے ڈوبی "

خیالؔ صاحب نے اس شعر کے ساتھ جلی قلم سے "مطلع" لکھ دیا ہے۔ ہم خیال صاحب کو اصطلاحات شعر سے اتنا نابلد نہیں سمجھتے کہ ان کو مطلع اور مقطع وغیرہ کا فرق نہ معلوم ہو۔ غالباً یہ "مطلع" حضرت کاتب کے "مطلع" فکر سے طلوع ہوا ہے۔

دوسری غزل کے دو شعر یہ ہیں ؎

"آنسو نہیں ہیں دیدۂ تر میں بھرے ہوئے موتی ہیں آبدار صدف میں بھرے ہوئے

فدوی ہمارے دیدۂ گریاں کے فیض سے اشجار کوہ و دشت کے یکسر ہرے ہوئے" الخ

مطلع میں دونوں مصرعوں کا قافیہ "مشترک" ہے۔ درحالیکہ یہ ناجائز ہے۔ حقیقتاً دوسرے مصرعے میں "دھرے" ہوئے چاہیئے۔ چنانچہ "پنجاب میں اردو" میں اسی طرح درج ہے۔ بہرحال فدوی کے یہ تینوں شعر پنجاب میں اردو سے لئے گئے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو یقیناً خیال صاحب کسی تیسری زمین میں بھی اس کا کوئی نہ کوئی شعر ضرور ارقام فرماتے ۔

[۱]

خزائنِ مخطوطات

پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور

(ریاضی، ہیئت، رمل، جفر، اسرار الحروف)

حساب

۱ - **رسالہ قوشجی** - [اوراق ۱۴۲ : مسطور ۱۷ - نستعلیق - کرم خوردہ - تقطیع ½۷×۵ : ۵×۳]

بہت سے رسائل کا مجموعہ :-

ا - اوراق ۱ تا ۲۸ - خلاصۃ الحساب بہاء الدین عاملی (المتوفی سنہ ۱۰۳۰ھ)

تاریخ کتابت ۲۷ ربیع الاول سنہ ۱۲۳۸ھ

ب - اوراق ۲۸ تا ۶۲ مولانا علاء الدین علی قوشجی (المتوفی سنہ ۸۷۹ھ) کا رسالہ حساب

مشتمل بریک مقدمہ و سہ مقالہ

[دیکھو انڈیا آفس لائبریری - عدد ۲۲۴ وغیرہ]

سنہ کتابت - ۲۷ - ربیع الثانی سنہ ۱۲۳۰ھ

ج - اوراق ۶۳ تا ۱۴۳ - خلاصۃ السیاق - دفتری حساب کتابت کے قواعد پر مشتمل

(سنہ ۱۱۱۵ھ)

آغاز : نظام آرائے دفاتر کون و مکان و ضوابط پیرای جراید زمین و زمان الخ

سنہ کتابت سنہ ۱۲۳۶ھ

د - اوراق ۱۴۳ تا ۱۴۲ (۱) فالنامہ علی (۲) رسالہ خوشخطی مولانا مجنون الکاتب

(۳) اصطلاحات ملا زادہ پیازہ (۴) چہل کاف

کاتب - امام بخش المعروف بہ دسوہندی

۲ - **شرح خلاصۃ الحساب** [اوراق ۲۴۱ سطور ۱۱ - نستعلیق - تقطیع ½۸×½۵ : ۶×۳]

بہاء الدین عاملی کے رسالہ حساب کا فارسی ترجمہ - از مولوی روشن علی (المتوفی ۱۲۲۵ھ)

آغاز : تحمدک یا من محیط بجمع عددہ ' سپاس میکنیم ترا برای اینکہ الخ

دیکھو بوہار لائبریری - ج ۱ - ص ۱۷۶

سنہ کتابت ۱۲۶۷ھ

۳ - **مجمع الحساب** [اوراق ۱۷۸ - سطور ۱۶ - نستعلیق و شکستہ - تقطیع ۸×½۵ : ۶×½۳]

گھاسی رام دہلوی کا رسالہ در علم ریاضی (۱۲۰۲ھ) مشتمل بر نہ ابواب

کاتب - گوری شنکر عرف کول - سنہ کتابت ۱۶ - محرم ۱۲۶۶ھ

۴ - **تحریر الصدر** [اوراق ۱۴ - سطور ۱۲ - نستعلیق - تقطیع ½۸×۵ : ½۶×½۲]

صدر الدین محمد بن زبردست خاں کا رسالہ در حساب - یہ شیخ بہائی کے خلاصۃ الحساب کا ترجمہ ہے '

کاتب و سنہ کتابت ندارد

۵ - **مجمع الفوائد** [اوراق ۱۱۹ - سطور ۱۳ - شکستہ آمیز - تقطیع ۱۱×۶ : ½۷×½۴]

رسالہ در حساب و سیاق - مصنفہ جان محمد بن محمود خاں - جسنے رنجیت سنگھ کے زمانے میں اسکو لکھا - پانچ فصلیں ہیں -

آغاز : حمد بیحد و ثنا ے بے عد بدرگاہ سلطان فرمانروا ے حقیقی و فرمان فرمای تحقیقی الخ

کاتب - سید محمد شاہ - سنہ کتابت ۵ - رجب ۱۲۷۰ھ

۶ - **حساب نامہ** [اوراق ۱۲ - سطور ۱۵ - شکستہ آمیز - کرم خوردہ تقطیع ½۸×۵ :]

اصول حساب مصنفہ انندکا بن ہیم راج کایتھ گوالیاری مشتمل بر ہفت باب '

اس نسخے میں صرف چار ابواب ہیں -

آغاز : ۔۔۔۔۔ ہمہ ہنر بہ علم بی مثال باش تہہ گویند کہ مسکین الخ

کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۷ - **ہیئت سیاق** [اوراق ۶۴ - سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۹½ × ۵½]

خلیفہ غلام رسول کا رسالہ در سیاق

کاتب - دین محمد

سنہ کتابت - ۲۴ - ربیع الثانی ۱۲۶۸ھ

۸ - **رسالہ جبر و مقابلہ** [دیکھو بوہار لائبریری - ج ۱ - ص ۱۷۶]

[اوراق ۱۰ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۹½ × ۶ : ۶½ × ۴]

الجبرا کے ابتدائی قوانین - مصنفہ محمد نجم الدین خاں

کاتب - دلدار حسین - سنہ کتابت - بنارس ۱۵ - شوال ۱۲۵۶ھ

۹ - **رسالہ در علم ہندسہ** [اوراق ۶۲ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ۸½ × ۵½ : ۵½ × ۴½]

جیومیٹری کا یہ رسالہ ایک مقدمہ اور دو مقالات پر مشتمل ہے -

نجوم و ہیئت

۱۰ - **کفایۃ التعلیم** [اوراق ۱۴۸ - سطور ۱۹ - نستعلیق - تقطیع ۱۰ × ۷]

یہ کتاب علم نجوم و ہیئت میں ہے - جس کے مصنف ابوالمحامد محمد بن مسعود بن محمد زکی العزیزی الغزنوی (۵۴۲ھ) ہیں - کتاب بہت سی فصلوں، مقالوں اور قسموں میں منقسم ہے،

[دیکھو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال - کرزن کالیکشن - ایوناف - عدد ۵۶۶]

پورا نام "کفایۃ التعلیم فی صنعۃ التنجیم" ہے -

کاتب - یوہاہل منجم لاہوری سنہ کتابت ۲۷ ذوالحجہ ۱۲۵۳ھ

۱۱ - بست باب [اوراق ۴۴ - سطور ۱۵ - شکستہ - تقطیع ۷ × ۴½ : ۴½ × ۳]

ا - اوراق ۱ - ۲۱ - تیس باب پر مشتمل ایک رسالہ

آغاز: الحمد للہ رب العالمین . . . . این کتابیست در معرفت کرہ ہر کہ برین عمل واقف شود الخ

ب - اوراق ۲۲ - ۴۴ - بست باب

اصطرلاب کے متعلق نصیر الدین طوسی (المتوفی ۶۷۲ھ) کا ایک رسالہ بیس ابواب میں

کاتب - ندارد سنہ کتابت ۲۴ شوال ۱۱۲۳ھ (۲)

۱۲ - رسالہ اُصطرلاب [اوراق ۱۰۶ - سطور ۱۸ - نسخ - تقطیع ۸ × ۵ : ۶ × ۳]

اس مجموعہ میں تین رسائل ہیں :-

ا - اصطرلاب (اوراق ۱ - ۱۹) - نصیر الدین طوسی

ب - شرح اشکال الکریہ (اوراق ۲۰ - ۹۵) - یہ کتاب یونانی سے عربی میں ترجمہ کی گئی ہے - مترجم کا نام معلوم نہیں -

آغاز : اقول بعد حمد اللہ والثناء علیہ . . . انی کنت ارید الخ

ج - قمر و منازل قمر کے متعلق ایک رسالہ (۹۵ - ۱۰۶) (عربی)

آغاز : سبعۃ عشر شکلا صدر الکتاب نضع ان القمر تقبل الضوء من الشمس الخ

کاتب - سید رسول شاہ - سنہ کتابت ۱۲۷۱ھ

۱۳ - رسالہ در ہیئت [دیکھو ریو - ج ۲ - ص ۴۵۸]

[اوراق ۶۷ : سطور ۱۲ تا ۱۵ - نیم شکستہ - تقطیع ۹ × ۷ : ۷ × ۴]

ملا علی قوشچی کا رسالہ ہیئت میں -

کاتبان - قاضی محمد یوسف و محمد حنیف ابنان قاضی قطب الدین گوجرانوالہ مقام کوٹ

سنہ کتابت - ۱۹ - ذوالحجہ ۱۲۹۲ھ

۱۴ - زیج اُلغ بیگ - ریو - ج ۲ - ۴۵۵

[اوراق ۲۰۰ - سطور ۲۵ - نستعلیق - تقطیع ½۱۱ × ½۷]

الغ بیگ مرزا (المتوفی ۸۵۳ھ) کی مشہور و معروف زیج ۔ جو قاضی زادہ رومی کی معاونت سے تیار ہوئی (۸۴۱ھ)

ورق ۱۸۷ سے ایک اور رسالہ شروع ہوتا ہے ۔ جسکا آغاز یہ ہے :

در بیان خواص ساعات کہ در تحویل نوروز بکار آید الخ

کاتب و سنہ کتابت ندارد

۱۵ - زائچہ نامہ [اوراق ۲۰ - سطور ۱۹ - نستعلیق - تقطیع ½۱۱ × ½۷ - ½۸ × ۵]

زیج مندرجہ بالا کا ایک اور نسخہ

۱۶ - خازن اسرار [اوراق ۱۹۵ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ½۱۱ × ½۶]

یہ کتاب ہیئت ، اخلاق ، علم تعبیر ، حساب وغیرہ کے متعلق ہے ۔ جو راجہ ٹوڈرمل اکبری کی طرف منسوب ہے ، (المتوفی ۹۹۸ھ) ۔ سنہ تصنیف ۱۰۰۵ھ ہے ۔ اور اکبر کے نام معنون کی گئی ہے ۔ تقسیم ابواب منازل کے نام سے ہے ۔ کتاب کی عبارت خاصی شستہ اور صاف ہے ۔ اگرچہ یہ بات مسلم ہے کہ دیوان ٹوڈرمل فارسی زبان سے واقفیت رکھتے تھے ۔ تاہم قیاس یہ کہتا ہے ۔ کہ اسقدر شستہ فارسی لکھنے پر قدرت نہ رکھتے ہونگے ۔ یہ غالباً ٹوڈر انند نام ایک کتاب کا ترجمہ ہے ۔ جس کا ہندی نسخہ بیکانیر لائبریری میں ہے ۔ مزید براں یہ کہ ٹوڈرمل ۹۹۸ھ میں وفات پا چکے تھے ۔ کتاب اسکے چھ سات سال بعد تصنیف ہوئی ہے ۔

کاتب و سنہ کتابت ندارد

اوراق ۱۹۱ تا ۱۹۵ پر علم قیافہ کا ایک اور رسالہ ہے

۱۷ - **جوامع احکام النجوم** [اوراق ۲۶۱ - سطور ۱۵ - نیم شکستہ - تقطیع ½۸ × ½۵ : ½۶ × ۳]

امام ابو الحسن بن ابی القاسم البیہقی کی کتاب علم نجوم میں

کاتب - سیام سنگھ   سنہ کتابت ندارد

۱۸ - **شرح تشریح الافلاک** [اوراق ۱۲۵ - سطور ۱۷ - شکستہ آمیز - تقطیع ½۹ × ½۵ : ۷ × ۴]

بہاؤ الدین عاملی کی کتاب تشریح الافلاک کی شرح مصنفہ عصمت اللہ بن اعظم بن عبدالرسول سہارنپوری

تاریخ کتابت - ۲۲ رمضان المبارک ۱۰۸۰ھ - یہ خود نوشت نسخہ معلوم ہوتا ہے

۱۹ - **مجموعہ** [اوراق ۱۶۰ - سطور ۲۱ - نستعلیق - تقطیع ½۹ × ۶ : ½۷ × ½۳]

ا - رسالہ معینیہ - عبدالرحیم ابی المنصور کے نام معنون کیا گیا ہے - چار مقالے ہیں ہر مقالہ کے کئی ابواب ہیں

ب - زیج تسہیلی شاہ جہانی ملا فرید دہلوی سے ایک اقتباس (ریو - ج ۲ - ص ۴۵۹)

ج - ایک اور رسالہ مصنفہ ابو الفتح بن ابی النصر السعیدی جنہوں نے اسکو امیر جلال الدین بایزید کے نام معنون کیا - ایک مقدمہ - چھ طبقات اور ایک خاتمہ ہے -

د - شرح رسالہ ملا قوشجی - مصنفہ محمد مصلح الدین لاری - ہمایوں کے نام معنون کیا گیا (۹۳۷ھ - ۹۶۳ھ)

کاتب - پنڈت گوری شنکر عرف کول   سنہ کتابت ۱۲۷۹ھ

۲۰ - **مجموعہ رسائل** [اوراق ۱۱۸ - سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۱۱ × ½۶ × ½۸ × ½۴]

ا - مفتاح النجوم (اوراق ۱ تا ۱۴) یہ رسالہ "جاتکابھرن" کا ترجمہ ہے - جس کے نو ابواب ہیں -

آغاز : بعد از حمد و سپاس شیرازہ بند شمس و قمر الخ

سنہ کتابت ۲۱ - جمادی الثانی ۱۲۴۷ھ

ب ۔ زائچہ نامہ (اوراق ۴۱ - ۷۸) ۔ مصنفہ کرپارام کھتری سیالکوٹی ۔ ۲۹ ابواب
سنہ کتابت ۱۲ ۔ ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ

ج ۔ خرونامہ (اوراق ۸۰ - ۹۵)

آغاز: " از کتاب خرونامہ کہ تاریخ بادشاہان یونان است، اسامی بعض حکماء متقدم وشمۂ سخنان حکمت آمیز" الخ

د ۔ فارسی زبان کا مختصر سا حال (اوراق ۹۵، ۹۶)

ر ۔ تحفۃ المجربات کے اقتباسات (اوراق ۹۷ - ۱۱۳) سنہ کتابت ۲ رجب ۱۲۴۷ھ،

س ۔ فرہنگ ادویہ (اوراق ۱۱۴، ۱۱۵)

ش ۔ بعض مسائل ہیئت (اوراق - ۱۱۸)

کاتب (ا - س) ۔ درگا پرشاد پنڈت کول

۲۱ ۔ **رسالہ ہیئت** [اوراق ۲۰ ۔ سطور ۲۳ ۔ نستعلیق ۔ تقطیع ½۸ × ½۴ : ۶ × ۳]

مصنف کا نام معلوم نہیں ۔ ایک مقدمہ اور تین ابواب پر مشتمل ہے ۔

آغاز: شکر و سپاس و حمد بے قیاس مر صانعی را کہ نقاش الخ

سنہ کتابت ۱۲۰۵ھ

۲۲ ۔ **دلپسند** [اوراق ۱۳۰ ۔ سطور ۱۱ ۔ شکستہ آمیز ۔ تقطیع ½۸ × ½۴ : ۶ : ۳]

پنڈت راج نیمدھر کا رسالہ نجوم میں (۱۲۰۳ھ) ۔ جو نواب امیر الدولہ ٹونک کے نام پر معنون کیا گیا ۔

اس کے ساتھ ہی دو رسالے اور بھی ہیں :-

۱ ۔ رسالہ جوتش منشی بنسی رام

۲ ۔ قواعد برکھ پھل

کاتب - سانگ رام سنہ کتابت ۲۹ ربیع الاول ۱۲۲۹ھ

۲۳ - نجم الصدر [اوراق ۲۵ - نستعلیق - تقطیع ½۹ × ½۵ : ۶ × ۳]

صدرالدین محمد زبردست خاں کا رسالہ نجوم میں

سنہ کتابت ۲۰ - ربیع الثانی ۱۱۳۵ھ - غالباً خود نوشت ہے ،

۲۴ - تقویم [اوراق ۱۵ - سطور ۱۹ - تقطیع ۱۲ × ۷ : ۱۰ × ½۶]

ابوالمظفر بہادر شاہ کے ہفتم سال جلوس کی تقویم (۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء) مرتبہ بسم اللہ بیگ بن مرزا زین العابدین بن مرزا محمد علی - سنین ، الٰہی سال کے مطابق مرتب کئے گئے ہیں -

۲۴ ا - اسی طرح کی ایک اور تقویم بھی ہے [اوراق ۲۷ - تقطیع ۱۲ × ۷ : ۹ × ۵]

رمل ، جفر و اسرار الحروف

۲۵ - ا - زبدۃ الرمل [اوراق ۱۶۸ ، سطور ۱۹ - نستعلیق - تقطیع ۸ × ½۴ : ۷ × ½۳]

تصنیف معین النظام (۱۰۰۶ھ)

ب - انوار الرمل [اوراق ۳۹ - ۱۶۸] - تصنیف عبدالغنی شروانی [دیکھو انڈیا آفس عدد ۲۲۹۷]

کاتب - غلام محمد بن حکیم محمد اسحٰق سنہ کتابت - ۷ - جمادی الثانی ۱۱۸۹ھ

۲۶ - فرہنگ کتاب النور [اوراق ۶۰ - سطور ۳۰ - شکستہ - تقطیع ½۱۲ × ۸ : ۱۲ × ½۶]

یہ رسالہ جہانگیر کے عہد میں لکھا گیا - مصنف کا نام معلوم نہیں

کاتب - بیجناتھ سہگل سنہ کتابت ۱۱ جون ۱۸۶۶ء

۲۷ - انتخاب دل [اوراق ۸۵ - سطور ۲۲ - کالم ۲ - نستعلیق - تقطیع ½۱۱ × ۸ : ۹ × ۶]

دل صاحب کا رسالہ در علم رمل ،

کاتب - غلام رسول　　سنہ کتابت ۱۱۷۶ھ

۲۸ - **مجموعہ رسائل جفر** [اوراق ۱۳۹ - سطور ۱۷ - نستعلیق و نسخ - تقطیع ۹½ × ۶ : ۸ × ۴½]

۱ - [اوراق ۱ - ۵] رسالہ تصنیف محمد منور بن علاء الدین (عہد عالمگیری)

۲ - [اوراق ۵ - ۱۲] رسالہ اسرار الحروف حضرت علی رض

۳ - [اوراق ۱۲ - ۱۸] تصنیف عبداللہ بن مسعود

۴ - [اوراق ۱۸ - ۲۷] تصنیف محمد منور

۵ - [اوراق ۲۷ - ۲۸] " " "

۶ - [اوراق ۲۸ - ۳۳] تصنیف محمد معین بن محمد منور

۷ - [ق ۳۳ - ۹۶] اسرار الجفر - تصنیف محمد معین بن محمد منور

۸ - [ق ۹۷ - ۹۹] تصنیف محمد معین بن محمد منور

۹ - [ق ۱۰۱ب - ۱۰۷] تصنیف سید علی بن القوام (عربی)

۱۰ - [ق ۱۰۹ - ۱۳۹] منتخب الاستخراج تصنیف محمد منور

۲۹ - **کامل التعبیر** - دیکھو انڈیا آفس - عدد ۲۲۷۶

[اوراق ۲۵۲ : سطور ۲۱ - شکستہ - تقلیع ½۱۰ × ½۵ : ½۷ × ۴]

یہ کتاب تعبیر خواب میں ہے - مصنف کا نام ابو الفضل حسین بن ابراہیم بن محمد التفلیسی ہے - جنہوں نے اسے عز الدین بن مسعود (۵۸۸ تا ۵۶۹) کے نام معنون کیا -

سنہ کتابت ۲۹ - رجب ۱۲۴۳ھ

اس کا ایک اور نسخہ بھی ہے -

۳۰ - **مفاتیح المغالیق** [اوراق ۱۵۰ - سطور ۲۱ - نستعلیق - تقطیع ½۱۲ × ۹ : ½۹ × ½۶]

ابو محمد محمود دہدار کی کتاب (۹۷۶ھ) اسرار الحروف میں

سنہ کتابت ۲۰ - شعبان ۱۱۸۵ھ

اس کا ایک اور نسخہ بھی ہے -

۳۱ - **تشریح الحروف** [اوراق ۴۸ - سطور ۲۲ - نستعلیق - تقطیع ۱۱½ × ۶ : ۶½ × ۴½]
علم اسرار الحروف میں تصنیف میر حسین دوست سنبھلی مصنف تذکرہ مشہور
سنہ کتابت - ۱۸۹۷ سموت

۳۲ - **ہدایۃ الصدر** [اوراق ۱۲ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۹½ × ۵ : ۶ × ۳]
صدر الدین محمد بن زبردست خاں کا رسالہ علم قیافہ میں -
سنہ کتابت - ۱۱۳۲ھ
اس کا ایک اور نسخہ بھی ہے -

۳۳ - **فالنامہ** [اوراق ۱۳۳ - سطور ۱۲ - شکستہ - تقطیع ۹½ × ۴ : ۷½ × ۳]
عہد جہانگیری کے کسی مصنف کی کتاب علم رمل و تعبیر میں -
کاتب - اننت رام
سنہ کتابت - حصار ۱۴ - جمادی الثانی سنہ ۱۱۵ھ

سید محمد عبد اللہ
پنجاب یونیورسٹی

سفینۃ الاولیا کے ایک نایاب نُسخہ

کا حال

جو بخطِ مصنّف (یعنی محمد دارا شکوہ بن شاہجہان بادشاہ) ہے

نیز مصنّف کے خود نوشتہ حالات

ہمارے فاضل دوست دیوان آنند کمار صاحب پنجاب یونیورسٹی میں حیوانیات کے ریڈر ہیں۔ انکے خاندانی کتاب خانہ میں یہ نفیس نسخہ موجود ہے' کاتب الحروف کو موصوف کی عنایت سے اس نسخہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ذیل کی سطور اسی نسخہ کے متعلق ہیں:

اوراق ۲۲۴ تقطیع "۱۰×"۹ محرر سطح "۶½ × "۴½ (تقریباً) سطور ۱۵' دوبارہ جلد بندی کرتے وقت وصلیوں میں پہلی کتاب کے اوراق کو تا جدول کاٹ کر لگایا گیا ہے۔ کتاب میں بعض جگہ عبارتیں بڑھائی گئی ہیں یا قلمزن کی گئی ہیں۔ کہیں کہیں کچھ غلط لکھا گیا تو اس کو چھیل کر سنہری بیل بوٹے بنادیے گئے ہیں۔ شروع کے ۹ ورق کم و بیش خراب ہوگئے۔ انکا ناصاف حصہ جلد گر نے کاٹکر علیحدہ کردیا اور باقی حصہ دوسرے کاغذ پر لگا کر شامل جلد کر دیا ہے

اس نسخہ کے خاتمہ کی عبارت حسب ذیل ہے: [ورق ۲۲۳ ب]

خاتمہ الحمد للہ والمنۃ کہ این کتاب مسمی بسفینۃ الاولیا از مین روح مطہر حضرت سید انبیاء صلے اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وسلم وتوجہ اولیای معظم قدس ارواحہم در شب بیست و ہفتم ماہ رمضان المبارک [ص ۲۲۴ و] یکہزار و چہل و نہ ہجری کہ سال بیست و پنجم از سن این فقیر است باتمام رسید۔ . . . [ص ۲۲۴ ب] امید کہ این سفینہ سکینہ آثر برکت اسامی این بزرگان قبول [ص ۲۲۵ و] تام یابد و خوانندکانرا بہرہ تمام ازان حاصل آید واکر بمقتضای بشریت سہوی وخطایی شدہ باشد ارباب دانش انرا بذیل اصلاح بپوشند الحمد للہ حمداً کثیراً دایما ابداً حررہ الخادم الفقرا محمد دارا شکوہ حنفی قادری سنی ابن شاہجہان،

پادشاہ غازی،

آخری ورق کی پشت پر بعض عرض بیگے ہیں اور تین مہریں ایک پر لکھا ہے " عنایت خان خانہ زاد بادشاہ غازی احمد شاہ بہادر سنہ ۲ " دوسری دو مربع مہریں بارھویں صدی کی ہیں جو صاف پڑھی نہیں جاتیں اور قرات ذیل یقینی نہیں، بڑی مہر پر عبارت ذیل لکھی معلوم ہوتی ہے:

" مہر کتاب خانہ ضیا (؟) الدولہ احمد خان بہادر ۱۱۶۱ "

چھوٹی مہر " [مہر] کوتہہ کتابخانہ محی الدولہ محی الدین علی خان بہادر ۱۱۶۹ "

راقم حروف نے یہ دو تو مہریں کم سے کم تین قلمی کتابوں پر یکجا دیکھی ہیں،

سفینۃ الاولیا چھپ چکی ہے اور نایاب نہیں ہے۔ مصنف نے اس میں اولیاء اللہ کے حالات کو مع ان کے مولد و مدفن کے بقید سنین بیان کیا ہے اور بعض تاریخیں ایسی بھی دی ہیں جو نفحات الانس اور تاریخ یافعی اور طبقات سلطانی میں موجود نہیں ہیں (دیکھو فہرست ریو ص ۳۵۶) مگر چونکہ یہ نسخہ بخط مصنف ہے۔ اس لئے داراشکوہ نے اپنے متعلق جو کچھ کتاب میں جابجا لکھا ہے ۔ اس کو خاص اہمیت حاصل ہے اور وہ اس نسخہ سے لیکر ہم درج کرتے ہیں

داراشکوہ کی ولادت

" ولادت این فقیر در خطۂ اجمیر بالای ساگر تال روی دادہ در سلخ صفر نصف شب دوشنبہ سال یک ہزار و بیست و چہار ہجری[1] چون در خانہ والد ماجد فقیر سہ صبیہ شدہ بود و پسری نشدہ و سن مبارک آنحضرت به بیست و چہار سالگی رسیدہ بود از روی عقیدہ و اخلاصی کہ آنحضرت نسبت بحضرت خواجہ [معین الدین چشتی رح] داشتند بہزاران نیاز درخواست پسر نمودند و ببرکت ایشان حق تعالی این کمترین بندہای خود را بوجود آورد امیدکہ توفیق نیکوکاری و رضامندی خود و دوستان خود نصیب گرداند آمین یارب

---

[1] دیکھو توزک جہانگیر طبع علیگڈھ، بذیل واقعات سنہ ۱۰۲۴ھ: دو پہر از شب گذشتہ مطابق شب دوشنبہ ۲۹ صفر بطالع قوس درخانہ بابا خرم از دختر آصفخان پسری متولد شد،

العالمین [ورق ۱۹۰ ا] '

داراشکوہ اور حضرت میانمیر

"حضرت شیخ میر محمد المشہور بہ میانمیر قدس اللہ تعالی سرہٗ" (المتوفی روز سہ شنبہ بعد از نماز ظہر، ۷ ربیع الاول ۱۰۴۵ھ) بمعمورۂ لاہور در محلہ خوانی پورہ کے حالات کے خاتمہ پر مصنف نے لکھا ہے: [ورق ۱۶۶ ا]

این فقیر دو بار بملازمت شریف ایشان رسیدہ بود، و حضرت ایشان کمال مہربانی و عنایت خاص بمن داشتند، چنانچہ در سن بیست و یک سالگی مرا بیماریی روی داد، اطبا از معالجہ آن در ماندند، چون بادشاہ بخانۂ ایشان رفتند، دست مرا گرفتہ گفتند کہ این پسر کلان ماست و اطبا از معالجہ این در ماندہ اند توجہ فرمایند کہ حق تعالی این را بخشد، ایشان کاسۂ آب را طلب داشتہ دعایی بران خواندہ دمیدند و بفقیر دادند، چون آن را آشامیدم در ہمان ہفتہ صحت کامل یافتم و بالکل آن آزار برطرف شد، چون بعد ازین رسالۂ در بیان احوال و اوضاع آنحضرت و پیر و مریدان ایشان نوشتہ شد درین کتاب بہمین قدر اکتفا نمود '

داراشکوہ چرخ اور غزنین میں

مولانا یعقوب چرخی کے حالات میں مصنف نے لکھا ہے: [ورق ۴۷ ا]

اصل ایشان از موضع چرخ است و چرخ دیہی است از تپۂ لہوکر از توابع غزنین کہ مابین کابل و غزنین واقع شدہ، فقیر بآنجا رسیدہ و قبور اجداد ایشان در انجاست '

غزنی کے مزارات کی زیارت کا اسنے اپنی کتاب میں چند جگہ ذکر کیا ہے۔ چنانچہ پیر ہجویری کے حالات میں لکھا ہے کہ ہجویر بھی اصل غزنین سے ہے ' جلاب اور ہجویر

شہر غزنین کے دو محلے ہیں - یہ ایک سے اٹھ کر دوسرے میں جا بسے تھے - اس لئے جلابی اور ہجویری کہلائے " و قبر والد بزرگوار ایشان در غزنین است و مسجدی کہ خود ساختہ بودند محراب آن نسبت بمساجد دیگر مایل بسمت جنوب ست ..... و قبر ایشان نیز موافق محراب مسجد ایشان است و قبر والدۂ ماجدہ ایشان نیز در غزنین است متصل قبر تاج الاولیا کہ خال پیر علی ہجویری اند ..... و قبر [پیر ہجویری] در میان شہر لاہور مغربی قلعہ واقع شدہ ... و فقیر نیز بزیارت روضہ منورۂ ایشان و والدین و خال ایشان مشرف گشتہ' [ورق ۱۹۳]

اسیطرح بذیل " شیخ رضی الدین علی لالا قدس اللہ تعالےٰ سرہ " لکھاہے :

' قبر ایشان در غزنی است مابین روضۂ سلطان محمود و شہر و این فقیر تا آنجا رسیدہ نماز عصر در آن روضۂ متبرکہ گذاردہ و در ہمان روز اکثر [قبور] مشایخ غزنین را طواف نمودہ [ورق ۱۰۴ و]

پھر بذیل " حکیم سنائی غزنوی رحمہ اللہ " لکھاہے :

چون در حدیقۂ حکیم بعضی ابیات نا معقول الحاقی است و انہ استماع آن در دل این فقیرا انکاری بہم رسیدہ بود روزی کہ بغزنین داخل می شد بخود قرار دادہ بود کہ بزیارت جمیع اکابر آنجا مشرف گردد الا حکیم' ہمان شب پیش از انکہ داخل شود بخواب دید کہ در زیارت مزارات مشایخ غزنین است و شخصی می گوید کہ این قبر حکیم سنائی است چون بآنجا رسید قبری از سنگ سفید دید کہ بر آن نوشتہ اند : ہذا قبر حکیم سنائیؒ و درین شبہ دارو کہ سنی نیز بر قبر نوشتہ بود یا نہ چون چنین مشاہدہ شد فہمید کہ اشارہ بآنست کہ حکیم سنی اند چون صباح آن زیارت کرد ہمان قبر سنگ سفید بروشی کہ در خواب دیدہ بود مشاہد نمود و یقین شد کہ آن ابیات الحاقی بد مذہبان مبتدع است [ورق ۱۹۶ ب ببعد]

دارا شکوہ اور زیارت مزارات اولیای ہند

مصنف کو جا بجا زیارات مزارات اولیا کا اتفاق ہوا ہے' مثلاً وہ حضرت خواجہ

قطب الدین بختیار کاکیؒ کی مزار پر پہنچا [ورق ۹۲ ب] :

قبر ایشان در دہلی کہنہ است مزار و متبرک بہ' و این فقیر نیز بطواف آنجا رسیدہ عجب پُر فیض مکانی است'

اسی طرح اسنے کئی بار حضرت شیخ نظام الدین اولیا قدس اللہ تعالےٰ سرہٗ کے مزار کی زیارت کی [ورق ۹۴ ب] :

و قبر ایشان در دہلی نو بموضعی است کہ در آن سکونت داشتند و این فقیر چندین بار بزیارت آن روضہ منوّرہ رسیدہ'

اسی طرح وہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اور شیخ برہان الدین غریبؒ اور شیخ حمید الدین ناگوریؒ کے مزاروں پر پہنچا : [ورق ۹۷ بعد]

" قبر ایشان [چراغ دہلی] در بیرون دہلی نوست و این فقیر بآنجا رسیدہ "

" و قبر ایشان [شیخ برہان الدین غریب] در دولتاباد دکن است و این فقیر بآنجا رسیدہ "

و قبر ایشان [شیخ حمید الدین] بموجب وصیت پایان پای خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ در دہلی است و این فقیر بزیارت ایشان رسیدہ'

کچھ اپنے اجداد کے متعلق

اکبر کے متعلق تو اسنے سرسری سا ذکر کیا ہے کہ " و والد اکبر بادشاہ کہ جدّ والد ماجد این فقیر اند از اولاد حضرت شیخ [احمد جام قدس اللہ تعالےٰ سرہ] اند [ورق ۱۶۷ ب] مگر جہانگیر کے متعلق ایک دلچسپ بات بیان کی ہے : خواجہ حافظ شیرازیؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں [ورق ۱۸۲ ا] : واکثر تفاؤلی کہ از دیوان حقیقت بیان ایشان نمودہ می شود موافق مطلب جواب بری آید' چنانچہ جہانگیر بادشاہ کہ در ایّام شاہزادگی بسبب آزردگی از والد خود جدا شدہ در

ورق ۱۸۹ ب ..آباد می بودند و تردّد داشتند در ینکه بملازمت | پدر عالی قدر بروند یا نه دیوان حافظ را طلب نموده فال کشادند این غزل بر آمد

چرا نه در پی عزم دیار خود باشم — چرا نه خاکِ رهِ کوی یار خود باشم
غم غریبی و غربت چو بر نمی تابم — بشهر خود روم و شهریار خود باشم
ز محرمان سراپردهٔ وصال شوم — ز بندگان خداوندگار خود باشم
چو کار عمر نه پیداست باری آن اولی — که روز واقعه پیشِ نگارِ خود باشم
بود که لطف ازل رهنمون شود حافظ — وگرنه تا به ابد شرمسارِ خود باشم

و بموجب این فال بی تامّل و اهمال بسرعت روانه شده بملازمت ایشان مشرف گشتند و قضارا بعد از شش ماه اکبر بادشاه فوت کردند و ایشان پادشاه شدند این فقیر بدستخط حضرت جهانگیر بادشاه دیده که در حاشیهٔ دیوان خواجه این مقدمه را نوشته اند۔

دارا شکوہ کی مولانا جامیؒ سے عقیدت

"و این فقیر ہمیشہ تصانیف نظم و نثر ایشان را مطالعہ می نماید و از برکت آن کلام حقیقت انتظام فایده ها می ربایدو این کتاب [سفینة الاولیا] را که می نویسد همه از ثمرہ وشاگردی ایشان است" [ورق ۱۷۹]

مصنف قادری ہے

"ہر کس خود را در یک سلسلہ منسلک می سازد و این فقیر خود را در سلسلہ متبرکہ معظمہ قادریہ منتظم گردانیده و دست بدامن باسعادت قطب ربانی غوث صمدانی بالا مشایخ امام ائمہ پیر دستگیر حضرت شاه محی الدین عبد القادر جیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ زد

[ورق ۱۱۸] ایسی ہی بات مصنف نے حضرت غوث الثقلین کے ترجمہ میں ورق ۴۲ الف پر لکھی ہے،
اسی سلسلہ میں مصنف نے ذیل کی اطلاع بھی ہم کو بہم پہنچائی ہے:
از چہار حصہ اہل ہندوستان از وضیع و شریف دو حصہ مرید حضرت پیر دستگیر غوث الثقلین شاہ محی الدین سید عبد القادر جیلی رضی اللہ عنہ اند و یک حصہ مرید شاہ مدار اما اجلاف بیشتر، و نیم حصہ مرید حضرت خواجہ معین الدین چشتی و نیم حصہ دیگر مرید مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی وغیرہ قدس اللہ ارواحہم [ورق ۱۰۷ الف بذیل ترجمہ حضرت سید بدیع الدین رح]

میرک شیخ مصنف کے استاد ہیں

حضرت شیخ احمد کابلی السرہندی رح کے حال میں مصنف یوں رقمطراز ہے کہ "آخر حال بعضی بر شیخ تہمت کردند کہ شیخ می گوید مرتبہ من زیادہ است از مراتب خلفای راشدین رضی اللہ عنہم اما این محض بہتان و افترای مخالفان است بر شیخ چرا کہ این فقیر از سیادت و نقابت پناہ فضایل و کمالات دستگاہ حقایق و معارف آگاہ افضل فضلای عصر علامی تمامی استادی میرک شیخ بن شیخ فصیح الدین [شنید] کہ می فرمودند وقتی مارا عبور بر سرہند واقع شد و کیف ما اتفق ملاقات شیخ احمد روی داد [ورق ۱۹۰ ب] اسکے بعد تفصیل اس افترا کے رد کی دی ہے مصنف نے ۱۹۵ ب بعد پر بذیل خواجہ عبد الحق جامی رح بھی الکا ذکر کیا ہے۔ اور شیخ فصیح الدین کی تعریف ہوتی ہے۔

مصنف کی ملاقات شیخ بلاول رح لاہوری [متوفی سنہ ۱۰۴۶ھ] سے

"این فقیر یک مرتبہ بخدمت ایشان رسیدہ آثار ریاضت و مجاہدت بسیار از بشرۂ شیخ ظاہر می شد [ورق ۲۰۰ ب]

اب ہم (باجازت صاحب نسخہ) اصل نسخہ کے ص ۱۹۰ ا اور ص ۲۲۵ ا کے فوٹو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

اڈیٹر

تنقید و تبصرہ

دیوان حضرت تعشق لکھنوی

خوبیٔ شعر۔ شعر کی خوبی میں کہا جاتا ہے کہ سادہ جوشیلا اور حقیقت پر مبنی ہونا چاہئے۔ سادگی سے مقصود طرز ادا کا سادہ اور صاف ہونا ہے۔ ترکیب جملہ میں پیچیدگی نہ ہو۔ ایسے تشبیہات و استعارات و کنایات و تلمیحات سے کام نہ لیا جائے جن کا علم سوا علما کے عام لوگوں کو نہیں ہوتا ہے۔ سادگی بلند خیالی کو مانع نہیں ۔ جوش کا تعلق صرف حالت شاعر یا بیان شعر پر مبنی نہیں۔ بلکہ وقت محل اور سامعین کے تاثر مسلمات سابقہ اور دیگر اسباب کو بہت کچھ دخل ہے چنانچہ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

محل قابل و آنگہ نصیحت قابل — چو نیست سمع قبولت چہ سود حسن مقال

یہی وجہ ہے کہ کسی مزار مقدس میں داخل ہوتے وقت کسی ارادتمند کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر ایک غیر معتقد بغیر کسی تاثر کے اس مزار میں ایسے ہی داخل ہو جائیگا۔ جیسے کوئی اپنے گھر میں آئے ۔

دو جماعت متنازعین اگر آمادۂ فساد ہو کر کسی میدان میں مجتمع ہوں۔ اور آپس میں تو تو میں میں ہو رہی ہو۔ کسی فریق کا کوئی معمولی آدمی بھی ہو اور اس وقت بلند آواز سے پکار اُٹھے۔ "بھائیو مارلو جانے نہ پائیں"۔ صرف یہی الفاظ ایک بڑے کشت و خون کا باعث بن جائیں گے۔ سبب اس کا یہی ہے کہ مادہ بغض و عناد پک

چکا تھا۔ ایک ادنیٰ تحریک کی ضرورت تھی۔ اسباب مہیا تھے۔ وقت اور محل بھی آگیا تھا
جس کا یہ نتیجہ ہوا ۔

پھر انسان طبائع مختلف رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص ایک بات سے
بہت متاثر ہوتا ہے۔ اسی بات سے دوسرا کم متاثر ہوتا ہے یا بالکل متاثر ہوتا ہی نہیں
اسی لئے ایک شعر کا کوئی بہت مداح ہوتا ہے۔ وہی شعر دوسرے کو مطلقاً پسند ہی
نہیں آتا۔ مختصر یہ کہ شعر کی تاثیر سامعین کی قابلیت اور تاثر پر زیادہ مبنی ہے بہ نسبت
شاعر کے حالت اور شعر کے طرز ادا کے ۔

اصلیت اور حقیقت میں بھی مسلمات قومی تحاور اور روزمرہ کو بہت کچھ دخل ہے۔
مثلاً حسن یوسف۔ عشق لیلیٰ و مجنوں۔ آب حیوان۔ جام جم۔ سدِ سکندری وغیرہ سے
شعر میں کوئی تخیل پیدا کی جائے۔ اور یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ سب چیزیں صرف
افسانہ ہیں۔ پھر بھی ایسے شعر کو محض کذب اور غیر حقیقی نہیں کہہ سکتے ۔

جو مبالغہ بول چال کے تحت میں ہو وہ بھی کذب میں داخل نہیں۔ چونکہ امام
حسین علیہ السلام کے بہتر یا اسی آدمیوں کے مقابلہ میں یزید کی فوج بہت زیادہ تھی۔
چاہے کم از کم دس ہی ہزار ہو۔ اس لئے نواب مولوی میر مہدی حسین صاحب ماہر
لکھنوی اپنے ایک مرثیہ میں بیان کثرت سپاہ یزید میں فرماتے ہیں

تھالی سروں پہ جاتی تھی خورشید و ماہ کی

زبان اردو میں کسی مجمع کی کثرت کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ "اتنا مجمع تھا کہ اگر
تھالی پھینکو تو سروں ہی سر جائے" ظاہر ہے کہ اس طرز ادا میں مبالغہ ضرور ہے
مگر اس محاورہ سے مجمع کثیر کا اظہار کرنا ایک موثر اور دلچسپ طرز ادا ہے پھر آفتاب
اور مہتاب کو جو لوگوں کے سروں ہی پر دورہ کرتے رہتے ہیں۔ تھالی سے استعارہ
کر کے محاورہ میں واقعیت کی چاشنی پیدا کر دی ہے ۔

اسلاف شعراء اہل دہلی نے صنف غزل میں خوب حق غزلگوئی ادا کیا۔ اور اہل لکھنؤ نے غزل کو قصیدہ کر دیا۔ مگر مثنوی۔ قصیدہ اور رباعی و مرثیہ میں اہل لکھنؤ نے وہ کمالات دکھائے کہ جن کا جواب نہیں ؀

حضرت تعشق مرحوم خاص لکھنوی ہیں۔ اور ان کا سلسلہ شاعری حضرت ناسخ مرحوم سے جا ملتا ہے گو تعلق مصاہرت جناب انیس اعلی اللہ مقامہ سے بھی ہے انہوں نے غزل اسلاف اہل دہلی کی طرح صاف و سادہ اور جذبات سے پُر ایسی کہی کہ سہل ممتنع کی حد تک پہنچ گئی۔ گو جناب تعشق مرثیہ گو شاعر ہیں مگر تفنن طبع کے لئے کبھی غزل بھی فرمایا کرتے تھے چنانچہ محسن علی صاحب آبر لکھنوی نے ان کا مختصر سا دیوان طبع کیا تھا جو ۲۶ × ۲۰ تقطیع پر ڈھائی جزو میں ہوگا۔ اور مجموعہ کل اشعار کا تقریباً آٹھ یا نو سو اشعار تک پہنچتا ہے ؀

جناب احسن مارہروی نے اس مختصر دیوان کی صرف ردیف الف سے ذیل کے پندرہ شعر اپنی پسند کے موافق انتخاب کر کے اپنے رسالہ فصیح الملک میں ایک ریویو کے ساتھ شائع کئے تھے۔ اور وہ یہ ہیں۔

دیکھو آؤ کہ بیمار تمہارا تو نہیں ہے
رکھا ہے جنازہ سرِ بازار کسی کا

لب تک کبھی آنے نہ دیا حرف شکایت
دل ہے مرے پہلو میں طرفدار کسی کا

تم دامن نظارہ سے دو خلعت آخر
محتاج کفن کا ہے تن زار کسی کا

چل بیٹھئے دل بیچنے والوں میں تعشق
سنتے ہیں کہ گھر ہے سر بازار کسی کا

ولہ

کچھ نہ کچھ گور غریباں پر بھی ساماں ہو گیا
چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا

ولہ

دل ہے مردہ خلد میں جانے سے کیا ہو جائیگا
ہم جہاں ہونگے وہ گھر ماتم سرا ہو جائیگا

ولہ

گاہ وحشت میں ہنسا تا کبھی رلاتا تھا کبھی   دل نہیں جاتا رہا اک مشغلہ جاتا رہا

ولہ

چاہتا ہوں کہ ذرا تخلیہ ہو جائے حضور   حال کچھ عرض کروں گا شب تنہائی کا
یوں تو حرف خط تقدیر نہیں مٹنے کا   آپ کے در پہ ارادہ ہے جبین سائی کا
دل پر داغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے   پھول دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا
جس کی ہو بات اسی سے ہے مناسب کہنا   تیرہ بختی سے گلہ ہے شب تنہائی کا

ولہ

کہدیا بس کہ تیری آہ میں تاثیر نہیں   یہ نہ دیکھا کہ یہ سینے میں ہے روزن کیسا
تھا کبھی دور اسیران قفس اے صیاد   اب تو اک پھول کو محتاج ہیں گلشن کیسا
چار دن میں یہ زمانہ بھی گزر جائے گا   ابھی روئینگے جوانی کو لڑکپن کیسا

ولہ

تمام عمر میں اے گور آج سویا تھا   جگر میں درد ہوا ہے فشار سے پیدا

ردیف الف میں کل اشعار ایک سو اونچاس ہیں۔ جن میں سے جناب احسن اپنی پسند کے مواقف پندرہ اشعار انتخاب کرتے ہیں۔ ان میں سے تین شعر میری طبیعت کے مواقف نہیں۔ مگر انہیں برا کون کہہ سکتا ہے۔

جناب حسرت موہانی نے بھی چھ غزلوں میں سے کچھ اشعار منتخب فرمائے ہیں۔ جو یہ ہیں:۔

کیا تصور ہے کہ ہوں ہر وقت ہم پہلوے دوست   ہر گل داغ جگر سے آ رہی ہے بوے دوست
قتل گہ میں اپنے اپنے کام میں تھے حسن و عشق   اسکی آنکھیں تیغ پر تھیں میری آنکھیں سوے دوست
خون ناحق کا عوض آخر ہوا کس حسن سے   نام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوے دوست

والے حسرت کس طرح وہ قتل کرتے ہیں مجھے — غیر چہرہ سے ہٹاتے جاتے ہیں گیسوئے دوست
یاد کرنا حسرتیں مجھ کشتۂ بے جرم کی — اے رقیبو جب دبانا شانہ و بازوئے دوست

اے تعشق اب سر شوریدہ ہے اور سنگ ہے
وصل کے ایام میں تھی عادت زانوئے دوست

اپنی فرحت کے دن اے یار چلے آتے ہیں — کیفیت پر گل رخسار چلے آتے ہیں
راہ میں صاحب اکسیر کھڑے ہیں مشتاق — خاکساران در یار چلے آتے ہیں

چل گئی تیغ نگہ آج تعشق پہ ضرور
لوگ اس کوچہ سے خونبار چلے آتے ہیں

ہم خون آرزو کا جو محضر بنائیں گے — تجھ کو گواہ اے دل مضطر بنائینگے
کہتے ہیں وہ یہ سرمہ کا دنبالہ پونچھکر — اس نیمچے کو توڑ کے خنجر بنائیں گے
ہنس ہنس کے پھول توڑ رہے ہیں وہ باغ میں — میری لحد کے واسطے چادر بنائیں گے

ہٹتا ہے روز زلف تعشق کے سامنے
دیوانہ اس کو آپ مقرر بنائیں گے

محفل سے اوٹھا نیکے سزاوار ہمیں تھے — سب پھول ترے باغ میں اک خار ہمیں تھے
ٹھنڈے کئے غیروں کے دل اور ہم کو جلایا — اک تھے تو محبت کے گنہگار ہمیں تھے

سب راز تعشق سے بیاں ہوتے تھے دل کے
پہلے ترے اک محرم اسرار ہمیں تھے

یہ اتفاق بھی دنیا میں کم سنا ہوگا — ہمارے ساتھ ہوئی دفن آرزو تیری
ہنسی کو روک نہ ظالم مرے جنازہ پر — مجھے گلہ نہیں اس کا یہی تھی [illegible]
تمام رات رہا دل سے ذکر خیر ترا — گلہ کیا ہو تو شاہد ہے آرزو

لہ نیمچہ چھوٹی تلوار کو کہتے ہیں۔ جو خنجر سے بڑی ہوتی ہے اہل لکھنؤ کو یہ [illegible]

تیسرا شعر عجیب بے مثل شعر ہے

چاک دامان محبت کیجئے امتحان دست وحشت کیجئے
چھوٹ جائیں ہم عذاب ہجر سے اب تو ایسی کوئی صورت کیجئے
مجھ سے کہتا ہے ملال ہجر یار اب خوشی سے دل کو رخصت کیجئے
مفت میں مر جائینگے بیمار ہجر دیکھئے اتنی نہ غفلت کیجئے
قبر میں لاشہ کوئی پھینک آئیگا آپ کیوں ناحق کی زحمت کیجئے
جوہری ہیں ایسی چیزوں کے حضور آبروے اشک حسرت کیجئے

اے تعشق چار دن ہے زندگی
دشمنوں سے بھی محبت کیجئے

اب یہاں سے میں اپنی پسند کے اشعار منتخب لکھتا ہوں :-

تم صاحب الفت نہ کہو دوستو مجھ کو اتنا ہی تو بندہ ہے گنہگار کسی کا
ہاتھ سینہ پر جو رکھو گے تو کیا ہو جائیگا فرق میرے دل کی سوزش میں ذرا ہو جائیگا
عشق کی وہ شورشیں وہ ولولہ جاتا رہا اک جوانی کیا گئی سب حوصلہ جاتا رہا
دل مایوس کے مانند پڑا جلتا ہے ہے عجب حال چراغ شب تنہائی کا
دل جو مر جاے ہمارا تو کرے کون آہیں سو گیا جاگنے والا شب تنہائی کا
کھیلتے ہو دل بیتاب سے پھولوں کی طرح اور ہوتا ہے مری جاں لڑکپن کیسا
کریم کشتۂ تیغ نگہ پہ رحم کرے کراہنے کی صدا ہے مزار سے پیدا
نہ جائیں سوئے باغ ہم عاشق مزاج منہ کو آتا ہے جگر سنکر فغان عندلیب
مرو فرقت میں پڑا رہتا ہے میت کی طرح گرم رہتا تھا اسی دل سے کبھی پہلوے دست
سر محفل بھر آئے ہوتے آنسو گئی ہوتی ہماری آبرو آج
یوں ہی لپٹے رہو میرے گلے سے محبت کی چلی آتی ہے بو آج

بہت نازک ہیں وہ لے سخت جانی　　خدا رکھے ہماری آبرو آج
ترے در پر پڑے دم توڑتے ہیں　　نکلتی ہے ہماری آرزو آج

آخری شعر بہت خوب کہا ہے۔ بعض اشعار کے انتخاب کو اس کے قوافی وردیف پر بھی نظر رکھتے ہوئے دیکھنا چاہیئے ۔

ترے مریض محبت نے قبر کی آباد　　عجب طرح کی اُداسی ہے آج بستر پر

اس طرح میں خواجہ وزیر کی غزل بہت مشہور ہے ۔

میرے استاد جناب مولوی سید محمد مصطفےٰ صاحب خورشید لکھنوی ایک رسالہ نظم نکالا کرتے تھے ۔ ۱۸۹۳ء میں اس رسالہ کے لئے حضرت استادی اعلے اللہ مقامہٗ نے خواجہ وزیر کی غزل کا ایک مصرع طرح میں دے دیا۔ بکثرت غزلیں باہر سے بھی آئیں۔ مگر ایک غزل بھی۔ مقبل دوران محتشم زمان جناب سید علی محمد صاحب **عارف** اعلی اللہ مقامہٗ سبط عالیجناب حضرت **نفیس** مرحوم کی غزل سے ٹکر نہ کھاتی تھی۔ چار شعر مجھے یاد رہ گئے ہیں۔ ضیافت طبع ناظرین کے لئے پیش کرتا ہوں۔

جو دیکھتا ہے مجھے بھر کے آہ کہتا ہے　　کہ اختیار کسی کا نہیں مقدر پر

عجیب درد انگیز و حسرت آمیز شعر ہے۔ مصرع ثانی کے ابہام نے شعر کو بہت بلند اور بلیغ کر دیا ہے۔ اگر درد بھرا دل ہو تو بے اختیار آنسو ٹپک پڑیں۔

نئی خوشی ہے کہ قاتل لقب ہو عالم میں　　کہو تو ہاتھ بھی رکھا نہ جائے خنجر پر

عجیب چونچلے کا شعر ہے ۔ اس شعر کے پڑھنے میں لہجہ (ٹون) کو بہت کچھ دخل ہے۔

وہ جلد اٹھینگے یا دیر میں خدا جانے　　میں گل بچھاؤں کہ کلیاں بچھاؤں بستر پہ

بالکل اچھوتا خیال ہے۔ یہ تخیل کبھی دیکھنے میں نہیں آئی

پھر وہی انتخاب کلام جناب تعشق

فقط پاس ہے ان کے تیرِ ادا کا　　جو سینہ سے دل کو لگائے ہوئے ہیں

کیا خوب فرمایا ہے انہیں کا حصہ ہے۔

کچھ خبر ملتی نہیں دل کی مجھے　　آج نالوں کی صدا آتی نہیں

وہ کھڑے کہتے ہیں میری لاش پر　　ہم تو سمجھے تھے کہ نیند آتی نہیں

لاش پر بھی آئے منہ ڈھانپے ہوئے　　بدگمانی آپ کی جاتی نہیں

دوسرا شعر بہت اچھا ہے

نیا آج ان کا چلن دیکھتے ہیں　　ہمارے وہ داغ کہن دیکھتے ہیں

بھرے ہیں آنکھوں میں آنسو اداس بیٹھے ہیں　　یہ کس غریب کی تربت کے پاس بیٹھے ہیں

سبحان اللہ کیا مطلع کہا ہے۔

ظلم وہ مجھ پہ کیا کرتے تھے اپنا جان کر　　بعد میرے عادت جور و جفا جاتی رہی

ہم کس کو دکھاتے شبِ فرقت کی اداسی　　سب خواب میں تھے رات کو بیدار ہمیں تھے

منہ جو فرقت میں زرد رہتا ہے　　کچھ کلیجے میں درد رہتا ہے

اس شعر کی کیا تعریف کی جائے

مر کے بدنام کیا نام محبت ہم نے　　منہ پہ کچھ ڈال دو کوئی کہ حیا آتی ہے

"ڈال دے" کی جگہ "ڈال دو" کچھ پہلے کی زبان ہے۔ اگرچہ ڈال دے بھی موزون ہے مگر تصرف کی ضرورت کیا۔ اس غزل کا یہ مطلع زبان زد اہل لکھنؤ ہے۔

لحد سے جانب لیلیٰ جو ہوا آتی ہے　　دلِ مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

بیوفائی آپکی غفلت شعاری آپ کی　　میرے دل نے عادتیں سیکھی ہیں ساری آپکی

یہ مطلع بھی خوب کہا ہے۔ اسی مضمون کی ایک رباعی ابوسعید ابوالخیر کی اس محل پر یاد آگئی۔ کیا خوب کہی ہے ؎

از باد صبا دلم چو بوئے تو گرفت   بگذاشت مرا و جستجوئے تو گرفت
اکنوں ز منش ہیچ نمے آید یاد   بوئے تو گرفتہ بود خوئے تو گرفت

دور سے جو آج مدت بعد چار آنکھیں ہوئیں   آبدیدہ ہو کے باہم کچھ اشارے ہو گئے
رات کو تیرا مجھے دھوکا ہوا اے ماہرو   بیخودی میں چاند سے کیا کیا اشارے ہو گئے
ان نہ آنے سے تو بہتر ہے کہ آئے وقت نزع   کچھ تو حسرت کی نگاہوں سے اشارے ہو گئے

تینوں شعر اچھے ہیں

ساری باتیں مجھے دل سے ہیں تمہاری مرغوب   تم بگڑتے ہو مری جان مجھے پیار آتا ہے

کیا خوب!

میں جل کے خاک ہوا کہتے ہیں وہ حیرت سے   خدا کے واسطے ایسی بھی آہ ہوتی ہے
فراق یار میں پھرتے ہیں پوچھتے ہوئے ہم   اثر جو رکھتی ہے کیسی وہ آہ ہوتی ہے

لفظ فراق نے شعر کو بہت بلیغ کر دیا

اپنے نالاں کو سلایا قبر میں   جائیے اب جا کے راحت کیجئے
دشمن جاں ہو گیا دل سا شفیق   آپ کی کس سے شکایت کیجئے
موت مل جائے کہیں گر ہجر میں   زندگانی کی شکایت کیجئے

دوسرا شعر سزاوار تحسین ہے۔

پوچھتے کیا ہو شب فرقت میں بیداری کا حال   آنکھ کیونکر بند ہوتی ہے یہ حسرت رہ گئی

اس شعر کی کیا تعریف کی جائے

نہلا کے باغباں نے مجھے ذبح تو کیا   اب رو رہا ہے منہ کو قفس پر دھرے ہوئے
ہے پاس الفت پروانہ بعد مرگ   روتی ہے شمع سامنے لاشہ دھرے ہوئے

پہلا شعر لکھنؤ میں بہت مرغوب ہے - اور دوسرا شعر خوب ہے۔

جناب جاوید لکھنوی کا یہ شعر ذیل پہلے شعر سے ماخوذ ہے۔

پہلے تو اُس نے قتل مجھے بے سبب کیا اب ہاتھ مل رہا ہے کہ یہ کیا غضب کیا

تعشق

کوئے جاناں سے نہیں آتی صدا نالوں کی آج کیوں صبا کیسی طبیعت ہے دلِ ناشاد کی

مجھ کو حیرت ہے وہ الفاظ آج نکلے آپ سے حال خود پوچھا عجب بات آپ نے ارشاد کی

دردِ الفت نے قدم رنجہ کیا شادی ہوئی دل مرا ٹوٹا صدا آئی مبارکباد کی

بعض اشعار میں نے تصنع کے بھی منتخب کرلئے ہیں مگر لطف سے خالی نہ تھے - اسلئے مجبوراً انتخاب کرنا پڑا - جناب تعشق کا یہ کمال ہے کہ مضمون آفرینی میں بھی درد پیدا کردیتے ہیں -

بنی ہے کیا دلِ بیتاب پر خدا جانے کچھ آج اشک بھی آنکھوں سے بیقرار آئے

کہیں یہ چھوٹ گیا دل کہیں یہ رہ گئی جان ہم اسقدر ترے کوچہ سے بیقرار آئے

ہمارے بعد یہ ہے حال ہم صفیروں کا اس آشیاں میں صدا دی ادھر پکار آئے

دل سوزاں نہ ہو سینہ میں دھواں لازم ہے کچھ تو اجڑی ہوئی بستی کا نشان لازم ہے

درد چھپتا نہیں انسان کہے یا نہ کہے کب برائے دہن زخم زباں لازم ہے

اگرچہ ان اشعار میں تصنع موجود ہے - پھر بھی کیسے اچھے شعر ہیں - ایک مصرع میں بنوٹ اور دوسرے میں سادگی اور درد - پھر دونوں کو کیسا سمویا ہے -

ہم بہل جاتے ذرا - ہوتا جو زندہ آج قیس دو گھڑی مل بیٹھتے رونے رُلانے کے لئے

کسی سے دشت نوردی کی وجہ کیا کہئے شکایت دل خانہ خراب ہوتی ہے

اگر یہ انتخاب کوئی وقعت رکھتا ہے تو اس چھوٹے سے دیوان سے اتنے اچھے اشعار نکلنا جناب تعشق کے فطری اور خوشگو شاعر ہونے پر شاہد عادل ہے۔ جناب میر اعلی اللہ مقامہ کے چھ دیوانوں سے لوگوں نے بہتر نشتر انتخاب کئے ہیں۔

علاوہ ان منتخب اشعار کے اور بھی اشعار آورد۔ بلند پروازی اور مضامین آفرینی کے ناسخی رنگ میں ہیں۔ لیکن میری طبیعت اس رنگ سے موافقت نہیں کرتی اس لئے ان سے صرف نظر کرتا ہوں۔

ایک شعر کی تخئیل مجھے پسند نہیں اور وہ یہ ہے۔

اٹھ سکے کیا پئے جواب سلام — دست نازک میں آپ کے تل ہے

ایک شعر کو اسکے الفاظ کی ترکیب اور نشست نے یعنی ضعف تالیف نے الجھا دیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

چھپ کے جانے کو اگر محبوب جا نیسے کہا — دل میں آنے کو نگاہوں سے وہ پنہاں ہو گیا

مطلب یہ ہے کہ اگر محبوب سے چھپ کے جانے کے لئے کہا کہ عاشق کے گھر سے اپنے گھر چھپ کے جائے تاکہ راز فاش نہ ہو۔ تو وہ عاشق کی نگاہوں سے پنہاں تو ہو گیا مگر اس لئے کہ عاشق کے دل میں آجائے۔

جناب حکیم علی محسن صاحب آبر لکھنوی کو سب غزلیں جناب تعشق کی نہ ملیں چنانچہ تین شعر انکی تین غزلوں کے مجھے یاد ہیں۔ جنکی غزلیں ہی اس مختصر دیوان میں نہیں اور وہ یہ ہیں ؎

وہ پھیرے تھا منہ ذبح میں ہو رہا تھا — خدا جانے ہنستا تھا یا رو رہا تھا

ولہ

بڑھ چکا قد بھی عروج حسن کی حد ہو چکی — ابتو قابل دیکھنے کے ہے جوانی آپ کی

ولہ

تازہ عاشق ہوں نہیں جانتا کوئی تدبیر — پوچھتا پھرتا ہوں کیا ہو جو مرا دل ٹھہرے

اس چھوٹے سے دیوان میں طباعت کی غلطیاں بھی کثرت سے ہیں - جیسے کہ

پھرے رنگاں خاک اوڑاتے ہوئے

یہ غزل بحر متقارب مثمن سالم میں ہے - کاتب نے آخر مصرع سے نقطہ "سب" حذف کرکے بحر کو محذوف کردیا - جسکا اجتماع سالم کے ساتھ نادرست ہے -

غلطیوں کی تصحیح سے اعراض کرتا ہوں - مختصر یہ ہے کہ اس چھوٹے سے دیوان میں تقریباً چالیس غلطیاں ہونگی - ان غلطیوں کی وجہ سے بعض مصاریع ناموزوں معلوم ہوتے ہیں ٭

شادان بلگرامی

۲ - مرحوم دہلی کالج

[سلسلۂ مطبوعات اُردو نمبر ۵۷]

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ہندوستان کی سیاسی زندگی میں جسطرح ایک انقلاب عظیم آیا - اسی طرح علمی و تعلیمی نظام میں بھی ایک زبردست تغیر رونما ہوا - علم کی شمعیں بجھ گئیں اور تعلیم کے چراغ گل ہوگئے - یہ سارے کاروبار سیاست کی استواری سے چلتے ہیں مگر جب سیاست و حکومت، امن و امان، خوشحالی اور فراغت خاطر ہی نہ رہی تو پھر بزم علمی کی رونق معلوم -

انگریزوں نے جب طوائف الملوکی کو مرکزیت کی شکل دی - تو ایک عرصے تک تعلیم کی ضرورت کا احساس ہی نہ تھا - لیکن جب احساس پیدا ہوا - تو کچھ اس انداز کا کہ شاید مشرقیوں کے کام و دہاں اس سے لذت گیر نہ ہو سکتے تھے - ہاں اس میں شک نہیں کہ چندے دستور بھی قائم رہا - جس کی طرف ہندو مسلمان رغبت کے ساتھ اقدام کرتے تھے - مگر اس کا قیام بہت مختصر و محدود رہا یعنی حکومت ہند نے تھوڑے عرصے کے لئے مشرقی علوم کی سرپرستی کو اپنے ذمے لیا - مگر لارڈ میکالے کے زوردار استدلال نے بہت جلد اسکا خاتمہ کردیا -

اس قلیل عرصے میں انگریزی حکومت نے جن مشرقی طرز کے مدارس ومکاتب کی سرپرستی کی۔ ان میں سے ایک دہلی کالج بھی تھا۔ جس کی تاریخ ہمارے مکرم مولانا عبدالحق صاحب اورنگ آبادی بی۔ اے سکرٹری انجمن ترقی اُردو نے دلنشین پیرایہ میں لکھ کر اہل ملک کے سامنے پیش کی ہے۔ یہ پر لطف سرگزشت پہلے انجمن کے مجلّہ اُردو میں شایع ہوتی رہی۔ اب اسے "مرحوم دہلی کالج" کے نام سے مستقل حیثیت دی گئی ہے۔

"دہلی کالج" کو مرحوم اس لئے کہا گیا ہے "کہ وہ ایک عزیز چیز تھی۔ جسے زمانے کے اتفاقات اور حالات نے عین ایسے وقت میں زندہ دفن کردیا۔ جبکہ اس کے عروج کا وقت آیا تھا اور جبکہ وہ گذشتہ تجربوں سے فائدہ حاصل کرکے ملک کے لئے تبلیغ علوم وفنون کا بہت بڑا مرکز بن سکتا تھا"۔

اس رسالے میں قیام کالج کی تاریخ۔ کالج کی زندگی میں تعلیمی وانتظامی مدوجزر، تالیف وترجمہ دہلی ورنیکلر سوسائٹی، انجمن اشاعت علوم کی تالیفات کی فہرست، کالج کے اساتذہ، کالج کے بعض قدیم طالب العلم وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ جناب مصنف نے اسکی ترتیب کے لئے حکومت ہند کے تعلیمی ریکارڈوں کی خاصی چھان بین کی ہے۔ کچھ حالات سماعی ہیں۔ جو بعض بزرگوں سے سنے گئے ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ بیانات کے ساتھ حوالے بھی دیئے جائیں۔

کتاب کے مفید ترین حصے دو ہیں:- اوّل نصاب تعلیم دوم کالج کے اساتذہ و تلامذہ کے حالات۔ اس نصاب تعلیم کی روشنی میں کالج کے مشہور اور نامور فرزندوں پر نظر ڈالی جائے اور پھر آجکل کے نصاب تعلیم اور فرزندان کالج ہائے جدید کو دیکھتے ہوئے دونوں کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو ایک عجیب وغریب تعلیمی حقیقت کا ہم پر انکشاف ہوتا ہے۔ شاید موجودہ کالج، شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد، ماسٹر رام چندر، شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد، پیرزادہ محمد حسین ایم۔ اے، مولوی کریم الدین اور شمس العلما مولوی ذکاء اللہ مرحوم کے مقابلے کے

مصنفین کے اسما پیش کرنے سے قاصر رہیں گے۔

"مرحوم دہلی کالج" ان تمام معاملات پر روشنی ڈالتا ہے اور اس دلکش انداز میں ہمارے سامنے کالج مرحوم اور اسکے اوضاع و اطوار کا مرقع کھینچتا ہے کہ ہمیں کالج کے ضایع ہونے کا حقیقی معنوں میں ملال ہوتا ہے۔

ص ۱۲۷ - ۱۴۲ پر ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے ترجموں اور تالیفات کی فہرست ہے جس میں بعض اچھی کتابوں کے ترجمے ملتے ہیں۔

اس کتاب نے گذشتہ صدی کی تعلیمی تاریخ کے ایک ایسے فراموش شدہ باب کو ہمارے سامنے دوبارہ پیش کیا ہے۔ جسکا فقدان ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ ہم مولانا عبدالحق کے شکر گزار ہیں۔ کہ انہوں نے اس کمی کو پورا کیا۔

کتاب کے بیانات علی العموم مستند ہیں۔ بجز اسکے کہ تاریخوں کے متعلق کسی حد تک کمزوری سی پائی جاتی ہے۔ مثلاً ص۲ پر فرماتے ہیں:- " اس تعلیم گاہ کی ابتدا ۱۷۹۲ء میں ہوئی " لیکن اس بیان کیلئے حوالہ نہیں دیا۔ شبہ ہے کہ لائق مصنف سے دہلی مدرسہ اور دہلی کالج میں کچھ التباس ہو رہا ہے۔ فشرز میموائرز ص ۱۸۹ پر ان دونوں مدرسوں کا الگ الگ وجود مانا گیا ہے [سیلیکشنز آف ایجوکیشنل ریکارڈز - ج ۱ - ص ۱۸۹]

پھر فرماتے ہیں:- " کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی بسم اللہ دہلی کی اس خوبصورت اور تاریخی عمارت میں ہوئی جو غازی الدین خاں کے مدرسے کے نام سے مشہور ہے اور نواب غازی الدین کا بنایا ہوا ہے " اس مرتبہ پھر مدرسہ دہلی اور دہلی کالج میں اشتباہ معلوم ہوتا ہے۔

ٹامس فشر کی روداد ۱۸۲۷ء میں مرتب ہوئی نہ کہ ۱۸۲۸ء میں (ص ۲) اسی طرح ایجوکیشن کمیٹی ۱۸۳۵ء سے کئی سال پہلے معرض وجود میں آچکی تھی۔ جسکا نام "پبلک انسٹرکشن کمیٹی" تھا۔

انداز بیان شگفتہ اور پُرلطف ہے اور اعداد و شمار کے خشک نقشوں میں بھی ایک ایسی ادبی لطافت نظر آتی ہے۔ جو لائق مصنف کے قلم کا خاصہ ہے [صفحات ۱۷۱۔ سطور ۲۲۔ کاغذ خوشرنگ اعلے۔ ٹائپ میں۔ طباعت عمدہ۔ قیمت ۱؎ (ایک روپیہ آٹھ آنے) ملنے کا پتہ:۔ انجمن ترقی اُردو۔ اورنگ آباد]

۳۔ "اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام"

(سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو ۴۲)

"صوفی مذہبی اور اخلاقی عالم میں ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ملک و ملت سے بے نیاز اور ہر قوم اور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ وہ ایک قسم کا باغی ہے جو رسم و ظاہرداری کو جو دلوں کو مردہ کر دیتی ہیں روا نہیں رکھتا اور اسکے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے"۔

"بادشاہ کا دربار خاص ہوتا ہے اور فقیر کا دربار عام"۔۔۔ بادشاہ جان و مال کا مالک ہے لیکن فقیر کا قبضہ دلوں پر ہوتا ہے"۔

"دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہے۔ ہم زبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے"۔

"اسلئے تلقین کے لئے انہوں نے (یعنی صوفیانے) جہاں اور ڈھنگ اختیار کئے۔ ان میں سے مقدم یہ تھا کہ اس خطے کی زبان سیکھیں تاکہ ان کا پیغام عوام تک پہنچا سکیں"۔

یہ اقتباسات مولانا عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اردو کی مندرجہ بالا کتاب سے لئے گئے ہیں۔ جو پہلے انجمن کے رسالہ اردو میں بصورت مضمون شایع ہوئی اور اب اسکو ایک مستقل تالیف کی شکل دی گئی ہے۔ کتاب کا عنوان "اردو کی ابتدائی نشو و نما"

صوفیائے کرام کا اثر" ہے۔ مولوی صاحب نے اس پر معلومات مقالہ میں گیارھویں صدی تک کے اہل اللہ اور صوفیا کا ذکر کیا ہے۔ بعد کے بزرگوں کا ذکر آپ نے اس لئے نہیں کیا کہ اس کے بعد یہ زبان عام ہو گئی تھی۔ اور اس میں بہت اچھے اچھے خوش بیان شاعر اور صاحب سخن پیدا ہو گئے تھے۔

آغاز میں چار پانچ صفحے کی تمہید ہے۔ جس میں صوفی اور اسکی حیثیت 'مسلمان درویشوں کی آمد ہندوستان میں' ہندوستانی کو اظہار خیال کا ذریعہ بنانے کی ضرورت 'مشاہیر اولیا کا ہندوستانی میں اظہار خیال کرنے کی ایک معتبر شہادت وغیرہ مباحث ہیں۔ جن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ صوفی' عوام میں اپنی تعلیم کی اشاعت کے لئے' عوام کی زبان کو اختیار کرنے پر مجبور تھے۔ جیسا کہ ان اقتباسات سے واضح ہو گیا ہوگا۔ جنکو ہم آغاز میں لکھ آئے ہیں۔

اس تمہید میں صوفی اور مولوی کا مقابلہ کرتے ہوئے مولوی صاحب نے دو بیانات ایسے دیے ہیں۔ جنکی صحت کا فیصلہ شاید خود صوفی و مولوی ہی کر سکیں گے۔ ہم اس مقدس مناظرہ میں شامل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

"مولوی اور صوفی میں یہ فرق ہے کہ وہ ظاہر کو دیکھتا ہے اور یہ باطن کو۔ وہ لفظ کو اور یہ معنی کو۔ . . . . وہ لعن طعن سے کام لیتا ہے اور یہ مہر و محبت سے۔ . . وہ خودی اور خود نمائی سے بڑا بنتا ہے اور یہ فروتنی اور خاکساری سے دلوں پر گھر کرتا ہے وہ دوسروں کے عیوب کا متجسس رہتا ہے اور یہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے۔ وہ اپنے علم سے مرعوب کرنا چاہتا ہے اور یہ اپنے عمل سے دوسروں کو لبھاتا ہے"۔

معلوم نہیں۔ مولوی اپنی اس تصویر کو کس نظر سے دیکھیں گے۔ پھر فرماتے ہیں:

"کہ مولوی سب کو ایک لاٹھی سے ہانکتا ہے۔ لیکن صوفی ہر ایک کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ہے . . . . اور اس میں بعض اوقات وہ شریعت سے تجاوز کرنے یا بعض ارکان و اصول کے ترک کرنے میں بھی مضایقہ نہیں کرتا" اب نہیں کہا جا سکتا کہ کونسا ذی علم صوفی'

اس تعریف کو اپنے لئے پسند کرے گا۔

مولوی صاحب نے مندرجہ ذیل صوفیائے کرام کے ہندی (یا بلفظ صحیح تر اردو) اقوال نقل فرمائے ہیں :- حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت فریدالدین شکر گنج۔ حضرت شیخ حمیدالدین ناگوری، بوعلی قلندرؒ۔ شیخ سراج الدین عثمان، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، حضرت شاہ برہان الدین غریب، حضرت گیسو دراز، حضرت قطب عالم و حضرت شاہ عالم، سید محمد جونپوری، شیخ بہاؤالدین باجن، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری، شیخ وجیہ الدین احمد علوی، شیخ بہاؤالدین برناوی، سید شاہ ہاشم حسنی شمس العشاق شاہ میراں جی شاہ برہان الدین جانم، شاہ امین الدین اعلیٰ، سید میراں حسینی، شاہ علی محمد جیو گام دھنی، میاں خوب محمد چشتی، باباشاہ حسینی،

اس فہرست میں اکثر ایسے بزرگوں کا ذکر ہے۔ جن کے متعلق مولوی صاحب نے پہلی مرتبہ اپنے قیمتی کتب خانہ کی کتابوں سے معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

آخر میں گجراتی اور دکنی کا فرق، صوفیا کے کلام و تصانیف کی حیثیت اور ان کا کام اور تذکرہ حضرت کبیر ہے۔

مولوی صاحب نے یہ دلچسپ مضمون نہایت ہی عالمانہ اور پرلطف انداز میں زیب رقم فرمایا ہے۔ جس میں حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ زبان اور اسلوب بیان کی خوبی و شگفتگی نمایاں ہے۔ فاضل مصنّف نے اس مختصر تصنیف میں وہ اطلاع بہم پہنچائی ہے جو دیگر ذرائع سے ہم کو نصیب نہیں تھی اس لئے کہ ان کے پاس اردو کے سلسلے میں ایسا نایاب ذخیرۂ کتب ہے۔ جس کی مثال دنیا کا کوئی کتب خانہ نہیں پیش کرسکتا۔ درحقیقت یہ کتاب زبان اردو کی ابتدائی تعمیر کے سلسلے میں بے حد مفید اور قیمتی ذخیرۂ معلومات ہے۔

کتاب کے بیانات علی العموم صحیح اور مستند ہیں اور مصنفین کے اقوال نقل کرنے میں صحت اور درستی کو قایم رکھنے کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے

البتہ بعض امور ایسے ہیں جنکے متعلق ہم محض بطور بیان واقع کچھ گذارشات کرنا چاہتے ہیں -

صفحہ ۱۲ کے حاشیہ میں شیخ احمد کھٹو کی نسبت آپ فرماتے ہیں "کہ موضع کھٹو میں مدفون ہیں"

صحیح یہ ہے کہ شیخ احمد سرخیز یا سرکھیج احمد آباد میں مدفون ہیں - مرآۃ احمدی میں احمد آباد کے ایک واقعہ کے سلسلہ میں مسطور ہے :-

"جماعۃ وکنیاں گروہ گروہ وجوق جوق بے ممانعت و دہشت در بلدہ در آمدہ بخرید و فروخت در کوچہ و بازار بکشادہ پیشانی و فراغ بال آمد و شد نمودند و آنچہ از بیرونات و لشکر شجاعت خان بغارت آوردہ بودند در معرض بیع در آوردند چنانچہ اسباب درگاہ شیخ احمد کھٹو قدس سرہٗ از غلاف مزار و شامیانہ و فانوس و مجمر برنجی کہ بردور مرقد نصب بود کندہ آوردہ بفروش رسانیدند" (ص ۶۳ ، جزو ۲)

شیخ بہاء الدین باجن کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ آپ شیخ عزیز اللہ المتوکل علی اللہ کے مرید تھے - (ص ۲۳ ، ۲۴)

لیکن صحیح یہ ہے کہ باجن ، شیخ عزیز اللہ متوکل کے فرزند شیخ رحمت اللہ کے مرید ہیں چنانچہ خود انکی تصنیف "خزانۂ رحمت" سے ظاہر ہوتا ہے - خزانۂ رحمت کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ رحمت اللہ ہی کتاب کا موضوع ہیں - مولانا نے ص ۲۴ پر آخری سطور میں باجن کا جو شعر دیا ہے - اسی میں رحمت اللہ کا نام موجود ہے ؎

محمد سرور پریم کا رحمت اللہ بھریا باجن جیوڑا وار کر سر آگیں دھریا

بعض اشعار میں الفاظ کی غلطیاں بھی موجود ہیں - لیکن غالباً کاتب ہی انکا ذمہ دار ہے

مثلاً ص ۲۵ (سطر ۲) ، 'پرکھو' کی بجائے 'پکھ' ص۸۸ (س ۱) میں 'جیوں دل' کی بجائے 'جیوں رل' ہونا چاہیئے [صفحات ۹۷ - سطور ۲۰ - طباعت عمدہ - کاغذ خوشرنگ قیمت ۸ر ملنے کا پتہ :- انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)] "ع"

۴- تذکرہ ریختہ گویاں

مولفہ سید فتح علی گردیزی کو جنکا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا تھا ، انجمن ترقی اردو نے اپنے مطبع میں ٹائپ کے حروف میں چھاپا ہے - ۱۸×۲۲ تقطیع پر ایک سو اکسٹھ صفحات کی کتاب ہے - کاغذ اچھا ہے - چھپائی بھی بری نہیں - ٹائپ وہی ہے جو انجمن کے مطبوعات میں استعمال ہو رہا ہے - قیمت مجلد عہ اور غیر مجلد ۱۲ر علاوہ محصولڈاک ہے - تصیح بھی اچھی خاصی ہے -

مولوی عبدالحق صاحب بی - اے معتمد اعزازی انجمن مذکور نے اسے ترتیب دے کر ایک مقدمہ سترہ صفحہ کا اس پر لکھا ہے - جس میں مولف کتاب کے حالات کے متعلق اچھا مواد مہیا کر دیا ہے - سید صاحب نے اپنے ہمعصر شعرا میں سے ۹۸ شاعروں کا تذکرہ لکھا ہے -

گو ہمارے پرانے تذکرہ نویسوں میں یہ مرض عام ہے کہ شعرا کی سوانحمری اخلاق و عادات طرز کلام اور انتقاد جیسا چاہیئے اس سے تعرض نہیں کرتے - پھر بھی کچھ نہ کچھ حالات شاعر لکھ ہی دیتے ہیں - مگر اس تذکرہ میں ہر شاعر کے لئے کم و بیش یکساں تعریفی الفاظ لکھ دئے گئے ہیں اور ان کے کلام کا انتخاب دیا گیا ہے مگر حالات بہت ہی کم ہیں - میر تقی میر کے کلام سے جنکو سب نے غزل گوئی میں تفوق دے رکھا ہے - شاید کسی کی طرفداری اور جذبۂ انتقام کی وجہ سے صرف ایک شعر کے انتخاب پر اکتفا کی ہے - حالانکہ بہتر نشتر ان کے زبان زد خلائق ہیں - بہرحال مولانائے موصوف کی جس سعی سے ایک تصنیف ۱۱۶۰ھ کی پبلک کے ہاتھ میں آگئی جس سے دو سو برس پیشتر کی اُردو کا کچھ پتا چلتا ہے - "ا"

۵۔ مخزن شعرا۔ حال میں ایک کتاب مسمّی باسم تاریخی مخزن شعرا مولفہ قاضی نورالدین حسین خاں رضوی فائق مرحوم ۲۲ × ۱۸ تقطیع پر جامعہ پریس دہلی سے لیتھو میں چھپوا کر مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن نے مطبوعات انجمن ترقی اردو کے سلسلہ میں شائع کی ہے۔ ۱۴۰ صفحات پر ہے اور قیمت مجلد کی ۱۴؍ اور غیر مجلد کی ۱۲؍ علاوہ محصول ڈاک رکھی ہے۔ خود انجمن سے ملتی ہے۔

اصل کتاب فارسی زبان میں ہے۔ شعرائے اردو گوئے گجرات کا تذکرہ ہے۔ شروع میں مولوی عبدالحق صاحب کا مفید مقدمہ آٹھ صفحات کا ہے جس میں اردو کی قدامت سے بحث کی گئی ہے۔ اس کا بھی ذکر ہے کہ ولی اورنگ آبادی ہیں یا گجراتی ہیں۔ اس بارہ میں مختلف اقوال کو بطور شواہد پیش کیا ہے۔ مگر قول فیصل نہیں لکھا۔

تقریباً ایک سو دس شعرا کا تذکرہ ہے۔ زیادہ تر بارھویں صدی کے آخر اور تیرھویں صدی ہجری کے شعرائے گجرات کا ذکر ہے۔ پرانے ڈھنگ پر لکھا گیا ہے۔ حتیٰ کہ سنہائے ولادت و وفات شعرا بھی تقریباً نہیں۔ پھر انتقاد کلام یا اخلاق و عادات و طرز سخن شاعر کا کیا ذکر باایںہمہ افادہ سے خالی نہیں۔ کم از کم گجرات میں ذوق سخن اردو کا تو پتہ لگتا ہے۔

اغلاط طبع جو مشغلۂ امتیازی لیتھو کا ہے۔ اس سے خالی یہ کتاب بھی نہیں۔ ص۹ پر

؎ جراحات انسان لہا التیام لکھا ہے۔ حالانکہ اس طرح ہے ؎

جراحات السنان لہا الالتیام

نیز اس مصرع میں ؎ وفاطمہ زوجتی لاقول ذی فندی۔ آخر لفظ میں یائے تحتانی بجائے اشباع بڑھا دی۔

صفحہ ۱۰ میں ملافیظ کو ملافیط بطائے مہملہ۔ اور "تودد معتزی الیہ" کی جگہ "تودد معتز الیہ" اور "انجاح مرام" کی جگہ "ابتحاج مرام" لکھا ہوا ہے۔

مولف کے کلام میں بھی بعض تسامحات پائے جاتے ہیں مثلاً

تن زدہ شدہ ام بصد زمانہا کال گویا کہ زبان در دہان نیست مرا

پہلا مصرع یوں ہونا بہتر ہے ؎ تن در زدہ ام بصد زمانہا کال

"۱"

سلطان حسین میرزا
کے
دربار میں علم و ہنر کی سرپرستی

ذیل کے دو اقتباسات واقعات بابری اور تاریخ رشیدی سے لئے گئے ہیں، بابر اور حیدر میرزا دونوں نے سلطان حسین میرزا کے زمانے پر روشنی ڈالی ہے اور دکھایا ہے کہ ہرات ان دنوں میں کس طرح علم و ہنر کا مرکز بن گیا تھا، بابر کا بیان قدرے مجمل اور میرزا حیدر کا گونہ مفصل ہے،

جیسا کہ معلوم ہے واقعات بابری، توزک بابری (ترکی) کا فارسی ترجمہ ہے، جو میرزا عبدالرحیم خانخانان (م۔ ۱۰۳۶) نے اکبر کے حکم سے ۹۹۸ھ میں مکمل کیا۔ توزک میں ۸۹۹ سے ۹۳۶ تک کے واقعات درج ہوئے ہیں مگر مسلسل نہیں ہیں اور تین ٹکڑے بیچ بیچ میں سے غائب ہیں جس سے توزک چار حصوں میں منقسم ہوگئی ہے۔ دوسرے حصے میں ۹۱۰ سے ۹۱۴ تک کے واقعات ہیں۔ اسی حصے میں بابر نے ۹۱۱ھ کے واقعات کی ذیل میں سلطان حسین میرزا اور اسکے دربار کے حالات دئے ہیں اور اسی سے اقتباس ذیل لیا گیا ہے،

اگرچہ واقعات بابری کا متن بابر نامہ کے نام سے الور کے خطی نسخہ کی بنا پر میرزا محمد ملک الکتاب نے بمبئی میں چھپوایا تھا مگر وہ متن کچھ محرف سا ہے اور کمی بیشی سے خالی نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے زبان کی فصاحت کے خیال سے میرزا عبدالرحیم کے ترجمہ پر جو اصل ترکی سے مطابقت تامہ رکھتا ہے۔ نظر ثانی کر کے بلالحاظ متن ترکی اس میں

---

[۱] دیکھو فہرست ریو ص ۲۴۴،

تبدیلیاں کی ہیں۔ اقتباس ذیل واقعاتِ بابری کے اس نفیس نسخہ پر مبنی ہے جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے اور مصنف کی زندگی میں دہلی میں مکمل ہوا، اسکے صفحہ اول پر ایک ایسا شخص[1] جو خانخانان کو "قبلہ گاہی" کہتا ہے نہایت خوشخط حروف میں یوں رقمطراز ہے :

الله اکبر

ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ

واقعات بابری

خان خانان مدظلہ

ترجمہ تاریخ واقعات عالی حضرت کیوان رفعت علیین اشیانی　　کہ نواب افلاطون قریحت عطارد فطنت قبلہ گاہی سپہ سالاری فارسی کردہ در کمال عذوبت و بے تکلفی تاریخ باین نفاست و راستی ظاہرا مرقوم نگشتہ باشد صد حیف کہ تمام ایام دولت آن بادشاہ غازی در نظر مترجم در زیادہ تفحص و تجسس آن بسیار شدہ پیدا نشدہ ظاہرا در ایام فترت گم شدہ باشد تاریخ ماہ تیر الہی سنہ ۷[2] موافق غرہ جمادی الاول سنہ ۱۰۲۱ در حضرت دہلی کاتب باتمام رسانید

اس نسخہ کے ورق ۲۶۰ ہیں۔ تقطیع ۱۰" × ۵ ۳/۴"، مسطر کی تقطیع ۶ ۱/۵" × ۳ ۱/۵"، مسطور ۲۱، خط نستعلیق، کہیں کہیں سرخی کے نشانات، کاغذ قدرے کرم خوردہ،

---

[1] ممکن ہے یہ میرزا ایرج (شاہنواز خان) یا اسکا بھائی میرزا داراب ہو۔ تذکرہ خوشنویسان ص۸۵ پر لکھا ہے کہ یہ دونو بھائی نستعلیق و نسخ خوب لکھتے تھے [2] یعنی جلوس جہانگیری کا ساتواں سال،

اقتباس ذیل کا مقابلہ مطبوعہ نسخہ سے کیا گیا اور اختلاف متن حاشیہ میں دکھایا گیا ہے
توزک بابری (ترکی) بھی راقم حروف کے سامنے تھی اسکے ساتھ بھی مقابلہ کیا گیا۔ مسز
بیورج کے ترجمہ توزک سے بھی استفادہ کیا گیا، نسخۂ قلمی کی علامت حواشی میں آ ہے اور
مطبوعہ اڈیشن کی علامت م

تاریخ رشیدی میرزا حیدر دوغلات کی تصنیف ہے۔ جو اسنے ۹۵۳ میں بعہد ہمایوں
ختم کی۔ کتاب اور مصنف کا مفصل حال فہرست ریو ص ۱۶۴ بیعد پر دیکھنا چاہئے۔
تاریخ رشیدی کا وہ اقتباس جو درج ذیل ہے سلطان حسین میرزا اور اس کے دربار کے
اہل علم و ہنر سے متعلق ہے یا اقتباس دو نسخوں پر مبنی ہے جو کتابخانہ پنجاب یونیورسٹی میں موجود
ہیں۔ انکا حال درج ذیل ہے، پہلے نسخہ سے متن لیا گیا ہے اور دوسرے کو مقابلہ کے لئے
استعمال کیا گیا، بعض عبارتوں کا مقابلہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کے نسخوں سے بھی کیا گیا۔

(۱) نسخہ اول جو ۱۱۴۲ھ میں پٹنہ میں عبداللہ خان بہادر فیروز جنگ کے لئے خواجہ محمد خاوند بن
خواجہ خاوند محمود نقشبندی نے لکھا، خواجہ نے اپنا پورا نسب خاتمہ میں دیا ہے جسکا حاصل یہ ہے
کہ وہ خواجہ علاء الدین عطار (داماد حضرت شاہ نقشبند کی اولاد سے ہے[۲]،
صفحات ۹۱۰، تقطیع ۸" x ۱۳" (تقریباً)، سطور ۱۷، اس نسخہ کی علامت حواشی میں آ ہے،

(۲) نسخہ دوم کے دفتر اول کے آخر میں تاریخ کتابت سلخ ذی حجہ ۹۵۲ دی ہے، آخری
ورق موجود نہیں، صفحہ آخر پر جو عبارت درج ہے وہ بعد کے ورق کے موجود نہ ہونے
سے ناقص ہو گئی ہے۔ وہ ناقص عبارت یہ ہے:

این نسخہ شریفہ موسوم بتاریخ رشیدی از تالیفات مغفرت نشانی مرزا حیدر گورگانی

---

[۱] فیروز جنگ خواجہ عبید اللہ ناصر الدین احرار کی اولاد سے تھا، اسکا حال دیکھو مآثر الامرا ج ۲ ص ۷۷۷ ببعد، یہ وہ
شاہجہان کے سشم جلوس (۱۰۴۲) میں صوبہ دار بہار مقرر ہوا تھا (مآثر ۲: ۷۸۴)، [۲] کاتب نے اجرت بھی درج
کی ہے۔ اس ۹۱۰ صفحہ کی کتاب کی کتابت کے لئے ۲ روپیہ شاہجہانی ملے اور دو روپیہ کاغذ کی قیمت، محمد خاوند کیلئے دیکھو خزینۃ الاصفیا ص ۶۹۳
خواجہ خاوند محمود وہی ہیں جنکو حضرت ایشان کہتے ہیں، وہ لاہور میں مدفون ہیں۔

را حضور صفوت و ولایت ظهور ابوالفتح سلطان محمد شاه مخاطب بشاه خدابنده ثانی صفوی بخاقان . . . فردوس منزل شاه عالم ثانی گورگانی وعده فرموده بودند چون ماان . . . مکان بجنت خرامیده بودند مطالعهٔ ساطعه لامعهٔ شاهنشاه ظل الله عدالت و مروت توامان . . . .

شاہ عالم ثانی ۱۱۷۳ میں تخت نشین اور ۱۲۲۳ میں فوت ہوا ‘

اوراق ۲۹۷ ‘ تقطیع ۸ × ۵ ½" ‘ سطح محرر ۶ × ۳ ½" (قریباً) ‘ سطور ۱۳ ‘ خط نستعلیق ‘

اس نسخہ کی علامت حواشی میں بَ ہے ‘

(۴) تاریخ رشیدی کے دو نسخہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہیں ۔ ایک کا نمبر Or. 294 ہے ۔ دوسرے کا Or. 461 ‘ انکا مفصل حال تکملۂ فہرست مرتبہ پروفیسر براؤن میں دیا ہے ‘ کیمبرج کے قیام کے اثنا میں راقم سطور نے پہلے نسخے سے بعض عبارتیں نقل کیں اور یادداشتیں لیں ۔ اور دوسرے کو مقابلہ کے لئے استعمال کیا ۔ ان اقتباسوں کے مرتب کرنے کے وقت وہ عبارتیں بھی سامنے ہیں ۔ پہلے نسخہ کی علامت حواشی میں کاَ اور دوسرے کی کبَ ہے ‘

صفحہ ۱۴۲ کے مقابل میں میر جمال الدین محدث کی تحریر کا عکس دیا جاتا ہے ‘ یہ تحریر تاریخ بیہق کے اس نسخہ کے آخری اوراق میں درج ہے جو برٹش میوزیم میں ہے دیکھو تکملہ فہرست مخطوطات فارسیہ از ریو ص ۶۱ ‘ امیر جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ الملقب بہ جمال الحسینی روضۃ الاحباب کے مصنف ہیں ۔ دیکھو حبیب السیر ۳ : ۳ : ۳۴۸ اور ریو ص ۱۴۷ ‘

۱- اقتباس از واقعات بابری

[ورق ۱۰۸] زمان سلطان حسین میرزا عجب زمانی بود، از اہل فضل و مردم بی نظیر دور خراسان بہ تخصیص شہر ہری مملو بود ہر کس را[1] بہر کاری کہ مشغولی بود ہمت و غرض او آن بود کہ کار یکمال برساند،

از انجملہ یکی مولانا عبدالرحمٰن جامی بود کہ در علوم ظاہر و باطن در زمان خویش آنمقدار کسی نبود شعر خود معلوم ہست، جناب ملا از آن عالی تر است کہ بہ تعریف احتیاج داشتہ باشد، غایتش در خاطر گذشت کہ درین اجزای محقر از جہت تیمن و تبرک نام ایشان مذکور وشمہ از صفات ایشان مسطور شود،

دیگر شیخ الاسلام سیف الدین احمد بود از نسل ملا سعد الدین تفتازانی است، از دو این طرف در ممالک خراسان شیخ الاسلام شدہ آمدہ[2] اند* بسیار دانشمند کسی بود، علوم عربیہ و علوم نقلیہ را خوب میدانستہ، بسیار متقی و متدین کسی بود اگرچہ شافعی بود ہمہ مذاہب را رعایت میکردہ، میگویند کہ ہفتاد[3] و سال نزدیک بود و* نماز جماعت ترک نکردہ بود، شاہ اسمٰعیل در گرفتن ہری او را[4] * شہید کرد از نسل ایشان کسی نماند،

دیگر ملا شیخ حسین بود اگرچہ ظہور و ترقی ملا شیخ حسین در زمان سلطان ابوسعید میرزا بودہ چون در زمان سلطان حسین ہم بودہ از آنجہت مذکور شد، حکمیات و عقلیات و علم کلام را خوب میدانستہ، در اندکی از الفاظ بسیار سخن یافتہ در[5] وقت* گفت و گو

---

[1] در تم (= نسخہ مطبوعہ) ندارد [2] آ (= اصل قلمی) = آمدند [3] تم: ہفتاد و سال نزدیک بودہ کہ
[4] تم: او را از دست یکی از قزلباش (کہ ترکی اصل میں نہیں ہے) [5] در تم ندارد

کردن اختراع او بود، در زمان سلطان ابوسعید مرزا بسیار مقرب و صاحب اختیار بود در جمیع مهمات ممالک [دخل او بوده]، احتساب را خود از و بهتر کسی نه کرده،[1] از همین جهت که در زمان سلطان ابوسعید مرزا مقرب بوده در زمان میرزا سلطان حسین باین چنین بی نظیر کسی را[2] اعتبار رسانیده‌اند،

دیگر ملازاده ملاعثمان بود از چرخ نام دهی بوده از[3] تومان لهوگر که از تومانات کابل است، چنان[4] در زمان الغ بیگ میرزا در سن چهارده سالگی درس می گفته ملای مادر زاد می گفته اند، در وقتی که از سمرقند بمکه رفته در وقت مراجعت بهری رسیده بود که سلطان حسین میرزا منع نموده نگاه میدارد، بسیار دانشمند کسی بود در آن زمان برابر او دانشمند هیچکس[5] نه بود، میگویند که بمرتبه اجتهاد رسیده بود ولی اجتهاد نه کرده بود، از و منقول است که میگفته که کسی چیزی را شنیده چه طور فراموش میکند، قوی حافظه داشته،

دیگر میر مرتاض[6] بود، حکمیات و معقولات را خوب میدانسته از آنجهت باین لقب ملقب شده که بسیار روزه میگرفته، بشطرنج شغف بسیاری[7] داشت درین مرتبه که اگر [به[8]] دو حریف برمی خوردند* بیکی شطرنج باخته دامن دیگری را گرفته می نشسته که مبادا برود،

دیگر ملامسعود شروانی بود،

دیگر ملاعبدالغفور لاری بود، هم مرید و هم شاگرد ملاعبدالرحمن [جامی[9]] بود، اکثر مصنفات ملارا در پیش ملا گذرانده بوده، بر نفحات مثل شرح چیزی نوشته، در علوم ظاهری بسیار مستحضر بود، باوجود علوم ظاهری از علوم باطنی هم بهره‌مند بود، عجب بی تعین و بی تکلف

---

[1] آ: که از [2] در م ندارد [3] م: کسی

[4] دیکھو ہی رسالہ بابت مئی ۱۹۳۲ء ص ۱۵۸ [5] آ: دو حریف وامی خوردند تصحیح از روی م،

[6] دیکھو یہی رسالہ بابت مئی ۱۹۳۲ء ص ۱۵۵

کسی بود، هر کسی را که ملا میگفتند از[1] جزو کشیدن پیش او عارش نه بود، در هر جائی که درویشی[2]* نشان میدادند تا رسیدن پیش او قراری نداشت، در وقت رفتن من بخراسان ملا عبدالغفور مریض بود در وقت طواف نمودن ملا[3] بعیادت* ملا عبدالغفور رفته بودم، در مدرسه[4] ملا بود بعد از چند روز [ورق ۱۰۹] بهمان مرض نقل کرد،

دیگر[5] میر جمال الدین محدث بود، در خراسان دانا، علم حدیث مثل او نه بود خیلی معمر است[6] تا این تاریخ زنده بود*

دیگر میر عطاء الله مشهدی بود علوم عربیه را خوب میدانست، در قافیه یک رساله فارسی نوشته، طوری نوشته، عیبش اینست که بجهت امثله تمام ابیات خود آورده، دیگر آنکه پیش از هر بیتی لفظ "چنانچه درین بیت بنده "گفته" را لازم کرده[7]، دیگر در علم صنائع شعر بدائع الصنائع نام رساله نوشته، خیلی خوب نوشته، طور[8] رساله ایست* و مذهب انحراف[9] داشته،

دیگر قاضی اختیار بود قضا را خوب کرد، در فقه رساله فارسی نوشته، طور رساله ایست، دیگر بهر مضمون بجهت اقتباس آیات کلامی را جمع نموده، در وقت ملاقات نمودن میرزایان در مرغاب قاضی اختیار و محمد[10] میر یوسف* همراه آمده دیدند از خط بابری سخن[11] ... مفردات را طلبیده[12] نوشتم، در همان مجلس مفردات را* خوانده و قواعد او را دانسته چیزها نوشت*،

دیگر محمد[13] میر یوسف* بود شاگرد شیخ الاسلام بود، آخر آن شیخ الاسلام بجای خود بود لمعه

---

[1] اس جملہ کا ترجمہ مسز بیورج نے غلط کیا ہے، جزو کشیدن یعنی کسب علم ہے [2] آ: درویشی که [3] م: مزار همراه ملا بعیادت، ترجمہ کا مفہوم ہے "بعد از طواف نمودن مزار ملا بعیادت الخ" ملا سے مراد جامی رح ہیں [4] مسز بیورج نے حذف ... [5] م: بود [6] ترکی اصل کی رو سے اس کے بعد ہونا چاہیے: "در رساله قافیه بعض معارضات ... کرده اند" مگر یہ آ اور م میں نہیں ہے [7] ترکی اصل میں نہیں ہے [8] م: حیرانی و بعد ... انحرافی) [9] کذا در آ و ترکی، م: محمد یوسف، [10] در م ندارد [11] آ: نوشته ج از روی م و اصل ترکی، [12] کذا در آ، ترکی و م: میر محمد یوسف،

نيسابور على عشرين فرسخا منها مشتملة على عدة قرى نقل عنه في مواضع في
مواضع منها ان وقت المغرب موسع ونقل الرافعي عنه في مواضع منها
اختياره وجوب الكفارة في نذر المعصية وكان له ولد فقيه محدث يقال له
ابو علي اسماعيل ويلقب بشيخ القضاة ولي القضاء والتدريس والخطابة
بخوارزم النار ثم عاد اليها غاب نحو ثلاثين سنة الى ان مات بها

ابو محمد الحسين بن مسعود البغوي المعروف بابن الفرا تارة وبالفرا اخرى
الملقب بمحيي السنة مصنف التهذيب الامام في التفسير والحديث والفقه تفقه
على القاضي حسين وهو من تعليقته لخص التهذيب وكان دينا قانعا باليسير
اكل الخبز وحده فعذل في ذلك فصار ياكله بالزيت وكان لا يلقي الدرس
الا على طهارة قال ابن خلكان توفي بمرو الروذ في شوال سنة ست عشرة
وخمسمائة ودفن عند شيخه قال والبغوي منسوب الى بغا بفتح الباء
وهي قرية بخراسان بين هراة ومرو وكان له اخ عالم يقال له ابو الحسن
تفقه على اخيه وتوفي بعده باثنتي عشرة سنة   تم المهمات في فقه
الامام الامام الشافعي المطلبي رضي الله عنه
تصنيف الشيخ الامام جمال الدين عبد الرحيم
الاسنوي رحمه الله

حرره الفقير
فضل الله المشتهر
بعطاء الله
كمال الحسيني
عفا الله عنهما

کرد، در بعضی مجلس قاضی اختیار بلند تر می نشست و در بعضی مجلس این آخر آن بکار سپاهی
گری و سواری آنچنان مفتون و مشغوف بود که بغیر ازین دو کار نه از علم معلوم بود و
نی از کلام فهم مفهوم، اگرچه از هر دو نصیب و بهره نداشت آخر از همین دغدغها مال و جان
و خان و مان او بر باد رفت[1]،

از شعرا[2]

سرآمد* و سردفتر این جمع هم ملا عبدالرحمن جامی بود[3] دیگر شیخم سهیلی و حسن علی طفیلی جلایر بود
که نامهای ایشان و صفات ایشان در جرگهٔ امرای سلطان حسین[4] و ندیمان او مذکور و مسطور شد،
دیگر آصفی بود از جهت وزیرزادگی آصفی تخلص کرده
شعر او از رنگ و معنی خالی نیست اگرچه از عشق و حال بی بهره است، دعوی
خودش این بوده که من هرگز هیچ غزل خود را در وادی جمع نمودن او نشده ام، غالباً
تکلف باشد، این غزلیات او را ایتی یا قرابتی[5]* جمع کرده است، غیر از غزل نوع
دیگر شعر کم گفته، وقتی که بخراسان رفتم ملازمت کرده بود،
دیگر بنائی هروی الاصل [دشت[6]] پدر او استا محمد سبز[7]* بنا نام داشته ازینجهت این چنین تخلص کرده، در غزل
و رنگ و حال بهره هست، دیوان ترتیب داده است مثنویات هم دارد، یک مثنوی
دارد، در باب میوه‌ها در بحر متقارب، بی حاصل[8]* چیز لیست بیکاری[9] کرده، یک مثنوی مختصر
دارد در بحر خفیف، یک مثنوی دیگر دارد کاان ترانه ین آن هم در بحر خفیف، این مثنوی ده

---

[1] اس سے بعد ترکی اصل میں ایک جملہ اس مضمون کا ہے "شیعی بوده باشد"

[2] م: سرآمد شعرا، اما متن مطابق ترکی است [3] م: و [4] آ: امرء،

[5] آ: ایتی یا قرابتی، م: انیسی اسفرای، اصل ترکی میں بھی با (بجای یا) لکھا ہے، [6] از ردی م
کی [7] آ: سبز بنا، ترکی: سربنا، م: بنا، [8] م: شاغل، ترکی: بجھل [9] م: مکاری،

او اخر تمام کرده بود، در اوایل از موسیقی بیخبر بوده ازین جهت علیشیر بیگ طعن میکرده
یک سال میرزا بمرو بجهت قیشلاق میرود علیشیر بیگ هم می رود* بنائی در بری می
ماند آن زمستان موسیقی مشق میکند تا تابستان آنچنان میشود که کارها می بندد، در تابستان
وقت آمدن میرزا بهری صوت و نقش بسته میگذراند علیشیر بیگ تعجب کرده تحسین کرده، در
موسیقی طور[1] کارها* بسته، ازان جمله یکی نقشی دارد به نه رنگ موسوم، تمام شدن به ننگ
و یلدائی[2]* در راست است، به علی شیر بیگ خیلی متعرض بوده ازین جهت خیلی جفاها
کشید آخر نتوانست ایستاد، بعراق و آذربایجان پیش یعقوب بیگ بد نبوده حریف مجلس
شده بود، بعد از مردن یعقوب بیگ در آن ولایتها نتوانست قرار گرفت و بهری آمد ظرافت
و تعرض بحال خود بود، از آن جمله یکی اینست که یک روز در مجلس شطرنج علیشیر بیگ
[پای[3] خود را دراز می کند یکون طابنائی می رسد علی شیر بیگ] بمطایبه میگوید که عجب
بلا ییست در هری اگر پای دراز میکنی بکون شاعر میرسد، بنائی میگوید اگر جمع میکنی هم بکون
شاعر میرسد، آخر (ورق ۱۰۱) از جهت ظرافتهای خود باز از هری عزیمت سمرقند کرد، علیشیر
بیگ چیزی بسیاری اختراع نموده بوده و خوب چیزها اختراع کرده بود هر کس در هر کاری
یک چیزی که اختراع می کرد از جهت رواج و رونق آن چیز علیشیری بگفته اند بعضی
بظرافت بعلی شیر بیگ اسناد میکرده اند چنانچه علیشیر بیگ در درد گوش خود رومال بسته
بوده آن طریق رومال بستن را ناز علی شیری نام ماندند، بنائی از هری عزیمت سمرقند
میکند در آن وقت بجهت خر خود به پالان دوز پالان غیر کمری فرموده نام او را[4] شیری
میگوید پالان* علیشیری مشهور شد،

---

[1] درم ندارد [2] و: تورکارها، م: طورها [3] درم ندارد، اس تمام جملہ کا مفہوم اصطلاحات موسیقی
کی وجہ سے واضح نہیں ہے [4] زردی م (مطابق ترکی)، در آ ندارد [5] اصل ترکی کے اس نسخہ میں نہیں
بظاہر کسی دوسرے نسخہ میں تھا،

دیگر سیفی بخاری بود فی الجملہ ملائی داشتہ مفصل کتابہای خواندۂ خود را بمردم نمودہ ملائی خود را اثبات میکردہ، دیوان ترتیب دادہ بود یک دیوان دیگری ہم دارد کہ بجہت جمیع حرفۂ[1] گران گفتہ، مثل را بسیار گفتہ[2] مثنوی ندارد چنانچہ قطعۂ او بر این معنی دالست ؎

مثنوی گرچہ سنت شعراست　　　من غزل فرض عین میدانم
پنج بیتی کہ دلپذیر بود　　　بہتر از خمستین میدانم

یک عروض فارسی دارد، بسیار کم سخن است، بیک حساب پر سخن است، کم سخن باین معنی کہ چیزہای، کار آمدنی را نہ نوشتہ، پر سخن باین معنی کہ کلمات روشن وظاہر را تا نقطہ و اعراب او را نوشتہ، شراب را بدمیخوردہ و بد شراب بود، محکم[3] ضرب مشتی داشتہ*

دیگر عبداللہ مثنوی گوی بود، از جام است خواہرزادہ ملامی شود و تخلص ہاتفی است، در مقابلہ خمسہ مثنوی ہا گفتہ، در مقابلۂ ہفت پیکر [مثنوی[4] کہ گفتہ نامش ہفت منظر نہادہ و در مقابلہ سکندر نامہ] تیمور نامہ گفتہ از این مثنوی ہای او لیلی و مجنون مشہورست اگرچہ لطافت او در خور شہرت او نیست،

دیگر میر حسین معمائی است غالبا معما را مثل او ہیچکس نگفتہ، اوقات او ہمیشہ بذکر معما مصروف میشدہ (ورق ۱۱۰ ب) عجب فقیر و نامراد و بی بدل[5]* کسی بودہ،

دیگر ملا محمد بدخشی [بود[6] از اشکمیش است، اشکمیش داخل بدخشان نیست عجب است کہ بدخشی] تخلص کردہ شعراو در برابر شعرای این شعرای کہ اسامی ایشان مذکور شدہ

---

[1] آ. حرقہ　[2] م: بستہ، ترکی اصل موید متن،　[3] م: مشت را محکم می زدہ،

[4] یہ عبارت آ اور م میں نہیں ہے، ترکی اصل کے قیاس پر بڑھائی گئی، مسز بیورج نے اس کا ... غلط کیا ہے　[5] کذا در آ و م مگر ترکی اصل میں "بے بدل" ہے،

[6] ... عبارت م سے نکلی گئی، آ میں نہیں مگر م میں دوسری مرتبہ اشکمیش نہیں لکھا، گو ترکی میں ہے،

نبوده، در معما رسالهٔ نوشته، معمائیش هم خیلی خوب نیست اما خوش صحبت کسی بود، در سمرقند مرا ملازمت کرده بود،

دیگر یوسف بدیعی بود، از ولایت فرغانه است، قصیده را بدنی گفته،

دیگر آهی بود غزل طوری[1] میگفت آخر آن پیش ابن حسین میرزا می بود، صاحب دیوان است،

دیگر محمد صالح بود غزلهای[2] او بی چاشنی نیست* شعر ترکی هم میدارد و بد نگفته، آخر آن پیش شیبانی خان آمده بود فی الجمله رعایت کرده بود، بنام شیبانی خان یک مثنوی ترکی نوشته بود در وزن رمل مسدس مخبون که وزن سبحه باشد، بسیار سست و فرود است، خواننده از شعر محمد صالح بی اعتقاد میشود یک بیت خوب او اینست

بولدی تنبل‌غه[3] [و] طن فرغانه قیلدی فرغانه نی[4] تنبل خانه

ولایت فرغانه را تنبل خانه هم میگویند، در آن مثنوی اینقدر بیت معلوم نیست که باشد، شریر و ظالم طبع و بیرحم کسی بود،

دیگر شید[5] حسین کلامی بود شعرهای این هم بد نیست، غزل گو نیست غالباً دیوانی دارد،

دیگر هلالی است، درین تاریخ هم هست غزلهایش هموار و نگین و کم خدشه است دیوان هم دارد یک مثنوی دارد در بحر خفیف بشاه[6] و درویش موسوم* اگرچه بعضی ابیات او طوری واقع شده اما مضمون این مثنوی و استخوان بندی او بسیار کاواک و خراب است

---

[1] آ: توری [2] م میں نہیں ہے، ترکی میں ہے [3] م: ترکی کے زیادہ مطابق ہے یعنی "غزلهای چاشنی دار دارد اگرچه همواری او در برابر چاشنی نیست" [4] مراد سلطان احمد تنبل سے ہے، ترجمہ یہ ہے، تنبل را فرغانه وطن شده است و وی فرغانه را تنبل خانه کرده است [5] آ: ذ نی (کہ غلط ہے) [6] م: شاه [7] م- هم دارد،

شعرای ماتقدم بجهت عشق و عاشقی مثنویاتی که گفته[1] اند* عاشقی را بمرد و معشوقی را بزن نسبت کرده اند، هلالی درویش را عاشق ساخته و بادشاه[2] را معشوق، ابیاتی که در اوراق افعال و اقوال شاه گفته حاصل که شاه را جلبی و فاحشه[3] کرده و بجهت مصلحت مثنوی خود یک جوانی[4] را نگاه داشت یا زشاه جوانی را* بسیار بی[5] صورت است که مثل فاحشها و جلبها[6] تعریف بکند، حافظه قوی داشته سی[7] و چهل هزار بیت یاد داشته می گویند که اکثر ابیات خمستین را یاد داشته، در علم عروض و قافیه خیلی مستحضر[8] است،

دیگر اهلی است، سامی بوده شعرهای او بد نیست، دیوان هم دارد

از خوشنویسان

اگرچه خیلی مردم بودند اما سرآمد همه در نسخ تعلیق سلطان علی مشهدی بوده، بجهت میرزا[9] علی شیر بیگ کتابت بسیار کرده هر روزی سی بیت بجهت علی شیر بیگ[10]* و بیست بیت بجهت میرزا نوشته*

از مصوران

بهزاد بود کار مصوری را بسیار نازک میکرده اما چهرهٔ آدم بی ریش را بد می کشاده،

---

[1] م: بگفتند [2] آ: در و بادشاه، م مثل متن [3] م: خیلی و بجای جلبی و ،

[4] م: جوانی بادشاه را، اصل ترکی کا مطلب یہ ہے کہ: اپنی مثنوی کی مصلحت کے لئے ایک نوجوان کا جبکہ وہ نوجوان بادشاہ بھی ہے - اسنے نامناسب طریق پر ذکر کیا ہے اور جلبی اور فاحشہ عورتوں کی طرح اسکی تعریف کی ہے [5] م: بی ادبی کرده، [6] آ: جبلها، م: جلها،

[7] م: که، مگر متن ترکی کے مطابق ہے [8] م: مشتهر [9] م: میرزا

[10] م: علی شیر بیگ می نوشته،

منبغب او را بسیار کلان می کشیده، آدم ریش دار را خوب چهره کشائی می کردد،

دیگر شاه مظفر بود تصویر را بسیار نازک میکرد عمر بسیار [ی] نیافت در محل ترقی از عالم رفت،

از اہل نغمہ

قانون[1] را مقدار خواجه عبدالله مروارید کسی ننواخته چنانچه مذکور شد،

دیگر قل محمد عودی بود غجک[2] را خوب می نواخت[3] در غجک سه تار* او بست از اہل نغمه و اہل ساز هیچکس این مقدار بسیار و خوب پیشرو[4] نه بسته* باشد[5]،

دیگر شیخی نائی است عود را و غجک را هم خوب می نواخته، از دوازده سیزده سالگی نی را خوب می نواخته یک نوبت در صحبت بدیع الزمان میرزا یک کاری را خوب می برارد قل محمد از غجک آن کار را بر آورده نتوانست[6]، گفت که* غجک ساز ناقص است، شیخی[7] فی الحال غجک را از دست قل محمد گرفته آن کار را در[8] غجک خوب و پاکیزه می نوازد[9]، از شیخی[10] یک چیزی روایت کرده‌اند در نغمات آنچنان مستحضر بوده که هر نغمه که می شنیده می گفته فلان پرده فلان[11] [نی] * باین آهنگ است اما کار بسیار نه بسته، یک دو نقشی از و میگویند،

دیگر شاه قلی غجکی بود عراقی است بخراسان آمده و ساز مشق کرده ترقی کرد خیلی نقش و سرود کار ها بسته[12]،

---

[1] dulcimer (ترجمه مسز بیورج)، [2] م: غشرک (بہر صورت بمعنی guitar

[3] م: غشیرک و سه تار را [4] م: پیش از و نیامده، ترکی میں اس کے بعد ایک جملہ اور ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ پیشروں کے سوا اور چیزوں میں وہ ایسا نہ تھا [5] م: شیخم،

[6] م: نتوانست بر آورد و عذر گفت که [7] م: شیخم نائی [8] م: از [9] م: بردارد

[10] م: نقل [11] در م ندارد، لفظ نی کا از متن ترکی اضافہ شد، [12] م: عشره،

دیگر حسین عودی بود عود را بمزه می نواخت و چیزها بمزه میگفت، تارهای عود را یکه[1] کرده او نواخته بود* عیبش این بود که بسیار بنازی می نواخت، یکبار شیبانی خان ساز نواختن می فرماید تکلف[3] کرده بد می نوازد و هم ساز خود را نیاورده ساز کار نا آمدنی می آرد، شیبانی خان فهمیده میفرماید که در همان صحبت گرد[2]نی بسیارش* میزنند شیبانی خان در[4] عالم یک کار خوبی که دارد اینست فی الواقع این چنین نازک مردکان را ازین بیشتر سزا می باید داد،

از مصنفان

غلام شادی است، پسر شادی خواننده بود اگرچه سازی می نواخت اما در جرگه این سازنده[4]ها که مذکور شدند نمی نواخت، صوتهای خوب و نقشهای مرغوب دارد در آن زمان برابر او هیچکس صوت و نقش بسیار نه بسته آخر شیبانی خان بمحمد امین خان قزان[5] خان فرستاد و دیگر خبرش نیامد،

دیگر میر عزو[6] بود این ساز نمی[7] نواخت مصنف بود[8] اگرچه کار کمی بسته اما انچه دارد بمزه دارد، بنائی هم مصنف بود نقشها و صوتهای خوب دارد،

از مردم بی نظیر

یکی پهلوان محمد[9] بوسعید* بود در کشتی گیری خود بر آمده بود شعر هم میگفته صورت و نقش هم می بسته در چارگاه نقشی خوبی دارد، خوش صحبت کسی بود کشتی گیری را باین قدر حیثیت جمع نمودن غرابتی دارد،

---

[1] تم : یک کرده می نواخت، ترکی اصل مطابق، [2] تم : گردن، جو قطعاً غلط ہے، گردنی سے گھنٹے مراد ہیں جو گردن پر لگائے جائیں [3] در تم ندارد [4] تم : سازها

[5] و : قراخان، تم : فراخان، ترکی اصل : قزان خانی محمد امین خانی [6] کذا در اصل ترکی، تم : عزیز

[7] تم : می [8] فقط تم : هم بود، [9] فقط تم : محمد سعید،

۲- اقتباس از تاریخ رشیدی

اما میرزا سلطان حسین از نبایر میرزا جهانگیر ابن امیر تیمور است از وی تا امیر تیمور از اجداد وی هیچ کس را سلطنت میسر نشده است، اما این میرزا سلطان حسین بضرب شمشیر و قوت اجتهاد بعد از انواع شداید چندین ساله خراسان گرفت مدت چهل و هشت سال باستقلال در تخت هراة در چارحد خراسان بادشاهی کرد و در ترتیب صنوف طوایف عالم کوشیده باینجا که در هر صنفی از اصناف عالم یک دو ماهر عالمگیری [پیدا شد] که در اول و آخر مثل او نبوده . . . .

. . . .

ومنهم[1] العلماء

اما علما که در زمان میرزا بوده اند بسیار اند شرح احوال تمامی ایشان درین مختصر نمی گنجد اما تیمناً اسامی[2] چند تذکیری یابد، اعظم[3] ایشان شیخ الاسلام اند نبیرهٔ مولانا سعدالدین تفتازانی اند، مولانا سعدالدین در زمان میر تیمور بوده اند و استاد العلما بوده اند بعد از | ایشان بغیر[4] میر سید شریف جرجانی مثل[5] ایشان دیگری پیدا نشده میر سید شریف جوان بوده و تازه زور[6] و آخر[7] عمر مولانا سعدالدین در مجلس میر تیمور چند مرتبه مباحثات گذشته گاهی میر غالب آمده اند و ازین غیرت مولانا مریض شده

---

[1] آ: وی ب [2] آ: ومنهم العلما، ب ندارد — مولانا جامی رح کا ذکر مصنف نے اس سے پہلے اولیا میں کیا ہے [3] ب: معدودی [4] آ: اعظم و اعظم، ب: مثل متن [5] ب: بغیر از [6] آ: کرمثل [7] ب: او اخر،

اند خدمت میر سید شریف بعیادت رفته بوده اند گریه آمده وخود را میر سید شریف می[1] الیه
تملق میکرده میر او را از پیش خود رانده اند. مولانا سعد الدین بمیر گفته است که حدیث است
که حُبُّ الهرّة من الایمان چرا او را میرانید میر گفته است که چرا معنی حدیث
را باضافه من نمیگیرید یعنی دوست داشتن گربه از ایمان[2] منست[3] آنگاه مولانا ازین
جواب بغایت متغیر شده اند و موجب ازدیاد مرض شده است و بهمان مرض از
عالم رفته اند، شیخ الاسلام از اوایل زمان میرزا سلطان حسین تا زمان استیلاء
شاه اسماعیل بر شاهی بیگ خان شیخ الاسلام بوده و بعد استیلاء وی شهادت یافت و
این حکایت در محلش[4] خواهد آمد و درین مدت چنان تقوی و طهارت و دیانت ورزید که
هیچکس انگشت اعتراض بر حرف شیخ نتوانست که[5] گذارد، اکثر علمای آن عصر
شاگرد وی اند بلکه بشاگردی وی افتخار دارند فقیر از علماء استماع دارم که می فرمودند
که شیخ را از غایت بزرگی و اشتغال آمد و شد طوایف و مهمات ایشان اکثر درس معین ۱۵
نمی بود اما دانشمندان که شاگرد شیخ الاسلام بودند مثل مولانا عصام الدین ابراهیم و میر محمد
و محمد[6] یوسف و مولانا شمس الدین محمد بحرآبادی و غیرهم تا بیست و پنج دانشمند مشار الیه
عالم مطالعها میکردند و تصنیفات می پرداختند و سخنان می آوردند و در مجلس شیخ
مباحثات می رفت گاه بودی که دانشمندان دو فرقه می شدند و بعرض میرسانیدند اکثر چنان
بود که شیخ الاسلام میفرمودند که هیچ کدام ازینها نیست شق ثالث بیان میکردند که همه را
جز قبول هیچ چاره نبود اگرچه اهل بحث بودند و گاه بودی که همه یک امر مقرر میکردند شیخ
شق ثانی بیان می فرمود که همه از مقررها خود رجوع می کردند [بعد از بیرون آمدن علمای

---

[1] در ب ندارد [2] ب : ایمان آنکس [3] ب : تحقیق ، آ : مجلس ،
[4] ب : میر در بجای محمد ، دیگر ؟ ۱۲ از روی ب ،

تعجب می کردند] که کس را درین حیات این همه دانش اندوختن عجیبست! بیست وچهار
سال درس[1] ایشان این نوع بود که این دانشمندان هرگز از شیخ مستغنی نتوانستند شد،
و دران اوان که پدرم بخراسان رفت چند روزی که گذشت چنانکه قاعده است که
طفلان چهار ساله و چهار ماهه و چهار روزه که می شوند بمکتب می سپارند بنده را می
خواست که بمکتب سپارد اما برای تیمن[2] وتبرک اوّلاً پیش شیخ الاسلام برد و التماس
۲۳۶ [تعلیم کرده[3]] شیخ ربّ یسّر نوشتند و از روی تملق وشفقت بروی زانوی خود گرفتند
وتعلیمی درغایت رفق[4] و مدارا کردند که امروز ازان تاریخ سی و هشت[5] سال است
لقای مبارک شیخ و آن تعلیم و رفق ایشان کالنقش [فی] الحجر درخاطر منست امید
می دارم که چه نوع که ذکرا برکات آن الی یومنا هذا رسیده است وبعد ازین نیز اول در
دنیا و آخر در آخرت عاید گردد، انشاءالله العزیز،

دیگر **میر مرتاض**[6] است که دانشمند متبحر بوده و دیگر **مولانا خواجه اصفهانی**[7]
که محدث و [استاد[8]] علما است از عراق گریخته آمده بود وسببش آن بود که شاه اسمٰعیل
که ذکر او برسبیل اجمال خواهد آمد سابقا نیز مجملے گذشته است چون اهل سنت وجماعت
را آن ...[9] چه از سلاطین و امرا وچه از موالی علما وچه از دهاقین و رعایا هر
کس [که[10]] می یافت * میکشت خواجه مولانا ازان قتل عام گریخته بخراسان آمد ودر
آخر بماوراء النهر رفت ودر بمانجارفت، و میر عبد القادر مشهدی و مولانا[11] مسعود
شروانی و مولانا حامد شروانی[12] و مولانا عصام الدین ابراهیم * و مولانا شمس الدین محمد

---

[1] ب: بسن [2] آ ب: تیمناً [3] از روی ب، [4] آ: رقت، تصحیح از روی ب،
[5] ب: شصت [6] ب: مرتضی (که غلط است)، [7] ب: خواجه علی مولانا،
[8] از روی ب، [9] حذف کرده شد [10] ب: که یافت، [11] ب: ومیر جمال الدین
محدث و میر عطاء الله و میر ابراهیم و میر محمد و میر یوسف، [12] آ: سروانی،

بحرآبادی و مولانا غیاث الدین بحرآبادی و مولانا حسنی[1] و مولانا ابراہیم شروانی* و مولانا شاہ سید عاشق[2] و مولانا احمد رومی و مولانا محمد گنجہ و مولانا احمد جندی و مولانا میر کلان طبیب و مولانا حاجی تبریزی[3] و مولانا معین تبریزی و مولانا صدرالدین محمد ... و جناب بندگی میر ابوالبقا که امروز عالم از وجود شریف ایشان منور است تذکرهٔ ایشان در اثنای واقعات بهندوستان خواهد آمد چون ایشان در آن زمان در هرات انگشت نما بودند پدرم بارها ایشان را و پدر بزرگوار ایشان عبدالباسط را ملازمت میکرد و مولانا عبدالغفور لاری که نام نامی ایشان در ضمن تذکرهٔ مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی ذکر یافته است مولانا (ی) در غایت بی تکلفی و بی تعینی بوده است هرگز غبار رعونت و دانشمندی در حواشی خاطر او ننشسته است هرکس از علما از اطراف عالم رسیدی برای رواج کار او هرچند که شاگردی مولانا [را] لایق نبودی پیش او چند روزی جزوکشیدی و در هنگامها و شهر ... پیاده بغل و آستین پر کتب[4] سیر فرمودی،

علما در خراسان بسیار بودند تفصیل اسامی و احوال ایشان تطویل دارد و بسیار دیگر باشد که بنده ایشان را نمیدانم تذکره علما را باین مقدار[5] اقتصار داده شد*

و منهم[6] الشعراء

و از شعرا که دران زمان جنت نشان بوده اند بزرگان ایشان در ذکر اولیا و علما مذکور شده اند مثل حضرت مولانا عبدالرحمن جامی که [اگر[7]] احتراز از اعتراض تکرار نمی بود [لایق آن بود] که چه [نوع سر ا دفتر اولیاء خراسان نام نامی فخرالاناهی مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی است سردفتر علما و شعرا نام فرخنده فرجام مولانا جامی بودی، اما تحقیق آنست که نام و تذکره ایشان مکرر[8] خوش آیند است هرجا که اهل فضل و کمال

---

[1] ب: شیرازی [2] ب: کلا [3] آ: تبر، ب: طبرزی و مولانا معین طبرزی و مولانا،
[4] آ: کتیب، ب: کیفیت، [5] ب: فقط اقتصار کرده شد [6] آ: نیز در ب "و منهم" را انداخته و در ب ندارد [7] از روی ب،

شمار دہند مرہ بعد مرۃ اخری بنام ایشان ابتداء و انتہا کنند، و مولانا عبد الغفور لاری[1] در شرح نفحات نوشتہ است خدمت مولانا از اوایل تا اواخر بی تقیید صورت مجازی[2] نمی بودند، ہمیشہ زمزمۂ عشق در ملک دل ایشان دبدبۂ کوس سلطنت می زد، در اواخر ایام یکباری در خلوتی پیش ایشان در آمدم ایشان طہارت می کردند، ساعدہای مبارک مبتسم [منقسم؟] او پر نعل و داغ[3] بود، دیدم کہ عجب ساعدہای پاکیزۂ منوری کہ دیدہ مثل آن ندیدہ باشد [بود[4]] مرا ازین ساعدہای مولانا تعجب آمد، سر بالا کردند مرادیدند فرمودند کہ مدتیست کہ ما عاشقی را [باین[5]] قرار دادہ ایم کہ در خاطر خود صورت مطبوعی خاطر خواہ تخیل می کنیم و متوجہ و[6] نگران[*] می باشیم مدتی بود[*] کہ ما صورتی تخیل کردہ عشق می ورزیدیم امروز حق سبحانہ تعالی دستہاء ما را بصورت دستہاء آن صورت متصورہ مصور[7] ساختہ بود بدست خود عاشقیہا داشتیم در محل عجبی آمدید، چون نگاہ کردم دستہا مولانا بحال خود اصلی معاودت کردہ بود،

اشعار خدمت [مولانا از آن[8]] مشہور تر است کہ باستشہاد آوردن آن درین مختصر حا [جت[9] باشد] اما یک غزلیست غیر مشہور کہ التزام کردہ اند بیت اول آن فرد باشد کہ ہیچ حرفی بہ حرفی مرکب نگردد و بیت دوم دو حرف دو حرف مرکب گردد ہمچنین بیت سیوم ہر کلمہ سہ سہ حرف مرکب باشد و ہمچنین تا ہیچ التزام نمودہ اند و آن غزل اینست

---

[1] ساعد والا قصہ مجھ کو شرح نفحات میں نہیں ملا، البتہ تکملۂ لاری میں یہ عبارت ہے :

فرمودند کہ روزی در اثناء وضو ساختن چون نوبت بدست شستن رسید دست خود را دست آنکہ تعلق خاطر بدو بود یافتم چون این معنی مشہود گشت در خاطر گذشت کہ آنچہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ اند کہ ہذہ ید اللہ و اشارت بدست مبارک خود کردہ اند در مثل این حال بودہ باشد،

[2] ب : مجازی، [3] در ب ندارد، [4] از روی ب ،
[5] از روی ب و کا [6] ب کا : دیگران [7] کا : مدتہا می بود
[8] در کا ندارد [9] اصل و ب : متصور، کا مثل متن،

رُخ زرد دارم ز دُوری آن در | زده درد و داغ درون دل آذر
چو تن کاست گویی شب فرقت تو | مه نو که باشد بدین گونه لاغر
خطت خضر و جعد کجت مشک تبّت | تنت سیم و لعل لبت تنگ شکّر
بجنت نعیم شهید محبت | بهشت مخلّد نصیب مُشهّر
یلیها ملیحی بطلعت سبیحی | بگفتن فصیحی بگیسو معنبر

تتمۂ نفحات سیؔ جزو باشد مولانا عبدالغفور آنجا عذر میگوید که اگر از تطویل اندیشه نبودی نشر مناقب ایشان بسیار بود باین مقدار اقتصار یافت، چون مقصود ازین مختصر چیزی دیگر است اگر زیاده ازین شود مقصود محجوب می گردد،

ذکر میر علیشیر

تخلص او نوائی ست، در شعر ترکی پیشؔ از وی و بعد از وی هیچکس مقدار وی و* پیش از وی نگفته است وی درین فن استاد است و اشعار ترکی وی در شهرت همان حکم دارد که در فارسی [شعرؔ ملّا] اما وی شعر فارسی نیز بسیار دارد و در فارسی فانی تخلص کرده و دیوان خواجه حافظ را جواب گفته، قصیدۂؔ بحر الابرار را بعد از خواجه خسرو هیچ کس مقدار او نگفته استؔ که مطلعش اینست که ؎

آتشین لعلی که تاج خسروان را زیور است | اخگری بهر خیال خام پختن در سر است

وقتی که حضرت مخدومی فخر الانامی نور الدین عبد الرحمٰن جامی از سفر حجاز برگشته اند میر علی شیر این رباعی را باستقبال ایشان فرستاده است رُباعی

---

۱ ظاہر ہے مراد تکملہ لاری سے ہے۔ اس کتاب کے دو نسخے جو میں نے دیکھے ہیں انکے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ تین مراد ہے نہ تیس۔ لاری نے دیباچہ تکملہ میں خوف تطویل کا عذر نہیں کیا بلکہ کہا ہے کہ مولانا جامی کی تعریف "سا سب مرتبۂ امثال ما فقیرین نیست"۔ ۲ و ب ندارند ۳ از وی ہے ۴ مراد مصنف کی یہ ہے کہ قصیدہ بحر الابرار امیر خسرو کا بہترین جواب امیر علی شیر نے دیا، امیر علیشیر کے قصیدہ کے لئے دیکھو تذکرۃ الشعراء دولت شاہ (طبع لیڈن) صفحہ ۴۹۶ بحر الابرار کے اور حوالے دیکھو اسی کتاب کے صفحہ ۶۱۳ پر ہے مگر ۱۴ ۵ کی بجائے ۵۰۴ پڑھو) قصیدہ بحر الابرار دیوان غرۃ الکمال میں موجود ہے اور اسکا مطلع یہ ہے ؎

کوس شه خالی و بانگ و غلغلش در دسر است | هر که قانع شد بخشک و تر شه بحر و بر است ۵ کذا است این فقره در آ و کا و نیز در ب (اما بحذف لفظ بحر و است) نیز رک به ص ۱۵۷ س ۱۱

انصاف بده ای فلک مینا فام　　نازین دو کدام خوبتر کرد خرام
خورشید جهانتاب تو از جانب صبح　　یا ماه جهان گرد من از جانب شام

سه دیوان ترکی[۱] دارد یکی فارسی، تذکرة الاولیا ترکی نوشته است و خمسه را ترکی جواب کرده و غیر این نیز مصنفات بسیار دارد بغیر یک دیوان دیگر همه ترکی است، اصل وی از بخشیان اویغور است پدر او را کیچکینه بخشی میگفته اند، مردی بوده علی الرسم، میر علی شیر بمیرزا سلطان حسین در خوردی آشنائی داشته است چون میرزا بادشاه شد، بملازمت میرزا پیوست و مرزا او را رعایت بید کرده [۲و او] اهل فضل را، چنانکه این همه فضلا و بی نظیران که دران زمان در طوایف خلایق پیدا شد اکثر بسعی[۳] او بوده است، در زمان امارت اهتمام نمود ملک و اسباب سامان کرد چنانکه هر روزه حاصل املاک او هژده هزار شاهرخی بود دیگر اسباب [۲امارت] خود را از خدم و حشم و ضرابخانه و اصطبل مع جمیع بیوتات بادشا [هانه] را ا [۳میر] علی بابا که از سرآمد[۴] سپاهیان آن عصر بود بنواب میرزا سپرد و ترک سپاهی گری کرد و بمیرزا در اقطار [illegible] و مصاحبان ملازمت[۵] می کرد، بآنچه ممکن بود مهمات ارباب حاجات را درخانه می ساخت و تربیت اهل فضل می کرد، این همه حاصل املاک خود را در خیرات برای آخرت صرف نمود بقاع و مساجد و عمارات بسیار کرد که این زمان نیز در خراسان بسیار باقی مانده است، غالباً کم کسی را آن مقدار عمارت کردن میسر شده باشد، هیچ کس از اهل فضل نیست که من وجهی مربی او نباشد، او مردی بود در غایت ظرافت و اندام، همه کس را می خواست که همه در غایت ظرافت[۶] باشند و این بر خلایق دشوار می آمد و ازین

---

۱ آ: بزرگی　　۲ از روی ب　　۳ ب: پسر بابا علی، جمله مخدوش ہے،

۴ آ: سرآمد آن　　۵ آ: در ملازمت　　۶ ب: ظرافت و اندام،

جہت رنجشہا می شد و بمیر علی شیر غیر نازکی و زود رنجیدن عیب دیگر نمی یابند مع ھذہ الحق
کہ مرد فاضل و دولت مند بود، تمام عمر گرامی را بہ تجرد و خیرات گذرانید بیت

حاصل دریا نہ ہمین دُر بود　　یک ہنر از آدمی پُر بود

خاصہ کہ او را بغیر یک عیب دیگر ہمہ ہنر بودہ است،

امیر شیخ احمد

تخلص او سُہیلی است او نیز از امراء بزرگ سلطان حسین میرزا ست اشعار نیک
دارد و خمسہ را جواب کردہ است،

ذکر حسین[1] علی جلایر

تخلص او طفیلی است وی [نبیرۂ] از نواب میرزا بود و مدتہا پروانچی بود در
قصیدہ لانظیر است [ثانی[2]؟] سلمان و ظہیر ست قصیدۂ دارد بردیف 'شکست' ہمانا
کس آن [قصیدہ را مقدار او نگفتہ[3] است چند بیت ازان ثبت می یابد[4]

نخل قدت جلوہ کرد قدر صنوبر شکست　　لعل لبت خندہ زد قیمت گوہر شکست

پستۂ تو غنچہ را خون بدرون زد گرہ　　غنچۂ تو پستہ را خندۂ لب در شکست

مردمک چشم او کند بنای خرد　　فتنۂ یاجوج بین سد سکندر شکست

نوحۂ قمری چرا ست گر نہ ز یاد قدت　　صرصرِ آہم بباغ قامتِ عرعر شکست

جامع امن و امان شاہ بدیع الزمان　　آنکہ ببازوی عدل پشت ستمگر شکست

---

[1] تا [ ] و اقتباس بابر نامہ ص ۱۴۲ و لطائف نامہ نسخہ خطی) : حسن ' توزک بابری (ترکی) میں ایک جگہ
حسن لکھا ہے ایک جگہ حسین ' [2] ازروی ب ' [3] ب : ناجی '
[4] رک بہ ۱۵۵ ص ۱۴ '

این قصیده را تمام باین رنگ گفته است '

[آصفی][1]

وزیرزاده است اشعار خوب دارد بیت

برسرکوی رقیبان ذکر آن مه چون کنم کافرستانست آنجا[2] الله الله چون کنم

[آهی][3]

اشعار وی در غایت سلاست و روانی است شعراو در طرز امیر شاهی داشته اند دیوانی دارد در غایت عذوبت و من اشعاره[4]

[یار[5] من یار رقیبان دل آزار شده است الله الله چه کسی با چه کسی یار شده است]

نازم بچشم خود که جمال تو دیده است افتم بپای خود که بکویت رسیده است

[هلالی][6]

در فن شعر استاد است و اشعار خوب دارد شاه و گدا از منظومات اوست و دیوان او مشهور است و ازان جمله مطلع ثبت افتاد ؎

مه[7] ز جور فلک دوتا شده است یا زمه پارهٔ جدا شده است

---

[1] آ میں اس محل پر یہ نام درج نہیں بلکہ بیت کے بعد دیا ہے ' بجای آھی اور وہ غلط ہے '
در ب ندارد ' تکا مثل متن ' [2] دیوان آصفی نسخہ خطی کلیہ پنجاب : اینجا ' [3] از روی تکا '
[4] اس کے بعد آ میں ہے : آھی (یہ بے محل ہے) ' تکا مثل متن ' بیاض در ب '
[5] از روی تکا [6] آ میں 'ہلالی' ؎ مہ ز جور فلک الخ سے پہلے دیا ہے جو بے محل ہے ' تصحیح از روی تکا '
[7] دیوان ہلالی طبع کانپور ۱۹۲۴ء صفحہ ۲۴ '

[بنّائی][1]

وی نیز مروی فاضل و شاعر کامل است، میان او و میر علی شیر [دائم][2] مناقضات می بود۔ و ظرافتہا کہ میان ایشان گذشتہ است از جملہ آن کہ میر علی شیر دو مطلع ترکی صـ۲۲۴
از مولانا صاحب است از وی بالتماس خریدہ میر تمام ساختہ است ترکی[3]

کوکرا کیم دور صبح نیبک پیراهنی دین چاک راک
کیر بیکم شبنم تو گونگان سبزہ دین نمناک راک

و مطلع دیگر از مولانا لطفی است کہ پیش از میر کس مقدار او نبودہ تمام نکردہ بود است میر آن مطلع را خوش کردہ آنرا تمام ساختہ بودہ است و آن مطلع اینست

باشمیر دین سایۂ سرو قدنگ کم بولماسون[4] ذات پاکینک بولماسا عالم و آدم بولماسون

بنّائی از جہت [آنکہ][5] بمیر علی شیر ظرافتہا پُر گذارا میکردہ میر نیز در مقام ظرافت شدہ فرمودہ مولانا بنّائی دیوانہ شدہ است او را بدار الشفاء برد[ہ]، بکف پای و نخواب علاج کنید، ازین جہت گریختہ بعراق رفتہ بود و آنجا از سلطان یعقوب تربیتہا یافتہ بعد از مدتی باز بہرات آمدہ بودہ است میر علی شیر کس فرستادہ طلب نمودہ در مقام لطف و آشنائی شدہ است و بانعام و اکرام تلقی نمودہ و عذر مافات گذشتہ کردہ است و بنّائی نیز عذرہا، ظرافتہا خواستہ بہم نیک بر آمدہ اند، در محل خوش پرسیہا میر پرسیدہ است کہ عراق را چون یافتید؟ بنّائی گفتہ است کہ یک چیز عراقیان را بسیار خوب یافتم کہ ایشان مطلقا شعر ترکی نمی گویند، میر گفتہ تو ا ہنوز ہوشیار نشدہ بگذار این تعرضات[6] صـ۲۲۵

---

[1] از روی کا بیاض در ب، در آ نذارد [2] از روی ب [3] یہ شعر ص میں مسخ ہوگئے ہیں۔ آ اور ب کو ملا کر یہ صورت اسکی بنائی گئی ہے۔ مگر تصحیح سے عاری ہے، [4] از روی ب،
[5] ب: یافتہ اند [6] آ: ازین،

را بیا از روی یاری و اتحاد و راستی راگوی که در دیوانهای ما کدام مطلع خوبست گفته است که این مطلع پسند مردم است ترکی

کوکراکیم دور صبح نینک پیراهنی دین چاکراک
کیرنگیم شبنم تو گونگان سبزه دین نمناکراک

میر گفته عجب مرد متعرضی، این مطلع خود از مولانا صاحبی است که ما خریده ایم و تو قصداً[1] از برای تعرض این میگوئی، بنائی گفت روا باشد مراچه حد اینست که تعرض توانم کرد، من نمیدانستم که مطلع از شما نیست، مطلعها خوب بسیار دارید و این مطلع شما ازان بهتر است ترکی

باسمیر دین سایه سرو قدنگ کم بولماسون

میر گفته این ازان بهتر و این مطلع از مولانا لطفی است، تو هرگز تعرض را ترک نخواهی کرد، هردو باز بسر آزار خود رفتند،

سیفی[2] [بخاری]

بشل گوئی مشهور است، تتبع طوسی کرده است اما از وی بهتر گفته است، وی نیز مرد فاضل بود دیوان او درمیان مردم مشهوراست از جملهٔ اشعار وی است بیت

ای تراچون دل عشاق پریشان کاکل قامتت فتنه و سر فتنهٔ دوران کاکل
همچو دودیست که بر گرد سر شمع بود حلقه حلقه بسر آن مه تابان کاکل

و برای جمیع اهل صنائع ابیات گفته آن را بدائع[3] نام کرد ازانجمله است بیت

---

[1] آ: قصیده، پ: قصد [2] رک به لطائف نامه ص ۹۰، [3] آ: بدیع، ب: بدایع،

چو عشق کلہ پو در گردن افتاد　　دلا خوش باش نان در روغن افتاد

بت[1] پرداز گرم گو بکسان می سازد　　هیچ با حال من خسته نمی پردازد

و شعرا که از ایشان دواوین مانده است که این زمان در میان مردم مشهور است بسیار اند از جمله اہلی و نرگسی و ہجری[2] دوم میر محمد صالح و شہیدی[3] و مشہودی و گلخنی و گلشنی و پیامی و خواجه ابو البرکه که فراقی تخلص می کند و حیدر کلیچہ و غیرہم،

و منہم المعمّایون

این اکابر و افاضل که مسطور شد اکثر ایشان معمات خوب دارند اما انچه بمعمائی لفظ مشہور اند اگرچہ ایشان را نیز فضایل دیگر ہست اما این فضیلت ایشان بر ہمہ ارجح بود میر حسین معمائی است که در فن معما بی ہمتاست، رسالہ دارد در غایت[4] خوبی و این معما ازان جملہ است باسم سہراب

یافتم از در بتخانہ حرسا شرفی　　حاصلا[5] مدرسہ اکنون طرفی ماطرفی

[و] مولانا محمد بدخشی معمائی و مولانا کمال معمائی و مولانا شہاب معمائی، و[رای] این جماعت[6] [جمع] کثیر اند که باین فن مشہور اند و ذکر تمامی ایشان مقصود را محجوب می گرداند

و منہم الکتّاب

خط نسخ تعلیق که دران زمان رواج یافت ہرگز[7] نبوده و ہرگز نشنیده، میر علی،

---

[1] ا: بیت دیکھو رسالہ بابت فروری ۱۹۳۳ء صفحہ ۹۹، [2] کا: ہجری، ت مثل متن، دیکھو لطایف نامہ فخری صفحہ ۲۸۷: محمد صالح بھی وہیں صفحہ ۱۸۲ پر مذکور ہے، [3] کا: مشہدی، ت خورشیدی، [4] آ: بہم، ب ت ندارد، [5] ب: جاهلا [6] آ: که ہرگز، ب مثل متن، [7] از روی آ،

تبریزی[1] که مخترع این خط است در زمان امیر تیمور بوده است، شاگرد وی است

مولانا جعفر

اگرچه او خطوط را همه نیک نوشته[2] بود و در همه خطوط استاد فرق است چنانکه در ثلث و نسخ و رقاع و محقق و ریحان مولانا عبدالله آشپز یزدی[3]* شاگرد وی است و حافظ فوطه و مولانا محمود[4] کاتب سمرقندی وغیره شاگردان مولانا عبدالله اند، دیگر تمام نستاخان شاگردان این جماعت اند، و همچنین در تعلیق میر عبدالحی شاگرد مولانا جعفر است و اکثر اهل تعلیق شاگرد عبدالحی اند اما در نسخ و تعلیق[5] مولانا اظهر و مولانا [شیخ عبدالله خوارزمی و مولانا شیخ محمودی خفی نویس این همه شاگردان وی اند، چه نوع که مولانا جعفر از مخترع بهتر نوشته مولانا اظهر باز از وی نحو بهتر نوشته است، و مولانا جعفر کند و شکسته نوشته است اما[6] محکم و بملاحت و پخته اما مولانا اظهر با وجود این لطافت که مذکور شد درست نوشته است، اما دست ناهمواری دارد، و مولانا جعفر در زمان میرزا شاه رخ بوده است و از اهل کتابخانه میرزا بایسنغر بوده که پسر میرزا شاهرخ و پدر میرزا بابر قلندر است،

---

[1] آ: یزدی، کا مثل متن [2] از روی ب، [3] آ: آشپز یزدی؛ ب: آشپز، کا: آشپز یزدی از هروی بجای یزدی (تذکرۂ خوشنویسان ص ۲۴) [4] فقط ب: محمد؛ کا مثل متن [5] زروی ب و کا، [6] یہ عبارت حاشیہ و میں بڑھائی گئی ہے، مگر مسخ ہے؛ ب اور کا کی امداد سے تصحیح کی گئی، مگر ب میں مدحت لکھا ہے بجائے بملاحت، اور آ میں بماحت اور کا میں بالاحت، اسی طرح آ میں لطایف ہے بجای لطافت کے، ب مثل متن، ب میں ہمواری دارد ہے بجای دست ناہم... [illegible]

ص ۲۴۴

ذکر مولانا اظہر

اما مولانا اظہر ملازم میرزا سلطان ابوسعید گورکان بوده ' مولانا اظہر شاگردان دارد[1]: مولانا سلطان علی مشہدی ' شیخ بایزید پورانی که از نبایر شیخ پوران است ' و مولانا سلطان علی قاینی ' و ہمان نسبت که میان میر علی تبریزی و مولانا جعفر است و درمیان مولانا اظہر و مولانا جعفر بود بلکه بہتر و بیشتر درمیان مولانا اظہر و مولانا سلطان علی مشہدی است '

[مولانا سلطان علی مشہدی]

در قطعه و کتابه ننخی و جلی بلکه نسخ تعلیق یک قلم[2] بوی مسلم است که ہیچکس پیش ازوی یا بعد ازوی نزدیک بوی نتوانست نوشت و در ہمه اوصاف و لطایف لانظیر[3] بود خاصه ملاحت و مزه که خط ملا دارد ہیچ کس را دست نداده ' وی رساله در آداب خط نوشته است و در انجا گفته است که در اوایل مشق در روضه مقدسه مشہد طوس[4] علیه التحیة والسلام می بودم در ان اثنا خوابی دیدم حضرت امام المتقین وصی رسول رب العالمین ' اسد الله الغالب علی ابن ابی طالب کرم الله وجهه قلمی بدست وا و از خواب بیدار شدم دیگر طریق خط بمن در افتاد[5] مولانا در اوایل حال که مشق میکرده از پیش خود خط را صورتی داده بوده است و[6] عوام فریب بوده است ' اما کاتب پسند نبوده ' مولانا جعفر خمسه ابتدا کرده ناتمام بوده است ' میرزا سلطان ابوسعید فرموده که ہیچکس باشد آنرا تواند تمام کرد ' چون درمیان مردم مولانا سلطان علی شہرت کرده بوده است بعرض رسانیده اند ' چون

---

[1] آ: دارد و ب مثل متن '   [2] آ: کلمه '   [3] آ: لاینظر ب: لانظیر
[4] ب: طوسی   [5] ب: که دیجای و)   [6] ب: که حالیا جوانی

حالیا* شهرت دارد شاید که او تواند این امر خطیر را بسر آورد، مولانا سلطان علی آورده اند و[1] کتابت* مولانا جعفر را نموده مولاناء فی الحال قبول کرده است و یک جزو کتابت کرده آورده، مولاناء اظهر در [در[2]] خانه نشسته بوده است، اوّل پیش مولاناء اظهر برده است مولاناء اظهر بر آشفته است که باین اسلوب تو خمه[3] مولانا جعفر را تمام می سازی از در خانه ا مولاناء سلطان علی [مشهدی[4] را] بوثاق ص ۲۲۶
برده است و کف پای زده دو روز محبوس داشته بعد ازان از حبس بر آورده است و گفته است که فرزند[ا] قابلیت بلند داری اما خط تو خود روی است[ا]سلوب نسخ تعلیق آن نیست قطعهٔ بملّا داده است که باین اسلوب می باید نوشت، ملّا میگفته است که قطعه را بردم و مشق کردم بعد از مشق مرا معلوم شد که اسلوب نسخ تعلیق آن نوع بوده است و پیشتر ازان بر بی اسلوبی خط خود واقف نبودم و [به] پختگی و صافی و محکمی غره بوده ام و خط بی اسلوب را خود خط نمی توان گفت، و امروز آن مقدار آثار از ملّا باقی مانده است که عقل از قبول آن درین است که امتناع نماید چه در اکثر بلاد عالم کم کس از اهل قلم باشد که از قطعه و کتابه ملّا چیزی نداشته باشد و در کتابخانهٔ بادشاهان عالم[5] [اگر[6]] دو سه کتاب بخط ملّا نباشد آن کتاب خانه را ... نمی دارند، این امر از عجایبات امور است،

[شاگردان مولانا سلطانعلی مشهدی]

اما ملّا شاگرد بسیار دارند ازانجمله مولاناء علاء الدین است، هیچ کس معتقد

---

[1] آ: و مولا کتابت ب: و کتاب [2] از روی ب [3] از ب افتاده است [4] آ: کی تصحیح قیاسی — [5] [6] قیاساً بڑھایا گیا،

ملا علاءالدین بملا شبیه نوشته است خاصه در کتابت، دیگر سلطان محمد خندان است، وی نیز در غایت ملاحت نوشته است، دیگر مولانا محمد ابریشمی است، بغایت پخته نوشته است اما شکسته تر می نویسد، دیگر مولانا زین الدین محمود، وی داماد ملا است[1] و شاگرد، کتابه را بسیار خوب کرده[2] و نیز بمزه می نویسد، دیگر سلطان محمد نور است اگرچه قلم تیز میدارد اما کاواک[4] می نویسد، دیگر قلندر کاتب است ملا را نظر بود و تمام بوده چه هرکس که باشد آن وضع او را دوست داشت، او را هرگز منزل معینی نبوده، صاحب کرنه و کفش نشد، تمام عمر را به تجرید و تفرید گذرانیده در غایت صلاح و پاکیزگی، خط او زبون تر ازین جماعت مذکوره است،

ص ۳۵۰

[شاگردان این جماعت]

جمعی دیگر اند که شاگردان این جماعت اند، مولانا قاسم علی شاگرد مولانا محمد ابریشمی است قلم او کند است اما در غایت مزه و لطافت و استحکام خط وی هیچ یک ازین مردم نمی ماند، از اکثر ابنای جنس خود بهتر می نویسد، این کمینه شاگرد[5] وی است و شرح آن خواهد آمد، دیگر قاسم شادی شاه، وی شاگرد سلطان محمد خندان است بملاحت می نویسد، دیگر مولانا میر علی[6] است وی شاگرد زین الدین محمود است بغایت صاف و محکم می نویسد، خفی او به از جلی اوست و کتابه او بهتر از قطعه او، جلی را بی تناسب و بی مزه می نویسد و در خفی و جلی او ملاحت نیست اما بقوت

---

[1] آ: ملای است [2] در ب ندارد، آ: کرده [3] اسکا لکھا ہوا نسخہ سبحۃ الابرار کا بانکی پور میں موجود ہے، دیکھو فہرست بانکی پور ج ۲ ص ۷، [4] ب: کواک تر، [5] آ: شاگردی،
[6] اسکی لکھی ہوئی یوسف زلیخا بانکی پور میں ہے، دیکھو فہرست بانکی پور ج ۲ ص ۹

[دست[1]] او معلوم نیست که کسی گذشته باشد،

ین جماعت که مسطور شد جماعتی اند که پیش از ایشان و بعد از ایشان [مثل[2]
یشان] پیدا نشده است،

ومنهم المصورون[3]

شاه مظفر

۳۵

پسر استاد منصور است در زمان سلطان ابوسعید است از وی
بهتر[4] نبوده است، وی درین فن استاد است قلم نازک باریک دارد که بغیر شاه مظفر
دیگر قلم هیچ کس بآن نازکی[5] نیست اما چیزی خشک تراست گرفت وگیر را بغایت
محکم ساخته، اما شاه مظفر مراتب کثیره از وی گذرانیده است قلمی دارد در نهایت نازکی[6]
و صافی* و ملاحت و پختگی که چشم بیننده خیره ماند، و در بیست و چهار سالگی وفات کرد
در مدت عمر هفت[7] هشت مجلس تمام کرد و قلم سیاهی او در بعضی مردم یافت می شود
استادان این صناعت آنرا بغایت عزیز میدارند

بهزاد[8]

وی مصور استاد[9] است* اگر مقدار شاه مظفر نازک دست نیست اما قلم این از وی محکم تر است ...
استخوان بندی آن از وی بهتر است، در قدیم الایام در سلسله خواقین بلاکویی که پادشاهان ... بوده
اند خواجه عبدالحی بوده است، اعتقاد [اهل[10]] این صناعت آنست که وی ...

---

[1] از روی ب، [2] مصوروں اور نقاشوں کے حصہ کے انگریزی ترجمہ کے لئے دیکھو Bulletin of the School of Oriental Studies Vol: V 1928 - 30 p 671.

[3] آ ب: بهترین، کا: بهتر، [4] کا: باریکی، ب مثل متن، [5] ۵: باریکی، ب مثل ...

[6] ب: ماه، کا مثل متن، [7] آ: بهزاد [8] کا: در مصوری استاد است

[9] از روی کا، ب: اهل بجای اهل این،

در آخر توبه کرده بوده است و هرجا که از کارهای خود می یافته است می شسته و می سوخته
است ازان جهت کارهای وی بغایت کم یابست، در صفائی قلم و نازکی و نقلی آب در
همه اوصاف تصویر مثل وی پیدا نشده است بعد از خواجه عبدالحی دیگر این[۱] منفرد
بهزاد است. بعد از ایشان الی یومنا هذا مثل ایشان او دیگری پیدا نشده ... و تربیت
یافتهٔ میر علی شیر اند،

قاسم علی چهره کشای

وی[۲] شاگرد بهزاد است، کارهای وی قریب با بهزاد است و در همان[۳] اسلوب،
کسی که ممارست[۴] بسیار کرده باشد می داند که کارهای قاسم علی درشت[۵] تر است [نسبت[۶]
بکارهای بهزاد و اصل طرح وی ... اندام تر است]

مقصود[۷]

دویم قاسم علی است و وی شاگرد بهزاد قلم او [هیچ[۸]] کمی از قلم قاسم علی ندارد اما
اصل طرح وی و پرداخت وی نسبت بقاسم علی خام است،

[مولانا میرک نقاش[۹]]

وی از عجایبات روزگار است، استاد بهزاد است، اصل طرح وی پخته تر است

---

۱ آ: است، ب و کا: مثل متن ۲ آ: قاسم علی وی بجای وی ۳ آ: همه، ب: همان، کا: مثل متن
۴ کا: ممتازست، ب: ممارست ۵ ب، کا: درست ۶ از روی کا، در ب هم دارد اما ... اندام بجای
... اندام، ۷ آ: قاسم علی، تصحیح از روی کا ۸ از روی ب و کا ۹ بیاض در آ، از روی کا
نوشته شد، ب: مولانا برکه نقاش

بهزاد است اگرچه پرداخت وی مقدار بهزاد نیست اما تمام کارهای وی در سفر و حضر
از پیش مرزا و در خانه در هوای بیرون ساخته است هرگز مقید بحجره و کاغذ یق نبوده
این بسی عجب، مع هذه[1] الاشکال انواع زورمندیها میکرد که مطلقا منفی تصویر و
نقاشی است ازین جهت گرفتن ماتوماق[2] داری (؟) اکثر زورمندیها را ورزش می
کرده بآن شهرت داشته است، جمع ساختن تصویر باین امور بسیار غریب است،
دیگر استاد باباحاجی است، در تصویر قلم پخته دارد اما اصل طرح وی بی اندام
است، در تمامی خراسان در [خط[3]]احی] نقش و زغال گرفتن بی همتاست ومیگویند در
مجلس برای تعصب پنجاه نیم[4] دور[5] کشیده که پرکار مانند[6] تند تکلف ا نکرد و هیچ کدام از ص۲۵۵
یکدیگر سرموی خرد و کلان نبود،
استاد شیخ احمد برادر باباحاجی و مولانا جنید و استاد حسام الدین غداره[7] گر
و مولانا ولی این جمله استادان ماهراند و بر یکدیگر چندان رجحان ندارند،

ملا یوسف

شاگرد بهزاد است، بغایت تیزدست، آنچه این استادان بیک ماه
می کنند وی در ده روز می کند اما لطف قلم وی مقدار این استادان نیست
تذهیب او بهتر از تصویر ویست،

مولانا درویش محمد

که استاد فقیر است شاگرد شاه مظفر است، در باریکی قلم مثل ندارد بلک ا[...]

---

[1] ب: هذا [2] ب: باتو حماق داری؛ کا: تانو مماق داری و [3] از روی ب [4] ب کا: و (بجای نیم) [5] کا: خط، [6] کا: مانند [7] آ: غداره، "غداره پیکان پهن بزرگ تیر را گویند (برهان)،

شاه مظفر نیز گذرانیده اما چندان اندام و پختگی و ملاحت ندارد. گرفت و گیرها بسیار خام می سازد، وی صورت سواری ساخته است شیری را بر سر نیزه برداشته است مجموع آن در ته یک برنج می ماند،

نقاش بسیار است اما آنچه استادند و سرآمد این جماعتند که ذکر رفت،

ومنهم المذهبون

یاری[1] در تذهیب استاد است[2] از تذهیب وی تحریر وی بهتر، و شاگرد ملا ولی[3] است از وی گذرانیده، و مولانا محمود تذهیب از یاری بهتر کرده است و لغایت نازک[4] کرده است دیباچهٔ برای مرزا سلطان[5] حسین تیار[6] کرده است و ناتمام مانده در انجا هفت سال کرده است چنان باریک ساخته است که در مفاصل بند رومی که شاید مقدار نیم نخود ا بوده باشد در انجا یکماهه[7] زرد* زر ساخته دکه[8] پنجاه برگ اسلیمی شمرده شده است، باشد[9] که همه را گذارده دست بآن کرده*،

در آن [زمان] مذهبان بسیار بودند اما استاد این دو کس اند که ذکر یافته،

ومنهم المغنون[10]

حافظ بصیر

است باتفاق مثل وی پیش از وی نبوده است چنان استماع افتاده است که در فصل بهاری در باغچه شعر می خوانده طیور مثل بلبل و فاخته و صعوه بر گرد او جمع

---

[1] آ: نهم [2] ب میں یہاں "یاری" بعد میں "یاری" کا (وبلیش) یاری: نیز رگ بر لطائف نامه ص ۲۰۰ که ترجمه یاری را مفصل تر آورده است.
[3] آ: وی، تصحیح از روی کا (وبلیش) [4] ب: نازی، [5] در ب: بار [6] ب: بنیاد،
[7] آ: یکماهه زرد، کا: یک یک ماه زرد، [8] از روی کا [9] آ: باشد که همه را گذارده و شست نان کرده، کا: که همه را گذارده، وشت بآن کرده، ب: مثل متن، [10] آ: النقابت، تصحیح از روی ب و کا

شده اند و در سر کتف او نشسته،

حافظ حسن علی

شاگرد وی است، آواز زیبی داشت در غایت لطافت پر ترکیب و پر تحریر میخواند،

خواجه عبدالله مروارید

اگرچه از روی مولویت در سلک تذکرهٔ موالی مذکور می شد و در شعر در جنب هلالی و اهلی و در تعلیق سر دفتر میرحی و ملا درویش و در نسخ تعلیق بعد از سلطان محمد نوری[1] را می بایست نوشت در ان فنون بی بدل نبود اما در قانون عدیل ندارد، اگر فت اختراع ویست، قانون در قدیم سازی نبوده است که با وجود سازهای دیگر طبع را بوی میل شود زیرا که سازی است در غایت خشکی اما وی را چنان ساخته است که با وجود قانون خواجه عبدالله ساز دیگر را طبیعت رغبت نمی نماید، چون وی درین فن استاد است و از جملهٔ فضیلت وی این راجح[2] است فلاجرم سر دفتر این طایفه شده است،

استاد سید[3] احمد غجکی و مطهر عودی ماهر اند اما استاد قل محمد هر دو را از هر دو گذرانیده است، و پیش رو[4] ها عربی نظیر دارد،

استاد حیدر شاه بلبانی[5] (؟)

وی نیز در فن خود استاذ است، آن نوع که پیش از وی مثل وی نبوده است،

استاد شیخی نائی

است که جمیع سازها را از جمیع استادان بهتر نواخته است، چون نی فن وی است بآن مشهور شده است،

و همچنین در جمیع اهل فضل و صناع و محترفه و[6] الانظران و بی عدیلان[7] بوده اند که شرح تمامی ایشان تعبیر ظاهر دارد، تمامی اهل فضل و هنر که در خراسان بودند همه ترتیب و تبعی میر علیشیر بوده است،

---

[1] ب: محمد کاتش متن [2] و: بیش [3] ب: بیاد [4] و: پیش رویہا [5] ب: بلبانی [6] آ: شر تصحیح الدوری ب و کا [7] ب: نظیران و عدیلان،

فرہنگ

A سے مراد ہیں مرحوم سرٹامس آرنلڈ جنہوں نے بلیٹن میں تاریخ رشیدی کے ایک اقتباس کا ترجمہ شائع کیا، دیکھو ص ۱۶۶ ح ۲
S سے مراد سٹائن گاس کی ڈکشنری ہے۔
مرآت سے مراد مرات الاصطلاح مصنفہ آنند رام مخلص ہے۔

استخوان بندی (ص ۱۶۶) یعنی درست کردن نگارہ و متن ترکیب است مثلاً اگر خواستہ باشند قطعہ بنویسند یا تصویری بکشند اول بطریق مسودہ استخوان بندی آن را درست کنند بعد ازان بدان موجب دل نہاد و آن عمل شوند (مرآت)
طرح و استخوان بندی preliminary sketches and grouping of figures (A

اسلیمی (ص ۱۶۹) خطوطی کہ گرد نقوش کشند و آن را گرہ بندی سازند و در عوام بہ بند رومی شہرت دارد محمد سعید اشرف گوید
طالع شہرت چنان دارم کہ در دیوان کرکشد
حلقہ بر نام من اسلیمی خطائی می شود
و نیز مولانا امیدی گفتہ
قضا در کارگاہ کبریائی   فگندہ طرح اسلیمی خطائی (مرآت)
بہار عجم میں ہے: نوعی از نقاشی و گرہ بندی کہ برگرد نقشہا سازند و آن را بند رومی نیز گویند و تنہا اسلیمی و سلیمی نیز آمدہ
... حسن بیگ رفیع در تعریف نقاش
در اسلیمی او گرہ ہای کار   بود از طراوت ز شاہوار

اندام (ص ۱۶۹) مجازاً بمعنی (۱) خوبی و زیبائی و بمعنی (۲) تنقیح و موزونیت ماخوذ ازین، میرزا صائب
قمریان پاس غلط کردۂ خود می دارند
ورنہ کی سرو درین باغ باندام تو نیست
(۳) نظام و آراستگی (بہار عجم بذیل اندام و اندام دادن)
(بی اندام ص ۱۶۷ ضد Symmetrical (A) اندام است) اندام = اسلوب و بی اندام = بد اسلوب (مرآت)

اینی (ص ۱۶۳) برادر خرد

بند رومی (ص ۱۶۹) رک بہ اسلیمی

پرداخت (ص ۱۶۷ و بعد) finish (S)

پرداز گر (ص ۱۶۱) polisher, furbisher (S)

پیشرو (ص ۱۶۰) نشیدی کہ پیش از نقش خوانند (بہار) prelude (S)

جزو کشیدن (ص ۱۴۲ و ۱۵۳) اکتساب علم کردن (بہار)

چہرہ کشای (ص ۱۶۷) portrait painter (A.)

بہار عجم میں یہ شعر دیا ہے
ورق از صورت نقاش ورد شو کہ کنون
شاخ بر ہر ورق چہرہ کشائی دارد

حجرہ (ص ۱۶۸) Studio (A.)

خام (ص ۱۶۷ و ۱۶۹) crude (A.)

خشک (ص ۱۷۰) چیزیکہ انتفاع از و نتوان کرد (بہار)

زغال گرفتن (ص ۱۶۸) Drawing in charcoal (A).

طرح (ص ۱۶۷ و بعد) Disposition (S), design (A (طرح کش = مصور و نقاش بہار)

طراحی نقش (ص ۱۶۸) sketching designs (A.)

طور (ص ۱۴۲ و ۱۴۴) good, pretty دیکھو لغات نوائیہ

غدارہ دیکھو ص ۱۶۸ ح ۲

قلم (ص ۱۶۶) brush (A)، ملاظہ طغرا مصوران بنقاشی آن بقاع   قلم بستہ از موی خط شعاع
ظہوری
کمر چون در فن مو تگری بست   قلم از طرۂ حور و پری بست (بہار)

قلم سیاہی (ص ۱۶۶) یعنی سیاہ قلم

گرمک (ص ۱۷۰) Shaking with the fingers, or pressing upon the finger-board of a musical instrument, so as to produce a tremulous sound (S)

گرفت و گیر (ص ۱۶۶ و ۱۶۹) strokes (A.)
Two things adhering to each other and sus- pended together (S

لطف قلم (ص ۱۶۸) agreeability of brush (A.)

ماتوماق داری (ت) ص ۱۶۸ wrestling and boxing (A).

نعل و داغ (ص ۱۵۷) رسم است کہ قلندران و عاشق پیشگان ولایت بر سینہ داغ می کشند بصورت نعل (بہار)

فہرست اعلام

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۰ - عدد ۴ بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۳۴ء عدد مسلسل ۳۸

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام دین پرنٹر طبع ہوا اور بابو این این منزا نے دفتر اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ✦

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے ✦

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصہ اول عربی فارسی اردو اور پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت ہندی اور پنجابی بحروف گورمکھی۔ ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ✦

وقت اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شایع ہوگا ✦

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے ۱۲ عمر۔ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلۂ کالج کے وقت وصول ہوگا ✦

خط و کتابت و ترسیل زر۔ خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہیئں ✦

محل فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ✦

قلم تحریر۔ حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ✦

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے ✦

خط و خطّاطان

ذیل میں تین غیر مطبوعہ اقتباسات متعلقہ خطاطی اور خطاطوں کے متعلق درج کئے جاتے ہیں:-

اڈیٹر

۱۔ اقتباس
از
رسالۂ خط و سواد

مصنفۂ مجنون بن محمود الرفیقی

ذیل کا مختصر سا اقتباس رسالہ خط و سواد سے لیا گیا ہے، جو دسویں صدی ہجری میں (۹۰۹ھ کے بعد[1]) مرتب ہوا،

اس رسالہ کے باب دویم میں مصنف نے استادان و مخترعان خطوط کا حال لکھا ہے جو اپنی قدامت کی وجہ سے بہت دلچسپ ہے، مصنف نے اس میں اپنا نام "مجنون بن محمود الرفیقی" لکھا ہے اور اپنی نسبت یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے:

چون کاتب[2] مکتوب حقیقی (؟) مجنون بن محمود الرفیقی . . . . ابدا[3] بمقتضی الولد الحر

(رق ۲۰ ب) یقلد بابائہ الغر[4] از آوان[5] طفولیت تا زمان کہولیت در تحصیل علم [ورق ۲۰] خط و تکمیل اعداد و شناخت[6] [سیاقت؟] و سعادت خدمت استادان ماہر و خطاطان نادر و دریافت از ہر خرمنی خوشۂ و از ہر انجمنی توشۂ بر می داشت اما چون از نقصان قابلیت دران صنعت

---

[1] دیکھو ص ۵ حاشیہ ۲،

[2] فقط در نسخہ موزۂ برطانیہ (= آ) دارد [3] در آ "نغید" و "المعز" نوشتہ است بجای "یقلد" و "الغر" تصحیح قیاسی است، در نسخہ کہ من دارم (= ب) بجای عبارت متن فقط "اصلح اللہ شانہ" نوشتہ است نیز رک بہ ص ۱۱ س ۹ [4] آ: از اول نہ، تصحیح از روی ب، [5] ب: سیاقت دو در حاشیہ معیشت و روائی نوشتہ.

ہی شخص ہے' تحفۂ سامی میں ہے کہ

مولانا مجنون چپ نویس از خوش طبعان ہرات است و در خط چپ بی بدل عالم بود و خط دیگر اختراع کردہ بود کہ او را توامان نام نہادہ ..... منہ

توامان مخترع مجنون است الخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵) فخری نے یوں کیا ہے : " از مشہد است و طبعش در غایت شوخیت' وچپ نویس و خوشخط مثل او کم بودہ است بلکہ نبودہ' ذاتش نیز مقبول افتادہ' این مطلع از وست :

؎ بوعظ میروم و زار زار می گریم بدین بہانہ ز ہجران یار می گریم (لطائف نامہ صفحہ ۱۳۶)

میر علی کاتب کا ترجمہ مجالس النفائس میں اگر ہے تو نمایاں صورت میں درج نہیں ہوا' لطایف نامہ صفحہ ۱۱ پر جہاں مولانا شیر علی لکھا وہاں میرے قلمی نسخہ میں مولانا میر علی ہے مگر مجالس النفائس کے دو نسخے جو میرے پاس ہیں دونوں میں مولانا شیر علی ہے' انہی ترکی نسخوں میں مجلس سوم کے آخر میں مولانا ذاتی (دیکھو لطایف صفحہ ۱۵۲) کے بعد دو ترجمے اور ہیں ایک میر علی کا اور ایک پہلوان کاتب' کا اس میر علی کی نسبت فقط یہ لکھا ہے کہ وہ مولانا جامی کے مدرسہ میں تھا اور انکے ملازم کی سی حیثیت رکھتا تھا پھر یہ مطلع اس کا دیا ہے ؎

مرا بی سرو قدش باشد اے دل بجان ہر لحظہ تیر ہجر حاصل

یہ بھی غالباً کوئی اور میر علی ہے' بہرحال چونکہ میر علی کاتب ۹۵۰ کے قریب فوت ہوتا ہے اور مجالس النفائس اسکے مرنے سے قریباً ۵۴ سال پہلے کی تصنیف ہے اسلئے عجب نہیں کہ میر علی کو اسوقت کوئی نمایاں اور قابل ذکر حیثیت حاصل نہو' ہاں تاریخ رشیدی (تصنیف ۹۵۲) میں میر علی کا مجمل سا ذکر آیا ہے (دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت مئی ۳۴ء صفحہ ۱۹۵) اسمیں صرف یہ لکھا ہے کہ وہ زین الدین محمود کا شاگرد ہے بہت صاف اور محکم لکھتا ہے' خفی جلی سے بہتر لکھتا ہے اور کتابہ قطعہ سے بہتر' جلی بے تناسب بی مزہ لکھتا ہے' تحریر اسکی ملیح نہیں مگر قوت میں بے مثل ہے' اسمیں اسکی شاعری اور تخلص کا کوئی ذکر نہیں' خلاصۃ التواریخ (؟) میں جو ۹۵۰ کے بعد کی تصنیف ہے اور اس سے ایک اقتباس آگے آتا ہے اس رائے کے برعکس اس کے جلی اور اوسط کو بہتر قرار دیا گیا ہے' مگر امر فیہ پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی'

اس کے بعد سام میرزا نے لکھا ہے کہ " رسالۂ نظمی باسم من در بحر لیلی و مجنون بسلک تحریر آوردہ بود در قواعد خطی و تعریف چگونگی قلم و سیاہی و رنگ کردن کاغذ و ما یتعلق بہا " پھر اس رسالہ میں سے یہ شعر دیا ہے :

رنگی کہ صفای خط ازانست   از آب حنا و زعفران است

اس کے بعد ذیل کے دو مطلع دئے ہیں -

مطلع غزل ؎

(۱) بیوفا بودی زاوّل من ترا نشناختم   حیف اوقاتی کہ در عشق تو ضایع ساختم

مطلع قصیدہ ؎

(۲) فیروزۂ سپہر در انگشترین تست   روی زمین تمام بزیر نگین تست

یہ یاد رہنا چاہئے کہ سام میرزا نے مجنون کا ذکر ذیل صحیفۂ سوم میں کیا ہے جس میں سادات کا ذکر نہیں ہے ' سادات کا ذکر اسنے صحیفۂ دوم کے صفحۂ اول میں کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے ـ کہ مجنون بن محمود رفیقی سید نہ تھا ' چونکہ یہی مصنف سادات کی ذیل میں (صحیفہ دوم میں) میر علی کاتب کا ترجمہ الگ دیتا ہے ـ اس سے ظاہر ہوا کہ میر علی کاتب سید تھا اور وہ مجنون بن محمود رفیقی کے سوا کوئی اور شخص ہے میر علی کے ترجمہ کا متن یہ ہے :

اصل[۱] او از سادات ہرات است در مشہد رضویہ نشو ونما یافتہ در خدمت مولانا سلطان علی مشق خط نستعلیق می کرد فی الواقع کہ بعد از مولانای مذکور خط نستعلیق راکسی بہ از و ننوشت در شہور سنہ ۹۳۵ بواسطہ انقلاب خراسان بماوراء النہر

---

[۱] اقتباسات تحفۂ سامی در اورینٹل کالج میگزین ـ فروری ۱۹۳۴ء ص ۸۷ '

استادی گویند کہ دران وقت در باصرہ اش ضعفی پیدا شدہ بدین واسطہ خطش تنزل کردہ، طبعش در نظم اشعار ملایمت تمام دارد'

اس کے بعد اسکا معما باسم مہدی دیا ہے یعنی ؎

خوش آنکہ بعشق مبتلا گردیدہ بیگانہ ز خویش و آشنا گردیدہ الخ

اس سے کچھ شک باقی نہیں رہتا کہ مجنون بن محمود رفیقی اور شخص ہے اور میر علی کاتب اور؛ مگر مولانا غلام محمد صاحب تذکرۂ خوشنویسان (متوفی در حدود ۱۲۳۹) نے یہ مانتے ہوئے کہ میر علی سادات ہرات سے ہے اسی کو مجنون بن محمود رفیقی بنا دیا ہے اور ان دو اشخاص کے تراجم کو مخلوط کر دیا ہے جس سے ایک گونہ اشتباہ ریو کو بھی پیدا ہوا؛ گو ریو (فہرست مخطوطات فارسیہ ص۵۳۱) نے بھی اپنے قارئین کو اسی امر کی طرف متوجہ کیا کہ حبیب السیر (تالیف ۹۳۰) میں ان دو آدمیوں کے تراجم علیحدہ علیحدہ منعقد کئے گئے ہیں' حبیب السیر میں ان تراجم کی صورت یہ ہے :

مولانا مجنون ولد مولانا کمال الدین محمود رفیقی است کہ بحسن خط و لطف طبع اتصاف داشت و مولانا بجنون بغایت درویش وش و فانی مشرب است و اشعارش سلیس و ہموارہ اتفاق می افتد (اس کے بعد دو مطلع دئے ہیں جو تحفۂ سامی سے ہم نے ص ۷ پر نقل کر دئے ہیں) حبیب السیر ۳ : ۳ : ۳۵۰

میر علی بسیادت مشہور است و در خط نستعلیق سرآمد خوشنویسان نزدیک و دور طبعش بنظم اشعار ملایمت تمام دارد و احیانا ابیات و معمیات بر صحیفۂ روزگار می نگارد (اس کے بعد مہدی والا معما دیا ہے جسکا ذکر ص۷ میں اوپر آ چکا ہے اور جو مجالس النفائس میں مولانا محمود کے نام سے درج ہے دیکھو لطایف نامہ ص ۲۴۴)

۰ این مطلع و رباعی که مبنی است از صنعت اظہار المضمر و مبنی است بر مدح مربی اہل فضل و ہنر نتیجہ طبع دوست کہ مطلع ؎

۰لا گویم و دردم اگر بیابی راہ ۔ بہ پیش آصف عالی گہر حبیب اللہ

صفت این مطلع آنست کہ سر ہر حرف را از حروفی کہ در مطلع مندرجست چون در ضمیر نگاہ دارند و باصطلاحی کہ متعارفست عمل نمودہ بمصراعی کہ در آخر نوشتہ شد رجوع کنند بوضوح پیوندد کہ حرف مضمر کدام است رباعی

ای ذات تو فیض بخش با اہل طلب ۔ وز حسن تو گردیدہ فزون ذوق وطرب

تو معدن ملک جودی و دیدہ نہند ۔ صاحب جایان بہ بہ ت ازعین ادب

ع شرف ملک و صاحب عہدی (حبیب السیر ج ۳: ۳: ۱۱۸)

غرض صاحب حبیب السیر کے بیانات بھی ہمیں اسی نتیجہ پہ پہنچاتے ہیں جس پر سام میرزا نے ہمیں پہنچایا تھا ۔ یعنی یہ کہ مجنون بن محمود رفیقی میر علی کاتب ست علیحدہ شخص ہے'

مجالس المؤمنین (تصنیف سنہ ۱۰۱۰) طبع طہران ۱۲۹۹ھ ص ۴۵۷ پر ملا میر علی کا حال دیا ہے ۔ اس میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ اسکا تخلص مجنون تھا یا یہ کہ وہ مجنون رفیقی ہے' وہ ترجمہ یہ ہے:

ملا میر علی مشہدی نزد ملا زین الدین محمود کاتب وملا سلطان علی مشق می کرد و چون خط او بکمال رسید با مولانا سلطان علی در مقام دعوی شد و اہل عصر جانب مولانا گرفتند و آخر او سہ قطعہ از ملا سلطان علی گرفتہ تقلید فرمود و با قطعہای مولانا پیش آورد مولانا متحیر شد کہ آیا خط او کدام است و بعد از تامل بسیار خط میر علی را برداشت' (اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ ملا میر علی اور اور فضلای ہرات کو عبید خاں اوزبک پکڑ کر بخارا لے گیا اور آخر عمر تک وہ وہیں رہا اور کوخان اور اس کی اولاد نے اس کیساتھ بہت

[illegible] گیا۔ مگر وہ فطری طور پر غریب الوطنی کی شکایت کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک قطعہ بھی اس باب میں اسنے کہا **قطعہ**

عمری از عشق وہ تا بود قدم ہمچون چنگ الخ

یہ قطعہ اقتباس مرآۃ العالم ص ۲۴۷ پر دیکھو] از جملۂ شاگردان او میر سید احمد[۱] مشہدی و خواجہ محمود[۲] سیاوشانیست و خواجہ محمود از عنفوان جوانی و سادہ روئی در خدمت ملا میر علی بود وقتی ملا ازو رنجیدہ این قطعہ را گفت **قطعہ**

خواجہ محمود اگرچہ یکچندی الخ [دیکھو اقتباس خلاصۃ التواریخ ص ۳۰]

قبر ملا در فتح آباد بخارا در جوار مزار شیخ سیف الدین باخرزی کہ او را شیخ العالم گویند واقع است و ملا را فرزندان ہستند کہ در انجا نشو و نما یافتہ و آخر بہند افتادند[۳] و ہمگی عقیدۂ فاسدۂ اہل بخارا دارند فاعتبروا یا اولی الابصار

اس ساری عبارت میں کوئی بات ایسی نہیں جو اسکو مجنون بن محمود رفیقی ثابت کرتی ہو۔ البتہ قطعۂ اول کے آخر میں یہ شعر ہے:

این بلا بر سرم از بہر خط آمد امروز کہ خطم سلسلۂ پای من مجنون شد

عجب نہیں کہ اسی شعر سے بعض لوگوں کو خیال ہوا ہو کہ میر علی کا تخلص مجنوں تھا یعنی وہ مجنون جو محمود رفیقی کا بیٹا تھا'

---

[۱] مگر عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ پر اسکو "میر سید احمد مشہدی" لکھا ہے'

[۲] یعنی محمود شہابی یا محمود بن اسحاق سیاوشانی (دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۳۴ء ص ۱۳۶) و عالم آرای ص ۱۲۴

[۳] غالباً انہی میں سے ایک محمد باقر ہے جسکو آئین اکبری میں عہد اکبری کے مشہور خطاطوں میں شمار کیا گیا ہے (دیکھو بلا خمن ص ۱۰۳) اور ایک میرزا باقی (دیکھو مآثر رحیمی (۳: ۱۶۸۱) و فہرست بانکی پور ج ۳ نمبر ۹۳) یہ بھی ممکن پڑتا ہے کہ باقر اور باقی ایک ہی ہوں'

تحفۂ سامی اور حبیب السیر کی صریح شہادت کے ہوتے ہوئے اس کو شعر کا نتیجہ سمجھنا ممکن نہیں؛ بخلاف اس کے یہ ممکن ہے کہ مجنوں کا لفظ بہ سبیل استعارہ اس شعر میں استعمال ہوا ہے اور غایۃ یہ کہ میر علی کا تخلص بھی مجنوں بن محمود رفیقی کی طرح مجنوں تھا۔ گو اس کے ثبوت کے لئے دوسرے ماخذ سے بھی اس کی تائید ہونی چاہئے جو بالفعل موجود نہیں۔

صاحب عالم آرای عباسی (تصنیف ۱۰۲۸ھ) نے ص ۱۰۱ پر میر صدر الدین محمد کے ترجمہ میں میر علی کا بہ استطراد ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ "... اعتقاد و اخلاص مولانا سلطان علی بیشتر از مولانا میر علی داشت و تتبع او بیشتر از دیگران کردہ بود۔ درین مقام در باب حسن خط این دو نادرۂ زمان سخنی بنظر رسیدہ بود ثبت افتاد۔ گویند کہ مولانا میر علی درین فن ترقی عظیم کردہ بلند آوازہ گردیدہ بود با مولانا سلطان علی دعوی کرد و ارباب تمیز جانب مولانا سلطان علی می گرفتند" اس کے بعد وہی قطعہ دیا ہے جو ہم نے مجالس المومنین کے حوالہ سے اوپر نقل کیا ہے۔[1] ان سطور میں اسکندر منشی نے بھی کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے میر علی اور مجنوں رفیقی کا ایک ہونا ثابت ہو۔

صاحب مرآۃ العالم (تصنیف ۱۰۷۸ھ) نے میر علی کا جو حال دیا ہے وہ ص ۴۸۰ پر آتا ہے۔ اس میں بھی کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی جو مندرجہ بالا نتیجہ سے تناقض رکھتی ہو بجز اس قطعہ کے جس کے آخر میں لفظ 'مجنوں' آتا ہے اور جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

حاصل اس کلام کا یہ ہے کہ بجز صاحب تذکرۂ خوشنویسان کے اور کسی نے میر علی کاتب ہروی کو مجنوں بن محمود رفیقی قرار نہیں دیا اور سام میرزا اور صاحب حبیب السیر جو ان دونوں کے ساتھ معاصر ہیں۔ صراحۃً ان کو دو شخص قرار دے

---

[1] دیکھو ص ۹۔ تذکرۂ خوشنویسان ص ۴۳ س ۵ پر مصنف نے جس میر علی ہروی کا ذکر کیا ہے وہ بظاہر میر علی کاتب ہروی ہی ہے۔ اسکا علیحدہ ذکر مصنف نے اس لئے کیا کہ وہ مجنوں اور میر علی کاتب کو ایک قرار دے رہے ہے۔ غرض یہ دو آدمی ہیں تین نہیں ہیں۔

رسالہ میں[1] اس بحث کے بعد ہم مجنون کے کچھ مزید حالات درج کرتے ہیں'

ہم نے اوپر مجنون کے رسالہ خط و سواد سے وہ عبارت نقل کی ہے جس میں وہ اپنے منظوم رسالہ رسم الخط کا ذکر کرتا ہے' اس رسالہ کے آخر میں اسنے کہا ہے کہ اس میں[2] چار سو سے زیادہ اشعار ہیں جو اسنے تقریباً ایک مہینے میں نظم کئے۔ رسالہ کے ابتدا میں وہ ہم کو بتاتا ہے کہ اسنے کتابت کا فن اپنے باپ سے سیکھا' اس کے اپنے الفاظ برٹش میوزیم کے نسخہ[3] سے درج ذیل کئے جاتے ہیں' "سبب نظم کتاب و باعث ترتیب این ابواب" کے عنوان کی ذیل میں وہ لکھتا ہے:

بخط و شعر میلم بیشتر بود — کہ این فضلم ز میراث پدر بود

ہوالواثق بحسبو و التحقیقی — کہ نامی شد بمحمود الرفیقی

گہی چون صیرفی[4] در خوردہ دانی — گہی چون عارفی[5] در نکتہ دانی

سہ کس راحق بود بر آدمی زاد — یکی پیر و دویم اَب سیوم استاد

مراز اول درین دیرینہ مکتب — ہم استاد است ہم پیراست ہم اَب

زعلم خط بسی تعلیم چون گنج — بخاطر بود ز استاد گہر سنج

گہر پرداز دُر ہای معانی — بحسن خط شدہ یاقوت ثانی

بنسخ اہل خط ہنگام تحریر — قلمدانش چو قندیل[6] پُر تیر

---

[1] یہاں تک لکھ چکنے کے بعد وہ سطور نظر پڑیں جو ہمارے فاضل دوست مولوی محفوظ الحق نے مسلم ریویو ۲ نمبر ۲ ص ۶ پر ملا میر علی کے متعلق لکھی ہیں' انکے بعض نتائج سے ہم کو اتفاق نہیں مگر اکثر باتیں انہوں نے خوب لکھی ہیں' اور انکی تلاش قابل داد ہے [2] دیکھو فہرست ریو ص۵۳۱ [3] خواجہ عبد اللہ صیرفی کاتب مشہور و شاعر [4] رک بہ لطایف نامہ ص ۱۴۱' [5] قندیل تیر چیزی میان تہی کہ تیر ہا دران نگاہ دارند (بہار عجم)'

چو از بہر کتابت خامہ سر کرد　　خط یاقوت را زیر و زبر کرد

زنقلش[1] نکتہا بس می شنیدم　　چو خود را قابل خطش ندیدم

ز بیم آنکہ این عقد جواہر　　بریزد ناگہہ از دُرج خاطر

بنظم این جواہر عقد بستم　　برقمش نیت خود جزم کردم . . .

چو از رسم خطش تاریخ دادم (۹۰۹)　　ازانش نام رسم الخط نہادم

چو مضراب قلم را باز کردم　　بگونا گون نوا ها ساز کردم

بچنگم کاغذ از مسطر کشیدہ　　چو قانون آہ و افغان بر کشیدہ

چو آن سازو نوا از وی شنیدم　　برسم تحفہ پیش شہ کشیدم

تمامش[2] ساختم بر نام شاہی　　کہ قدرش راست گردون پایہ گاہی . . .

قضا روزی کہ ایجاد قلم کرد　　بنامش نامۂ شاہی رقم کرد

بصورت لالۂ باغ الہی　　بسیرت گوہر دریای شاہی

زمہر مرحمت تابان و انور　　سپہر سلطنت سلطان مظفر

برای نسخ شاہان کاتب غیب　　نوشتش چون خط بی نقطۂ عیب . . . .

نہال تازہ از باغ جوانی　　گلی از گلبن چنگیز خانی

ز بستان کرم آزادہ سروی　　ز گلزار ارم رعنا تذروی

ز شاہی بر سر اخو[ا]ن مظفر　　ز مجموع آمدہ چون تاج بر سر . . . .

گل بستان دولت را گلابی　　سپہر سلطنت را آفتابی . . . . . .

چو عاجز گشتم از مدح و ثنایش　　سخن را ختم کردم بر دعایش

---

[1] اصل: نقلش　[2] ممکن ہے کہ مجنوں نے رسالہ ۹۰۹ میں مرتب کرلیا ہو پھر ۹۱۱ کے بعد یہ شعر اسمیں بڑھاکر اسکو مظفر کے نام پر معنون کیا ہو

خدایا بذات بی مثالت بحق و حرمت[1] جاہ و جلالت
کہ وارش بر فراز تخت شاہی کہ گیرد از سفیدی تا سیاہی

یہ مظفر جس کے نام پر مجنون نے رسالہ رسم الخط کو تمام کیا ابو المنصور مظفر حسین میرزا گورگان بن ابی الغازی سلطان حسین میرزا ہے جو باپ کے مرنے کے بعد اواخر ذی حجہ ۹۱۱ھ میں اپنے بڑے بھائی سلطان بدیع الزمان کی مشارکت سے ہرات میں تخت نشین اور ۹۱۳ھ میں فوت ہوا (حبیب السیر ۳ : ۳ : ۳۵۱ و ۳۵۶)۔

راقم حروف کے پاس ایک مختصر سا منثور رسالہ[2] "ناز و نیاز" ہے جس کا مصنف "مجنونِ رفیقی" ہے یعنی یہی مجنون بن محمود رفیقی۔ اس رسالہ کے دیباچہ میں مصنف کہتا ہے :

پوشیدہ نماند کہ سوزش و شورش عشق را مرتبۂ بسیار است و بہترین مراتب آنست کہ عاشق بمعشوق رقعۂ نیاز نویسد و معشوق عاشق نواز بعاشق نامہ فرستد بنابران مکتوب چند انشا کردہ شد از زبان معشوق و عاشق کہ عاشقان را بکار آید و معشوقان را فرحت افزاید ... چون مشتمل بر ناز معشوق و نیاز عاشق بود نامش ناز و نیاز نہادن لائق نمود امید آنست و مقصود چنان کہ در عین عنایت شہریار زمان و کامگار دوران نور حدیقۂ شہریاری نور حدیقۂ جہانداری [کہ] بلبل زبان در قفس دہان بتعزیت جمالش بدین نغمہ می سراید و قمری جان بر شاخسار بیان بدین

---

[1] اصل : حرمت و ۔ [2] ریو نے تذکرۂ خوشنویسان کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ رسالہ شاہزادہ سلطان مظفر کے لئے نظم ہوا مگر اس شاہزادے کی تعیین نہ صاحب تذکرہ نے کی ہے نہ ریو نے؛ نیز دیکھو حاشیہ ۲ ص ۱۵۔ ۳ ورق ۱۴ الف، تقطیع ۵ ×۸، رقعۂ سطور ۱۵؛ یہ رسالہ ۱۲ باب اور خاتمہ میں منقسم ہے۔

ترانہ ترنم می نماید ؎

گل بستان دولت را گلابی سپہر سلطنت را آفتابی

بہار تازہ از باغ جوانی گل از گلبن چنگیز خانی

المظفر من عند اللہ المنان ابوالمنصور سلطان حسین گورگان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ

و افاض علی العالمین برہ و احسانہ مقبول و مطبوع نماید'

غرض یہ کہ رسالہ رسم الخط اور ناز و نیاز دونو مجنون رفیقی نے سلطان حسین

میرزا کے بیٹے مظفر کے نام پر مرتب کئے'

فخری مترجم مجالس النفائس ترکی نے اپنی کتاب تحفۃ الحبیب میں دو غزلیں مجنون

رفیقی کی دی ہیں چونکہ یہ کتاب بہت کمیاب ہے اس لئے ہم ان غزلوں کو یہاں درج

کرتے ہیں۔ پہلی غزل کا مطلع مجالس النفائس میں بھی دیا ہے اور اس ساری غزل کو

صاحب بوستان خیال نے بھی نقل کیا ہے' **غزل اول**

مولانا مجنون رفیقی گوید ؎

بو عظ میروم و زار زار می گریم بدین بہانہ ز ہجران یار می گریم

برای آنکہ نداند کسی کہ از غم اوست فغان کنان بسر ہر مزار می گریم

بود کہ خلق ندانند گریہای مرا نہان ہمیشہ بشبہای تار می گریم

[غم غریبی خود را بہانہ می سازم بدین بہانہ دمی آشکار می گریم]

چو رعد می کنم افغان چو برق می سوزم بآہ و نالہ چو ابر بہار می گریم

زدست خلق چو مجنون ہمی روم از شہر بدشت و دامن ہر کوہسار می گریم

ـــــــــــــــــــــــــــــ

۱؎ ان اشعار کیلئے دیکھو ص ۱۲' ۲؎ در تذکرہ خوشنویسان ص ۸۰، ناش محمد حسین مظفر بادشاہ است در ص ۸۵ شاہزادہ سلطان مظفر' ۳؎ بوستان خیال: نہ بینند ۴؎ بوستان خیال: ازان' ۵؎ از روی بوستان خیال'

مخزنی نے اس کے بعد مولانا جلالی رفیقی کی غزل اسی زمین میں درج کی ہے اور
کتاب میں دو تین غزلیں انکی اور بھی دی ہیں' بظاہر یہ جلالی مجنون کا بھائی تھا'
مجنون کی دوسری غزل یہ ہے :

مولانا مجنون رفیقی گوید

هر کجا قصۀ آن ابروی پر خم گذرد | جای آنست که ذکر مه نو کم گذرد
تیرت از سینه گذر کرد و سنان تیز کنی | هر چه کردی بگذشت آنچه کنی هم گذرد
اگر از هم گذری نیست رقیبان ترا | صبر دارم که مهتم همه از هم گذرد
میرم از غم که مگر دید رخ خوب ترا | هر که از کوی تو با خاطر خرم گذرد
جانب اهل وفا می گذرد یار بسی | سوی مجنون ستمدیده ولی کم گذرد

اب ہم رسالہ خط و سواد کے باب دوم کا متن درج ذیل کرتے ہیں اور اس لمبی تمہید کے لئے
قارئین کرام سے معذرت چاہتے ہیں'
چند باتیں اس مصنف کے متعلق حل طلب تھیں اور انکا طے کرنا ضروری تھا'
متن ذیل برٹش میوزیم کے اس نسخہ پر مبنی ہے۔ جس کا نمبر Add. 26139 A ہے
اور جس کا حال فہرست ریو ص ۵۳۱ پر موجود ہے۔ مقابلہ کے لئے میرا ذاتی نسخہ استعمال
میں آیا ہے جس پر تاریخ کتابت درج نہیں'
صفحات آیندہ کے حواشی میں '۲۹' سے مراد ہے محکمہ آثار قدیمہ کی یادداشت
نمبر ۲۹ مرتبہ خانصاحب مولوی ظفر حسن صاحب مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۶ء

رسالۂ خط و سواد

باب دویم در ذکر استادان و مخترعان و مرتبۂ ایشان

بدانکه قدوة الاستاذین ابن مقلہ علیہ الرحمۃ والرضوان مخترع شش قلم است چنانچہ مذکور شد و زبدۃ الکاتبین ابن بوّاب علیہ الرحمۃ و الغفران شاگرد ویست، وقبلۃ الکتّاب خواجہ جمال الدین یاقوت علیہ الرحمۃ شاگرد ابن بوابست اما بہ از ہردو نوشت واصول ابن مقلہ را نمود وصاف تر از و نوشت،

نقل است کہ قلم ابن مقلہ و ابن بوّاب ہردو جزم[1] بودہ اما خواجہ یاقوت شاہ مردان[2] کرم اللہ وجہہ را* در خواب دید کہ فرمودند قلم را محرّف کن[3] و محرف* قط بزن چون[4] چنان کرد خط او صاف تر شد، وخط او را[5] بر خط ابن مقلہ ترجیح می نہند نہ از جہت اصول است بلکہ از حیثیت صفات* (صفا؟) است وگرنہ در اصول ہردو برابر اند، وخواجہ ارغون رضوان اللہ علیہ شاگرد خواجہ یاقوت است گاہی چنان[6]* تقلید او کردہ کہ مردم فرق نکردند[7]، وخواجہ عبد اللہ[8]* ا صیرفی طیب اللہ مرقدہ صاف تر از خواجہ یاقوت نوشت اما در اصول[9] باو* نرسید، اما مولانا (و) استاذنا[10] (و) مخدومنا المسمی بعبد اللہ الہروی المشتہر[11] بطبّاخ*

---

[1] ب: جرم (ودر بین السطور معنیش "بے نوک" نوشتہ است اما جزم ضد محرّف است چنانکہ درین بیت مجنون ؎ نہ جزم و نی محرف باشدش قط　　ولی خیر الامور افتاد اوسط

(رسالۂ رسم الخط ورق ۷)، نیز رک بہ لین (Lane.) بذیل جزم،

[2] آ: شاہ مردان را کرم . . . . را، ب: شاہ ولایت را　[3] در ب ندارد　[4] ب: بنا بران،

[5] ب: او را کہ . . . . کنند . . . از جہت صافی　[6] ب: آن چنان،　[7] ب: نکردہ اند　[8] ب: وچون،

[9] ب: عبید اللہ　[10] ب: اصل،　[11] کلمۂ استاذنا را از روی ادب گفتہ است نہ از روی حقیقت ازان روی کہ طباخ زیادہ از صد سال پیش این مصنف فوت شدہ بود رک بہ ص ۲۵،　[12] ب: المشہور بالاشہر

طاب الله ثراه وجعل الجنة مثواه* اصول خواجه یاقوت را[۱] با صفای خط خواجه عبدالله
صیرفی جمع کرده نسخ ایشان را بسیاری از استادان بر نسخ خواجه یاقوت* ترجیح کرده
اند، اما خط تعلیق را خواجه[عه] تاج السلمانی علیه التحیة اختراع نموده، و هیچ مخترعی
خط مخترع خود را به از او ننوشته، (۱)

و مولانا عبدالحی نور مرقده روشی دیگر نوشت و تا اکنون به از او[۲] پیدا نشده
و خواجه میر علی تبریزی انار الله برهانه خط نسخ و تعلیق را اختراع نموده،
و مولانا جعفر قدس سره به از او نوشت، لیکن[۳] مولانا اظهر رضی الله عنه در برابر
مولانا جعفر حکم مولانا عبدالله صیرفی دارد و نسبت بخواجه* یاقوت [یعنی][۴] اگرچه صاف
تر از مولانا جعفر [۱۲۴] نوشته اما در اصول به او* نرسیده،

اما حضرت مخدومنا و استاذنا المشتهر بسلطان علی المشهدی[۵] سلمه الله و ابقاه ومنّ
الله علینا* بشرف بقائه و* بقاء شرفه الی یوم [[۶] الدین] در برابر[۷] ایشان حکم مولانا
عبدالله طباخ[۸] دارد نسبت بخواجه* یاقوت و خواجه عبدالله صیرفی یعنی هم اصول مولانا
جعفر را نموده و هم[۹] صافی خواجه عبدالله صیرفی را،

---

۱ در ب ندارد، ۲ ب: از روی دیگری،
۳ ب: اما .... اظهر رحمة الله علیه در برابر مولانا اظهر .... نسبت خواجه، در آورده، بجای دارد، ۴ از روی ب،
۵ ب: مشهدی علیه الرحمة ۶ از روی ب ۷ ب: سر
۸ آ: طباخ داده الخ، ب: نیز دارد و بخواجه ۹ آ: و هم صافی مولانا اظهر را، ب: و صافی خواجه عبدالله صیرفی، عه رک به تاریخ گزیده ص ۷۳۸ بذیل واقعات ۷۸۸ ح و ذکر آل مظفر،

۲- اقتباس
از
خلاصۃ التواریخ (؟)

آغاز و انجام خط اصل

پروفیسر شیرانی کے کتاب خانہ میں تاریخ عمومی پر ایک فارسی کتاب ہے۔ جو شروع اور آخر سے ناقص ہے۔ ورق داغ سابق سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع کے سات ورق موجود نہیں ہیں' آخری ورق کا عدد ۲۰۱ ہے تقطیع ″$\frac{1}{4}$۷ × $\frac{1}{2}$۹) سطور ۱۷، خط نستعلیق ' کتاب پر مصنف کا نام اب موجود نہیں ہے۔ مگر شیرانی صاحب فرماتے ہیں کہ انکے علم میں کتاب کی پشت پر خلاصۃ التواریخ نام لکھا تھا۔ مجھ کو اس نام کی صرف ایک کتاب معلوم ہے جو سجان رائے کی تصنیف ہے۔ مگر یہ کتاب اس سے بہت پہلے لکھی گئی ہے۔ فہارس برٹش میوزیم اکسفورڈ کیمبرج ایشیاٹک سوسائٹی بنگال وغیرہا کو دیکھا گیا۔ مگر اس کتاب کی تعیین نہیں ہو سکی'

مصنف نے بادشاہان آل عباس میں سے راضی باللہ کا حال لکھتے ہوئے ابن مقلہ کا ذکر کیا ہے اور وہاں ایک پوری فصل آغاز و انجام خط اصل کے عنوان سے دی ہے' اس فصل میں قاسم شاہ دلشاد کے متعلق یہ عبارت آئی ہے۔

" وقاسم شاہ دلشاد نیز یکی از خوشنویسان عصر است و تا سنہ خمسین :

...نفایہ ...حیوۃ بودہ .... وشاگرد نیک او محمد حسین باخرزیست کہ بزعم بندہ او بہتر از قاسم شاہ دلشاد نوشتہ .... شعر او نہایت خوبست و شطرنج غایبانہ و حاضرانہ کسی بہتر ازو نباخت و کمینہ بخدمتش رسیدہ بود الخ'

بظاہر مصنف کی وفات دسویں صدی کے نصف آخر میں یا گیارھویں صدی کی ابتدا میں واقع ہوئی ہوگی'

اب پہلے اس کتاب کے مضامین کی مفصل فہرست دی جاتی ہے کہ وہ کسی اور صاحب کو شاید کتاب کی تعیین میں مدد دے سکے' اس کے بعد آغاز و انجام خط کی فصل کا متن درج کیا جاتا ہے

فہرست مضامین خلاصۃ التواریخ (؟)

[مقدمہ اوّل]

[فصل اول]

[ورق ۸]

[ورق ۲۰ الف] **فصل دوم** ذکر کیانیاں [ورق ۳۳ ب] **فصل سویم ساسانیان**

[۴۴ ب] **مقدمہ دویم** در ذکر جمعی کہ بعد از ظہور اسلام در ایران و توران متکفل حکم و فرمان بودہ اند و جمعی شرف اسلام دریافتہ اند و بعضی دیگر بی نصیب و محروم ماندہ و آن بر چہار قسم است

قسم اوّل

در ذکر احوال حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم (و) چہار یار کبار رضی اللہ تعالے عنہ و باقی ائمہ معصومین و بعضی از انبیاء مرسل و باقی سلاطین ساسانی و این قسم منحصر بر دو مقالہ و یک داستان (است)'

مقدمہ اول در ذکر احوال خلاصۂ (بنی) آدم سید ابرار و چہار یار کبار و اولاد و اصحاب اطہار

[۵۰ و] مجمل احوال بعضی از پیغمبران مرسل و غیر مرسل

[۷۱ و] داستان تتمہ احوال بعضی از ساسانیان کہ بعد از ظہور اسلام و بعد از تولد رسول الثقلین ......

[۷۴ و] [قسم دوم ؟] احوال بنی امیہ و بنی عباس و جمعی کہ در ایام ایشان حکیمت کردہ اند و کنیت گرفتہ (کذا) منحصر بسہ مقالہ

[۷۴ ب] مقالہ اول در ذکر بنی امیہ و تسلط و تغلب آن طایفہ

[۸۱ و] مقالہ دویم در کیفیت احوال بنی عباس و تسلط آن طایفہ

[۹۲ ب] آغاز و انجام خط

[۱۰۱ ب] مقالہ سوم ذکر احوال سلاطین کہ معاصر بنی امیہ و بنی عباس بودہ اند، . . . . یازدہ طایفہ اند،

طایفۂ اول طاہریان [۱۰۲ و] طایفہ دوم صفاریان

[۱۰۴ ب] طایفۂ سیوم سامانیان [۱۰۸ و] طایفۂ چہارم غزنویان

[۱۱۴ ب] طایفۂ پنجم غوریان [۱۱۹ و] طایفۂ ششم در ذکر آل بویہ

[۱۲۰ و] طایفۂ ہفتم سلجوقیان [۱۲۷ و] طایفۂ ہشتم خوارزمشاہیان

[۱۴۵ و] طایفۂ نہم اتابکان این طایفہ بر دو شعبہ اند

شعبۂ اول در فارس [۱۴۸ و] شعبۂ دویم در عراق و آذربیجان

[۱۴۹ و] طایفۂ دہم اسمعیلیہ [۱۵۱ و] طایفۂ یازدہم سلاطین قراختای

قسم سیوم

[۱۵۲ ا]

احوال چنگیز خان و اولاد او (و) جمعی دیگر که در زمان او در هر ملک و مملکت حکومت کرده اند و شرح حال سلطان سلاطین آفاق امیر تیمور گورکان و نژاد او و اولاد و اتباع (او) واین برسی [سه] باب است . . . . .

باب اول - احوال چنگیز خان و اولاد

[۲۲۰ ب] " دوم در ذکر حال جمعی که در ایام اولاد سلاطین چنگیز خانی [در هر ملک و مملکت حکومت کرده اند و شرح حال . . . .] امیر تیمور گورکان و شاهرخ بهادر که پنج فصل است ؛

فصل اول چوپانیان [۲۲۲ ب] فصل دویم ، در احوال ایلکانیان [۲۲۹ ب] فصل سویم در ذکر شیخ ابواسحق اینجو و آل مظفر [۲۳۰ ب] فصل چهارم در احوال ملوک کرت [۲۴۱ ب] فصل پنجم سربداران ،

[۲۴۳ و] باب سیوم احوال خسرو صاحبقران سلطان زمین و زمان فرمان فرمای دوران شهنشاه گیتی ستان کدخدای جهان امیر تیمور گورگان و اولاد و احفاد آن باعث امن و امان تا نهایت حال سلطان باجود و احسان سلطان حسین میرزا بایقرا و فرزندان بی دولت و سامان ،

قسم چهارم

[۳۰۰ ب] احوال قراقوینلو و آق قوینلو آن بر دو فصل است

فصل اول : قراقوینلو [ناتمام]

(۹۲ ب)

آغاز و انجام خط اصل

خطوط[1] از ایام آفرینش الی یومنا دوازده نوع است: عربی یونانی حمیری فارسی سریانی عبرانی قبطی بربری وندلسی اکنا[2] هندی و چینی حضرت امیرالمومنین علی رض خط کوفی پیدا کردند و علامت آن خط آنکه سر الف و سرهای لام که از قلم ایشان [۹۲] بیرون آمده سرهای آن شگاف دارد، و بیاضی نازک نمایان، که هیچکس را قدرت آن نیست که مثل اینچنین بیرون آورد. و خط معقلی نیز از ایشانست، سلطان علی مشهدی[3] گفته:

سند علم خط بحسن عمل	بس بود مرتضی علی ز اول
زانکه هم اوست در تمام علوم	علما را بعلم امام علوم
وین همه علمها امیر بحکم	کب فرموده از مدینهٔ علم
غرض مرتضی علی از خط	نه همین لفظ و حرف بود و نقط
بل اصول و صفا و خوبی بود	زان اشارت بحسن خط فرمود
خط که[4] فرموده است نصف العلم	سرور انبیا بعلم و بحلم
آنچنان خط کجاست حد بشر	قلم دیگر است و دست دگر
قلم پاک آن رفیع جناب	خورده از جویبار جنت آب
دست دُرپاش او خزانهٔ رزق	خامهٔ او کلید خانهٔ رزق

---

[1] در ابتدا جملهٔ ممسوخی نوشته است که مطابق اصل نقل کرده می شود. من قبل الکتاب ابن مقلہ شابه من قبل استاذ الکتاب " التحریر یعنی تاریخ خط اصل از عهد ابن مقلہ [2] اصل: در [3] یعنی: رسالهٔ منظوم او در آداب خط که مشهور است رجوع به اورینٹل کالج میگزین ۱۵ مئی ۱۹۳۲ء ص ۱۹۳ [4] اصل: که خط ش علم دیجای ... دز خوشخطی که من دارم،

مدادش چه گویم و نه دوات — آب حیوان نهفته در ظلمات[1]
نشوی غافل از بنی هاشم — وز ید الله فوق ایدیهم[2]
چه قلم بود یارب آن وچه دست — قلم اینجا رسید و سر بشکست

ابن[3] مقله که وزیر الراضی بالله بود خط ثلث و نسخ از کوفی استنباط نمود چون دستش را بریدند بدخترش تعلیم داد و دختر با ابن البواب[4] و ابن البواب خط ریحان و محقق از خود وضع کرد چون نوبت بیاقوت رسید خط توقیع و رقاع ازین خطوط پیدا کرد و بشش خط رسید و بتراکیب نوشت [مص]

دلبر من شش قلم خط می نویسد بی نزاع — ثلث و ریحان محقق نسخ و توقیع و رقاع

این یاقوت در زمان مستعصم خلیفهٔ عباسی بوده و غلام یکی از خلفا بوده و هر روز دو جزو قرآنی کتابت مصحف می کرده و هفتاد بیت عربی جهت خلیفه مقرری داشته وسی بیت جهت وزیر و نود کس را سرخط می داده و بغایت سریع الکتابت بوده و هر مصحف که نوشته قید کرده که مصحف چندین است سیصد شصت و چهار آن را مولف این نسخه بخط او دیده، معمر بوده، سن او از نود متجاوز بوده است وعینک ننهاده، وفاتش در زمان سلطان غازان[4] در ست و تسعین و ستمایه،

از شاگردان او شش کس مسلم اند و ایشان را استادان ستة[5] می گویند و در قطعه ها که خود نوشته اند اسم یاقوت را نوشته اند

(۱) شیخ زاده سهروردی — (۲) ارغون کابلی[5]

---

[1] بعدش زیادات دارد در نسخهٔ خطی من، [2] المتوفی ۳۲۶ھ (مرآة العالم، [3] المتوفی ۴۲۰ھ . مجالس المومنین ص ۴۵۶) [4] از ۶۹۴ تا ۷۰۳، [5] اصل: کامل، مرآة العالم: کابلی،

[۳] نصر الله طبیب [1]   [۴] مبارک شاه زرین قلم

[۵] میر یحیی صوفی   [۶] یوسف مشهدی

و بعد ازیشان استادان دیگر پیدا شدند که مشهور ایشان عبد الله صیرفی است٬
در زمان سلطان ابوسعید خان و امیر چوپان سلف وند بوده و عمارت استاد و شاگرد
که در تبریز است کتابه صیرفی نوشته ٬ و ابن صیرفی شاگرد سید حیدر جلی نویس است٬
و از شاگردان صیرفی آنچه مشهور شدند حاجی محمد بند دوز و معین الدین تبریزی و
شمس الدین محمد مشرقی است٬

و در ایام شاهرخ میرزا عبد الله طباخ در خراسان نمو کرد و او را اهل خراسان
بخیال غلط بهتر از یاقوت می دانند٬ بهر حال نسخ او لطافتی و نزاکتی دارد٬ اما
ثلث او بسیار کلاغ پا ست٬ و بخط محقق می ماند٬ و آن مقدار فرق نمی توان کرد٬ و
ملا جعفر و عبد الحق سبزواری و میرزا بایسنغر ولد میرزا شاهرخ و ملا جعفر نیز
استادند و بغایت لطیف نوشته اند٬ علی الخصوص میرزا بایسنغر و مولانا پیر محمد
در شیراز نشو و نما کرد او هم درین عصر بود و بروش یاقوت نوشت ٬ و میرزا
ابراهیم ولد میرزا شاهرخ شاگرد اوست و بغایت کتابه نویس خوب بوده ...

ل بلاخمن در ترجمهٔ آئین، ص ۱۰۰: حیدر گنده نویس بجای نصر الله، مرآة العالم: سید حیدر ۲ اصل: پیر ۳ ...
... مرآة العالم: یوسف شاه (بجای یوسف) ۴ ۷۰۶ تا ۷۳۶ ۵ المتوفی ۷۵۸ ۶ حبیب السیر ۳: ۱: ۱۲۱
۷ ان مسجدی بود از بنای حسن کوچک چوپانی (م ۷۴۴) رک به اینسائکلوپیڈیا آف اسلام بذیل تبریز
ص ۵۹۲ عمود ب ۸ ۸۰۷ تا ۸۵۰ ۹ المتوفی ۸۳۷ ۱۰ المتوفی ۸۳۸

۱۱ یعنی میرزا ابراهیم٬

خوش طبعی بخدمت میرزا شاہرخ از شیراز آمد و ماوراء النہری[1] بود، احوال پسر ش سلطان ابراہیم ازو پرسید، بتقریبات گفت در زمان او عمارات عالی کاشی کار بسیار[2] تمام یافت و کتابہ میرزا نوشتہ و بر در و دیوار "کتبہ مرزا ابراہیم" نوشتہ، دعا از تجنیس د ورق ۹۴) کتبہ است، رق ۹۴

و بعد از خطوط اصل خط نستعلیق است کہ اکنون جمیع خطوط را منسوخ ساختہ و واضع میر علی تبریزی است، شعر[3] سلطان علی مشہدی ؎

نسخ تعلیق گر خفی و جلی ست	واضع الاصل خواجہ میر علی ست[4]
تا کہ بود است عالم (و) آدم	ہرگز این خط نبودہ در عالم
وضع فرمودہ او ز ذہن دقیق	از خط نسخ و از خط تعلیق[5]
نی کلکش ازان شکر ریز است	کاصلش از خاک پاک تبریز است
نکنی نفی او ز نادانی	بے[6] ولایت* نبودہ تا دانی[7]
کاتبانی کہ کہنہ و[8] نو بیند*	خوشہ چینان خرمن اویند
بد معاصر بجمع الافضال	شیخ شیرین مقال شیخ کمال[9]

---

[1] اصل: ماورالنہری [2] اصل: بسیار۔ تصحیح قیاسی است [3] اشارہ است بہ رسالۂ منظوم سلطان علی کہ ذکرش سابقاً ہم آمدہ، [4] بعدش زیادتی دارد در نسخۂ خطی من [5] نسخۂ خطی رسالہ: بولایت (کہ تصحیف است) [6] در نسخۂ خطی من بعدش این شعر است: بد معاصر الخ [7] اصل: وز نوند [8] مراد سلطان علی از کمال خجندی متوفی ۸۰۳ھ است ازانکہ بعدش می گوید ؎ آنکہ شعرش چو میوہای خجند ہست شیرین تر از نبات و زقند

درکتابخانہ موزۂ برطانیہ نسخۂ از مثنویات ثلاثۂ خواجو کرمانی (ہمای و ہمایون و کمال نامہ و روضۃ الانوار) موجود است کہ در بغداد نوشتہ شد در ۷۹۸ھ و کاتب درو نام خود را "میر علی بن الیاس التبریزی الباورچی" نوشتہ است و نقل عکسی او درکتابخانہ کلیہ پنجاب موجود است لیزرک بہ عکس نمو ا،

میر علی تعلیم به پسرش **عبدالله** داد و عبدالله را صورت خط آن چنان نبود که شهرت یابد، مولانا **جعفر** را تعلیم کرد و **اظهر**[1] پیش جعفر خط نوشت و اظهر من الشمس شد تا آنکه مولانا **سلطان علی**[2] **مشهدی** بشاگردی او رفت و در خط نستعلیق وحید زمان و یگانهٔ دوران گشت چنانچه می گوید

از جوانی بدی بخط میلم   عشق خط زاید[3] از مژه سیلم
بر سر کوی کم قدم زدمی   تا توانستمی قلم زدمی
گه[4] ز انگشتها قلم کرده   بخیالی خطی رقم کرده[5]
از قضا میر مفلسی[6] روزی   پیشم آمد بسان دلسوزی
قلم و کاغذ و دواتم جست   بیست و نه حرف ز حرف نخست
بنوشت و روان بدستم داد   شدم از التفات او دلشاد
زانکه ابدال بود و صاحب حال   گشته حالش مبدل الاحوال
زین سبب عشق خط زیاده شدم   دل گرفتار مرد ساده شدم
نیت روزهٔ علی کردم   قلم مشق را جلی کردم
در خیال این که کار بگشاید   شه بخوابم جمال بنماید
تا شبی خواب دیدم از ره دید   که خطم دید و خامه ام بخشید
خواب را مختصر نمودم باز   قصهٔ خواب هست دور و دراز
بیش ازین زین سخن نیارم گفت   که ندارم مجال گفت و شنفت

---

[1] اصل: اطهر [2] ترجمه اش را در حبیب السیر ۴ : ۳۴۴ هم دارد [3] نسخهٔ خطی رساله: راندی، [4] در نسخهٔ خطی رساله بجای این بیت دیگر را دارد، [5] بعدش در نسخهٔ خطی رساله یازده بیت زاید را دارد، [6] رک به لطایف نامهٔ فخری ص ۵۷،

و سلطان علی غلام علی ست   شهرت خط او ز نام علی ست

شاگردان او ملا سلطان محمد خندان، و سلطان محمد نور، و سلطان محمد ابریشمی و زین الدین محمود است، و خندان بهترین این چهار کس است،

اما زین الدین محمود شاگردی رسانید میر علی نام که اعجوبهٔ زمان گشت که اکثر خلایق او را [از استاد ؟] بهتر می دانند و فی الواقع از روی انصاف جلی و اوسط او بهتر شیوه بهتر است اما در خفی و کتابت حضرت مولوی سر آمد [!] ند،

و قاسم شاه دلشاد نیز یکی از خوشنویسان عصر است و تا سنه ۹۵۰ در حیات بوده اما قلم در دست و قلمتراش در مشت داشت و هر روز پنج بیت می نوشت، و شاگرد نیک او محمد حسین باخرزی ست که بزعم بنده او بهتر از قاسم شاه دلشاد نوشته و اصلش از باخرز است و بانواع فضایل و کمالات آراسته، از جمله شعر او بغایت خوب است و شطرنج غایبانه و حاضرانه کسی بهتر از او نه باخت و کمینه بخدمتش رسیده بود و این فضایل او را از خط و شعر و اختلاط خود تمیز کرده تصدیق می کند، این شعر از وست ؎

خوش آن کز آتش دل شعله در پیراهنم گیرد   که نتواند دگر خار ملامت دامنم گیرد

رباعی

یارب غم دوری ضروری تا کی   با درد و غم هجر صبوری تا کی

هستیم ز تو دور و بدان نزدیک   نزدیک بمردنیم دوری تا کی

---

[۱] رک به حبیب السیر ۴ : ۳ : ۳۵ [۲] در حبیب السیر ۴ : ۳ : ۳۵۰ ذکری از مولانا سلطان محمد بن مولانا نور الله استاد نسخ تعلیق آورده است که غالباً مراد از همین کاتب است پس میان سلطان محمد و نور اضافت ابنی است،

[۳] نامش در تاریخ رشیدی (اورینٹل کالج میگزین ماه مئی سنه ۱۹۳۴ء) ص ۱۶۵ قاسم شادی شاه است و غالباً همان صواب است، در آئین اکبری او را محمد قاسم شادی شاه نوشته است (بلاخمن ص ۱۰۲)

ونسخ و تعلیق که اهل عراق نوشته چیزی نیست، ازجمله انیسی که عبدالرحیم نام دارد،
دانا خوشنویسان عراق است، و در زمان یعقوب میرزا بوده و با این خوشنویسان که
گذشت معاصر بوده، و برادرش عبدالکریم نیز بدستور انیسی نوشت و نمک خط
در خطوط برادران نیست،

درین زمان ملا شاه محمود نیشاپوری[1] خفی نویس[2]* بے مثل و مانند است و
کتابت او بهتر از کتابت این جماعت است که مذکور شده و ملا عبدی[3] نیشاپوری
[ورق ۹۵] که استاد ملا شاه محمود است و ملا رستم علی[4] و مولانا دوست که هردو
از خراسانند و قریبهٔ یکدیگر بودند و مولانا[5] مالک قزوینی درین آخر ترقی کرد که او
بهتر از رستم علی و ملا دوست است و سید احمد شمع ریزه مشهدی شاگرد مولانا
میرعلی ست، و اکنون ازین جماعت همین اوست،

وخط تعلیق که در قدیم نوشته اند اصلا لطافتی و نزاکتی نداشته تا آنکه تاج سلمانی
پیدا شد و بنزاکت و رعنائی نوشت، و خواجه[6] عبدالحی در زمان سلطان[7] ابوسعید ثانی
کورگانی پیدا شد و تعلیق را بغایت لطیف نوشت و مولانا شیخ محمد[8] تمر(؟)[9] قزوینی شاگرد
اوست و خوب رسانید (کذا) چنانچه بارها با او دعوی کرده و فضولی نموده، و[10] مولانا

---

[1] برای این ها رک به عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ که بقولش ایشان از آن جمله بودند که در زمان شاه طهماسپ جهان فانی را پدرود کرده بودند،
[2] اصل: که خفی نویس
[3] بقول اسکندر منشی او خواهرزادهٔ استاد بهزاد مصور بود
[4] رک به عالم آرای عباسی ص ۱۲۵ س ۲۱،
[5] رک به عالم آرای عباسی ص ۱۲۴،
[6] دولت شاه ص ۴۱۲،
[7] ۸۵۵ تا ۸۷۲،
[8] ابوالفضل ذکری از "محمد قزوینی" می کند (بلاخمن ص ۱۰۱)
[9] منشی؟
[10] ترجمه آئین اکبری (بلاخمن ص ۱۰۱)

اورئیس نیز شاگرد اوست، اما در خراسان مولانا درویش[1] عبدالله در زمان حسین مرزا در تعلیق نویسی سرآمد روزگار گشت و بغایت نازک و رعنا و پیچان و نمکی نوشت و بدو مسلم است، و شاگردان او میر منصور[2] منشی و خواجه جان [اختیار؟] است وخط سیاق را شمس سیاق پیدا کرد و او از فارس است، و در زمان دیالمه وزیر بوده و قواعد حساب ازو مانده، اما شکسته تعلیق را واضع عبدالحمید بن یحیی فارسی است و وزیر عبدالملک مروان بوده،

خط شکسته تعلیق و قواعد سیاق و بعضی وخطهای ضروری در ایام پادشاه اسمعیل[3] صفوی کردند وخط سیاق و شکسته تعلیق و قواعد آن بی قصور استحکام یافت،

و خواجه[4] محمود هروی ولد خواجه اسحق سیاوشانی است که از هرات بولایت سمرقند و بخارا افتاده و در انجا نشو ونما کرده و شاگرد قرار داده مولانا میرعلی است و همه کس را سخن آنست که او بهتر از میرعلی است و شعر میرعلی که در باب خواجه محمود گفته این است:

خواجه[5] محمود آنکه یک چندی	بود شاگرد این فقیر حقیر
بهر تعلیم او دلم خون شد	تا خطش یافت صورت تحریر
در حق او نرفته تقصیری	لیک[6] او هم نمی کند تقصیر
هرچه خود می نویسد از بد و نیک	همه[7] را می کند* بنام فقیر

[1] بظاهر بیست ملا درویش که مترجم است و "مرآة العالم"، و ذکرش در عالم آرای ص ۱۲۹ چند بار آمده است
[2] در عالم آرای عباسی (ص ۱۲۶) نامش "خواجه علاء الدین منصور منشی" نوشته است و در ص ۱۲۳ او را کرهرودی خوانده [3] ۹۰۷ تا ۹۳۰ [4] رک به عالم آرای عباسی ص ۱۲۴، [5] عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ [6] عالم آرای: گرچه [7] عالم آرای: می کند جمله را،

۳- اقتباس از مرآۃ العالم

منسوب بہ بختاور خان (متوفی ۱۰۹۶ھ)

مرآۃ العالم کا مفصل حال نومبر ۱۹۲۸ء کے رسالہ میں آچکا ہے، اس لئے یہاں مزید تفصیل دینے کی ضرورت نہیں - یہ کتاب جو ۱۰۷۸ھ میں تصنیف ہوئی اور تاریخ عالم پر مشتمل ہے - علاوہ مقدمہ اور خاتمہ کے آٹھ حصوں میں منقسم ہے، پہلے سات حصوں میں سے ہر ایک کا نام آرائش اور آٹھویں حصے کا نام افزائش رکھا گیا ہے اس افزائش کے تین حصے ہیں اور ہر حصے کا نام نمود ہے - پہلی نمود کو جس میں خطاطوں کا ذکر ہے - ذیل میں مرتب کر کے شایع کیا جاتا ہے،

۱۱۵۴ھ میں خوشحال چند بن جیون رام کایتھ نے اپنی کتاب تاریخ محمد شاہی عرف نادر الزمانی مرتب کی اور اس میں خطاطوں کا ذکر مرآۃ العالم سے لیکر باختصار درج کیا، یہ بات مرآۃ العالم اور محمد شاہی کے مقابلہ سے بالکل واضح ہو جاتی ہے، پنجاب پبلک لائبریری میں محمد شاہی کا نسخہ ہے اس سے ۱۹۲۶ء میں راقم الحروف نے خطاطوں کا تذکرہ نقل کیا، اسوقت جب مرآۃ العالم سے اسکو ملا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ خوشحال چند نے مرآۃ العالم کی بعض عبارتوں کو حذف کر دیا ہے اور بعض جگہ عبارت کا خلاصہ حتی الوسع مرآۃ العالم ہی کے الفاظ میں بیان کر دیا اور اپنی طرف سے سارے بیان میں چند الفاظ کے سوا کچھ اضافہ نہیں کیا صرف آخر میں چند سطریں اپنے استاد عزیز خاں کے حال میں درج کر دی ہیں، مرآۃ العالم کا جو اقتباس درج ذیل ہے - اسکا محمد شاہی کے ساتھ مقابلہ کر کے

بعد کبھی بلشتی کی سب صورتوں کو حواشی میں دکھایا گیا ہے جن سے خطاطوں کے بارے میں دونو کتابوں کے ابواب کا باہمی تعلق واضح ہوتا ہے'

سنہ ۱۲۱۸ھ میں عبدالرحمان مخاطب بہ شاہنواز خان ہاشمی بنیانی ثم الدہلوی نے مرآۃ آفتاب نما لکھی اس میں بھی "ایجاد خطوط و احوال خطاطان" کے عنوان سے ایک فصل دی ہے' پنجاب یونیورسٹی کے کتابخانہ میں اس کتاب کا ایک نسخہ ہے' فصل مذکور اس نسخہ سے مطالعہ کی تو معلوم ہوا کہ شاہنواز خان نے بھی مرآۃ العالم کی ہی عبارتوں کو اکثر بجنسہ نقل کر لیا ہے اور کہیں کہیں اختصار کرکے اور ترتیب بدل کر انہی معلومات کو جو صاحب مرآۃ العالم نے جمع کئے تھے دوبارہ پیش کر دیا ہے' اور بہت کم ان میں اضافہ کیا ہے۔

اب مرآۃ العالم سے لیکر احوال خطاطوں کا پیش کیا جاتا ہے۔ جس نسخہ سے یہ اقتباس لیا گیا ہے وہ سنہ ۱۲۳۹ھ میں نواب حسام الدولہ بہادر کے لئے نقل ہوا اور اب پروفیسر محمود شیرانی کے کتابخانے میں موجود ہے' ورق ۵۴۳' تقطیع کلاں ۱۰ x ۶½ تقریباً' سطور ۱۹' خط نستعلیق'

مغل بادشاہوں کا ذکر جہاں جہاں اس کتاب میں آیا ہے وہاں مصنف نے انکے نام کی بجائے القاب ذیل استعمال کئے ہیں :-

بابر بادشاہ کی بجائے	حضرت فردوس مکانی
ہمایون " "	جنت آشیانی
اکبر " "	عرش آشیانی
جہانگیر " "	جنت مکانی
شاہجہان " "	فردوس آشیانی

عالمگیر کو "بادشاہ خدا آگاہ" اور اسکے زمانے کو "عہد سعادت مہد" کہا گیا ہے'

اقتباس از مرآة العالم

افزایش محتوی بر سه نمود

نمود اول در ذکر خطاطان

...... و در سوانح ایام خط مشهور و رایج میان عرب معقلی بود[1] و پیش از آن خط کوفی استخراج کردند و این[2] خط (کوفی) حالا در ممالک عرب و غیر آن متعارف است* جمعی بامیرالمومنین علی کرم الله وجهه نسبت کنند و گویند[3] از فواید آنحضرت است که با عبدالله بن عباس رض هنگام تعلیم فرمود: یا عبدالله وسّع ما بین السطور و اجمع ما بین الحروف و اسع المناسبة فی صورها واعط کل حرف حقها* و بعضی از مبتدعات ابن مقله می دانند و آنچه در عربستان و ایران و توران و روم و هندوستان میان[3] دانشوران* مشهور است و[4] بر صحیفهٔ بیان اسامی آن ها ثبت و مذکور* هشت خط است بدین تفصیل* ثلث توقیع محقق نسخ ریحان رقاع تعلیق نستعلیق[5]،

و بعضی از دانایان این فن شش خط اول از مخترعات ابن مقله بشمارند و میگویند این دیده ور دانش آموز بفروغ دیده وری از خط معقلی و کوفی و غیر آن استنباط و اختراع نموده هر حرفی را طرز نیکو و وضع خاص قرار داده و هر نوشته که موافق آن طرز و مطابق آن روش باشد آنرا خط خوب گویند، و باعتقاد جمعی خط نسخ را یاقوت مستعصمی ابداع نموده و طایفه برانند که چون یاقوت آن خط را بکمال رسانیده بود با او نسبت کردند، و خط تعلیق را که از

---

[1] محمد شاهی: کرد، [2] محمد شاهی: و جمعی آن را، [3] در محمد شاهی ندارد، [4] در محمد شاهی افزوده که احوال آن در مقاله اول گذشت، [5] از نستعلیق تا اعتقاد دارند در محمد شاهی ندارد، در اصل "دیده ور دانش آموز" دارد بجای "دیده ور دانش آموز"، صاحب مرآت آفتاب نما بعد س ۱۰ افزوده که تاریخ اختراع این خطوط سیصد و د: هجری بود و بعد ذکر ابداع خط نسخ ذکر تناسب و دور و سطح در انواع خطوط کرده مثل ابوالفضل،

رقاع و توقیع مستنبط شده جماعتی از مستخرجات خواجه تاج الدین سلمانی که در ہر شش خط مہارت تمام داشت و در فن کتابت و انشا علم امتیاز می افراشت می شمارند و برخی بخلاف آن اعتقاد دارند* خط [1] متعلیق که از نسخ و تعلیق ترکیب یافته اکثری از مخترعات خواجه میر علی تبریزی که در زمن صاحبقران امیر تیمور کورکان بخوشنویسی شهره آفاق و در صنعت کتابت یگانه خراسان و عراق بود امی دانند (کذا) و نستعلیق در اصل نسخ و تعلیق [بود] بکثرت استعمال نستعلیق شده ،

و معلوم رقوم خوانان تختهٔ آگهی است که ہیچ یک از مستخبران خبیر و تاریخ دانان روشن ضمیر متصدی ذکر خطاطان نشده و مذکور این جادو رقمان که بخامهٔ سحرساز نگه ربای دیده وران فضیلت گستر و بقلم مانی رقم نظر فریب دانایان هنرپرور اند در مولفات خویش ذکر نکرده ، و در بعضی کتب که ذکر چندی ازان فرقه بطریق اجمال [آمده است] متفرقه و پراگنده مرقوم است . و احوال اکثری که در عهد خود نوبت خوشنویسی نواخته ولوای شهرت و علم بلند آوازگی افراخته اند در ہیچ کتاب مذکور نگشته و جامع این اوراق پریشان المستعان بفضل الرحمان بختاور خان بتفحص تمام و تصفح مالا کلام برخی از احوال خطاطان که باین صنعت شگرف جلابخش دیدهٔ دیده وری و رونق افزای بازار هنرپروری اند مطلع شده درین شگرف نامه مذکور ساخت و از درازی سخن و طول کلام اندیشیده بمجرد تحریر اسامی بعضی اکتفا نموده [2] که این قلیل الفرصت باوجود کثرت مشاغل چقدر کوشش و جهد بکار برده و چندین کتب متقدمین و متاخرین جلوه گاه ظهور نظر تفحص بوده ؎

آن را [3] * که ز شهر آشنائی ست
داند که متاع ما کجائی ست

و منه التوفیق و هو یهدی الی سواء الطریق *

---

[1] در محمد شاهی ندارد ، آنچه میان قلابین نوشته شده است قیاسا افزوده شد ، [2] در اصل بوفصل نوشته است اما ظاهر است که جمله ازینجا افتاده [3] اصل : آنکس ، تصحیح قیاسی است ،

ابن مقلہ

و ہو ابوعلی محمد بن علی بن حسن[1] بن مقلہ

از علمای اعلام و وزرای عظام بود و در ایام دولت و آوان کامرانی نسبت بعلما و فضلا سلوک طریق رعایت می پیمود در سنہ سیصد و دہ بفروغ دیدہ وری خطی کہ از مشاہدہ آن بصر بصیرت جلا یافتی در سلک اختراع منتظم گردانید و بخامۂ سحرکار مانی[2] نگار خط نسخ بر خطوط خطاطان جہان و کتاب آفاق کشید و بقول اکثری از ہشت خط مشہور شش خط از مخترعات اوست، و در سن سیصد و بیست بوزارت مقتدر باللہ کہ ہژدہم از خلفای عباسی است کامیاب شدہ رایت اقتدار بر افراشت، بعد از قتل مقتدر قاہر عباسی نیز او را یکچند وزیر و مشیر گردانید و پس از خلع قاہر راضی عباسی او را بوزارت برگزید و او مثالی از زبان خلیفہ[3] بحکم ماکانی[4] نوشتہ * او را ببغداد طلبداشت ابن[5] رائق[6] کہ در انوقت امیر الامرا بود مکتوب مزوّر را بگرفت و چون خلیفہ بطلب او راضی نبود ابن مقلہ را مواخذہ کرد، ابن مقلہ بر تشین انکار نمودہ، چون مکتوب ظاہر شد ملزم گشت و راضی در سن سی صدو

---

[1] وفیات (ج ۲ ص ۶۱) : الحسین ، وفیات اور مرآۃ العالم کے بیانات اور تاریخیں میں باہمی اختلاف ہے ، محمد شاہی میں ابن مقلہ کا ترجمہ یوں دیا ہے : " منقولست کہ (ابن) مقلہ وزیر اعظم مقتدر باللہ ہژدہم خلفای عباسی بود کہ خلیفہ نادانستہ و ناتحقیق کردہ بہ تہمت مکتوبی مزوّر ملزم ساختہ در سنہ سی صد و بیست دستش ببرید ، عاقبت پشیمان گشت و ابن مقلہ پس ازان قلم را بر ساعد بستہ کتابت می کرد و ابن از عداوت (ابن) رائق کہ رائق و فائق مہمات خلیفہ بود در حبس بمرد و از غرایب ابن مقلہ آنکہ او وزیر سہ خلیفہ شد و در مدت عمر سہ مصحف مجید نوشت و او را سہ بار سفر اتفاق افتاد و پس از وفات سہ بار مدفون شد واللہ اعلم بالصواب ' [2] اصل : معنی ' مرآۃ آفتاب نما : مانی (بجای معنی) ؛ [3] اصل : بحکم ماکانی ' مرآۃ آفتاب نما : بحکم ماکانی [4] اصل : ابن رانی [5] مرآۃ آفتاب نما : بران

بیست و ششم دستش ببرید، و در بعضی از مولفات[1] علمای نحریر بنظر این حقیر رسیده که خلیفه
بعد از قطع ید ابن مقله بغایت پشیمان گشت و بر التیام جراحات او همت گماشت و اطبا
به مداوای ریشش دست او (ورق ۲۹۷) مامور ساخت و ابن مقله پس ازان قلم را
بر ساعد بسته کتابت میکرد و بکنایت از خلیفه وزارت میخواست و ابن[2] رایق راتق و فاتق
مهمات خلیفه بود و با ابن مقله عداوت داشت بر ارادهٔ او مطلع گردیده زبانش نیز ببرید[3]
و در حبس کشید و در سنه[4] سیصد و بیست و هفت* در ان حبس[5] عمرش بپایان رسید، و از
غرایب ابن مقله که بعضی از مورخان مرقوم قلم غرابت رقم گردانیده اند آنکه او وزیر سه
خلیفه شد و در مدت عمر سه مصحف مجید نوشت و او را سه بار اتفاق سفر افتاد و پس از
وفات سه[6] بار مدفون شد،

ابو الحسن علی بن هلال المشهور بابن بواب[7]

در زمان[8] القادر بالله عباسی که بیست و پنجم خلیفه است نقوش امتیاز بر صحیفهٔ
روزگار می نگاشت و* هر شش خط را که ثلث و توقیع و محقق و نسخ و ریحان و رقاع
باشد بقسمی[9] نوشت که مزیدی بران متصور نباشد. و بروایت اکثری در سنه چهار صد
و سیزده رقم وجود او از جریدهٔ حیات بکزلک ممات سترده شد*،

---

[1] دیکھو وفیات ۲ : ۶۱ [2] اصل: این [3] وفیات میں ہے کہ ابن مقلہ کی زبان
نے کٹوائی جو منسوبان ابن رائق سے تھا [4] وفیات میں ۳۲۸ھ ہے،
[5] مرآة آفتاب نما: مجبس [6] مرآة آفتاب نما: سیعمد (!) وفیات میں صرف دو دفعہ ذ...
[7] اصل: نواب [8] در محمد شاہی ندارد،
[9] محمد شاہی: خوب نوشت و بعد ازان،

یاقوت خطاط

در سلک غلامان و[1] خدام[2] مستعصم کہ سی و ہفتم از خلفای عباسی است انتظام داشت و[3] باعتقاد برخی از اہل تاریخ خط نسخ را او ابداع نمود و بہر شش خطہ کہ اسامی آن سبق ذکر یافتہ خوب نوشت و بمرتبۂ کمال رسانید اکثری[4] از دانایان فن خط برانند کہ شش خط مذکور را مانند یاقوت ہیچکس از متقدمان و متاخران ننوشتہ و در سنۂ ششصد و نود و[5] ہفت در زمان سلطنت غازان خان در دار الخلافہ بغداد کتاب عمرش بسجل اختتام رسید،

و شاگردان یاقوت بسیارند اما[6] آنانکہ بخوشنویسی در اطراف جہان و اقطار عالم شہرت دارند شش کس اند[7] اول شیخزادہ[8] سہروردی است دوم مولانا یوسف

---

[1] مرآة آفتاب نما میں اس ترجمہ میں کچھ کمی بیشی کی ہے: نامش شیخ جمال الدین، اصلش از جزایر در بغداد نشو و نما کردہ و در وقت مستعصم کہ سی و ہفتم از خلفای عباسی است می بود و بعضی گویند در سلک خدام خلیفہ انتظام داشت باعتقاد برخی ... نمود و ہر شش خط مشہور را خوب می نوشت و بکمال رسانید و ہرگز کسی خط او کماہی دریافتہ نتوانستہ، جب تشیع او را محبوس نمودہ سہ سال در زندان بود و از غایت جلد نویسی چہار صد قران در زندان نوشت ... ہنگامی کہ روزیکہ مستعصم را گرفتند و لشکریان قتل عام می نمودند یاقوت گریختہ بالای منار رفتہ مشق می کرد چون کاغذ آخر شدہ بر دامن جامۂ خود می نوشت و چنین حال کی از دوستان ہم گریختہ بالای منار آمد گفت چہ واقعست کہ در چنین وقتی کہ قتل عام می شود تو مشق می کنی، یاقوت جواب داد چہ بیدماغیست کہ تو داری کشتنی ہا کشتہ می شوند نقل می کنند کہ آن پارچہ تا حال در کتابخانۂ بادشاہان ... ہست عمر یاقوت از صد و بیست سال زیادہ بود در سنۂ ششصد (؟) و نود و ہفت ... رسید و شاگردانش بسیارند (کلمات موضح نقطہ دار را مطابقت کلی با متن است) [2] در محمد شاہی نیز زندانی بود [3] محمد شاہی: او ہر شش خط را بہ [4] محمد شاہی: بمرتبۂ کمال رسیدند [5] محمد شاہی: شیخ حمد [6] ... شیخ احمد کہ بہ شیخزادہ سہروردی مشہور است [7] در محمد شاہی نیز [8] مرآة آفتاب نما: یوسف نمی بجای یوسف)

مشهدی، سیوم مولانا مبارک شاه زرین قلم، چهارم ارغون کابلی، پنجم میر یحیی، ششم سید حیدر،

خواجه میر علی تبریزی

از[1] دانایان فنون دانش وادب بود* در عهد صاحبقران امیر تیمور کورگان در[2] مضمار فضل و صنعت خط قصب السبق از همگنان می ربود* اکثری از ماهران این فن بر آنند که آنجناب[3] خط نستعلیق از نسخ و تعلیق* اختراع نموده و بعضی[4] از متاخران برین معنی انکار کرده می گویند بسا* خطوط نستعلیق که پیش از زمان[5] صاحبقران مرقوم نموده اند بنظر آمده و می تواند که قبل از میر علی تبریزی دیده وران آگاه بابداع خط نستعلیق جلا افزای تماشائیان این نقش نگه ربا شده باشند اما چون میر مذکور این خط را بکمال رسانیده و این اعجوبه بحُلل روش نو وحلی طرز جدید آراسته بر طالبان جلوه داد ازین جهت باو منسوب ساختند* ابهر[6] طریق نستعلیق را از متقدمان کسی برابر میر مذکور ننوشته واز شاگردان او صیتِ خوشنویسی دو کس گیتی را فرو گرفت یکی* مولانا جعفر که در عصر مرزا شاهرخ بود و دیگری[7] مولانا اظهر که کمالاتش[8] اظهر من الشمس است،

میر[9] عبدالحی

در[10] صنعت کتابت و انشا بی همتا بود و در* هفت قلم مهارت تمام داشت* پادشاه

---

[1] در محمد شاهی ندارد [2] محمد شاهی: ازهمه فایق ترشد [3] محمد شاهی: خط نستعلیق میر علی، دراصل حق بجای خط [4] محمد شاهی: دحالانکه، مثلا ابوالفضل [5] محمد شاهی: عهد حضرت .... بنظر آمده پس میر مذکور این معنی مخترع خط نستعلیق نوشته اند که میر این خط را بکمال رسانیده وحسن تازه در روی کار او کرده ازینجهت باو منسوب ساخته [6] محمد شاهی: و در شاگردان او

[7] محمد شاهی: دیگر [8] محمد شاهی: حسن خطش [9] رک به تذکرهٔ دولتشاه ص ۲۱۲،

[10] محمد شاهی: منشی دبجای مهارت الخ

شہید سلطان ابوسعید کورگانی انہ[1] فضل و کمال او آگہی یافتہ بتقرب خودش سر امتیاز داده بود و خدمت دار الانشا باو مفوض داشتہ اعزاز و اکرامش می نمود گویند خط تعلیق راکسی مانند او ننوشتہ '

مولانا سیمی

از مصاحبان و ندیمان سلطان میرزا بایسنقر بن میرزا شاہرخ بود[2] و غرایب فراوان و نوادر بسیار از وبظہور می نمود مشہور است کہ * روزی در میدان نیشاپور حضور اکابر و جمہور در مدح مرزای مذکور دو ہزار بیت بدیہہ گفتہ[3] نوشتہ و تخم حیرت و نہال تعجب در اراضی خواطر * سخنوران و خوشنویسان کشتہ[4] و معارف و اعاظم نیشاپور درین باب منشور مرقوم نمودند و چند سطور از ان منشور درین مقام مسطور می گردد کہ :

مولانا سیمی در حضور اکابر و اصاغر بلده مذکور از ہنگام طلوع آفتاب تا وقت شام * صد و بیست مکتوب لطافت اسلوب کہ[5] ہر یک ازان محتوی بود بر ده سطر * بقید کتابت آورد[6] چنانچہ * ارباب انشا[7] و * بلاغت و اوستادان فن خط و[8] کتابت بر آن * آفرین[9] و تحسین کردند *

در سنہ ہشتصد[10] و بیست و پنج وقتیکہ طبقات انام از خواص[11] و عوام * حاضر بودند در[12] چہار بحر از خمسہ عارف سامی شیخ نظامی رح دو ہزار بیت در غایت فصاحت

---

[1] در محمد شاہی ندارد [2] محمد شاہی : عجب صاحب کمال بود ' برای ترجمہ حال سیمی رک بہ لطایف نامہ فخری ص ۲۳ و تذکرۂ دولت شاه ص ۲۱۷ رک بیانش اختلافہا دارد از متن ، [3] محمد شاہی : حیرت افزای سایر '

[4] محمد شاہی : گشتہ و روزی [5] محمد شاہی : ہریک مشتمل بر سطر [6] محمد شاہی : کہ جمیع

[7] محمد شاہی : گفتند [8] اصل : ششصد ' محمد شاہی : سیصد [9] محمد شاہی : خاص و عام '

[10] محمد شاہی : دو ہزار بیت در غایت فصاحت در بحر خمسہ نظامی بسلک نظم آورد ' اصل : سیامی دبجای سامی

وکمال بلاغت در سلک نظم کشیده* بخط نستعلیق بر[۱] وجهی که پسند طبع کاتبان بی‌نظیر* بود مرقوم نموده با آنکه طایفهٔ از نغمه سرایان وجمعی از خوانندگان دران مجلس بودند ونقاره و[۲] نفیر* می نواختند اصلا ازان اصوات مختلفه فتوری درحواس او راه نیافت ونماز ظهر و عصر را بجمیع آداب و همه شرایط ادا نمود،

لاجرم این بیت نقش نگین آن یگانهٔ عصر بود ــ

یک روز بمدح شاه پاکیزه سرشت ... سیصد دو هزار بیت گفت و بنوشت

مولانا مذکور جوع بسیار داشت منقولست که نوبتی دو کس از ظرفا برانکه مولانا[۳] هشت من خرما بوزن خراسان میتواند خورد گرو بستند وخرما را پیش مولانا بردند اتفاقا[۴] دران روز مولانا بمرض ثقل و آزار امتلا ابتلا داشت[۵] و صاحب فراش بود چون سبب آمدن عزیزان معلوم نمود گفت[۶] خرما را نزدیک تر آرید (ورق ۴۹۸) و دست از زیر لحاف بر آورده شروع در خوردن کرد بعده[۷] از آنکه همه را تناول نموده فرمود که یاران شما خرما را با استخوان شرط کرده بودید یا بی استخوان گفتند خرما را کسی با استخوان نمی خورد گفت من باری با استخوان خوردم تا میان شما هیچ وجه نزاع نماند،

(ورق ۴۹۸)

مولانا معروف بغدادی

درفن خط[۸] و انشا بیمثل و همتا بود و اوایل حال با سلطان بلایر بسر می برد [illegible]

---

[۱] محمد شاهی: که حیرت افزای خوشنویسان [۲] در محمد شاهی ندارد [۳] محمد شاهی: [illegible]
[۴] محمد شاهی: داشتند [۵] محمد شاهی: فرمود [۶] اصل: وگفت بعد [۷] محمد شاهی: و شعر و [illegible] از سلطان جلایر رنجیده،

از و رنجیده خود را باصفہان رسانید* بہ سکند۔ مرزا ابن عمر شیخ مرزا معرفت بہم رسانید و مرزا مقدم او را مغتنم شمردہ در اعزاز و اکرام او بسیار کوشید و دران اوقات قصیدۂ غرا در جواب سلمان ساوجی کہ مطلعش مرقوم میگردد در سلک نظم کشیدہ* بنام نامی میرزا موشح گردانید ؎

زنرگس چشم تو ہر تیر غمزہ کامد راست		درون سینۂ ما رفت آنچنانکہ دل می خواست

و میرزا آن یگانۂ زمان* را در کتابخانہ جا دادہ مقرر کرد کہ ہر روز صد بیت کتابت نماید و او بموجب فرمودہ عمل میفرمود اتفاقاً دران اوقات جناب مولانا پانزدہ روز علی الاتصال کتابت نکرد و آن قاعدہ مقرر بجا نیاورد بعد ازان کہ میرزا سبب پرسید گفت ارادہ آنست کہ در یک روز ہزار و پانصد بیت نوشتہ آید بنابران میرزا در میدان اصفہان مجلسی درغایت زینت و تکلف آراستہ باحضار خاص و عام امر نمود و مولانا بحضور اکابر و اعیان از صباح تا رواح ہزار و پانصد بیت درنہایت لطافت* مرقوم نمود و ابواب تعجب و حیرت بر روی خرد و بزرگ* کشود،

مولانا سلطان علی

متاخران متفق اند بران* کہ نستعلیق را کسی بہ ازو ننوشتہ و برخط اکثر خوشنویسان قلم نسخ کشیدہ و از مصاحبان و ندیمان* امیر علی شیر بود و از موائد احسان

[illegible] محمد شاہی: پیوست [illegible] در محمد شاہی ندارد [illegible] محمد شاہی: گردانید بیت مطلعش اینست،

[illegible] محمد شاہی: آن		[illegible] محمد شاہی: روزی من الاتفاقات یک ہزار و پانصد بیت درحضور جمع [illegible] و عام بخط نستعلیق		[illegible] محمد شاہی۔ برآمند		[illegible] محمد شاہی: مصاحب،

همچنین از زمان بخط او فی رسیده در کتب خانهٔ او کتابت مینمود* و بنظم اشعار رغبت[1] داشت و[2] درین فن رایت مهارت می افراشت* این مطلع از اشعار آن بی مثل ...گو است ـه

گل در بهار از آن رخ گلگون نمونه ایست
چون اشک من که از دل پرخون نمونه ایست

در ایام حکومت سلطان حسین میرزا سنه نهصد و ده کاتب قضا نام او را از جریده احیا پاک ساخت* و مولانا اگرچه[2] شاگردان بسیار داشت لیکن[3] ازان جماعت پنج تن درین خط نام برآوردند و هر یک بطرز خاص و روش تازه بدلربائی گردهی مخصوص گشت*' اول

مولانا زین الدین محمود

نیشاپوری است[4]، و بعضی برانند که نستعلیق را بعد از سلطان علی کسی به ازو نوشته و از ندمای میرعلی شیر بودا و در سنه نهصد و هژده بطوفان عدم و سیلاب فنا خط هستی او از صفحه عالم محو گردید' دویم

سلطان محمد نور

است[5]، او نیز از ملازمان و مجلسیان* امیر علی شیر بود و[6] خط شناسان آن زمان اتفاق داشتند که هیچکس نستعلیق خفی را نزدیک باو نمیتواند نوشت* سیوم

---

[1] محمد شاهی: مهارت تمام [2] در محمد شاهی ندارد [3] محمد شاهی: لیکن چندکس در نگارش خط که هر یک بطرزی خاص نوشته نام بردارنده اند [4] محمد شاهی: نستعلیق نویس ندیم میرعلی' در اصل گرددیجای گردید' [5] محمد شاهی: ملازم [6] محمد شاهی: که خط نستعلیق خفی برابر او کسی ننوشته'

سلطان محمد خندان

است و او اکثر اوقات در خدمت امیر مذکور می گذرانید و از غایت انبساط و کثرت ضحک خندان لقب یافته بود و در نی نوازی نیز نظیر نداشت و در سنه نهصد و پانزده لوای عزیمت بصوب دار الملک عقبی افراشت*

چهارم مولانا محمد قاسم است پنجم مولانا علاء الدین محمد است

مولانا هجرانی

در سلک مشاهیر خوشنویسان نستعلیق انتظام داشت و بقلم جادو رقم خط امتیاز بر صحایف لیل و نهار می نگاشت و از ندمای امیر علیشیر بود و بتبعیت و تتبع آن میر روشن ضمیر بنظم اشعار میل مینمود* از منظومات اوست

جفا و جور که آن سرو گلعذار کند ز عشق او نکنم ترک گر هزار کند

و در سنه نهصد و بیست و یک منشی تقدیر بر خط وجود او قلم کشید*

مولانا سلطان علی قاینی

از مجلسیان امیر علیشیر بود و نستعلیق را خوب مینوشت و یکچند به ترتیب و تعلیم یکی از فرزندان سلطان حسین بایقرا افتخار داشت و در سنه نهصد و چهارده

---

۱ محمد شاهی: که بسبب ۲ محمد شاهی: این ۳ در محمد شاهی ندارد ،

۴ محمد شاهی: از مشاهیر خوشنویسان است ، ۵ محمد شاهی: و مولانا ،

نقش وجود او از تختهٔ هستی سترده شد*

مولانا علیشیر مشهدی[1]

از مشاهیر خطاطان زمان سلطان حسین بایقراست بصفائی خط و طرز نیکو از اکثر خوشنویسان نستعلیق ممتاز بود و امیر علیشیر خط او را بر اکثر خطوط ترجیح می نمود،

حافظ[2] خواجه هروی

از[3] فضل و هنر فراوان بهره داشت و سوای نستعلیق هفت قلم را بپایه اعلی رسانید* از مخصوصان امیر علیشیر بود[4] و منصب امامت و خطابت مسجد جامع و پیش نمازی امیر کبیر با و تعلق داشت* این[5] [از] منظومات اوست ؎

شکل هلال ابر بیت از چشم تر نرفت ماهی ز غیر بحر دمی سوی بر نرفت

در نهصد و بیست و چهار بدار القرار انتقال نمود،

مولانا درویش محمد باغ[6] شهری

بانواع فضایل و تصنیف رسایل مشهود بود و تعلیق را خوب می نوشت، اکثری از دانایان این صناعت او را بر مولانا عبدالحی تفضیل می دهند، با امیر علیشیر مربوط بود و آن صاحب نصاب سخن نصابی جمع کرده و* دیوان ترکی در سلک ترتیب کشیده و یک[7]

---

[1] برای علی شیر مشهدی رک به بلاخمن د ترجمه آئین، ص ۱۰۲ حاشیه ۴

[2] محمد شاهی: و حافظ [3] محمد شاهی: نستعلیق هفت قلم بود،

[4] در محمد شاهی ندارد [5] محمد شاهی: این مطلع از [6] محمد شاهی: باغی، او تعلیق خوب نوشت صاحب قصات [نصاب؟] بوده [7] محمد شاهی: نظم

دیگر فضایل نیز کوشیده و* این معما باسم قاسم از اشعار اوست ـــ

چون مه من بنگرد در قمر آسمان　　پایه مه بشکند پاش ببوسد روان

خواجه عبدالله مروارید

بیانی تخلص می داشت، چون پدرش محمد کرمانی را یکی از سلاطین تیموری به　ورق

بحرین فرستاده بود، او در وقت معاودت لولوی چند آبدار نزد آن شهریار آورد این

لقب یافت، و جمال حال خواجه بلآلی فضل و علی کمال آراستگی تمام داشت و* در

هفت قلم اوستاد بود، در عنفوان شباب بخدمت سلطان حسین بایقرا رسیده صدر[۱]

صدارتش بفر وجود او زینت یافت و در اندک روزگار بمرتبه امارت رسیده بجای

امیر علی شیر مهر بر منشا شیر زد، و پس از فوت سلطان کنج انزوا گزیده بکتابت

مصحف مجید موفق گردید، وچون شاه اسماعیل صفوی خراسان مسخر یافت خواجه

را از زاویه خمول بر آورده رقم قبول بر ناصیه احوالش کشید، او از ملازمت استغنا

نموده بنظم وقایع شاهی نامو[۲] گردید، وخواجه در سنه نهصد وسی و دو از زاویه

غربت بکنج لحد رخت کشید، و از تصنیف او دیوانی موسوم بمونس الاحباب و تاریخ[۳]

شاهی[۴]* و منشآت و خسرو شیرین شهرت دارد، از اشعار اوست ـــ

ترسم آنجا که حدیث رخ نیکو گذرد　　که بتقریب مبادا سخن او گذرد

[ـــ]

فگن، ای بخت یکره استخوانم گرد دیوارش　　که غوغای سگان سازد ز حال من خبردارش

---

[۱] برای ترجمۂ احوالش رک به لطایف نامه ص۳۱ و تذکره دولت شاه ص۵۱۵، فخری چهار غزل ازو در تحفة الحبیب آورده است،
[۲] در محمد شاهی ندارد　[۳] اصل: نامور بجای نامو　[۴] محمد شاهی: تاریخ شاهی منظوم،

و پسرش

خواجه محمد مومن [صوابش: عبد المومن]

بفضایل[1] نفسانی اتصاف داشت و در* هفت قلم استاد بود، بکچند[2] بفرمان شاه اسمعیل صفوی [بمعلمی] غلغلش بنام میرزا افتخار داشت و* از شاه طهماسپ آزرده شده بدار الامان هندوستان شتافت و در آن[3] دیار فی سنه نهصد و چهل و هشت وفات یافت گویند وقت توجه بهند غزلی گفته بود که این دو بیت از آنست ؎

بس که گردون همچو خود میخواست سرگردان مرا — عاقبت کرد از غمت سرگشتهٔ دوران مرا

بسکه خون پالاست چشمم بی تو خواهد شد خراب — شهر هستی دمبدم از موج این طوفان مرا

و خواجه عبد الله صیرفی و مولانا محی شیرازی و مولانا شیخ محمود و مولانا عبد الله هروی[4] که بطباخ مشهور است و مولانا ابابکر هروی هر یکی ازین نادره کاران مانی نگار هفت خط را که ثلث و توقیع و محقق و نسخ و ریحان و رقاع و تعلیق باشد بغایت خوب* نوشتند و[5] این هفت قلم را بدرجهٔ عالی رسانیدند* و بخوشخطی بلند آوازه گردیدند،

خواجه اختیار

در[6] خط تعلیق شهرهٔ روزگار و* منشی الممالک سلطان حسین میرزا بود. بسبب قرابت امیر علیشیر کمال عزت و اعتبار داشت*

---

[1] محمد شاهی: ده بر [2] در محمد شاهی ندار. [3] ر.ک. حبیب السیر ۳: ۴۲۰ [4] اسلامی و اوریئنٹل کالج میگزین، بابت فروری ۱۹۳۶ء ... محمد شاهی: ...

[4] در مرآة آفتاب نما برین نام حافظ قطب هروی را افزوده؛

[5] محمد شاهی: همه هفت قلم [6] محمد شاهی: تعلیق نویس.

ملا درویش

در خط تعلیق[1] اوستاد است با خواجه اختیار منشی معاصر بود چون خواجه مذکور با میر علیشیر قرابت داشت کار آن ... رونق می گرفت از عسرت پنهانی بترکستان رفته آنجا نیز کشایشی نیافت و مدتی ابوقت قلندری بسر میبرد و در آوان ظهور دولت صفویه بخدمت شاه اسمعیل شتافته در جرگهٔ منشیان منسلک گردید و رونقی در کار او پدید آمد بود که پیک اجل مراحل زندگی او طی نمود[2]۔

مولانا میر علی

در اصل[3] از سادات هرات است[4] اما در مشهد مقدس نهال قابلیتش نشو و نما یافته، خطوط بی نظیرش روشنی بخش و جلای افزای دیده دلان است و اشعار دلپذیرش قابل تحسین نکته سنجان و سخن پروران، انامل کوامل او رقم نسخ بر رقاع استاذان قلم کشیده و قلم های رقمش نقوش غریبه بر صحایف روزگار مثبت گردانیده، اکثری او را از شاگردان مولانا زین الدین می دانند و میگویند که از خطوط مولانا سلطان علی مشهدی نیز استفاده نموده و از بعضی کتب معلوم میگردد که او شاگرد مولانا میر سلطان علی است و بیمن صحبت و تربیت او سر دفتر خوشنویسان آفاق شده و درین فن یگانه و طاق گردیده و از حدت فهم و اضاءات ذهن و فروغ خاطر تغییر روش پیش نموده دخلهای نمایان کرد و تصرفات یادگار گذاشت[5] و گروهی خط او را بر خط استاذش سلطان علی ترجیح میدهند و طایفهٔ خط اوستاد را بوجهی بر خط میر علی و خط میر علی را بوجهی دیگر بر خط اوستاد ترجیح میدهند و میر علی در سنه

---

[1] محمد شاهی: تعلیق نویس [2] در محمد شاهی ندارد [3] رک به فهرست باکی پور ج ۲ ص ۹۲ ... سخه علی او [4] محمد شاهی: سر همه خوش نویسان و شاعران معاصر خود بوده [5] رک به ص ۴۲

نهصد و بیست بسبب انقلاب و طغیان حوادث از خراسان در زمان شاهی بیگ خان بماوراءالنهر رفته از آنجا عزت تمام یافت و در سنه نهصد و بیست و چهار ازین سرای ناپایدار بدارالقرار ارتحال نموده و* این اشعار آبدار ازان یگانهٔ روزگار است ؎

عمری از مشق دوتا بود قدم همچون چنگ ... تا که خط من بیچاره بدین قانون شد
طالب من همه شاهان جهانند (و) مرا ... در بخارا جگر از بهر معیشت خون شد
سوخت از غصه درونم چکنم چون سازم ... که مرا نیست ازین شهر ره بیرون شد
این بلا بر سرم از حسن خط آمد امروز ... وه که خط سلسلهٔ پای من مجنون شد

مولانا خواجه محمود[۱]

شاگرد بلا واسطهٔ ملا میر علیست، خطهای[۲] خفی و جلی او بسیار عالیست گاهی قطعه و کتابت خود را بنام ملا میر علی میکرد و مردم کمتر می شناختند ملا میر علی بهمین طیبت قطعه در حق او گفته ؎

خواجه محمود آنکه[۳] یکچندی ... بود شاگرد این فقیر حقیر
بهر[۴] تعلیم او دلم خون شد ... تا خطش گشت قابل تحریر
در حق او نرفته تقصیری ... لیک او هم نمی کند تقصیر
می نویسد هر آنچه از بد و نیک ... جمله را می کند بنام فقیر[۵]*

مولانا[۶] محمد حسین تبریزی و مولانا حسن[۷] علی مشهدی و میر[۸] معز کاشی و میرزا[۹] ابراهیم اصفهانی (ورق ۵۰ ب) و میر[۱۰] احمد مشهدی و مولانا شاه محمد[۱۱]

۱ یعنی محمود اسحق (= محمود شهابی)، رک به عالم آرای عباسی ص ۱۲۴ ۲ محمد شاهی: بعینه چون خط میر علی می نوشت ۳ عالم آرای: اگرچه ۴ این بیت را در عالم آرای ندارد، ۵ برای جواب خواجه محمود رک به عالم آرای ۶ رک به عالم آرای ص ۱۲۴ ببعد، ۷ در محمد شاهی ندارد، ۸ تصحیف محمود؟

نیشاپوری ہر یکی ازین جادہ رقمان مانی نگار بعد از مولانا میر علی خط نستعلیق بطرز خاص نوشتہ مقتدای گروہی گشتند و بدلفریبی جمعی مخصوص شدند و دیگر خوشنویسان و خطاطان کہ در ایران و توران در زمان سلاطین گورکانیہ نوبت خوشنویسی نواختہ اند و در ایام شاہان صفویہ رایت مہارت درین صنعت افراختہ اگر اسامی و احوال آنہا نوشتہ شود سخن دراز گردد و این مختصر از مطولات گمذرد ناچار بہمین قدر اکتفا نمودہ چندی را از خطاطان کہ در ہندوستان و عراق کوس خوشنویسی نواختہ و مینوازند درین جریدہ مذکور میسازد

میر دوری

سلطان بایزید نام داشت سلک ملازمان عرش آشیانی انتظام داشت و از جانب سلطنت بخطاب کاتب الملکی ترقی عزت می افراشت طبع نظم داشت و شعار آبدار در صحایف روزگار می نگاشت و آخر عمر توفیق حج یافتہ بحجاز شتافت و بزیارت حرمین محترمین فایز شدہ داعی حق را لبیک اجابت گفت از وست

گہ در درون جانی گہ در دل حزینی ؏ از شوخیی کہ داری یکجا نمی نشینی

از شاگردان میر مذکور

خواجہ ابراہیم حسین

کہ از ملازمان اکبری بود خط نستعلیق را بہ کمال رسانیدہ بخوشنویسی شہرت داشت

لہ در محمد شاہی ندارد ۔ ؏ محمد شاہی : دہ ایران و توران خوشنویسان بسیار رقم نگاشتہ اند درین مختصر تاکی بیان نماید ۔ ؏ محمد شاہی : از خطاطان ہندوستان و عراق برجریدۂ روزگار ثبت می نماید ۔ ؏ برای ترجمہ اش رک بہ بداؤنی ۳: ۲۲۷ ۔ ؏ محمد شاہی : [illegible]

؏ محمد شاہی : ممتاز بودہ ، اشعار لطیف می گفت ۔

* در همین جوانی از[1] این منزل فانی بمنزهات جاودانی رخت کشید و* قادری[2] بداؤنی در تاریخ این رباعی منظوم گردانید ؎

بر موجب حکم پادشاه کونین / در ماه صفر خواجه براهیم حسین

چون کرد سفر ز عالم پر شر و شین / تاریخ شدش خواجه براهیم[3] حسین

اشرف خان میر منشی

از سادات حسینی مشهد مقدس است و[4] در سلک امراء* عرش آشیانی انتظام[5] داشت. در* هفت قلم اوستاد[5] و* در فن شعر[5] و صنعت انشا بی[6] همتا بود* و[7] احوال آن صدر نشین مسند سخنوری در اکبرنامه و طبقات اکبری مفصل مذکور است، و درین جریده نیز بجای خود مرقوم و مسطور* ' از اشعار اوست ؎

یارب تو مرا آتش قهر مسوز / در خانهٔ دل چراغ ایمان افروز

این کسوت[8] بندگی که شد پاره ز جرم / از راه کرم برشتهٔ عفو بدوز،

و از شاگردان او[9] که درین دیار بخوشنویسی شهرت داشت

محمد یوسف

بود، او در عنفوان شباب سنه نهصد و هفتاد[10] اسیر سر[11] پنجهٔ گرگ اجل گردیده و*

---

[1] محمد شاهی: رخت بمنزل جاودانی کشید [2] بداؤنی (۳: ۲۲۸ ببعد) ترجمهٔ خواجه را نوشته است و گفته که وی از مصاحبانش است و از بزرگ زادگان بلدهٔ بلوط و خویشان نزدیک شیخ عبدالرحمن لاهوری بلوطی [3] اصل: ابراهیم، بداؤنی: ابراهیم [4] محمد شاهی: ملازم [5] در محمد شاهی ندارد، [6] محمد شاهی: بی نظیر [7] در محمد شاهی ندارد، ذکرش در هر سه جلد اکبرنامه موجود است، رک به فهارس کتاب طبع کلکته نیز رک به طبقات طبع نولکشور ۱۸۷۵ء ص ۳۸۷ [8] مآثر الامرا (۱: ۷۵) بخلعت (بجای کسوت)، محمد شاهی مثل متن [9] محمد شاهی: رشید او، [10] اصل: هشتاد جو مصرع تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتا، تصحیح از روی محمد شاهی [11] محمد شاهی: پنجهٔ تقدیر گردید،

تاریخ وفاتش را اشرف خان یافته ع

کجا شد یوسف مصر ای عزیزان

۹ ۲ ۱ ۹

میر عماد

شاگرد[1] ملا محمد[2] حسین تبریزی[3] است[4] خط او را بر خط دست[5] ... نسخ میدهند اکثر قطعه و خط خود را بنام[6] اوستاد میکرد[7] اگرچه خط خود را بنام اوستاد کردن عیب است ازین جهت که بهتر از اوستاد[8] مینوشت این را معیوب نداشته اند' شاه عباس صفوی بسبب گمان تسنن یا تصوف که در حق آن یگانهٔ عصر داشت روزی بر زبان گذرانید که کسی نیست مرا از دست این مرد خلاص کند ... صوفیان عالی این سخن شنیده بمجرد برآمدن میر از مجلس سرش از تن جدا ساخته بخدمت شاه آورد' بر حقیقت مطلع شده افسوس بسیار نمود و ازان کرده پشیمان بود اما [ع]

دریغ سود ندارد چو رفت کار از دست

ملا علا بیگ تبریزی

در نسخ و ثلث از اوستادانست و[1] خط او با خط یاقوت بمنزلهٔ خط میر عماد است با خط ملا میر علی[2]'

---

[1] مکرر در اصل' [2] در محمد شاہی ندارد [3] باقی ترجمہ محمد شاہی میں نہیں ہے'
[4] اصل : نام [5] محمد شاہی : و ملا میر علی نزدیک است'

ملا عبدالباقی تبریزی

در هفت قلم استاد[1] بود و بعضی او را تفوق می دهند بر ملا علی [علا ؟] بیگ، بعضی ملا علی [علا ؟] بیگ را به از و می دانند، و حق آن است که هر دو در رتبه خود استاد اند او از[2] خوشنویسان عهد شاه عباس ماضی بود،

مولانا محمد حسین[3] زرین قلم[4] کشمیری

در خط نستعلیق ید بیضاء می نمود، عرش[5] آشیانی بر کمالات او مطلع شده در سلک ملازمان منسلک[6] ساختند و بتعلیم شاهزادگان پایهٔ عزت و اعتبارش بر افراختند[7] خوشنویسان[8] هند و نقش طرازان این کشور وسیع که عمر گرامی درین تصویر خاص صرف کرده اند بر این معنی اتفاق دارند[9] که نستعلیق را در هندوستان برابر او کسی ننوشته و آن نادره عصر در سنه هزار و بیست ازین دار ملال به نزهت سرای بی زوال انتقال نمود،

---

[1] در محمد شاهی ندارد [2] محمد شاهی : و ملا میر علی نزدیک است [3] محمد شاهی : خوش نویس،

[4] واقعات کشمیر (میر قلمی نسخه ورق ۱۰۹) : ملا میر حسین بهره از علوم رسمی داشت و از خدمت مولانا میر علی کسب خط نستعلیق نمود باندک مدتی کمال این فن حاصل کرد (و) بی نظیر وقت شد مفاخر بتوران و ایران می بردند و سلاطین کتابه می نوشتند (کذا) ملا محمد (مراد) زرین قلم (که) از مشاهیر خوشنویسان است شاگرد اوست بعضی بیک واسطه می گویند والله اعلم نیز رک به حاشیه ۶ ص ۵۶ [5] محمد شاهی : رقم ۱ در ۲۹ نمره ۳۱ وی خودش خود را زرین قلم می نگارد

[6] ایضاً : حضرت عرش الخ [7] ایضاً : منتظم [8] ایضاً : را بر افروختند [9] ایضاً : جمهور نقش طرازان این نگار دل پذیر متفق بر انند،

ملا علی رضای عباسی

از اہل صفاہانست سابقا[1] ثلث را خوب مینوشت چون * شاہ عباس ماضی را[2] با میر عماد بسببی کہ بالا ذکر یافت سوء مزاجی بہمرسیدہ بود ملا علی رضا را کہ بخدمت کتابداری و تقریب اختصاص داشت تربیت نمودہ بجای رسانید کہ مرقعی از خط ملا میر علی و خط او * جمع نمودہ کہ[3] ہمان ترکیبی کہ ملا نوشتہ بود او ہم نوشت و تمام مرقع بہمین دستور مجلد شدہ کہ دو صفحہ قرینہ اولین خط ملا است و دوم این خط ملا علی رضا ست * داد خوشنویسی دادہ '

میر خلیل باخرزی

نستعلیق را خوب می نوشت فاما اصلاح بسیار میکرد ' میگفت خوشنویسان دیگر بقلم می نویسند و من بقلمتراش ' در مشق اوستاد نگرفتہ و[4] از روی خط ملا و غیرہ اوستادان قدیم مشق می نمودہ * '

میر عبد اللہ الترمذی[5]

از اولاد شاہ نعمت اللہ ولی ' خط[6] نستعلیق را بغایت صاف با صول و اسلوب می نوشت و * از حضرت عرش آشیانی و جنت مکانی بخطاب مشکین قلم و تخلص وصفی

---

[1] محمد شاہی : ثلث و نستعلیق ہر دو را خوب می نوشت ' وی مذکور است در عالم آرای عباسی ۲ : ۵۱۹ '

[2] محمد شاہی : مرقعی بخط او و ملا میر علی [3] در محمد شاہی ندارد [4] محمد شاہی : بر تعلیم مشق نمودہ '

[5] اصل : الترمزی '

اشتهار مردز و مباهی بود چنانچه خود میفرماید ؎

صفی تخلص من و مشکین قلم[1] خطاب ... این نامها ز شاه و شهنشاه یافتم

با وجود کثرت اسباب تعلق بآزادی می زیست، منظومات[2] بسیار دارد و اشعار عاشقانه اهل حال را بوجد می آرد و نسبت ارادت بشیخ فیض الله سهارنپوری که در سنه هزار و بیست و چهار رحلت نموده داشت، و شیخ مذکور از خلفای شیخ نظام نارنولی بود و آن میر عالی ضمیر* در سنه هزار و بیست و پنج رخت بعالم دیگر کشید پنج مثنوی و یک دیوان دارد[3] و از واردات طبع اوست ؎

ای داده خوی تند تو رونق عتاب را ... افزود گونه گونه بدل اضطراب را

نی حرف با کسی و نه گوشی بحرف کس ... برهم زدی شعار سوال و جواب را

و پسرش میر صالح بعلم[4] و دانش آراستگی داشت و* نستعلیق را خوب مینوشت[5] کشفی تخلص میکرد در[6] ابتدای حال* بفقر و قناعت در[7] زی درویشان* میگذرانید و[8] آخر عمر* فردوس آشیانی بخواهش تمام او را بمنصب سرفراز ساختند و[9] او بپایه امرائی رسیده* در سنه هزار و شصت و یک روانه شهرستان عدم گردید،

نقل است که روزی فردوس[10] آشیانی شاهجهان بادشاه ازان معارف آگاه پرسیدند که سن شما چند است؟ گفت پنجسال، بادشاه متعجب شده از حقیقت این سخن استفسار کردند گفت: عمر همانست که در سعادت بندگی و خدمت حضرت صرف شده، و بادشاه

---

[1] محمد شاهی : رقم [2] محمد شاهی : و اشعار عاشقانه می گفت، [3] محمد شاهی : از یادگارهاست،

[4] در محمد شاهی ندارد، [5] محمد شاهی : ... شعر [6] محمد شاهی : درویشانه

[7] محمد شاهی : حضرت [8] محمد شاهی : حضرت فردوس الخ

ازین لطیفہ خوش وقت شدہ بمزید[۸] عنایت و التفات پایۂ * قدر و منزلت او را افزودند[۹]
و او صاحب تصانیف است و[۱۰] از مؤلفات او مناقب مرتضوی[۱۱] مشہور و مخفی نمانذ آن
کتاب افادت مآب در محفل دانایان و دانشوران مذکور * و از اشعار اوست سه

نظر بہ بیکسیم کن کہ قطرۂ آبی بکام من ندہد کس بغیر چشم ترم

تاریخ فوتش ازین مصراع مستفاد می گردد ع

میر صالح برفت از عالم

برادرش[۱]

میر مومن

عرشی تخلص * بعلم و فقر مہارت تمام داشت و[۲] خط نستعلیق چند صفحہ[۳] بتقلید
خط ملا میر علی بنامش نوشتہ بشاہ شجاع گذرانیدہ[۴] و شاہ شجاع[۵] با معان نظر و تامل اہل
آن ہنر * خط ملا تصور کردہ دو ہزار روپیہ انعام فرمود بعد ازان میر ظاہر ساخت
کہ خط من است شاہ شجاع بسیار پسندیدہ زیادہ[۶] بر تحقیق سنجیدہ * از روی مہربانی
ہزار روپیہ[۷] و سراپا بران افزود میر[۸] عرفان پذیر از مشرب علم تصوف تر زبان بود
و اوایل حال بوجد و سماع نیز میلان داشت و در عہد اعلیحضرت فردوس آشیانی
سلیمان شکوہ * را تعلیم خط[۹] میداد در ین آوان جمعیت نشان * بوظیفۂ از سرکار

---

۸ در محمد شاہی ندارد ۹ محمد شاہی: از پیشتر بیشتر افزودند ۱ محمد شاہی: برادر او میر مومن عرشی تخلص می کرد
۲ محمد شاہی: و در ۳ محمد شاہی: قطعہ (بجای صفحہ) ۴ محمد شاہی: نمود (بجای گذرانیدہ) ۵ محمد شاہی:
روپیہ دیگر ۶ محمد شاہی: و سلیمان شکوہ اصل: اواہل بجای اوایل ۹ محمد شاہی: می داد و

جهانبان مدار اعظم مظهر آفریدگار منعم* موظف بود[1] ه اوقات بقناعت میگذرانید*، درسنه یک هزار و نود و یک (که) سنین عمرش بنود رسیده بود برحمت حق پیوست، عزیزی[2] تاریخ فوتش سید عرشیان امیر مومن یافته، از اشعار اوست ؎

کشاد غنچه اگر از نسیم گلزار است　　کلید قفل دل ما تبسم یار است
بیا بچشم تر ما جمال خویش ببین　　که همچو آینه آب[3] رت گفتار است
[؎] بچشم خویش نگر گر دل تو آگاه است　　که این دریچه گذرگاه جلوهٔ شاه است
بناله در شب غم [نمی توان[4]] بدوست رسید　　که شمع وادی مطلب فتیلهٔ آه است

میر محمد شریف

همشیره زادهٔ میر عبدالله، خط نستعلیق را[5] خوب مینوشت و از حضرت جنت آشیانی خطاب کاتب السلطانی یافته[6] و[7] میر عبدالله او را بجای فرزند تربیت نموده وقت رحلت جانشین خود ساخته بود و او با وجود کمالات گمنامی پیشه خود کرده در ملک فقر نام آوری داشت و وجه قوت از کسب دست پیدا کرده وجه معیشت خود می کرد، در سنهٔ یکهزار و پنجاه و چهار راقم احوال اعمال نامه عمرش بسر آورد*،

محمد[8] مراد کشمیری

از[9] خوشنویسان عهد حضرت جنت مکانی است و تا اوایل زمان سلطنت حضرت

---

[1] محمد شاہی: والا　[2] محمد شاہی: بود　[3] در محمد شاہی ندارد　[4] محمد شاہی: و آب،
[5] از روی محمد شاہی،　[6] واقعات کشمیر میں اسکا حال یوں لکھا ہے: ملا محمد مراد زرین قلم سوداگر بود و مایل

فردوس آشیانی نیز بود* خطش در رتبه قریب بخط ملا[1] محمد حسین کشمیری است،

میرزا محمد حسین شکسته نویس

صفاهانی الاصل است پدرش میرزا شکر الله[2]* در زمان شاه طهماسپ مستوفی الممالک بود و در عهد شاه اسمعیل ثانی بمنصب اعتماد الدوله امتیاز داشت، تعلیق را بمرتبهٔ اعلی می نوشت، لیکن[3] هرچند سعی نمود خطش رتبهٔ ملا درویش نیافت مخترع[4] شکسته تعلیق گشته دران یگانهٔ آفاق گردید و منظور نظر حضرت جنت مکانی بود*

تهوّر خان

در[5] سلک* امرای جنت آشیانی و اعلی حضرت فردوس[6] آشیانی انتظام داشت

(بقیه حاشیه صفحه ۵۶) بخط نستعلیق شد، دمشق آن خون جگری خورده و باصلاح میر حسین [یعنی ملا محمد حسین کشمیری] کرده تا وقت از خوشنویسان روزگار [...] رسانید و اندک زمانی فوقیت بر اقران حاصل کرده یگانه وقت شد، شغفی می نوشت بخلاف آقا رشید که، و دران وقت در ایران طرز بادامی داشت، بالجمله آوازهٔ کمال او محمد مراد بسامع شاهجهان بادشاه رسید داخل کتاب (کذا) نویسان دربار شد چنانچه کتابهٔ اکثر عمارات دولت خانه باغات پادشاهی بخط مولوی، ست الحق عجب سحر آفرینی و طرفه تازگی و شیرینی در تحریر که گویا تصویر است بکار برده از جناب بادشاه مخاطب بزرین قلم شده (ورق ۱۳۵ ا)

(حاشیه صفحه ۵۷) [1] در محمد شاهی ندارد [2] اصل: سیف الله، تصحیح از روی محمد شاهی و تذکرهٔ خوشنویسان ص ۱۰۳،
اسکندر منشی (عالم آرای عباسی ص ۱۲۷ ب) لکھتا ہے :

میرزا محمد حسین ولد میرزا شکر الله که پدرش مستوفی الممالک شاه جنت مکان (شاه طهماسپ [بود] تعلیق نویس بی بدل و خوشنویس بیمثل و مانند بود بعد از میرزا احمد او ترقی عظیم کرده خط تعلیق را بسرحد کمال رسانید، او نیز تتبع روش مولانا درویش کرده اما باعتقاد مستود اوراق اگرچه هر دو پایه خط بر سطح بنیان قلم مولانا درویش نهاده اند اما هر دو صاحب طرزند و هر کدام این خط را بطرزی علیحده نوشته اند که هیچکدام کمتر از طرز مولانا درویش نیست رطوبت طرز در خط میرزا محمد حسین ... بیشتر از خط میرزا احمد است، او در زمان حضرت اعلی (شاه عباس) بجانب هند رفته در سلک ملازمان و منشیان فرمانروای هندوستان منسلک گردیده و در آن سواد اعظم خط ممات بر صحیفهٔ زندگی نگاشت [3] در محمد شاهی ندارد، در اصل "مخترع ... کرده" تصحیح قیاسی است،

و معانی از سودای [سوادی ؟] نبود و نستعلیق * جلی را بغایت خوب مینوشت[1] و لطایف و نکات از و سر میزد و نقلهای رنگین و حکایات شیرین از و نقل میکنند، گویند روزی مجلسی بیاراست و مرزا مانرا بضیافت طلبید، آقا رشید[2] * که در خط نستعلیق او هم رشد کمال داره در آن انجمن حاضر بود و جمیع اعزّه در ایوان خانه نشسته گرم حرف بودند که خان یکبارگی بحجره در رفته بعد از ساعتی شمشیر علم کرده بر سر آقا رسید که شنیده ام که تو از شاگردی من انکار می کنی؟ رعب تمام بر آقا استیلا یافته بالحاح گفت: خانم آخر چه می فرمائی؟ گفت در حضور اعزّه بگواهی اینان خطی با عتراف شاگردی بنویس، آقا بگفته اش کام نا کام خط اعتراف بر نگاشت و از ستم ظریفیش[3] امان یافت '

امانت خان

برادر علامی افضل خان، نسخ[4] خط او خط نسخ بر خطوط نسخ نویسان روزگار کشیده مشاهدهٔ صورت آن اهل نظر و دیده وران معنی آفرین را جلای بصری افزود و * کتابه (ورق ۵۰۲) درون گنبد آسمان رفعت مقبرهٔ[5] مهد علیا مریم مکانی ممتاز الزمانی نگاشتهٔ[6] کلک جواهر سلک اوست، و در سنه هزار و چهل و هفتم هجری فردوس آشیانی در[7] جایزهٔ آن بانعام فیل و عنایت خلعت * آن نادرهٔ عصر را ممتاز فرموده بودند، و[8] آن خان سعادت نشان رباط عالی بنای و باغ روح افزای نزدیک بدار السلطنت لاهور ساخته و بر دروازهٔ سرا بخط نسخ کتابهٔ نگاشته که بصر بصیرت از تماشای آن حظ وافر می یابد، و او :

ورق ۵۰۲

---

[1] محمد شاہی میں تہور خاں کا حال یہاں ختم ہوتا ہے' [2] اصل : آقا نا رشد ' [3] اصل : ظرفیش [4] محمد شاہی : نسخ نویس صاحب کمال بود [5] یعنی روضۂ ممتاز محل آگرہ [6] در محمد شاہی ندارد

سنہ ہزار و پنجاہ ازین رباط فانی بسرای جاودانی رحلت نمود (و) در باغی کہ نزدیک سرای خود ترتیب دادہ مدفون گردید*

ملا معز[1]

از شاگردان ملا عبد الباقی تبریزیست، ہفت قلم را خوب مینوشت[2] از خوش نویسان زمان شاہ عباس ثانی است، شاگرد او*

محمد نصیر

در ثلث و نسخ و رقاع خوشنویس است، نستعلیق را ہم ما بقا خوب می نوشت[3] و درین خط اول شاگرد میر سید علیخان جواہر رقم بود، در خط نسخ اوستاد بادشاہزادہ والا تبار محمد کام بخش است[4] اعنیا[؟] در بار راغب صحبت او*

آقا ترابا[5]

اصفہانی است شاگرد میر عماد... مشق کردہ* و در اوایل گاہی فکر شعر نیز میکرد و در اواخر مدرس شیخ یحیی قسم دادہ بودش کہ شعر مگو کہ نامشروع است و این چند بیت از وست ؎

تا کہ عشقت بدلم رنگ وفا ریختہ است　　شوق وصل تو بجان آب بقا ریختہ است

ہیچ دردی بتر از علت بیدردی نیست　　درد نایاب بود ورنہ دوا ریختہ است[6]

آقا رشید[7]

شاگرد و ہمشیرہ زادۂ میر عماد، بغنون[8] دانش و خوش ذاتی آراستگی داشت از خط

---

[1] در محمد شاہی ندارد　[2] در محمد شاہی ندارد، ترابا کے ترجمہ کا ایک حصہ محمد شاہی کے اس نسخہ میں ملا معز کے ترجمہ کیساتھ مل گیا ہے نیز دیکھو حاشیہ ۴　[3] اصل: ترابای؛ اصل میں یہ جملہ اسی طرح سے ناقص ہے　[4] اسکے بعد محمد شاہی میں ہے: در خط نسخ اوستاد بادشاہزادہ محمد کام بخش است　[5] محمد شاہی: رشید　[6] محمد شاہی: و با وصف نیک ذاتی خط نستعلیق خوب می نوشت،

نستعلیق القلم مانی رقم رقوم دلپذیر و نقوش نگاه فریب بر صحیفهٔ دہر می نگاشت* و در عہد حضرت فردوس آشیانی بہند آمده در[1] سلک ملازمان آنحضرت انخراط یافت و از جوہر کاردانی در خدمت آن پادشاہ افاضل پناہ ترقی کرده ہمواره بخدمات لایقه ممتاز بود و در عہد سعادت مہد که* بکبر[2] سن رسیده* بخدمت بیوتاتی مستقر الخلافه اکبرآباد سرافرازی دارد[3] و در غایت رفاہیت بسر میبرد*،

ملا محمد امین[4] مشہدی[ع]

در نستعلیق از شاگردان آقا رشید است در ہفت قلم دیگر نیز مہارت داشت بادشاہنامهٔ[5] حضرت فردوس آشیانی بغایت[6] خوب نوشته و بعنایت صله سرافرازی یافته،

اعتماد خان

که الآن[ع] در عہد سعادت مہد بحسب شرافت سیادت و مناسبت[ع] اسمی بخطاب اشرفخان شرف امتیاز دارد بجامعیت جمیع کمالات نفسانیه موصوف و باحتواء فضایل انسانیه معروف*، رتبهٔ خطوط نسخ و شکسته* تعلیق و نستعلیق بدرجه کمال رسانده[8] نقوش عواطف بر الواح خواطر اصاغر و اکابر می نگارد و بشمول عنایات خلیفة الرحمانی

---

[1] محمد شاہی: به ترقی رسیده [2] محمد شاہی: کبر سن [3] محمد شاہی: یافته و مشمول تلطفات عالمگیری گشته،

[4] در محمد شاہی ندارد [5] محمد شاہی: شاہنامه [6] محمد شاہی: را [7] محمد شاہی: از شرافت ذاتی به اشرفخانی امتیاز یافته مجمع جمیع کمالات انسانی بود [8] محمد شاہی: رسانیده بخدمت خانسامانی حضرت عالمگیر بادشاه سرافرازی یافته دبجای رسانده . . . دارد)، [ع] دیکھو ۲۹: نمبر ۴۶، [ع] یعنی نامش میر محمد اشرف بو . . . ۲۹ نمره ۹۳،

و وفور مہربانی حضرت ظل سبحانی مسند خانسامانی سرکار فلک اقتدار بذات ملکی ملکاتش زیب و زینت دارد* از بس کہ ذائقہ اش چاشنی گیر نعمت تصوفست مثنوی مولوی را انتخاب نمودہ بشغف مطالعہ آن شیرین کام است[۱] و بصلاح و عبادت و پرہیزگاری و تفاوت ذخیرہ اندوز حسن اختتام*'

کفایت خان

ولد مقیم خان نبسہ میرزا محمد حسین شکستہ نویس' بکفایت و کاردانی یگانۂ زمان است و بخوشنویسی بینظیر دوران' خط تعلیق و شکستہ* تعلیق را درین[۲] عصر کسی برابر او نتواند نوشت و امروز در سلک امرای عظام انتظام دارد*'

میر سید علیخان

بفضایل[۳] نفسانی و کمالات انسانی اتصاف دارد و خط نستعلیق را بکمال رسانیدہ شاگرد پدر خود* محمد[۴] مقیم است' و میر مذکور شاگرد میر عماد بود' و خان مسطور* در اوان بادشاہزادگی[۵] بتعلیم حضرت جہانبانی[۶] افتخار اندوختند*' ہمدران[۷] عہد مخاطب بجواہر رقم گردید و فی الواقع کلک جواہر سلکش قلم تزئیت بر صحایف خط سلطان آفاق کشیدہ و قلم مانی رقم او نقوش دیدہ افروز و رقوم جلا کش بر صحیفۂ

---

[۱] محمد شاہی: بود [۲] در محمد شاہی ندارد' [۳] محمد شاہی: برابر او کسی نمی تواند نوشت' در سلک وزارت عظام حضرت خلد مکان است' [۴] محمد شاہی: خلف [۵] محمد شاہی: شاہزادگی [۶] محمد شاہی: خلد مکان [۷] افتخار اندوختہ [۸] محمد شاہی: و در ہمان عہد بخطاب جواہر رقم معزز گردیدہ' اصل: بنظر فریب (بجای نظر فریبا)'

روزگار مثبت گردانیده، جادو رقمی که بخامهٔ سحرکار نگه ربای خوشنویسان دیده ورو نظر فریب دانایان هنر گستر است و آن سیه حسب* هزاری و[1] خطاب خانی* و داروغگی کتابخانهٔ اعلی سرافراز و بعنایت خدیو خدا آگاه امتیاز داشت، پدرش پیش از و مرحلهٔ پیمای زندگی گردید و آخرهای عمر مرضی از نوع سودا تا مدت یک سال بروطاری شد که بافراط خنده* بی اختیار از هوش میرفت تا[2] در زمانی که خطهٔ فیض بنیاد اورنگ آباد نزول موکب گیتی پیمار رونق داشت جهت استعلاج بدارالخلافه شاهجهان آباد رخصت یافت*[3] این اشعار ازوست ؎

نفسی[4] سوخته فریاد خموشی دارم نالهٔ[5] در گرو سرمه فروشی دارم

[؎] عشقبازان تواز دل خون بدامان میکشند هر نفس بر سینه طرح صد گریبان میکشند

در شب غم سوختم داغ سیه مستانهٔ کز سوادش سرمه در چشم غزالان میکشند

من نه آن برقم که خاشاکی زمن بیند زیان[6] خارها از آتشم بیهوده[7] دامان میکشند

[؎] خوش آنروزیکه شوقت میکشید از دیده طوفانها
جنونم سکهٔ بر زنجیر می زد در بیابانها

حاجی قاسم

شاگرد ملا فتح الله شیرازی خط نسخ را غایتاً باسلوب و[8] مناهی [تناسبی ؟]

---

[1] در محمد شاهی ندارد [2] محمد شاهی: خلعت امتیاز پوشیده در آخرهای عمر سودا زده خنده [3] محمد شاهی: سنه بیست و هفتم جلوس عالمگیری بعالم بقا شتافت [4] محمد شاهی: نفسم [5] محمد شاهی: ناله ام [6] اصل: بیدود، تصحیح از روی محمد شاهی [7] محمد شاهی: نوب

می‌نویسد* در[1] عہد بادشاہزادگی بادشاہ خدا آگاہ تعلیم این خط (ورق ۵۰۳) ازو گرفته اند* پسرانش میرزا محمد و عبداللہ خط نسخ را از پدر کسب نموده برتبه رسانیده اند و منظور نظر تربیت حضرت خلیفۂ الٰہی اند*

حاجی عبداللہ

ثلث و رقاع خوب می‌نویسد[2] خصوصاً در نسخ طور[3] یاقوت را بجائی رسانیده که مسلّم الثبوت است و در جلد نویسی نی قلم دارد و چنانچه* یک مرتبه در[4] خدمت[5] بادشاہزادۂ والا گہر ستوده شیم محمد معظم از لاہور عازم[6] شاجہان آباد بود در پانزده روز عرض راه* قرآنی بغایت خوب نوشته از نظر عالی گذرانید

سعید امرد

درویش مشرب است[7]، نسخ را خوب می‌نویسد* شاگرد کسی نیست در عراق و ماوراء النہر بخوشنویسی شہرت[8] داشت، بہندوستان جنت نشان آمده در اوائل جلوس میمنت مانوس به بندگی سرافراز اند* بنوشتن مصاحف و کتب مامور[9] بود اکنون گوشۂ عزلت گرفته در طلا نویسی ید بیضا دارد*

---

[1] در محمد شاہی ندارد [2] محمد شاہی: می نوشت [3] محمد شاہی: طرز جلد نویسی داشت،

[4] محمد شاہی. بنابر ملازمت [5] محمد شاہی: بشاہجہان آباد معزم گشته در عرصه پانزده روز،

[6] محمد شاہی: امر [7] محمد شاہی: نسخ نویس [8] محمد شاہی: مشہور، در ہندوستان آمد،

[9] محمد شاہی: ملازم درگاه گشته عزلت گزیده در طلا نویسی یکتا شده، ع ۵ بنا ہروی محمد سعید النصاری ست رک به ۲۹ نمبره ۹۲،

میر محمد باقر[عہ]

ولد میر زین العابدین از مردم ایران دیار، جوانِ[۱] مستعد خرد یاور است و بی مبالغه در خط نستعلیق ہمسر ندارد، بیاضی موسوم بگلشن فطرت و دیگر سفاین ترتیب داده[عہ] جامع این صحیفہ بدیعہ اکثر بخط آن ہنرور است، باید دید کہ چگونہ نہال کمال را دران گلشن نگہ فریب نشاندہ وچسان شاہد ہنر را دران انجمن سراپا زیب بر صدر دلبری جا دادہ،

حاجی محمد اسماعیل

جوان مستعد وخطوط نسخ و تعلیق برتبہ مینویسد، توفیق حج دریافتہ و وضع صلاح وشکستگی حال اصلاح و درستی بخش مآل او گردیدہ، در زمرۂ بندگان درگاہ کیوان بارگاہ انتظام دارد، و با راقم این نامۂ اقبال اخلاص مند، طبعش* بر شعر گفتن نیز مایل است[۲]، و این چند بیت از واردات قریحتِ[۳] آن غافل تخلص آگاہ دل است* ؎

مایۂ عیش دو عالم دل پُر دردِ بس است
وز بد و نیک جہان یک نفس سرد بس است
از نشان قدم عشق جبین[۴] باز نگیر*
آبروی رخ آئینہ دلان گرد بس است

---

[۱] محمد شاہی: در خط نستعلیق نادرہ کار است و طبعش؛ (ظاہر است کہ ترجمہ محمد باقر اینجا بہ ترجمہ حاجی محمد اسمعیل مخلوط شدہ) [۲] محمد شاہی: آگاہ دل تخلص داشت، (کہ غلط ہے) اصل میں "و نجت" بجای قریحت، [۳] اصل: چینن باز بگیر، محمد شاہی: چینن آتش گیر (تصحیح قیاسی ہے)
عہ بیاضی مرتبہ بختاور خاں در موزۂ دہلی موجود است کہ بظاہر بعد تالیف مرآۃ العالم مرتب شدہ، رک بہ ۲۹ ص ۱۱، عہ بظاہر در ۷۹ نمرہ ۸۴ راوی نوشتہ است،

[۵] غم رفیق (و) درد یار و مایه سودای جنون
غافل شوریده سر را خوش بسامان یافتم[۱]

---

[۱] اس کے بعد نسخہ شاہی میں زیادت ذیل ہے:

کمالات دستگاه کرامت نشان عزیز خان

اگرچه در ذات خود افغان اند لیکن در صفات خوارق و عادات [صفت خوارق عادات] از شیخ و سادات سبقت برده اند در عین شباب خدمت درویشان باستادت عظمی پیداشتن بطاعات و عبادات و تلاوت قرآن و صیام ماه رمضان مشغوف می بودند و دران حالت چون جذبه شوق رسید نامی دبیقراری لعل آمدی دین ایام حیرت انجام عصمت قباب اهلیه ایشان نقاب مغفرت بر رو کشیده و فرزند چون گوهر یکتا بد مجک خاک آرمیده ازان باز بتاهل نه پرداخته بشادمانی جاودانی بسر بردند این فقیر حقیر راقم این اوراق کبیر (کذا) در عهد حضرت خلد مکان یازده سال بخدمت ایشان استفاده نموده و تا امروز که بیست و ششم حضرت شاهنشاهی ظل الهی محمد شاهی و یک هزار و یکصد و پنجاه و شش هجری است مصاحبت ارباب دول اختیار نکرده به تربیت صبیان غربا و کاسبان مشغول اند باوجود کبرسن نستعلیق نهایت خوب و زیبا می نویسند ابیات

خطی چو عـــذار ماه رویان　　مرغوب تر از جمال خوبان
خطی چو سواد قـرة العین　　هم روشن در سواد کونین
چون سبزهٔ نو خطان زیبا　　بر صفحهٔ سیمگون هویدا
یک خط و هزار حسن معنی　　همه نور نگار جـاودانی

ناقص حواشی

ص ۱۷ س آخر، استادنا، رک به ۲۹ نمبر ۲۲۵؛ ص ۲۹ س ۱۲، خواجه عبدالحی رک به ۲۹ نمبر ۹۰ که احتمال دارد بخط او دست، ص ۲۶ س ۱، در بعضی از مولفات الخ، رک به حبیب السیر ۲: ۳ : ۵۷ ببعد، که صاحب مرآة العالم غالباً از وی این عبارات را نقل کرده است،

تکملہ

(۱) اقتباس از خلاصۃ المکاتیب

مصنفہ منشی المناشی سجان رای بھنڈاری بٹالوی

سجان رائے نے خلاصۃ التواریخ سنہ ۴۰ جلوس عالمگیری مطابق ۱۱۰۷ھ میں مرتب کی پھر سنہ ۴۲[1] عالمگیری مطابق ۱۱۱۰ھ میں خلاصۃ المکاتیب تیار کی۔ دونوں کتابوں میں اسنے اپنا نام نہیں لکھا۔ مگر دونو کتابوں کی عبارتیں جابجا مشترک[2] ہیں اور دونو کے شروع میں وہ کہتا ہے کہ ملازمت صاحبان دولت اقبال اور ناظمان ملک ومال کی منشی گری میں اسکی عمر گذری، خلاصۃ المکاتیب کے دیباچہ میں اسنے لکھا ہے کہ اس کے لڑکے رائے سنگھ نے اس سے تقاضا کیا کہ وہ ایک انشا ترتیب دے۔ مگر وہ پہلو تہی کرتا رہا تا آنکہ اپنے دوست مولانا امان اللہ ساکن قصبہ سوہدرہ کے اصرار سے وہ مجبور ہوگیا اور یہ مجموعہ اسنے فراہم کردیا۔ اس کتاب کی ابتدائی فصلوں میں سے ایک کا عنوان ہے "دربیان تعریف خط" اس میں وہ ذیل کے معلومات کا افادہ کرتا ہے:

دربیان تعریف خط

. . . .

ورق ۱۰الف اگرچہ خطوط بسیار از نسخ و تعلیق و نستعلیق و عبری و قبطی و . . . وغیر ذلک

---

[1] نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی تحریر ۱۲۴۸ھ

[2] مثلاً دیکھو مقامات ذیل علی الترتیب

خلاصۃ المکاتیب خطی	خلاصۃ التواریخ مطبوعہ
ورق ۳، ۴، ۲۲، ۶۳، ۶۴، ۱۰۶	ص ۶، ۹، ۱۰، ۴۵۴، ۲۰۶ بعد، ۲۲۹ببعدہ

است کہ دانشوران والا فطرت اختراع کردہ اند ۱۱ برای کتب عربی خط نسخ و برای کتب فارسی و مکاتیب خط تعلیق زیادہ بکار می برند چنانچہ در ہندوستان نیز در بدایت حال خط تعلیق رواج داشت بعد ازان خط نستعلیق رایج گشت چنانچہ اکثر کتب بدین خط کہ از ولایت توران و ایران آوردہ اند بنظر در آمد' بہندوستان در زمان خلافت حضرت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ خط نستعلیق رایج گشت کہ تا حال فرامین مطالعہ و کتب بہمین خط می نویسند بعد ازان خوشنویسان فیض گستر و منشیان دانشور از خط تعلیق و نستعلیق خط آمیز کہ آن را شکستہ ہم نامند استخراج کردند و در عہد خلافت حضرت صاحب قران ثانی ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ غازی رواج یافت علی الخصوص در زمان وزارت علامی فہامی سعد اللہ خان بمکتوب نگاری بیشتر رایج گشت این نوع خط را چندر بھان برہمن منشی شاہجہانی و محمد[1] جعفر المخاطب بکفایت خان دیوان تن عالمگیری و شیخ احمد سہرندی بکمال رسانیدند و دولت مندان و سایر الناس و منشیان روشن قیاس آن را بکار می برند و از بس کہ روشن و واضح است ا بسہولیت و آسانی بی تشویش و تکلیف خواندہ می شود الحق خوشنویسان روشن قلم و زیبا نگاران عالی فہم بدایع صنایع بکار بردہ چہرہ آرای این خط دلاویز و صورت پیرای این رقم فرحت انگیز شدہ اند'

---

[1] رک بہ تذکرۂ خوشنویسان ص ۵۵ [2] ایضاً ص ۱۰۵ و ۱۰۳'

(ب) از مرآۃ الاصطلاح

مصنفہ رای رایان انند رام مخلص (م۔ ۱۱۶۴)

مصنف کا حال فہرست ریو ص ۹۹۶ پر ملاحظہ ہو، مرآۃ ۱۱۵۸ھ میں مکمل ہوئی اس میں بعض اصطلاحات بہ ترتیب ہجی مع تشریح مرتب کیگئی ہیں۔ ہر حرف کے آخر میں ضرب المثلیں بھی دی گئی ہیں، اس دلچسپ کتاب کا مفصل حال ہم کسی دوسری فرصت پر اٹھا رکھتے ہیں۔ اور سر دست اس میں سے خط کے متعلق چند باتیں درج ذیل کرتے ہیں:

(۴۳ ب) **بستۂ نیشکر**........

(۴۴ ا) **لطیفہ** بعضی خوشنویسان بقلم نیشکر جلی نوشتہ اند چنانچہ روزی شیخ سعد اللہ دیوان تن کہ در خوشنویسی دعوی بلندی دارد و باعتقاد جمہور موافق قاعدہ کہ نزدیک اساتذہ این فن مقرر است حرفی نمی نگارد قطعہ چند از نظر نواب صاحب وزیر الممالک اعتماد الدولہ چین بہادر نصرت جنگ گذرانیدہ گذارش نمود کہ بقلم نیشکر نوشتہ ام گفتم از ینجاست کہ خط ایشان شیرینی دارد، چون سخن از سخن می خیزد لہذا قلم پریشان رقم رنگ تحریر ماجرای دیگری ریزد،

احوال شیخ ہدایت اللہ[1] خوشنویس عبد الصمد خانی

مشیخت پناہ ہدایت اللہ کہ پیش ازین مدتی ممتد در فرقۂ خوشنویسان در سرکار نواب صاحب سیف الدولہ عبد الصمد خان بہادر دلیر جنگ مغفور و مبرور بامتیاز ملازم بود از چندی بحسب قسمت بشاہجہان آباد رسیدہ باراقم حروف آشنا گردیدہ جوان دلچسپی

---

[1] ظاہرا و بیست ہدایت اللہ لاہوری کہ ذکرش در تذکرۂ خوشنویسان ص ۱۵۹ آمدہ است و او غیر ہدایت اللہ زرین قلم است کہ در ۱۱۱۰ وفات کرد،

است خالی از آدمیت و غربت نیست، خط نستعلیق خوب می نویسد مشقش سرمشق نسخ محبوبان است و قطعه اش قطعهٔ بهشت چون خط خوبان، چنانچه چند ورقی که بخطش در مرقع دارم گواه این دعوی وشاهد این معنی است، سوی دیگر بر روی کار می آرد که اگر جلی است و اگر خفی در کمال نازکیش برنگ نقاشان بقلم بی شگاف می نگارد ع

تماشا مفت دیدن قدرت او رنگها دارد

(۸۲ ب) **خط دیوانی** عبارت است از خط شکسته که اہل دفاترِ ایران می نویسند و آن پیچدار می باشد تا دیگری بآن وضع نتواند نوشت میرزا وحید گوید ؎

زپیچ و تاب نگر وصف خط جانان را

درین بیاض نوشتم بخط دیوانی ......

(۸۳ ا) **خط شکسته** نوعی است از خط نوشتن که پیچدار باشد مرزا صایب علیہ الرحمۃ گفتہ ؎

مرا ز تجربہ کاران نصیحتی یاد است　که توبہ نامہ بخط شکستہ می باید

مذکور خط شکستہ

اقسام خط شکستہ بسیار است در ہندوستان **کفایت خان** و **اشرف خان**[1] این خط را خوب نوشتند چنانچہ قطعہ ہای ایشان سرمشق اہل این فن است و حالا کہ سنہ ہجری یک ہزار و یک صد و پنجاہ و ہفتم است **مرتد خان**[2] خوب می نویسد و خانصاحب **عبد المجید خان** کہ دیوان تن و از قدیم مہربان بر احوال راقم حروف اند نیز شوق باین خط دارند و خوب می نویسند قطعہای نوشتہ این ہردو بزرگ در مرقع فقیر است،

---

[1] رکی بہ ص ۹۱، بظاہر اعتماد خان مراد ہے، دیکھو ص ۶۰، [2] رک برای شرح احوالش بہ تذکرہ خوشنویسان ص ۱۰۷ و ۲۹ نمرہ ۱۰۰،

فہرست اعلام خطاطان

اس فہرست میں عموماً انہی خطاطوں کے نام دئے گئے ہیں۔ جو اقتباسات میں مذکور ہیں:

خطاطی کے نمونوں کی تشریح

ذیل کے خطاطوں کی تحریر کے نمونے اس رسالہ میں شایع کئے گئے ہیں:

۱- **میر علی تبریزی** (دیکھو اقتباس از مرآۃ العالم ص ۳۸، خواجو کی تین مثنویاں ہمای وہمایون۔ کمال نامہ اور روضۃ الانوار" میر علی بن الیاس التبریزی الباورچی کی لکھی ہوئی برٹش میوزیم میں موجود ہیں۔ انکو میر علی نے ۷۹۸ء میں لکھا۔ دیکھو فہرست ریو ص ۶۲۰ 'کمال نامہ کے آخری صفحہ کا عکس یہاں دیا جاتا ہے' روضۃ الانوار کے پہلے صفحہ پر اسنے لکھا ہے کہ یہ کتاب "کتب خانہ شہریار ابوالفتح بہرام جم اقتدار" کے لئے لکھی گئی۔ مشہور یہ ہے کہ میر علی تبریزی موجد نستعلیق ہے'

تقطیع اصل: ۱۲ ۳/۴ × ۹ ۱/۲'

۲ (و ب) **سلطان محمد نور** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۴۲)
یہ سبحۃ الابرار جامی کے آخری اور ایک درمیانی صفحہ کا عکس ہے سلطان محمد نور نے اس نسخہ کو ۹۲۹ میں تمام کیا' اصل کی تقطیع ۷ × ۴ ۳/۴

۳- **اختیار منشی** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۴۶)
اس وصلی پر عبارت ذیل لکھی ہے:

سطر ۱ - للہ الحمد و المنہ کہ اشجار معدلت از رشحات سحاب احسان و افاضت طراوت یافتہ
سطر ۲ - و نہال گلزار نصفت از قطرات مطرات مکرمت نضارت پذیرفتہ سکنۂ آن در [درہ؟]
ولایت در رہاد امن و امان آرامش دیدند (مشکوک)
سطر ۳ - و متوطنان آن دیار در ظلال عدل و مرحمت باسایش میگذرانند [ــہ]
سطر ۴ - آرام یافت در حرم امن وحش و طیر
و آسودہ گشت در کنف عدل انس و جان
سطر ۵ - و ارباب و اعیان و مقیمان و متوطنان آن ملک اقامت مراسم طاعت و ادامت۔
سطر ۶ - مشق بندہ فقیر حقیر
سطر ۷ - اختیار منشی
تقطیع اصل ۷" × ۴ ۱/۲"

میر علی ہروی (دیکھو اقتباس خط و سواد کا دیباچہ ص ۰ بعدہ اقتباس مرآۃ العالم ص ۴۷

اس وصلی پر لکھا ہے: المذنب میر علی　　در بلدہ ہراۃ تحریر نمود　تقطیع اصل: ۹ × ۴ ۱/۲
میر علی اور **حافظ نور اللہ** میرے نزدیک نمبر ۱۵ میر علی کاتب الہروی ہی کی تحریر ہے جیسا

اسکے اور نمبر ۲ کے مقابلہ سے معلوم ہوگا - حافظ نور اللہ کی تحریر اس وصلی کی پشت پر ہے - متاخرین اکثر متقدمین کی وصلیوں کی پشت پر اپنی تحریر سند اور اعتراف تلمذ کے طور پر لکھ دیتے تھے (مثلاً دیکھو نمبر ۱۱ و ب) حافظ نور اللہ کا حال دیکھو تذکرہ خوشنویسان ص ۶۴ پر ' یہ بارھویں صدی کے آخر کا کاتب ہے '

تقطیع اصل ۵ ا : ۷½" x ۴½"

" " ۵ ب : ۸½" x ۴"

۶- **بایزید دوری** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۴۹)

یہ امیر خسرو کی مثنوی دول رانی خضر خان کا آخری صفحہ ہے جس پر " **سلطان بایزید بن میر نظام مشہور بدوری** " کے دستخط ہیں - یہ نسخہ جو میر بایزید نے ۹۲۶ھ میں لکھا ایک زمانہ میں اکبر کی ایک بیگم سلیمہ سلطان بیگم کے کتاب خانہ میں تھا ' پھر شاہجہان کے کتاب خانہ میں رہا ' اب ریاست کپور تھلہ کے سرکاری کتاب خانہ میں ہے (دیکھو رویداد اجلاس ہشتم انڈین ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن منعقدہ ۱۹۲۵ء ص ۴۶) '

تقطیع اصل ۷½" x ۴"

۷ و ۸- **عماد الحسنی و میر عماد** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۵۱) ' برٹش میوزیم میں اسکی ایک وصلی ہے جو ۱۰۱۱ھ میں لکھی گئی اور جس پر بظاہر " عماد الحسینی " لکھا ہے

دیکھو فہرست ریو ۸۳ ، ۹ - نمبر ۸ پر فقط " عذر خواہ عماد لکھا ہے '

تقطیع اصل نمبر ۷ ⅛۸" x ½۳" و نمبر ۸ ۱۰" x ۵" '

۹- **محمد مراد الکشمیری** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۵۶) '

تقطیع ½۷" x ½۳"

۱۰- **جواہر رقم** یعنی میر سید علی خان الحسینی تبریزی بن آقا مقیم (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۶۱ و تذکرہ خوشنویسان ص ۵۶ و فہرست ریو ص ۷۸۳ '

تقطیع اصل ¾۶" x ⅛۲" '

(۱۱ و ب) **ملا عبد الرشید** (دیکھو اقتباس مرآۃ العالم ص ۵۹)

یہ میر عماد کا بھانجا اور شاگرد شاہجہان کے زمانہ میں ہندوستان آیا - اور ۱۰۸۱ میں فوت ہوا ' یہ قطعہ اسنے ۱۰۶۴ (آخر عہد شاہجہان) میں اکبرآباد میں لکھا '

اس وصلی کی پشت پر اعجاز رقم خان کی تحریر ہے ' اسکا حال دیکھو تذکرۂ خوشنویسان ص ۶۲ پر ' صاحب تذکرۂ مذکور نے لکھا ہے: " اکثر نوشتہ آقا عبد الرشید قطعہ و مشق در سرکار او (یعنی اعجاز رقم خان) بنظر آمد '

تقطیع اصل ۱۱ ا ½۹" x ۴"

" " ۱۱ ب ⅛۸" x ⅜۴"

11B

11A

9

10

7

8

5A

5B

۳

4

2A

2B

ابو العلاء المعرّی (م ۴۴۹ھ) عربی زبان کے مشاہیر شعرا میں سے ہے اور عمر خیام
کی طرح اپنی فلسفیانہ شاعری کی وجہ سے یورپ میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے
ذیل کے مرثیہ میں یہ شاعر جو بصارت سے محروم تھا اپنے باپ کی موت کا ماتم بہت
پُرسوز اور دلگداز الفاظ میں کرتا ہے۔ راقم سطور نے کم مرثیوں میں اس قدر دردناک
اور موثر اشعار پائے ہیں۔ مولوی علی محمد بہاولپوری عربک سکالر نے میری فرمائش پر اس کا
اردو ترجمہ اس رسالہ کے لئے تیار کیا جو ہدیہ ناظرین ہے + (اڈیٹر)

وقال ایضاً فی الطویل و القافیة من التواتر

یرثی اباہ عبد اللہ بن سلیمان

نقمتُ الرضا حتّی علی ضاحکِ المُزن   فلا جادنی الّا عبوسٌ من الدّجن

(ترجمہ) (اب تو) میں ہنسی خوشی کو اتنا بُرا سمجھتا ہوں کہ بجلی والے بادل بُرے لگتے ہیں (کیونکہ
بجلی کا چمکنا ایک گونہ ہنسنا ہے)، پس میرے اوپر ترشرو اور کالے بادل کے سوا اور کوئی بادل نہ برسے،

فلیت فمی ان شام سنّی تبسّمی   فم الطعنة النجلاء یدمی بلا سنّ

(ترجمہ) (اس مصیبت کے بعد) اگر تبسم میرے دانت کو ظاہر کرے تو خدا کرے میرا منہ وسیع
زخم کی طرح خوں فشاں ہو اور دانتوں سے علیحدہ ہو جائے،

کانّ ثنایاہ اوانس[1] یبتغی   لہا حسنُ ذکرٍ بالصیانة والسّجن

(ترجمہ) میرے منہ کے اگلے دانت گویا بڑی باکرہ لڑکیاں ہیں جنکی نیک نامی صیانت اور خانہ نشینی کے
ذریعہ مطلوب ہوتی ہے +

[1] الاوانس جمع آنسة وہی التی تأنس بالمحادثة معہا ۔

أبي حكمت فيه الليالي و لم تزل رماح المنايا قادرات على الطعن

(ترجمہ) زمانہ نے میرے باپ کی موت کا فیصلہ سنا دیا۔ اور موت کے تیر نشانوں ہی پر لگتے ہیں۔
(یعنی موت اٹل ہوا کرتی ہے)

مضى طاهر الجثمان والنفس والكرى وسهد المنى والجيب والذيل والردن

(ترجمہ) بسا شخص فوت ہوا ہے جس کی روح بدن نیند میٹھی آرزوئیں، گریبان
دامن اور آستین، سب کے سب عیوب و نقائص سے پاک تھے۔

فياليت شعري هل يخف وقاره اذا صار أحد في القيامة كالعهن

(ترجمہ) معلوم نہیں قیامت کے دن بھی جب کہ کوہ اُحد بھی دُھنکی ہوئی روئی کی طرح ہلکا ہو کر اڑنے لگیگا۔ اس کے وقار و متانت میں کچھ فرق آئیگا یا نہیں؛

وهل يرد الحوض الروي مبادرا مع الناس ام يابى الزحام فيستاني

(ترجمہ) معلوم نہیں وہ نبی علیہ السلام کے حوض کوثر پر بھی اور لوگوں کی طرح لپک کر جائیگا۔
یا ہجوم سے الگ رہ کر صبر سے انتظار کرے گا،

حجا زاده من جراءة و سماحة وبعض الحجا داع الى البخل والجبن

(ترجمہ) اسکی عقل نے اسے اور جری اور سخی بنا دیا ہے۔ حالانکہ بعض لوگوں کی عقل انکو بخیل اور بزدل بنا دیتی ہے،

على ام دفر[1] غضبة الله انها لاجلد انثى ان تخون و ان تخني[2]

(ترجمہ) اس بڑھیا دنیا پر اللہ کا غضب ہو کہ خیانت اور ہلاک کرنے میں اور سب عورتوں سے بڑھ کر ہے،

كعاب[3] دجاها فرعها و نهارها محيا لها قامت لها الشمس بالحسن

---

[1] شیرین آرزو۔ [2] كناية عن الدنيا
[3] خیانت اور بیوفائی کی وجہ سے دنیا کو نوجوان کہاہے۔

(ترجمہ) یہ دنیا ایک ایسی نوجوان عورت ہے۔ جس کی زلفیں رات اور چہرہ دن ہے اور آفتاب نے اس کے چہرہ کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے'

رآها سليل الطين والشيب شامل   لها بالثريا والسماكين والوزن[1]

(ترجمہ) حضرت آدم نے بھی اس دنیا کو بڑھیا ہی دیکھا تھا ثریا، ماکین وزن[2] تاروں کی صورت میں سفید بال اس کے سر میں ہو گئے تھے'

زمان تولت وادحواء بنتها   وكم وادت في اثر حواء من قرن

(ترجمہ) حضرت آدم نے دنیا کو اس وقت دیکھا جب یہ اپنی بیٹی حوا کو دفن کر رہی تھی اور اس کے بعد تو نہ معلوم کتنی بیٹیوں کو دفن کر چکی ہے'

كأن بنيها يولدون وما لها   حليل فتخشى العار ان سمحت بابن

(ترجمہ) گویا بغیر خاوند کے اس دنیا کے اولاد ہو رہی ہے۔ اس لئے شرم و عار کی وجہ سے ایک فرزند کو بھی زندہ نہیں رکھتی'

جهلنا فلم نعلم على الحرص ما الذي   يراد بنا والعلم لله ذي المن

(ترجمہ) ہم کو معلوم نہیں اور حریص ہونے کے باوجود بھی ہم یہ نہ معلوم کر سکے کہ ہمارے ساتھ کیا صورت پیش آئے گی۔ بس اسکو تو اللہ ہی جانتا ہے'

اذا غيب المرء استسر حديثه   ولم يخبر الافكار عنه بما يغني

(ترجمہ) دفن ہونے کے بعد مدفون کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور عقلمندوں کے افکار اس بارہ میں کوئی مفید اطلاع نہیں دے سکتے'

---

[1] سلیل الطین ابن الطین حضرت آدم کو کہتے ہیں' [2] وزن اور حضار دو ستارہ ہیں جو سہیل ستارہ سے کچھ پہلے نکلتے ہیں انکو دیکھ کر لوگوں کو دھوکا لگتا ہے کہ شاید سہیل کا طلوع ہوا ہے ان دونوں ستاروں کو عرب انکو کبھی المحلفان بھی کہتے ہیں گویا ہر ایک قسم کھاتا ہے کہ میں سہیل ہوں' ۔۔۔۔۔ اس شعر میں دونوں جمع ہیں سہ ارى نار ليلى بالعقيق كانها حضار اذا ما اقبلت ووزنها (لسان العرب ص ۳۴۰ ج ۱۷)

تضلّ العقول الهبرزیات رشدها ولم یسلم الرأی القوی من الافن[1]

(ترجمہ) بڑے بڑے لوگوں کی عقلیں اس بارہ میں بھٹکتی پھرتی ہیں اور عقل سلیم بھی ٹھوکر کھا ہی جاتی ہے'

وقد کان ارباب الفصاحۃ کلما رأوا حسناً عدّوہ من صنعۃ الجن

(ترجمہ) مثلاً فصحا کو دیکھو کہ وہ لوگ جب کبھی کوئی خوب چیز دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ جنوں کی بنائی ہوئی ہے (پس رای قوی بھی ٹھوکر کھانے سے بچ نہیں سکتی)

وما فارقت شخصاً من الخلق ساعۃٌ من الدھر الا وھی اَنکی من قرن

(ترجمہ) اس دنیا کی جو گھڑی بھی مخلوق پر گذرتی ہے وہ اس کے لئے مدمقابل دشمن سے زیادہ مار ڈالنے والی ہے (کیونکہ ہر ہر گھڑی کے گزرنے سے عمر گھٹتی چلی جا رہی ہے)'

وجدنا اذی الدنیا لذیذاً کانما جنی النحل[2] اصناف الشقاء الذی نجنی

(ترجمہ) دنیا بھر کے مصائب کو ہم لذیذ سمجھتے ہیں گویا طرح طرح کی بدبختی جو ہمارے حصے میں آتی ہے وہ شہد کی شیرینی اپنے اندر رکھتی ہے' (اور باوجود ان مصائب کے ہم موت کو پسند نہیں کرتے)'

فما رغبت فی الموت کدر مسیرھا الی الورد خمس ثم یشربن من اجن[3]

(ترجمہ) (ہم تو ہم وہ) بھٹ تیتر بھی موت کو گوارا نہیں کرتا جسکو پانچ دن کی مسافت قطع کرنے کے بعد پانی پینا نصیب ہوتا ہے اور وہ بھی میلا کچیلا'

یصادفن صقراً کل یوم ولیلۃ ویلقین شراً من مخالبہ الحجن

(ترجمہ) ان بھٹ تیتروں کا دن رات شکرہ سے پالا پڑا ہوا ہے اور ہمیشہ اس کے ٹیڑھے پنجوں سے بڑی تکلیف اٹھاتے رہتے ہیں (پھر بھی موت کو گوارا نہیں کرتے)'

---

[1] رجلٌ مافونٌ لا عقل لہ ۱۲

[2] جنی النحل خبر مقدم و اصناف الشقاء مبتدأ مؤخر ۱۲ [3] الاجنُ المتغیّرُ ۱۲'

ولا قلقاتُ اللیل باتت کانّھا   من الاین والادلاج بعض لقنا اللدنِ

(ترجمہ) (بہٹ تیتروں کیطرح، گورخروں کو بھی موت گوارا نہیں حالانکہ یہ شکاری کے ڈر سے بجائے دن کے رات کو پانی پینے کے لئے اتنا دوڑتے ہیں کہ تھکان اور شب روی سے لچکدار نیزوں کیطرح ڈھیلے ڈھالے ہو جاتے ہیں'

ضربن ملیعاً بالسّنابک اربعاً   الی الماء لا یقدرن منہ علی مَعْنِ

(ترجمہ) چار راتیں مسلسل چٹیل میدانوں میں پاکوبی کرتے رہتے پھر بھی ایک گھونٹ پانی ان کو میسر نہیں ہوتا'

وخوف الردی آوی الی الکھف اھلہٗ   وکلّفَ نوحاً وابنہٗ عملَ السُّفْنِ

(ترجمہ) موت ہی کے ڈر نے اصحاب کہف کو غار کہف میں چھپایا اور نوح علیہ السلام اور اس کے بیٹے سے کشتیاں بنوائیں'

وما استعذ بتہ روحُ موسیٰ وآدم   وقد وُعِدا من بعدہٖ جنّتَی عَدْنِ

(ترجمہ، آدم اور موسیٰ (علیہما السلام) کو موت کے بعد ہی ہمیشہ رہنے والے باغات کا وعدہ دیا گیا - لیکن پھر بھی ان کی روح نے موت کو لذیذ نہ پایا'

اموِلی القوافی کم اراک انقیادُھا   لک الفصحاءُ العُرْبُ کالعجمِ اللُّکْنِ

(ترجمہ) اے شعر کے مالک! کہانتک شعر تیرا مطیع ہوتا رہیگا - تیرے سامنے تو فصیح عرب بھی ہکلے بن گئے ہیں'

ھنیئاً لک البیت الجدید موسّداً   یمینکَ فیہ بالسعادۃِ والیُمْنِ

(ترجمہ) قبر کا یہ نیا گھر تجھے مبارک ہو جس میں تو نے اپنی داہنی جانب کو برکت اور سعادت کیساتھ تکیہ بنایا ہوا ہے'

لہ قلقات اللیل - رات کو پریشان پھرنے والے مراد گورخر ۱۲   ۲ہ المعن الشئ القلیل ۱۲   ۳ہ موسیٰ اور آدم کو جنت کا وعدہ ایک حدیث کے مضمون سے ماخوذ ہے ۱۲

مجاورَ سکنٍ فی دیارٍ بعیدۃٍ من الحی سقیاً للدّیار و للسّکن

(ترجمہ) تو آبادی سے دور مقامات کے رہنے والوں (مردوں) کا پڑوسی ہوگیا۔ خدا ان بعید مقامات (قبروں) اور ان کے رہنے والوں پر ابر رحمت برسائے!

طلبتُ یقیناً من جُھینۃَ عنھم ولن تُخبریِنی یاجُھَینُ سوی الظّنِ[1]

(ترجمہ) بڑے بڑے باخبر علماء سے میں نے پوچھا کہ مرنے والوں کی بابت کوئی یقینی خبر بتائیں (پھر میں نے دعوی سے کہا) کہ اے علما! تم ظنی باتوں کے سوا کچھ نہیں بتا سکتے'

فَاِن تَعْھدینی لا ازالُ مسائلاً فَاِنّی لم اُعطَ الصّحیحَ فاَستَغنی

(ترجمہ) (اے جہینہ) تو جو مجھے دیکھتا ہے کہ میں ہر وقت اسی مسئلہ کو پوچھتا پھرتا ہوں تو یہ اس لئے ہے کہ ابھی تک مجھے کسی نے صحیح بات نہیں بتائی جس سے دوبارہ پوچھنے کی حاجت نہ رہے

وان لم یکن للفضل ثَمّ مزیّۃٌ علی النّقصِ فالویلُ الطویلُ من الغَبْنِ

(ترجمہ) اور اگر دوسرے جہان میں بھی فضیلت کو نقیصت پر فوقیت حاصل نہ ہوئی تو ہزار افسوس اس گھاٹے پر جو ہم نے کھایا'

اَمُرُّ بربعٍ کنتَ فیہ کانّما اُمُرُّ من الاکرام بالحِجر والرُّکنِ

(ترجمہ) جس گھر میں تو رہتا تھا اب میں وہاں سے ایسی تعظیم کے ساتھ گذرتا ہوں جیسے حاجی لوگ کعبہ کے رکن یمانی اور حطیم سے گذرتے ہیں۔

---

[1] یاجھین الخ یہ ایک مثل ہے جو شئی کی حقیقت معلوم کرتے وقت بولتے ہیں۔ اخنس بن کعب جہنی نے حصین بن عمرو کلابی کو راستہ میں قتل کرکے اس کے قبیلہ میں آکر حصین کی بیوی صخرہ کو یہ دو شعر سنائے ؎

اذا کانت تسائل فی مراحٍ و انمارٍ و علمھا ظنون

تسائلُ عن حصینٍ کلّ رکبٍ وعند جھینۃ الخبر الیقین

(ترجمہ) اب صخرہ قبیلہ مراح اور انمار سے حصین کا حال پوچھتی پھرتی حالانکہ ان کو کچھ پتہ نہیں'

(ترجمہ) ہر آنے والے قافلہ سے حصین کا حال پوچھتی ہے اور پکی خبر جھینہ (مجھ کو) کو ہے'

وإجلالُ مَغناکَ اجتهادُ مُقصّرٍ اذا السیف اودی[1] فالعفاء[2] علی الجفنِ

(ترجمہ) تیرے گھر کی تعظیم کرنا (جبکہ تو اس میں نہیں ہے) فقط ایک بیچارگی کی کوشش ہے کیونکہ جب میان میں تلوار نہیں تو بھاڑ میں جائے میان، خالی میان کو کیا کریں،

لقد مسخت قلبی و فاتکَ طائراً فاقسم ان لا یستقرَّ علی وکنِ

(ترجمہ) تیری موت نے میرے دل کو ایک ایسی چڑیا کے قالب میں بدل دیا ہے جس نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ کبھی گھونسلے پر آرام سے نہیں بیٹھیگی (یعنی تمہارے مرنے کے بعد میرا جی کہیں لگتا ہی نہیں)

یُقضّی بقایا عیشہ وجناحُہ حثیثُ الدّواعی فی الاقامۃِ والظّعنِ

(ترجمہ) اب یہ چڑیا اپنی موت کے دن پورے کر رہی ہے، اڑنے اور بیٹھنے میں متردد اور متحیر ہے (اڑتی ہے تو بیٹھنے کو جی چاہتا ہے، بیٹھتی ہے تو اڑنے کو، غرض سفر و حضر دونوں میں اسکو بے چینی لاحق ہے)

کانّ دعاءَ الموتِ باسمک نکزۃٌ فرت جسدی والسمُّ ینفث فی اذنی

(ترجمہ) تیری موت کا بلاوا گویا ایک زہریلا ڈنگ تھا جس نے میرے جسم کو پھاڑ دیا اور گویا میرے کان میں زہر ڈال دیا،

تئنّ ونصبی فی انینک واجبٌ کما وجبَ[3] النّصبُ اعترافاً علی انّ

(ترجمہ) تو بیماری کی حالت میں کراہتا تھا اور تیرے کراہنے سے نصب (تکلیف) مجھے لازم ہو جاتی تھی۔ جیسے حرف انّ سے اس کے مدخول پر نصب لازم ہو جاتی ہے،

ضعفتَ عن الاصباح واللیلُ ذاہبٌ کما فنیَ المصباحُ فی آخر الوہنِ

(ترجمہ) تو اپنی زندگی کی آخری رات کو صبح تک نہیں پہنچا سکا (یعنی صبح ہونے سے پہلے چل بسا) حالانکہ

---

[1] لازم، بمعنی فقد ۱۲ [2] العفاء الہلاک ۱۲ [3] عربی میں اسم پر جب انّ آتا ہے تو اسم کو زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسے انّ زیداً قائمٌ، تئنّ اور انّ کے ایک مادہ ہونے اور لفظ نصب کے اشتراک نے اس شعر کے مضمون کو اچھا بنا دیا ہے ۱۲

رات ختم ہی ہونے والی تھی (پس تو اسطرح فنا ہوگیا) جیسے چراغ اخیر شب میں بجھ جاتا ہے '

وما اکثر المثنی علیک دیانۃ ۔ لو ان حماماً کان یثنیہ من یثنی

(ترجمہ) تیرے مخلص تعریف کرنے والے کتنے زیادہ ہیں! کاش تعریف سے موت کا منہ موڑا جاسکتا '

یوافیک من رب العلا الصدق بالرضا ۔ بشیراً و تلقاک الامانۃ بالامن

(ترجمہ) تیرا سچا معاملہ اللہ کا پسندیدہ ہوکر تیرے پاس خدا کے راضی ہونے کی بشارت لائیگا ۔ اور تیری امانت تجھے آفات سے بچالیگی '

ویکنی شہید المرء غیرک ھیبۃ ۔ ونقیاً وان یسأل شہیدک لا یکنی

(ترجمہ) قیامت کے دن شہادت دینے والا لوگوں کے خلاف شہادت دیتے وقت کچھ خوف کچھ رحم کی وجہ سے اشارہ اور کنایہ سے کام لیگا (کیونکہ لوگوں کے برے برے افعال کو صاف صاف کہتے بھی ذرا سے جھجک آئیگی) البتہ ایک تیرے شاہد کو کنایۃً بولنا نہیں پڑیگا (کیونکہ تیرا کوئی گناہ ہی نہیں) '

یصرح[1] بقول دونہ المسک نفحۃ ۔ وفعل کماء الجنان بلا اسن

(ترجمہ) تیرا شاہد تیرے اقوال کو (جو مشک سے بھی زیادہ خوشبو ہیں) اور تیرے افعال کو (جو بہشت کے پانی کی طرح صاف ہیں) کھلم کھلا بیان کریگا ۔

یدا یدات الحسنی وانفاس ربہا ۔ تقی ولسان لا تحرک باللسن

(ترجمہ) مرثی کے ہاتھ نے بڑی بڑی سخاوتیں کیں اور اسکی زبان اور گفتگو فحش اور لغویات سے بالکل پاک تھی '

فلیتک فی جفنی موارٰی نزاھۃ ۔ بتلک السجایا عن حشای وعن ضبنی

(ترجمہ) تجھ جیسے پسندیدہ خصائل کے لئے میرا اندرونِ بدل اور پہلو کوئی مناسب جگہ نہیں کاش کہ تیری گور میری آنکھوں میں ہوتی '

ولو حفروا فی درۃ ما رضیتھا ۔ لجسمک ابقاءً علیہ من الدفن

---

[1] یصرح شرط محذوف کی جزا ہے یعنی ان یسأل شہیدک من حالک یصرح الخ

(ترجمہ) اگر تیرے جسم کو لوگ ایک بڑے موتی کے اندر دفن کرنا چاہیں تو میں اس پر راضی نہیں کیونکہ تیرے جسم کو دفن سے بچانا چاہتا ہوں

ولو اودعوک الجو خفنا مصيفه ومنشاه وازداد الضنين من الغبن

(ترجمہ) تیری لاش کو اگر زمین اور آسمان کے درمیان (جو) میں ودیعت رکھا جائے تو بھی اوس میں بھی تکلیف کا اندیشہ ہے اور تیرے معاملے میں جو شخص بخیل ہے (یعنی خود شاعر) وہ اوس کو ناپسند کرنے لگتا ہے

فيا قبر واه من ترابك لين عليه و آه من جنادلك الخشن

(ترجمہ) اے قبر واہ واہ تیری مٹی پر جو مدفون کو نرم معلوم ہوتی ہوگی مگر آہ آہ تیرے سخت اور کھردرے پتھروں سے جو اس میت پر بوجھل ہو رہے ہیں

لانطبقت اطباق المحارة[1] فاحتفظ بلؤلؤة المجد الحقيقة بالخزن

(ترجمہ) اے قبر تو نے سیپ کی طرح اپنے پیٹ میں بزرگیوں کا ایک ایسا موتی رکھ لیا ہے جو حفاظت کے لائق ہے اسلئے اس کی حفاظت کر

فهل انت ان ناديت رمسک سامع من ابک المفجوع بل عبدک اللقن

(ترجمہ) میں جو تیرا غمگین بیٹا بلکہ عبد مبارک ہوں اگر تیری قبر پر آکر تجھے بلاؤں تو کیا تو جواب دیگا؟

سابکی اذا غنی ابن ورقاء بهجة وان کان ما يعنيه ضد الذی اعنی

(ترجمہ) جب کبھی قمری خوشی کو (؟) گانے لگیگی تو میں تو روہی پڑونگا - میری اور اسکی حالت میں اتنا فرق ہے اور وہ گاتی ہے میں روتا ہوں

ونادبة فی مسمعی کل قينة تغرد باللحن البرئ عن اللحن

(ترجمہ) ہر وہ گانے والی جسکا گانا غلطیوں سے پاک ہے میرے کانوں کیلئے ایک مرثیہ کرنیوالی ہے (کیونکہ میں اسکا گانا سن کر روتا ہوں)

واحمل فيک الحزن حيا فان امت والقاک لم اسلک طريقا الی الحزن

(ترجمہ) جبتک زندہ ہوں تیرا غم نہیں چھوڑیگا - ہاں اگر مر کر تم سے ملاقات کرلی تو پھر غم سے کوئی سروکار نہیں

وبعدک لايهوی الفؤاد مسرة وان خان فی وصل السرور فلا يهنی

(ترجمہ) تیرے بعد کسی خوشی کو میرا جی نہیں چاہتا اور اگر بالفرض میرے دل نے اس غم کی امانت میں خیانت کی (یعنی خوشی کرنے لگا) تو خدا کرے وہ خوشی اسکو مبارک نہ ہو

---

[1] المحارة الصدفة ۱۲

عربوں کی خوراک

(گذشتہ سے پیوستہ)

عربوں کی خوراک کے ضمن میں اس سے پیشتر (۱) دُودھ (۲) گوشت اور (۳) غلہ جات کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس حصۂ مضمون میں ان کی خوراک کے چند باقی ماندہ اجزاء کا بیان ہے۔

(۴) کھجُور

عربوں کی ایک مخصوص غذا کھجور بھی ہے۔ کھجور کے درخت کو نخل یا نخیل کہتے ہیں۔ سرزمین عرب میں جہاں کہیں زیر زمین پانی میسر آسکتا ہے وہاں نخلستان (Oasis) آباد ہو گئے ہیں۔ صرف یمن کا پہاڑی علاقہ ایسا ہے جو کھجور کے درخت کے لئے مناسب نہیں۔ گرم علاقوں میں یہ درخت خوب پھلتا پھولتا ہے[1] اور شور زمین جو بالعموم زراعت کے لئے ناموافق ہوتی ہے۔ اسکی افزائش میں حائل نہیں ہوتی۔ فلبی صاحب نے نجد کے علاقہ میں دیکھا کہ وہاں کے نخلستان شور پانی سے غذائیت حاصل کر رہے تھے کہ پانی کی نالیوں کے کنارے نمک کی تہ جمی ہوئی تھی۔ پانی کی کمیابی کے سبب سے یہ درخت صحرا میں خود رو پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف خاص خاص مقامات میں پایا جاتا ہے جہاں لوگ اسے ہر دم پانی سے سیراب کرتے رہتے ہیں۔

---

[1] جنوبی یورپ میں بحر روم کے کنارے کھجور کا درخت لگایا گیا ہے مگر کافی گرمی نہ ہونے سے وہاں پھل نہیں دیتا۔ صرف ہسپانیہ کا جنوب مشرقی ساحل ایسا ہے جہاں یہ درخت پھلتا پھولتا ہے۔

اہل حضر کا گزران زیادہ تر کھجور ہی پر ہے۔ صبح و شام کھانے کے ساتھ تھوڑی بہت کھجور ضرور کھاتے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے کھجور کی تعریف فرمائی ہے اور اکرموا عمتکم النخلہ کہہ کر اس کی عزت افزائی کی ہے۔ آپ نے کھجور تناول کرنے کے آداب بھی تلقین فرمائے ہیں اور کھجور کے ساتھ روزہ افطار کرنے کو باعث ثواب ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فلبی صاحب نے دیکھا کہ عنیزہ اور نجد کے دیگر مقامات میں لوگ ہر کھانے کو تبرکاً ایک دو کھجوروں کے ساتھ شروع کرتے ہیں *

بلحاظ خوراک کے کھجور میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ کھانے سے پہلے اسکو پکانے یا تیار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب پختہ ہو چکتی ہے تو بغیر کسی مزید تیاری کے کھانے کے لائق ہوتی ہے۔ اگرچہ قدرتی طور پر اس کا ذائقہ بحالت تازگی بہترین ہوتا ہے، تاہم اگر کچھ عرصہ پڑی رہے تو اسکی غذائیت میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ کھجور کئی ماہ تک جوں کی توں رہ سکتی ہے۔ نخلستانوں والے اپنی ضرورت سے زائد مقدار کو یا تو بدویوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں یا بیرونی ممالک کو بطور مال برآمد بھیجتے ہیں اور کثیر نفع حاصل کرتے ہیں *

عرب میں کھجور کی بے شمار اقسام ہیں۔ صرف مدینہ اور اسکے اطراف میں (۲۴۰) کے قریب قسمیں پائی جاتی ہیں۔ عربوں کے لئے کھجور کی اہمیت دیکھتے ہوئے یہ امر باعث تعجب نہیں کہ عربی زبان میں کھجور کے لئے تقریباً پانچسو الفاظ ہیں۔ مثلاً نشو و نمو کے دوران میں اسکی ہر حالت کے لئے ایک علحدہ نام ہے۔ ابتدائی حالت میں جب ابھی کچی ہوتی ہے اسے لون کہتے ہیں۔ درمیانی حالت میں بُسر اور جب بالکل پختہ ہو جاتی ہے تو اسے رُطَب کہتے ہیں *

فٹ

کھجور کا درخت ایک نہایت خوش منظر اور سجیلا درخت ہے جو ۶۰ - ۸۰

تک بلند ہوتا ہے - لق و دق بیابان میں جہاں کہیں اسکا جھنڈ کھڑا نظر آتا ہے - تو اسکی سرسبزی اور گھنی چھاؤں دیدہ و دل کے لئے بہت دلفریب اور طراوت بخش ثابت ہوتی ہے اور وہ بحیثیت مجموعی گرد و نواح کی سرزمین کے لئے باعث زینت ہوتا ہے - قرآن میں کھجور کے درخت کو نہ صرف اس دنیا کی نعمتوں میں شمار کیا گیا ہے (فانشانا لکم بہ جنّٰت من نخیل و اعناب ۲۳ : ۱۹) بلکہ جنت کے بیان اور وصف میں بھی اس کا ذکر آیا ہے (فیھا فاکھۃٌ والنخلُ ذات الاکمام ۵۵ : ۱۰ ؛ فیھا فاکھۃٌ ونخلٌ و رُمّان ۵۵ : ۶۸) ؛

(۵) گھی (سَمَن)

حکماء نے اپنے عام مشاہدہ کی بناء پر لکھا ہے کہ حرارت پیدا کرنے والی دُہنیات مثل گھی ، روغن اور ان کے علاوہ شکر سرد ملکوں کے باشندوں کی مرغوب اور معتاد علیہ غذائیں ہیں ، برخلاف اس کے گرم ملکوں کے لوگوں کی غذا زیادہ تر نباتات پر مشتمل ہوتی ہے - جن سے جسم انسانی میں زیادہ حرارت پیدا نہیں ہوتی - مگر عربوں کا طرز عمل اس مقولہ کے بالکل برعکس ہے کیونکہ باوجود اس امر کے کہ عرب ایک گرم ملک کے رہنے والے ہیں ، انہیں گھی کے ساتھ جسے سَمَن کہتے ہیں ، بہت رغبت ہے اور جب کبھی میسر آجائے تو حد سے زیادہ مقدار میں استعمال کرتے ہیں - برکہارٹ صاحب نے لکھا ہے کہ جس کسی کو میسر آئے وہ ایک پیالہ کے قریب گھی صبح نہار پی جاتا ہے اور ان کی غذا بعض اوقات گھی میں تیرتی دکھائی دیتی ہے - اس خلاف قیاس بات کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ ان کی غذا ۔۔۔ کے لحاظ سے ناکافی اور ناقص ہوتی ہے لہٰذا اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ان میں طبعی طور سے گھی اور گھی سے تیار شدہ اشیاء کی غیر معمولی خواہش پیدا ہوگئی ہے - کیونکہ یہ ایک

مسلّمہ بات ہے کہ گھی ایک نہایت عمدہ مقوی غذا ہے اور اس میں جسمانی طاقت کو بحال رکھنے کی خاصیت بدرجہ اتم موجود ہے۔

(۹) قہوہ

اہل عرب کی خوراک کے بیان میں قہوہ کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، نہ صرف اس لحاظ سے کہ قہوہ (Coffee) خاص علاقہ یمن کی ایک نہایت اہم اور مخصوص پیداوار ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ صحرا و امصار میں ہر جگہ حضری اور بدوی لوگوں کی مجلسی زندگی اور انکی گرمیٔ محفل بہت حد تک قہوہ نوشی کی مرہون منت ہے۔

یمن میں قہوہ کے درخت کی کاشت اور قہوہ نوشی کے رواج پر زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ قدیم مصنّفوں نے ملک عرب کی پیداوار میں کہیں اسکا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی وہاں کی اشیاء تجارت میں اس کا شمار آیا ہے۔ عربی کتابوں میں پندرھویں صدی سے قہوہ کا ذکر شروع ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ کے قریب قہوہ کا درخت حبشہ سے یمن میں منتقل ہوا۔ کیونکہ وہاں یہ درخت کثرت سے خود رو پیدا ہوتا ہے۔ یمن میں اسکی رواج پذیری کے متعلق تفصیلات موجود نہیں، مثلاً قہوہ کا درخت کون لایا اور کب لایا، یہ باتیں محقق طور معلوم نہیں۔ بہرحال اس پودے کو یمن کی آب و ہوا خوب راس آئی ہے اور اب کئی صدیوں سے اسکی وہاں خوب کاشت ہوتی ہے اور باقی اقطاع عالم میں اسکی کاشت اور پینے کا رواج یہیں سے پھیلا ہے۔

قہوہ نوشی کے رواج نے زمانۂ حال کے عربوں کی معاشرتی زندگی میں خاص عادات و رسوم پیدا کردی ہیں۔ کوئی مجلس یا ضیافت اس وقت

تک مکمل نہیں سمجھی جاتی جب تک کہ اس میں قہوہ کا دَور نہ چلے - جب کوئی شخص ملاقات کے لئے آتا ہے تو سب سے پہلے اسکی قہوہ سے تواضع کی جاتی ہے - مکہ اور مدینہ جیسے بڑے شہروں میں جو مرجع خلائق ہیں، قہوہ خانے لوگوں کی زندگی کا ایک لازمی جزو ہیں اور ان کے باہمی میل جول کے لئے بطور مرکز کے کام دیتے ہیں، اس کے مقابلہ میں بادیہ میں شیخ قبیلہ کا خیمہ معاشرت کا مرکز ہوتا ہے، جہاں اہل قبیلہ کی قہوہ سے تواضع ہوتی ہے،

مرد اور عورتیں سبھی قہوہ کی بیحد شائق ہیں، صحرا میں شاید ہی کوئی غریب خیمہ ہو جس میں قہوہ (کے دانے جنکو بُن کہتے ہیں) پیسنے کے لئے ہاون و دستہ اور پینے کے چند پیالے موجود نہ ہوں - عام طور پر قہوہ بغیر دودھ اور شکر کے پیتے ہیں، ہاں جب یہ چیزیں میسّر آجائیں تو بہت رغبت سے استعمال میں آتی ہیں +

قہوہ کے بیان میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس طرح جاہلی اور اسلامی عہد کے شعراء نے شراب کی تعریف میں خوب داد سخن دی ہے اسی طرح قہوہ کی توصیف میں بھی شاعروں نے قصیدے لکھے ہیں - مُوسِل صاحب نے اپنی ایک تصنیف میں اسی قسم کے تین قصیدے نقل کئے ہیں - جو قبیلہ رویلہ کے ہاں مشہور ہیں - اس کے علاوہ دیگر مصادر سے بھی اس قسم کے قصیدوں کا پتہ چلتا ہے +

(۷) خشک کردہ غذائیں

بدویوں کو بالخصوص غذاؤں کو خشک کر کے محفوظ کرنے کی ضرورت دو سبب سے پیش آتی ہے - اول تو سال کے بعض حصوں میں انہیں تازہ دودھ

کافی مقدار میں میسر نہیں آتا۔ دوسرے انہیں اکثر سفر درپیش رہتا ہے، خشک اشیاء کا ساتھ رکھنا آسان ہوتا ہے۔ دو بڑی اشیاء جن کو خشک کرتے ہیں، دودھ اور گوشت ہیں +

افراط کے زمانہ میں جب دودھ سے مکھن علحدہ کر لیتے ہیں تو باقی ماندہ دودھ کو آگ پر اُبالتے ہیں۔ جب پانی ذرا خشک ہوجاتا ہے تو تھوڑا سا آٹا ڈالتے ہیں، جس سے دودھ گاڑھا ہو کر جلد ٹھوس صورت اختیار کر لیتا ہے جس سے چھوٹے چھوٹے گولے سے بنا لیتے ہیں، بعض اوقات جیسا کہ قصیم کے علاقہ میں رواج ہے، خشک دودھ کو سفوف کی صورت بنا لیتے ہیں۔ اس قسم کا خشک دودھ ایک سال تک قائم رہ سکتا ہے۔ ہاں جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے اور زیادہ خشک اور سخت ہوتا جاتا ہے۔ ضرورت کے وقت اسی کو پانی میں گھول کر پیتے ہیں۔ مختلف علاقوں میں اس قسم کے خشک دودھ کے مختلف نام ہیں۔ ڈاوٹی صاحب نے اس کا عام نام مریسہ لکھا ہے۔ بعض سیاحوں نے اس قسم کے دودھ کو پنیر کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ مگر ناظرین مندرجہ بالا کیفیت سے خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اسکو پنیر کہنا کہاں تک درست ہے۔

دوسری خوراک جسکو سکھا کر محفوظ کیا جاتا ہے گوشت ہے۔ اس کے لمبے لمبے ٹکڑے کاٹتے ہیں اور دھوپ میں سکھا لیتے ہیں، عرب کی جھلس دینے والی دھوپ اسکو خشک کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ ہوا چونکہ بالعموم نہ صرف گرم ہوتی ہے، بلکہ خشک بھی اس لئے اس قسم کا گوشت کئی ماہ تک گلنے یا سڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔ اس قسم کے گوشت کو قدید کہتے ہیں اور مسافر لوگ اسے بالخصوص کام میں لاتے ہیں۔

خشک کردہ مکڑی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے،

عام ملاحظات

اب جبکہ عربوں کی غذا کا اختصار کے ساتھ بیان ہو چکا، چند ایک عام ملاحظات اس موضوع کے متعلق شاید بے محل نہ ہونگے۔

سب سے پہلے یہ بات قابل لحاظ ہے کہ عربوں اور خصوصاً بدویوں کی خوراک بالعموم مقدار میں قلیل ہوتی ہے۔ ابن خلدون نے ان جسمانی اور روحانی فوائد کے بیان میں جو اہل بادیہ کو قلت غذا سے حاصل ہوتے ہیں، بڑا زور بلاغت خرچ کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس امر کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اہل بادیہ کی کم خوری بالاختیار نہیں بلکہ ذرائع معاش کی قلت کی وجہ سے ایک امر مجبوری ہے۔ خوراک کے بارے میں اہل بادیہ جس چیز پر تکیہ کر سکتے ہیں، وہ ان کے پالتو جانوروں کا دودھ اور گوشت ہے، مگر یہ ذرائع معاش بھی محدود ہیں۔ دودھ کی مقدار ہر موسم میں یکساں نہیں رہتی۔ گرما میں جانوروں کا دودھ بہت کم ہو جاتا ہے۔ باقی رہا گوشت، اسکی خاطر بھی اپنے جانوروں کو ہر روز ذبح نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جانور انکا راس المال ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غریب بدویوں کو جب کبھی مکڑی، ضب یا دیگر جنگلی جانور مل جائیں تو ان کے کھانے سے احتراز نہیں کرتے۔ صرف ربیع میں انہیں پینے کو کافی دُودھ میسّر آجاتا ہے۔ باقی موسموں میں انکی معاش بے ثبات ہوتی ہے اور انہیں اکثر قحط کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

روَیلہ شمال عرب میں شام کی سرحد کے متصل ایک طاقتور قبیلہ ہے، موسل صاحب لکھتے ہیں کہ قبیلہ رویلہ کے لوگ دن بھر میں صرف دو دفعہ کھاتے ہیں ایک تو دوپہر سے ذرا پہلے جسکو غدا کہتے ہیں۔ اس موقعہ پر یا تو وہ دودھ پیتے ہیں۔ یا روٹی کا ٹکڑا جو رات کے کھانے سے بچ رہا ہو۔ تازہ روٹی صرف کسی

معززہ مہمان کے آنے پر پکتی ہے۔ انکا بڑا کھانا شام کا کھانا ہے۔ جسکو وہ عشاء کہتے ہیں۔ تمام اہل قبیلہ بھوک سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اگر ایک روٹی روٹی کا ٹکڑا پانی میں بھگو کر کھا سکے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا! کوئی شخص ناشتہ سے واقف نہیں۔ ان کا ناشتہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کسی نے نمک چکھ لیا' یا باسی روٹی کا لقمہ منہ میں ڈال لیا یا تھوڑا سا دودھ پی لیا۔ کبھی رات کو ایک پیالہ دودھ پر گزران کرتے ہیں جسے غبوق کہتے ہیں۔ یہ رویہ جیسے طاقتور قبیلہ کی کیفیت ہے جنکے پاس ہزاروں اونٹ ہیں' اور مرفہ الحال خیال کئے جاتے ہیں اور جنکو شام کے متصل ہونے کی وجہ سے باہر کی منڈیوں تک رسائی حاصل ہے۔

اہل بادیہ کی تنگیٔ معاش اور عسرت اس حکایت سے خوب واضح ہوتی ہے' جو ڈاؤٹی نے اپنے سفرنامہ (جلد اول ص ۴۳۸) میں لکھی ہے۔ بدویوں نے اس سے پوچھا کہ عیسائیوں کا روزہ کیسا ہوتا ہے۔ کیا وہ تمام دن کھانے پینے سے رکے رہتے ہیں۔ ڈاؤٹی نے جواب دیا کہ نہیں' انکا روزہ اسطرح کا نہیں' بلکہ وہ صرف گوشت سے پرہیز کرتے ہیں' یا بعض لوگ دودھ اور انڈوں سے بھی جو حیوانات سے حاصل ہوتے ہیں۔ روزہ کی حالت میں صرف نباتات مثل روٹی' ترکاری' زیتون وغیرہ کھاتے ہیں۔ نیز حالت صوم میں جس وقت چاہیں کھا سکتے ہیں۔ جب بدویں نے یہ سنا تو ہنسے اور بڑے تعجب سے بولے کہ واہ خوب! یہ آپ کا روزہ ٹھہرا کاشکے خدا ہمیں اس قسم کا روزہ رکھنا ہر روز نصیب کرے!!

عنایت اللہ

شیخ گدائی کنبوہ

گدائی کا خاندان

یہ امر چنداں محتاج بیان نہیں کہ ہندی نژاد کنبوہ خاندان کے کئی افراد اپنی خداداد قابلیت اور ذاتی کمالات کے باعث تصوف اور علم و ادب کے آسمان پر چاند بنکر چمکے اور شاہان وقت اور امراء ہمعصر سے خراج تحسین وصول کر کے ہمیشہ ان کے منظور نظر رہے۔ گو اس مختصر مضمون سے ہمارا مقصد صرف گدائی کے حالات و واقعات پیش کرنا ہے لیکن ضمناً اس کے علم دوست خاندان کے ایسے دو چار اور افراد کا بھی نام لیا جا سکتا ہے جو اپنی علمی خدمات اور ادبی کارناموں کی بنا پر اچھی خاصی شہرت کے مالک ہیں مثلاً شیخ سماء الدین، ملا جمالی، محمد صالح کنبوہ جنہیں اپنی روحانی جاذبیت اور علمی کمالات کے باعث سکندر لودھی، ابراہیم لودھی، بابر، ہمایوں اور شاہجہان جیسے جلیل القدر بادشاہوں کا شرف تقرب حاصل رہا۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم نفس موضوع یعنی شیخ گدائی کی طرف رجوع کرتے ہیں:

مواد کی قلت

ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ باوجود اسقدر تلاش و تفتیش کے ہمیں شیخ گدائی کے حالات بہت کم دستیاب ہوئے ہیں اور جو کچھ حاصل ہوئے ہیں وہ بھی صرف انہیں کتب سیرۃ سے جو تماماً یا جزءاً شاہان مغلیہ کے امراء و وزراء کے حالات پر مشتمل ہیں۔ دوسرے مستند تذکرے جن میں صوفیائے کرام اور شعرائے نامدار کے حالات مندرج

ہیں جہانتک ہمیں علم ہے۔ اخبار الاخیار[۵] اور مجمع النفائس[۴] کے علاوہ کسی اور تذکرہ میں شیخ کے حالات نہیں ملتے۔ اس بات سے گمان ہوتا ہے کہ شیخ اپنی انشا پردازی یا شعرگوئی کی بجائے امارت کے لئے کہیں زیادہ مشہور تھا۔ دوسرے جب شیخ کی عدم موجودگی کلام پر غور کیا جاتا ہے تو ہمارا یہی ظن تمتی طور یقین کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے،

گدائی کے حالات

گدائی شیخ جمالی[۱] کا فرزند ارجمند تھا۔ سن پیدائش کہیں نہیں ملتا۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ وہ ۹۲۳ھ سے قبل پیدا ہوا اور ۹۷۶ھ میں بمقام دہلی وفات پائی۔ شیخ درگاہ ایزدی سے طبع موزوں لایا تھا چنانچہ خداداد ذہانت کے باعث اسنے علوم رسمی اور کمالات معنوی کما حقہ تحصیل کئے۔ چونکہ قومیت کے اعتبار سے ہندی نژاد واقع ہوا تھا۔ اس لئے ہندوستانی زبان پر پوری پوری قدرت رکھتا تھا چنانچہ اس میں شعر کہتا اور پڑھتا تھا،

خان آرزو[۳] شیخ کے متعلق لکھتے ہیں کہ گدائی ابراہیم لودھی کا صدر الصدور تھا اور نیز بابر اور ہمایوں کے عہد حکومت میں بھی اسی قسم کے عہدوں پر متعین رہا۔

گدائی کا گجرات جانا

اخبار الاخیار[۵] میں لکھا ہے کہ گدائی ہمایوں کے ملازمان خاص میں شمار ہوتا تھا

---

[۱] مطبوعہ مطبع احمدی ص۲۶۳ [۲] قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص۱۳۱ [۳] مآثر الامراء جلد دوم ص۵۳۹، منتخب التواریخ جلد سوم ص۷۶، اخبار الاخیار ص۲۶۱،
[۴] مجمع النفائس قلمی ۱۲۱، [۵] ص۲۶۳

اور ہمایوں کے ساتھ خاص لگاؤ اور وابستگی رکھنے کے باعث وہ شیرشاہ کے غلبہ اور سریر سلطنت پر قابض ہونے کے دوران میں صوبہ گجرات کو چلا گیا تھا۔ اخبار الاخیار کے علاوہ بعض اور کتابوں میں بھی واضح طور پر مذکور ہے کہ کم از کم گدائی شیرشاہ کے غلبہ کے دوران میں محمود شاہ متوفی سنہ ۹۶۱ھ[1] کے دورِ حکومت میں گجرات میں تھا۔ چنانچہ سنہ ۹۴۷ھ[2] میں جب بیرم خاں شیرشاہ کی خونخوار افواج کی تاب مقاومت نہ لاکر قنوج سے جان بچاکر راجہ مترسین کے پاس پناہ لینے، شیرشاہ کے سپرد کئے جانے اور اسکے پنجہ سے نکل بھاگنے کے بعد گجرات پہنچا تو گدائی اسکے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آیا اور مہمانداری اور مروت کے تمام لوازمات سرانجام دیے۔

اخبار الاخیار کے بیانات سے ظاہر ہے کہ گدائی کو گجرات میں زیادہ عرصہ رہنا نصیب نہ ہوا۔ وہاں سے وہ مع اہل و عیال فریضہ حج کی ادائیگی کے ارادہ سے حرمین شریفین کو چلا گیا۔

---

[1] اتفاق دیکھئے کہ اسی سال سلیم شاہ بن شیرشاہ اور نظام الدین بحری حاکم احمد نگر بھی رہگرای عالم جاودانی ہوئے۔ فرشتہ کے والد مولانا غلام علی ہندو شاہ نے ذیل کے قطعہ میں ان کی تاریخ وفات قلمبند کی ہے

سہ خسرو را زوال آمد بیکبار	کہ ہند از عدل شان دارالامان بود
یکے محمود شاہ سلطان گجرات	کہ ہمچو دولت خود نوجوان بود
دگر اسلام خان سلطان دہلی	کہ اندر عہد خود صاحب قران بود
سیم آمد نظام الملک بحری	کہ در ملک دکن خسرو نشان بود
ز تاریخ وفات این سہ خسرو	چہ مے پرسی زوال خسروان بود

(فرشتہ نولکشور جلد دوم صفحہ ۲۲۸)

[2] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۳۷۳

گدائی کا دہلی واپس آنا

جب بیرم خان نے ہندوستان کی سرزمین کو از سر نو تسخیر کر کے خاندان مغلیہ کی کھوئی ہوئی سلطنت اور پامال شدہ اقتدار کو دوبارہ زندہ کیا اور ۹۶۳ھ میں شاہزادہ اکبر کی تخت نشینی کے بعد سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی تو شیخ گدائی نے گجرات کو خیر باد کہہ کر دہلی کا رُخ کیا - بیرم خاں کی وساطت سے دربار شاہی سے صدارت کا عالیشان عہدہ عطا ہوا -

بیرم خان پر گدائی کا اثر

بیرم خان بہت بڑی حد تک شیخ کے زیر اثر تھا چنانچہ مآثر الامرا منتخب التواریخ اور اکبر نامہ کو اس امر میں پورا پورا اتفاق ہے کہ شیخ کو بیرم خان کے مزاج میں کافی دخل تھا - چنانچہ وہ تمام سیاہ وسفید کا مالک تھا اور کوئی ملکی یا مالی معاملہ اس کے مشورہ کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا تھا - اگرچہ دربار شاہی سے اسے محض صدارت کا منصب ہی ملا تھا لیکن مناشیر پر متواتر اسی کی مہر ثبت ہوتی تھی - علاوہ ازیں اسے رسم تسلیم سے معافی تھی اور شاہی محافل میں اسے سادات صحیح النسب اور علمائے جلیل الحسب پر ترجیح اور فوقیت دی جاتی تھی - شیخ کی شان وشوکت اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ وہ بادشاہِ وقت کے ساتھ بحالت سواری مصافحہ کر سکتا تھا -

اکبر شیخ کی ان تمام مراعات کو از حد ناپسند کرتا تھا اور اسے یقین تھا کہ بیرم خاں کی برگشتگی اور بغاوت کا سبب عظیم گدائی کی ذات تھی - چنانچہ وہ اپنے فرمان میں بیرم خان کو لکھتا ہے :-

---

[۱] مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۵۳۹ ؛

اکبر کا فرمان

خان خانان بداند کہ [چون او پروردۂ نعمت و تربیت کردۂ عنایت وعاطفت
این دودمان عالیشان است و عقوق خدمات شائستہ او درین درگاہ ثابت وحضرت
پادشاہ جنت دستگاہ ... بواسطہ صدق نیت واخلاصے ... امر عظیم القدر اتالیقی ما
را باو تفویض فرمودہ بودند] بعد از آنکہ (آنحضرت از تنگنائے جہان فانی بقضائے
عالم جاودانی رحلت فرمودند ...) ما نیز ... زمام حل وعقد و رتق وفتق امور را
چنان بقبضہ اختیار او گذاشتہ بودیم کہ مزیدے بران متصور نتوان بود چنانچہ از نیک
وبد ہرچہ خواست و ارادہ کرد بعمل آورد تا آنکہ درین پنج سال چندین امور ناشائستہ
ازو بظہور آمد کہ سبب نفور خاطر جمہور بود مثل تربیت شیخ گدائی کہ باوجود دعوی
آن ہمہ زیرکی و دانائی از میان این ہمہ مردم فاضل و قابل باحسب ونسب او را بمصاحبت
وآشنائی خود انتخاب نمود وبا آنکہ (متعہد منصب صدارت شدہ بود و در ظہر مناشیر
مہرے کرد) او را از تسلیم معاف داشتہ بود و بکمال جہل ونادانی در محافل جنت
مماثل او را بر جمیع سادات صحیح النسب و علمائے جلیل الحسب (کہ بنا بر ملاحظۂ عظمت
شان و حالت مراسم احترام و تعظیم بجائے مے آوردیم) تقدیم دادہ باوجود لاف محبت
و دوستداری (کہ بخاندان طیبین وطاہرین میزند) مذلت وخواری این فرقۂ شریفہ
را عمداً تجویز می نمود و تربیت کردہ خود را (کہ مردود دلہا ومطرود نظرہاست) ،
برین طائفہ (کہ تربیت الٰہی دارند) ترجیح دادہ از ارواح مقدسہ این ہمہ بزرگان
ہیچگونہ شرم و آزرم نداشت و او را بمرتبہ رسانیدہ بود کہ سوارہ پیش آمدہ بما معانقہ
مے نمود ..... الخ

(اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۰۶)

شیخ کی بیرم خاں سے علیحدگی

مندرجہ بالا فرمان بیرم خان کی اس عرض گذاشت کا جواب ہے جو اسنے بیکانیر سے اکبر کو بھیجی تھی۔ اسی فرمان میں اختتام کے قریب یہ بھی لکھا ہے کہ بیرم خاں سے امیر و مشیر برابر اسکا ساتھ چھوڑتے جاتے تھے'

منتخب التواریخ وغیرہ نے گدائی کے بیرم خاں سے جدا ہونے کے واقعہ کو بھی بیان کیا ہے۔ لیکن مقام جدائی اور گدائی کی مابعد کی زندگی کے متعلق انکے درمیان کافی اختلاف ہے۔ چنانچہ منتخب میں لکھا ہے کہ گدائی نے بیکانیر میں بیرم خان سے علیحدگی اختیار کر کے درگاہ معلی کا رخ کیا اور دہلی پہنچکر تا زیست عزت و آرام سے رہا۔ نیز وہ مشائخ دہلی کے عرسوں میں شریک ہوتا اور مجالس کو کر وفر کے ساتھ ترتیب دیتا۔ لیکن اسکے برعکس مصنف مآثر الامرا کا بیان ہے کہ بیرم خان کے زمانہ ادبار میں گدائی اس سے میوات میں جدا ہوکر واپس دہلی لوٹا۔ گو بادشاہ نوازش سے پیش آتا تھا۔ لیکن اب وہ پرانی شان و شوکت اور جاہ و جلال کہاں۔ اخبار الاخیار کا بیان ہے کہ ۹۶۸ھ میں بیرم خاں کی شہادت کے بعد گدائی نے جیسلمیر کے پہاڑ و دیہات میں سکونت اختیار کی اور مدت تک وہاں رہا۔ آخر الامر دہلی کو مراجعت کی اور سرکار والا کی جانب سے شہر میں جاے رہائش اور خاص رقم براے معاش مقرر ہوئی۔ شیخ نے زندگی کے باقی ماندہ ایام وہیں فراغت اور آسائش سے گزارے'

گو تاریخی شہادت کی عدم موجودگی کے باعث ہم بیرم خاں اور شیخ گدائی کے مقام علیحدگی کی قطعی تعیین نہیں کر سکتے۔ تاہم اتنا وثوق سے لکھا جا سکتا ہے کہ ۹۶۷ھ میں گدائی بیرم خاں کی معیت میں بیکانیر اور میوات گیا' وہاں سے اسی سال واپس دہلی لوٹا اور بیرم خاں کی شہادت کے بعد ۹۶۸ھ میں کوہستان

جیسلمیر میں اقامت اختیار کی جہاں وہ مدت تک رہا - آخر کار دہلی کا رخ کیا اور وہیں ۹۷۶ھ میں رہگرای عالم جاودانی ہوا '

حیاتی برادر گدائی

کم از کم[1] مولانا جمالی کا ایک اور لڑکا بھی تھا جس کا نام عبدالحی اور تخلص حیاتی تھا - وہ عمر میں گدائی سے چھوٹا تھا اور ایک عالم فاضل انسان ہونے کے علاوہ شعر بھی کہا کرتا تھا - اسکا گھر علما و فضلا کا مرجع بنا رہتا تھا چنانچہ " در زمان افغانان ہر کہ از جنس طالب علم یا شاعر یا قلندر از ولایت باین جانب می افتاد ' در منزل اومے بود " ۹۲۳ھ میں پیدا ہوا اور ۹۵۴ھ میں وفات پائی - تاریخ وفات اس شعر سے برآمد ہوتی ہے :

گفت تاریخ من بود نامم　　　بندہ وقتیکہ درمیان نبود

گدائی کی شاعری

کلام کی عدم موجودگی کے باعث گدائی کی شاعری کے متعلق کسی قسم کی راے قائم نہیں کی جاسکتی - بداؤنی نے میر علاء الدولہ کے تذکرہ سے مندرجہ ذیل اشعار نقل کئے ہیں لیکن ساتھ ہی انکی صحت کے متعلق شکوک کا اظہار بھی کیا ہے '

گہے[2] جان منزل غم شد گہے دل　　　غمت را می برم منزم (منزل) بمنزل

مشو غافل ز حال دردمندے　　　کہ از حال تو یکدم نیست غافل

بجان دادن اگر آسان شدے کار　　　نبودے عاشقان را کار مشکل

گدائی جان بنا کامی بر آمد　　　نشد کامم ز لعل یار حاصل

(بداؤنی جلد سوم صہ ۷۶)

[1] اخبار الاخیار صہ ۲۹۳ '

ہاں اتنا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ گدائی کو شعرای متقدمین سے خاص لگاؤ تھا چنانچہ امیر خسرو کے دیوان کا ایک قدیم نسخہ جس پر گدائی کی مہر ثبت ہے اور جسکا ہم اورینٹل کالج میگزین بابت مئی ۱۹۳۳ء میں ذکر کر چکے ہیں، پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے +

یٰسین خان نیازی

المہالبہ

فرزدق کے اشعار میں

(سلسلہ کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۴ء)

بوشے ۱۹۲۰ ص ۲۱۱

حجاج بن یوسف نے ۸۵ھ میں یزید بن المہلب کو خراسان کا گورنر مقرر کرنے کے بعد معزول کر دیا کیونکہ وہ اس سے سخت خائف تھا (دیکھو ص ۵۳ اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۳۴ء) اور اس کی بجائے قتیبہ بن مسلم الباہلی کو مقرر کیا۔ اسوقت فرزدق نے کہا :-

(۱) بَكَتْ جَزَعًا مَرْوَا خُرَاسَانَ إِذْ رَأَتْ   بِهَا بَاهِلِيًّا بَعْدَ آلِ الْمُهَلَّبِ

(ترجمہ) خراسان کے دونوں مرو بڑی جزع و فزع سے روئے جب کہ انہوں نے آل مہلب کے بعد ایک باہلی کو وہاں دیکھا)

مروان: دو مرو یعنی مرو الروذ اور مرو الشاهجان ایک دوسرے سے پانچ دن کی راہ پر تھا - اول الذکر ایک دریا کے کنارے پر واقع تھا جسکو الرود کہتے

تھے اور اسی نسبت سے شہر کو مرو (الروذ) کہا جاتا تھا' مرو الشاھجان اول الذکر سے بڑا ہے اور خراسان کے مشہور ترین شہروں میں سے ہے (معجم البلدان ۴: ص۵۰۶ '۵۰۷)

(۲) تَبَدَّلَتِ الضَّرْبَ الْقِصَارَ أُنُوفُهَا — بِكُلِّ فَتًى يَرْتَدِي السَّيْفَ مُشْعَبِ

(ترجمہ) ان بستیوں نے ایک مضبوط تر سانڈھ کے بدلے' جو تلوار پہنا کرتا ہے' ہلکے پھلکے - چھوٹے ناک والے (آدمیوں) کو لے لیا'

(۳) أَغَرَّ كَأَنَّ الْبَدْرَ تَحْتَ ثِيَابِهِ — كَرِيمٍ إِلَى الْأُمِّ الْكَرِيمَةِ وَالْأَبِ

(ترجمہ) (ایسے شخص کے بدلے جو) سفید پیشانی والا (ہے) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماہ چاردہ اسکے کپڑوں کے نیچے ہے' (خود) کریم ہے (اور) کریم ماں باپ کی طرف منسوب ہے'

(۴) فَأَصْبَحَ رَدَّ اللّٰهُ زَيْنَ قُصُورِهَا — إِلَيْهَا وَرَوْحَ الْمُسْتَغِيثِ الْمُثَوِّبِ

(ترجمہ) وہ (یزید) رخصت ہوا۔ خدا اس کے محلات کی زینت ان (محلات) کو دوبارہ بخشے اور بار بار فریاد کرنے والے فریادی کی خوشی بھی اسے دوبارہ نصیب کرے'

(۵) فَوَارِسُ ضَرَّابُونَ وَالْخَيْلُ يَلْتَقِي — عَلَيْهَا عَبِيطُ الثَّائِرِ الْمُتَلَعِّبِ

(ترجمہ) وہ (آل مہلب) شمشیر زن سوار ہیں اس حال میں جبکہ گھوڑے مقابلہ کے لئے ملتے ہیں' جن پر غضبناک قصاص لینے والے کا تازہ خون ہے'

(۶) إِذَا جَلَسُوا زَانَ النَّدِيَّ جُلُوسُهُمْ — وَلَيْسُوا بِفُحَّاشٍ عَلَى النَّاسِ أَكْلُبِ

(ترجمہ) جب وہ بیٹھتے ہیں تو ان کا بیٹھنا مجلس کو زینت دیتا ہے' وہ بیہودہ گو نہیں ہیں (اور نہ) لوگوں کے ساتھ کتے (جیسا سلوک ہی کرتے) ہیں'

بوشے

۲۱۲ یزید بن مہلب کے متعلق شاعر کہتا ہے:

۱ - أَبَا خَالِدٍ بَادَتْ خُرَاسَانُ بَعْدَكُمْ — وَقَالَ ذَوُو الْحَاجَاتِ أَيْنَ يَزِيدُ

(ترجمہ) اے ابو خالد! تمہارے بعد خراسان تباہ ہوگیا اور حاجتمندوں نے کہا "یزید کہاں ہے"؟

[وصاح بجائے وقال وفیات ۲: ص۲۶۵]

(۲) فَلَا مُطِرَ المَرْوَانِ بَعْدَکَ قَطْرَۃٌ　　وَلَا ابتَلّ بِالمَرْوَیْنِ بَعْدَکَ عُوْدُ

(ترجمہ) سو تیرے بعد کاش ہر دو مرو بارش سے محروم رہیں اور ان میں تیرے بعد کوئی لکڑی سرسبز نہ ہو

[مطرۃ بجائے قطرۃ اور اخضر بجائے ابتلّ وفیات ۲ : ۴۱۵]

(۳) فَمَا لِسَرِیْرِ المُلْکِ بَعْدَکَ بَہْجَۃٌ　　وَلَا لِجَوادٍ بَعْدَ جُوْدِکَ جُوْدُ

(ترجمہ) پس تیرے بعد تخت حکومت کے لئے کوئی رونق باقی نہیں اور نہ کسی سخی کے لئے تیری سخاوت کے بعد سخاوت ہی ہے'

تیسرا شعر ابن خلکان نے دیا ہے لیکن دیوانِ فرزدق میں نہیں ملتا'

عنہ ۵۵ فرزدق ایک ازدی سے ملا جب کہ یزید بن المہلب عراق کا حکمران تھا۔ اس ازدی نے فرزدق سے پوچھا کہ کیا یہ شعر تو نے کہا ہے :

وَلَا عِزَّ اِلَّا عِزُّنَا قَاہِرٌ لَہٗ　　وَیَسْئلُنَا النِّصْفَ الذَّلِیْلُ فَیُنْصَفُ

سو اب تم دیکھ لو کہ یزید (جو ازدی ہے)، منبر پر تقریر کر رہا ہے اور تیرے لوگ لوگوں میں سے رذیل ترین ہیں۔ فرزدق نے جواب دیا کہ وہ (یزید) تو ہمارے صاحب صالح بن عبد الرحمٰن کا محض ایک پہرہ دار ہے اسوقت صالح عراق کا عامل تھا اور یزید وہاں کا گورنر تھا...... سو فرزدق نے کہا :-

(۱) سَتَمْنَعُ عَبْدُ اللہِ ظُلْمِیْ وَنَہْشَلُ　　وَضَبَّۃُ بِالبِیْضِ الحَدِیْثِ صِقَالُہَا

(ترجمہ) جلدہی (بنو) عبد اللہ (بنو) نہشل اور ضبہ مجھ سے ظلم کو تازہ صیقل شدہ تلوار سے روکیں گے'

عبد اللہ و نہشل (ہما) ابناد ادم عربی حاشیہ

فرزدق دارمی تھا (نقائض ص ۱۲۷) اسکی ماں ضبہ میں سے تھی (نقائض ص ۱۸۸)

(حاشیہ ص ۹۸) لہ ابن خلکان رقمطراز ہے :

" ابن عساکر کے نزدیک یہ اشعار اخطل کے ہیں۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ ان کا قائل فرزدق ہے۔ میں نے بذات خود یہ اشعار زیاد الاعجم کے دیوان میں دیکھے" وفیات ۲ : ۴۱۵'

وَمَلْمُومَةٍ فِيهَا الحَدِيدُ كَثِيفَةٍ　　إِذَا مَا ازْدَحَمَتْ بِالمَنَايَا طِلَاعُهَا

(ترجمہ) اور ایک کثیف فوج سے بھی، جس میں اسلحہ ہوں۔ ایسے وقت میں جبکہ اس کے سپاہی دشمن کی طرف موت کے ساتھ یک دفعہ جا پڑیں گے'

(۳) هُنَالِكَ لَوْ رَامَ ابْنُ دُخْمَةَ ظُلْمَنَا　　رَأَى لَامِعَاتِ المَوْتِ يَبْرُقُ خَالُهَا

(ترجمہ) اگر ایسی جگہ پر ابن دخمہ ہم پر ظلم کا ارادہ کرتا تو وہ موت کی ایسی روشنیوں کو دیکھتا جن کے بادل چمک رہے ہیں'

الخالُ ھٰھنا السحاب

(۴) رَأَيْتَ تَمِيماً وَالسُّيُوفُ عِصِيُّهُمْ　　إِذَا زَحَفَتْ نَحْوَ المَنَايَا رِجَالُهَا

(ترجمہ) جس وقت تمیم کے آدمی موت کی طرف چل پڑتے ہیں اس وقت تو تو انہیں اس حالت میں دیکھیگا کہ ان کی تلواریں انکی لاٹھیاں ہیں (یعنی تمیم بڑے بہادر اور ہوشیار ہیں)

(۵) فَلَا تَحْسَبَنَّ لِلْعَدُوِّ وَمَنْ بَغَى　　ظُلَامَتَنَا شَحْماً يَذُوبُ إِهَالُهَا

(ترجمہ) دشمن اور جو ہم پر جور کا ارادہ کرے ان کے مقابلہ میں ہمیں پگھل جانے والی چربی ہرگز نہ سمجھنا

یزید بن مہلب نے جرجان (کو فتح کرنے کے بعد وہاں) سے [ابی[1]] عیینہ بن مہلب[1] کے کسی بیٹے کو لکھا کہ فرزدق کو چار ہزار درہم عطا کرے تاکہ وہ اپنا زاد راہ تیار کرلے۔ یزید نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ جب تم میرے پاس پہنچو گے تو تمہیں لاکھ درہم اور ملے گا۔ یہ ان کی ہجو کے بعد[2] اور ان کی مدح سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یزید فرزدق کو سبز باغ دکھاتا رہا۔ فرزدق نے مال تو لے لیا مگر (جرجان کے بجائے) کوفہ کو روانہ ہوگیا[3] اور کہا:

---

[1] مہلب کا کوئی بیٹا عیینہ نامی نہ تھا۔ یہ نام دراصل ابی عیینہ ہے۔ اصل نسخہ میں ابی رہ گیا ہے [2] لیکن اغانی (۱۹:۱۹) کے مطابق یزید بن مہلب نے اپنے بھائی مدرکہ (مدرک صحیح) یا مروان کو ایسا پیغام بھیجا'

[3] فرزدق جرجان کی طرف نہیں گیا۔ نقائض صہ ۳۶۹ پر لکھا ہے:

فلما قدم فرزدق الکوفہ قال لہ عثمان بن المفضل "قد کان أُعِدَّ لک مائة الف درہم" فقال لابنہ لبطة "صدق - ولکن کان یقتلنی فما ینفعنی منہا بعد موتی"

دعانی الی جرجان[1] والرّی[2] دونہ ۔۔۔ ابو خالد[ی] انی اذاً لزوّور

(ترجمہ) خالد نے مجھے جرجان کی طرف جس سے ورے رَیّ ہے بلایا ہے ۔ تب تو میں بڑا ملاقاتیں کرنے والا ٹھہرا ۔

ابو قتیبہ بجائے ابو خالد اغانی ۱۹ : ۱۲ ' نقائض ۳۶۰

(۲) لآتی من آل المھلّب ثائراً ۔۔۔ باعراضھا ' والدّائرات تدور

(ترجمہ) (اس نے اس لئے بلایا ، کہ میں آل مہلب کے اس شخص کے پاس جاؤں جس سے وہ (یعنی تمیم) اپنی عزتوں کے خون گرانے کا انتقام طلب کرتے ہیں ' اور حالات بدلتے ہی رہتے ہیں ۔

ذائرا بجائے ثائرا اور باعراضھم بجائے باعراضھا اغانی ۱۹ : ۱۲ اور لاعراضکم نقائض ۳۶۹ '

(۳) سآبیٰ وتابیٰ لی تمیم ' و ربّما ۔۔۔ ابیت فلم یقدر علیّ امیر

(ترجمہ) میں جلد ہی انکار کر دوں گا ' اور تمیم کو کب گوارا ہے کہ میں مان لوں اور میں نے کئی دفعہ انکار کیا ' پس کوئی حاکم مجھ پر قابو نہ پا سکا '

شبابا بجائے سآبیٰ اغانی ۱۹ : ۱۲

(۴) کأنّی و رحلی والفیافی ترتمی ۔۔۔ بنا بجنوب الشیطین حمیر

(ترجمہ) گویا میں اور میری سواری ' ایسے حال میں جبکہ صحرائے ناپید اکنار مجھے شیطین کے اطراف میں پھینک رہے تھے ' گدھے تھے '

[اونٹنی کی تیز روی کی طرف اشارہ ہے]

نسخہ میں الفیافی کی جگہ المنافی ہے '

---

[1] جرجان ایک صوبہ ہے جو طبرستان اور خراسان کے درمیان واقع ہے ۔ یزید بن مہلب نے اس صوبہ کے شہر جرجان کو از سر نو تعمیر کرایا تھا معجم ۲ : ۵۹ [2] ری بلاد جبال کا ایک مشہور اور بڑا شہر ہے معجم ۲ : ۸۹۲ ' ری کے متعلق ابو نجید کا اسی قسم کا شعر ملاحظہ ہو ۔ دعانی الی جرجان والری دونھا + سواد فارضت من بھا من مشائر معجم ۲ : ۸۹۵

شَیِّطَین : یہ دو ہموار میدان ہیں - ان میں پانی کے لئے ایک ایک تالاب بھی ہے - یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دیار بنی تمیم میں بنی دارم کی دو وادیاں ہیں معجم ۲: ۲۶۵ '

۴۵۰ع

هیل

خالد بن عبد اللہ القسری مکہ کا حاکم تھا - ایک دفعہ اسنے حاجیوں کے سردار سے حرم کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا - لیکن وہ نہ مانا - اس بہانہ سے خالد نے اسے ایک سو کوڑے لگائے جحبی نے سلیمان کا رخ کیا - فرزدق خلیفہ کے دروازہ پر کھڑا تھا - جحبی نے شاعر کے پاس خالد کی بدسلوکی کی شکایت کی - اسنے خالد کی مذمت میں دو تین شعر کہے - جب سلیمان کو فرزدق کے ان اشعار کا علم ہوا تو حمیت و غضب اسپر طاری ہو گئے اور اس نے حکم دیا کہ ایک آدمی خالد کی طرف بھیجا جاے جو جحبی قرشی کو کوڑے لگانیکی سزا کے طور پر اس کا دایاں ہاتھ کاٹ لائے - لیکن یزید بن المهلب اسوقت سلیمان کے پاس موجود تھا ' وہ خالد سے درگذر کرنے کے لئے پیاپے درخواست کرتا رہا حتیٰ کہ سلیمان نے اس کا ہاتھ کاٹنے کے حکم کو منسوخ کر کے یہ حکم دیا کہ خالد کو اسی طرح ایک سو درے لگائے جائیں جس طرح خالد نے جحبی کو لگائے تھے - فرزدق نے سات شعر خالد کی مذمت ' اور جحبی اور اس کے خاندان کی مدح میں لکھے (ان میں سے صرف چوتھا شعر مع ترجمہ نقل کیا جاتا ہے کیونکہ باقی اشعار کو ہمارے مبحث سے کوئی علاقہ نہیں)

(۴) فَلَوْلَا یَزِیْدُ بْنُ الْمُهَلَّبِ حَلَّقَتْ   بِکَفِّکَ فَتْخَاءُ اِلَی الْفَرْخِ فِی الْوَکْرِ

(ترجمہ) اگر یزید بن مہلب نہ ہوتا تو مادہ شترمرغ تیری ہتھیلی کو گھونسلے میں اپنے چوزوں کی طرف لے جاتی '

. . . .

۱؎ دیکھو مروج ۵ : ۴۱۰ - ۴۱۱ اور عقد الفرید ۲ : ۲۷۵ - ۲۷۶ '

حواشی ص ۱۲۰

۱۰۹

وقال وقد كانت (بنو) عمرو بن تميم (من اصحاب عدی) عسكوت ايام يزيد بن المهلب فی ناحية المربد۔ فبعث اليهم يزيد مولی له يقال له دارس فی قوم من اصحابه۔ فانهزمت عمرو بن تميم فقال الفرزدق:

(۱) تَفَلَّلَ عَنْ الجعراءِ اِذْ صَاحَ دَارِسٌ ... ولم يَصْبِرُو عِندَ السُّيُوفِ الصَّوَارِمِ

(ترجمہ) جب دارس چلایا تو بنی جعراء بھاگ گئے اور وہ تیز تلواروں کے مقابلہ پر صبر نہ کرسکے'

جعراء سے مراد' عمرو بن تمیم ہے کیونکہ عنبر بن عمرو بن تمیم کی اولاد کو بنو الجعراء کہتے ہیں (نقائض ص ۳۰۷)

تفرقت الحمراء بجائے تصدعت الجعراء اور تحت بجائے عند طبری ۲: ۱۳۸۳

(۲) جَزَى اللهُ قَيْسًا عَنْ عَدِيٍّ مَلَامَةً ... وَخَصَّ بِهَا الْأَدْنَيْنَ اَهْلَ الْمَلَاوِمِ

(ترجمہ) خدا قیس کو عدی کی طرف سے ملامت کی جزا دے اور دونوں میں سے' جو اہل ملامت سے قریب تر ہے' اسے اس چیز (یعنی ملامت) سے مختص کرے' (دیکھو طبری ۲: ۱۳۸۴)

مطلب یہ کہ قیس جو یزید کے مخالف تھے اور عدی کے حامی تھے' انہوں نے عدی کے گرفتار کئے جانے کے وقت اس کی کوئی مدد نہ کی۔ اسلئے عدی کی ملامت کے بھی وہی لوگ حقدار ہیں'

(۳) هُمُو قَتَلُوا مَوْلَاهُمُو وَ اَمِيرَهُمْ ... وَلَمْ يَصْبِرُوا لِلْمَوْتِ عِنْدَ الْمَلَاحِمِ

(ترجمہ) انہوں نے اپنے مولی اور امیر کو قتل کر ڈالا اور لڑائیوں کے موقع پر موت کے لئے صبر نہ کرسکے'

غالباً مولی اور امیر سے مراد منتوف (مولی بنی قیس بن ثعلبہ) ہے۔ منتوف قتل کیا گیا تھا۔ اس لئے کہ وہ یزید کا طرفدار تھا اور یوم بابل میں یزید کی فوج کا سپہ سالار بھی تھا وکان المنتوف کالخلیفة لیزید بن المهلب (مبرد ص ۱۲۵-۱۲۶)'

منتوف کے متعلق دیوانِ جریر ۲: ص۲۸ پر یہ نوٹ درج ہے: سالم مولیٰ قیس بن ثعلبہ وکان قائد یزید بن المہلب + نیز دیکھو طبری ۲: ۱۳۸۲'

۴۳۹

ہیں

وقال یہجو عدی بن ارطاۃ الفزاری حین غلب علی البصرۃ یزید بن المہلب

(۱) اَعْطَى عَدِيٌّ بِاسْتِهِ وَاسْتِ اُمِّهِ اَبَا خَالِدٍ وَالْخَيْلُ تَدْمَى نُحُورُهَا

(ترجمہ) عدی اور اس کی ماں یزید کے مقابلہ پر پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اس حال میں جبکہ گھوڑوں کے سینوں سے خون جاری تھا'

(۲) جُبِنْتَ ابْنَ ذَاتِ الدِّرْهَمَيْنِ وَلَمْ تَكُنْ فَزَارَةُ مَهْدِيًّا لِلْخَيْرِ اَمِيْرُهَا

(ترجمہ) او! دو درہموں والی کے بیٹے تونے دل چھوڑ دیا اور یہ کیوں نہ ہوتا) فزارۃ کا امیر تو کبھی خیر کی طرف راہ پانے والا ہی نہیں (دیکھو تمہید ۴۴۱)

فزارہ بن ذبیان ایک قبیلہ ہے - عدی بن ارطاۃ اسی قبیلہ سے تھا - معارف ص۴۷'

۴۴۱

ہیل

وقال (الفرزدق) حین دعا عدیُّ بن ارطاۃ الناس یعطیھم درھمین درھمین ویخرجھم الی قتال یزید بن المہلب :-

(۱) اَظُنُّ رِجَالَ الدِّرْهَمَيْنِ تَسُوقُهُمْ اِلَى قَدَرٍ آجَالُهُمْ وَمَصَارِعُ

(ترجمہ) مجھے یقین ہے کہ دو درہم (لینے) والے آدمیوں کو ان کی اجل اور گرنے کی جگہیں (قضا و) قدر کی طرف ہانک رہی ہیں'

طبری ۲: ۱۳۸۲ میں یسوقھم بجائے تسوقھم - نیز مصرع ثانی قریبا مختلف ہے (الی الموت آجالٌ لہم و مصارع)

(۲) وَاَحْزَمُهُمْ مَنْ قَرَّ فِي قَعْرِ بَيْتِهِ وَاَيْقَنَ اَنَّ الْعَزْمَ لَا بُدَّ وَاقِعُ

(ترجمہ) اور ان میں سے سب سے زیادہ قزانہ وہ ہے جو اپنے گھر کے سب سے اندرونی حصّہ میں ٹھہرا رہے اور یقین کرے کہ یہ عزم (جنگ) لامحالہ ہو کر رہے گا (اور یزید بن مہلب ضرور کامیاب ہوگا)

فاحزمهو' کان 'إمر اور شک بجاے واحزمهو' قز' عزم اور بُدّ

(طبری ۲ : ۱۴۸۳)'

ع۵۹۵
ہیل
وقال الفرزدق لعدی بن ارطاة الفزاری حین قدم یزید بن مهلب خائفا

(۱) قُل لِعَدِیٍّ جَاءَ مَن کُنتَ تَبتَغِی إلیكَ فَلا تَحفَظ بِدُونِ الدَّرَاهِمِ

(ترجمہ) عدی سے کہدو کہ جسے تو ڈھونڈتا تھا وہ تیری طرف آگیا۔ سو (اب) درہموں کی تھیلیاں پُر نہ رکھ'

(۲) أتَاكَ امرُؤٌ لَم تَخدمِ القَومَ أُمُّهُ طَوِیلُ السُّرَی اَلقَینَد غَیرَ نائمِ

(ترجمہ) تیرے پاس ایک ایسا انسان آیا ہے جس کی ماں نے کسی بھی قوم کی چاکری نہیں کی' وہ رات کو لمبے سفر کرنے والا ہے، تو اسے (ہمیشہ) بے خواب پائیگا'

ع۲۱۷ وقال الفرزدق فی السمیدع[1] الزهرانی وکان رأس المرجئة بالبصرة وکان یشدد امر یزید بن المهلب ویدعو الناس الی نصرته ویفتیهم بذلك فکره رجال من بنی تمیم الفتنة ولحقوا بالشام۔ منهم هویم بن ابی طحمة المجاشعی

(۱) فدی لرؤس من تمیم تتابعوا الی الشام لم یرضوا بحکم السمیدع

(ترجمہ) قربان جائیں تمیم کے ان سرداروں کے جو شام کی طرف چلدیے اور سمیدع کے فتوی

---

[1] سمیدع الزہرانی بصرہ کے مرجیہ کا سردار تھا۔ وہ یزید بن مہلب کو عدی کے خلاف تقویت پہنچاتا تھا اور لوگوں کو اس کی مدد کے لئے بلاتا اور اسبات کا فتوی دیتا تھا۔ تمیم کے آدمیوں نے فتنہ کو پسند نہ کیا اور شام کا رخ کیا۔ ہریم بن ابی طحمۃ المجاشعی انہیں سے ایک تھا چنانچہ سمیدع کے متعلق فرزدق نے یہ شعر کہے

پر راضی نہ ہوئے ،

فدآءً لقوم۔ بجائے فدی لروُس طبری ۲ : ۱۳۸۷ ،

۱۰۲ حکم حروری من البین مارق اضل واغوی من حمار مُجَدَّع

ترجمہ کیا کسی حروری کا حکم دمان لینے کے قابل ہو سکتا ہے ؟ جو دین سے کنارہ کش ہو گیا ہو کان کٹے گدھے سے زیادہ گمراہ اور سرکش ،

وکان (السمیدع) یری رأی الخوارج طبری ۲ : ۱۳۸۷

المجدع من الحمیر = المقطوع الاذنین۔ محیط المحیط صـ ۲۲۳

وقال (الفرزدق) فی هریم بن ابی طحمة المجاشعی وکان مع مسلمة یوم بابل فضرب ید یزید بن المهلب فقطعها وکان لقحل الکلبی هو الذی صرع یزید وضربه یزید فقتله فماتا جمیعاً

[ہریم بن ابی طحمہ المجاشعی یوم بابل میں فرزدق کے ساتھ تھا - اس نے تلوار کا وار کرکے یزید بن المہلب کا ہاتھ کاٹ دیا - قحل الکلبی وہ شخص تھا جسنے یزید کو (مار کر) گرایا - یزید نے بھی تلوار سے اس پر حملہ کرکے اسے قتل کر دیا - پھر وہ دونو اکٹھے مرگئے - ہریم کے متعلق شاعر کہتا ہے :]

۱- اَحَلَّ هُرَیمٌ یَومَ بَابِلَ بِالقَنَا نُذُورَ نِسَاءٍ مِن تَمِیمٍ تَحَلَّتِ

یوم بابل میں ہریم نے بنو تمیم کی عورتوں کی نذروں کو حلال بنادیا سو وہ حلال ہو گئیں [فرزدق تمیمی تھا - تمیمی عورتوں نے یزید بن المہلب کی موت کی صورت میں کوئی نذریں مانی ہوگئیں - سو ہریم نے اپنی تلوار سے انکی نذور کو درجہ قبولیت تک پہنچایا]

ھریم ابن ابی طحمۃ - جب مہلب نے خوارج کے ساتھ لڑ کر قطری کو بھگا دیا - تو اسوقت ہریم بن ابی طحمہ مہلب کی فوج میں تھا - مبرد صـ ۶۸ + بعد میں بھی ہریم نے یزید بن مہلب کے بیٹے کا ساتھ دیا - جب یزید طبرستان پر حملہ آور ہوا تو اسوقت ہریم اس کے ساتھ موجود تھا اور اسکا رفیق مخلص تھا طبری ۲ : ۱۳۲۸ + لیکن جب یزید بن مہلب نے سمیدع الزہرانی (جو مرجئہ کا سردار تھا) سے اس کے تعاون کے لئے درخواست کی اور سمیدع نے آمادگی کا ثبوت

پیش کیا تو اس وقت ہریم اللہ نئی اور لوگ یزید سے بگڑ گئے اور فریق مخالف کی حمایت و نصرت کی غرض سے شام کو چلدیے دیوان فرزدق ۳۴ تمہید۔

۲- فَاَصْبَحْنَ لَا یَشْرِیْنَ نَفْسًا بِنَفْسِہٖ مِنَ النَّاسِ اِنْ عَنْہُ الْمَنِیَّۃُ زَلَّتِ

(ترجمہ) بوقت صبح انکی یہ حالت تھی کہ وہ کسی نفس کو اس (ہریم) کے نفس کے عوض خریدنے کے لئے تیار نہ تھیں۔ اگر موت اسے نظر انداز کر دے۔

ان عورتوں کے نزدیک ہریم کی انتہائی قدر و قیمت تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ ہریم پر موت نہ آئے مزید براں اسکی جان کے عوض وہ کسی اور کی جان بچانے کے لئے آمادہ نہ تھیں۔

۳- یَکُوْنُ اَمَامَ الْخَیْلِ اَوَّلَ طَاعِنٍ وَیَضْرِبُ اُخْرَاھَا اِذَا ھِیَ وَلَّتِ

(ترجمہ) رسالے کے پیش پیش وہ سب سے پہلا نیزہ باز ہے اور جب وہ واپس لوٹیں تو وہ اس کے عقب پر تلوار کا وار کرتا ہے۔

۴- عَشِیَّۃَ لَا یَدْرِیْ یَزِیْدُ اَیَنْتَحِیْ عَلَی السَّیْفِ اَمْ یُعْطِیْ یَدًا حِیْنَ شُلَّتِ

(ترجمہ) اس سہ پہر کو جب یزید نہ جانتا تھا کہ آیا وہ تلوار پر جھکے گا یا ہتھیار ڈال دیگا۔ جب اس کا ہاتھ شل ہوگیا۔

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید سہ پہر کے وقت مارا گیا تھا۔

۵- وَاَصْبَحَ کَالشَّقْرَاءِ تُنْحَرُ اِنْ مَضَتْ وَتُضْرَبُ سَاقَاھَا اِذَا مَا تَوَلَّتِ

اور بوقت صبح وہ شقراء کی مانند تھا۔ جسے آگے بڑھنے پر ذبح کر دئے جانے کا ڈر تھا اور اگر وہ پیچھے ہٹے تو اسکی دونو پنڈلیوں پر تلوار کے وار کا خوف تھا۔

الشَّقْرَاء (سرخی مائل بادامی رنگ کی گھوڑی) فرس لقیط بن زرارہ + حیث یقول لہ یوم جبلۃ "اشقران تقدم تنحر و تأخر تعقر" فذھبت مثلا

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

لہ الفضل غلط ہے۔ پورا نام الفضل بن عیاش ہے۔ دیکھو طبری ۲ : ۱۴۰۵

لہ یوم بابل، یوم عقر کے نام سے مشہور ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۳۴ء صفحات ۷۸-

نیز دیکھو میدانی دفریٹاگ ایڈیشن، جلد ۲ ص۳۲۵ مثل نمبر ۲۷ اور فوائد اللآل ۲: ۱۱۰

۶- لَعَمْرِی لَقَدْ جَلّٰی هُرَیْمٌ بِسَیْفِهٖ ‌ ‌ وُجُوهًا عَلَتْهَا غَبْرَةٌ فَتَجَلَّتِ

(ترجمہ: مجھے اپنے مذہب کی قسم! ہریم نے اپنی تلوار کے ذریعہ سے بہت سے گرد آلودہ چہروں سے مایوسی کو رفع کیا۔ پس ان (چہروں) کی مایوسی جاتی رہی'

۷- وَقَائِلَةٍ کَیْفَ الْقِتَالُ ؟ وَلَوْ رَأَتْ ‌ ‌ هُرَیْمًا لَدَارَتْ عَیْنُهَا وَاسْمَدَرَّتِ

(ترجمہ) بہت سی کہنے والی عورتیں (کہتی ہیں کہ) "لڑائی کیسی رہی" اور اگر وہ ہریم کو دیکھ پاتیں تو ان کی آنکھ گھومتی اور وہ چکرا جاتیں'

۸- وَمَا کَرَّ اِلَّا کَانَ اَوَّلَ طَاعِنٍ ‌ ‌ وَلَا عَایَنَتْهُ الْخَیْلُ اِلَّا اشْمَأَزَّتِ

(ترجمہ، جب کبھی اسنے لوٹ کر حملہ کیا تو وہ سب سے پہلا نیزہ باز تھا اور جب کبھی رسالے نے اسکو دیکھا تو رسالے کے رونگٹے کھڑے ہو گئے'

۹- اَتَاکَ ابْنُ مَرْوَانٍ یَقُوْدُ جُنُوْدَهٗ ‌ ‌ ثَمَانِیْنَ اَلْفًا خَیْلُهَا قَدْ اَظَلَّتِ

(ترجمہ) (اے یزید) تیرے پاس ابن مروان اپنے لشکروں کو، جو اسی ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھے لے کر آیا۔ اسکے شہسوار (تیزی سے جا رہے تھے اور) زمین پر سایہ ڈالتے تھے'

ابن مروان = مسلم بن عبد الملک بن مروان

دیکھو مفضلیات ص۲۰۰ وقد سبقتنا ام عمرو بامرھا۔ وکانت باعناق المطی اظلت (الشنفری)

ای فجأتنا بالابل حتی اظلتنا بھا'

۱۰- فَلَمْ یُغْنِ مَا عَنْدَقْتَ حَوْلَکَ نَقْرَةً ‌ ‌ مِنَ الْبِیْضِ مِنْ اَغْمَادِهَا حِیْنَ سُلَّتِ

(ترجمہ) وہ خندق جو تونے اپنے گرد کھودی' ان تلواروں کے مقابلہ پر جو نیام سے نکال کر سونتی گئیں' تیرے کسی کام نہ آئی'

۱۱- کَاَنَّ رُءُوْسَ الْاَسْدِ خِطْبَانُ حَنْظَلٍ ‌ ‌ تَخِرُّ عَلَی اَکْتَافِهِمْ حِیْنَ وَلَّتِ

(ترجمہ) جب بنو اسد بھاگ اٹھے تو ان کے سر جو ان کے کندھوں پر کٹ کر گرتے تھے' گویا حنظل تھے'

الاَسْلَد = الاَرْبَد + حَنْظَل اَخْطَبُ یا حَنْظَلٌ خُطْبَانٌ' زرد حنظل جس پر سبز دھاریاں ہوں' لین ۲ : ۷۶۳'

۱۲- اَتَتْکَ جُنُودُ الشَّامِ تَخْفِقُ فَوْقَهَا   کَهَا خُرَقٌ کَالطَّيْرِ حِينَ اسْتَقَلَّتِ

(ترجمہ) شام کے لشکر تیرے پاس پھریرے لہراتے آئے (۰۰) ان پرندوں کی طرح معلوم دیتے تھے جو اڑنے کے لئے اونچے جاتے ہیں'

۱۳- تُخَبِّرُكَ الْكُهَّانُ اَنَّكَ نَاقِضٌ   دِمَشْقَ الَّتِي كَانَتْ اِذَا الْحَرْبُ حَرَّتِ

(ترجمہ) کاہن لوگ تجھے خبر دیتے ہیں کہ تو دمشق کو تباہ کرنے والا ہے جو گھمسان کی لڑائی میں

۱۴- صُخُورَ الشَّظَا مِنْ خُرْمِ ذِي الشَّرْيِ فَانْتَمَتْ   فَطَالَتْ عَلَى رَغْمِ الْعِدَى فَاشْمَخَرَّتِ

(ترجمہ) ذوالشری کی چوٹی سے شظا کے پتھر کے ٹکڑوں کی طرح ہو جائیگا ۔ لیکن دمشق بڑھی اور دشمن کے باوجود' لمبی ہوئی اور بڑی بن گئی'

شظا = جبل بمكة او قرب مكة معجم ۳ : ۲۹۲

ذوالشری = قريب من مكة معجم ۳ : ۲۸۶'

۱۵- اَلَمْ يَكُ لِلْبَرْشَاءِ هَادٍ يُقِيمُهَا   عَلَى الْحَقِّ اِذْ كَانَتْ بِهَا الْاَزْدُ ضَلَّتِ

(ترجمہ) کیا برشاء (یعنی قبائل مذکورۃ الذیل) کا کوئی ہادی نہ تھا جو اسے صحیح راستے پر قائم رکھتا جبکہ اسکی وجہ سے ازد بھی گمراہ ہو گئے؟

برشاء بنی تغلب کی ایک عورت تھی اور ثعلبہ بن عکابہ کے بیٹوں ذہل' شیبان اور قیس کی ماں تھی'

۱۶- اَتَابِعَةُ الْاَوْثَانِ بَكْرُ بْنُ وَائِلٍ   وَقَدْ اَسْلَمَتْ تِسْعِينَ عَامًا وَصَلَّتِ

(ترجمہ) کیا بکر بن وائل نوّے سال مسلمان رہنے اور نماز پڑھنے کے بعد (پھر) بتوں کے مطیع ہو گئے ہیں؟

فرزدق نے اس امر کی طرف اس لئے اشارہ کیا ہے کہ المتوفی مولی بنی قیس بن ثعلبہ

یوم بابل میں بکر بن وائل کا قائد تھا - عربی حاشیہ

وقال ایضا یھجو یزید بن المھلب　　　ویمدح مسلمۃ　　　بحر ۸۰

۱ - كَيْفَ تَرَى بَطْشَةَ اللهِ الَّتِي بَطَشَتْ　　　بِابْنِ الْمُهَلَّبِ إِنَّ اللهَ ذُو نِقَمِ

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کی اس پکڑ نے جس نے ابن مہلب کو قابو کر لیا تو نے کیسے دیکھا؟ بالیقین اللہ تعالیٰ انتقام لینے والا ہے'

۲ - قَادَ الْجِيَادَ مِنَ الْبَلْقَاءِ مُنْقَبِضًا　　　شَهْرًا تَقَلْقَلُ فِي الْأَرْسَانِ وَاللُّجُمِ

(ترجمہ) اس (مسلمہ) نے بلقاء سے گھوڑے ہانکے - ایک ماہ (گھر سے) علٰحدہ (رہا) رسیوں اور لگاموں میں پھرتا رہا'

البلقاء کورۃ من اعمال دمشق بین الشام و وادی القری معجم ۱: ۲۸۰ء

۳ - حَتَّى أَتَتْ أَرْضَ هَارُوتٍ لِعَاشِرَةٍ　　　فِيهَا ابْنُ دَحْمَةَ فِي الْحَمْرَاءِ كَالْأَجَمِ

(ترجمہ) تا آنکہ دسویں رات کو وہ ارض ہاروت میں پہنچے - جہاں ابن دحمہ عجمی فوج میں تھا - جو مانند بنوں کے (کثیر) تھی'

الحمراء = العجم لبیاضھم "تاج العروس"

۴ - لَمَّا رَأَوْا أَنَّ أَمْرَ اللهِ حَاقَ بِهِمْ　　　وَأَنَّهُمْ مِثْلُ ضُلَّالٍ مِنَ النَّعَمِ

(ترجمہ) جب انہوں نے دیکھا کہ امر الٰہی نے انہیں محصور کر لیا ہے اور وہ راہ گم کردہ اونٹوں کی طرح ہیں'

۵ - فَأَصْبَحُوا لَا تَرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ　　　كَأَنَّهُمْ مِنْ ثَمُودِ الْحِجْرِ أَوْ إِرَمِ

(ترجمہ) تو وہ ایسے تباہ ہو گئے کہ ان کے مساکن کے سوا تو کچھ نہیں دیکھتا - گویا کہ وہ حجر کے ثمود یا ارم میں سے ہیں'

۶ - كَمْ فَرَّجَ اللهُ عَنَّا كَرْبَ مُظْلِمَةٍ　　　بِسَيْفِ مَسْلَمَةَ الضَّرَّابِ لِلْبُهَمِ

(ترجمہ) مسلمہ جو بلا کے بہادروں سے لڑا کرتا ہے - اس کی تلوار سے اللہ تعالےٰ نے ہم سے

کتنے تاریک حوادث کی مصیبتوں کو دفع کیا'

۷ - وَیَومَ غَیمٍ مِنَ الهِندِیِّ کُنتَ لَهُ　　ضَوءًا وَقَد کَانَ مُسوَدًّا مِنَ الظُّلَمِ

(ترجمہ) اور ہندی تلواروں کے بادل کے دن کی تو روشنی تھا گو وہ دن تاریکیوں سے سیاہ ہو رہا تھا'

۸ - تَأتِی قُرُومُ اَبِی العَاصِی اِذَا صَرَفَت　　اَنیَابُهَا حَولَ سَامٍ رَاسُهُ قَطِمِ

(ترجمہ) ابو العاصی کے سانڈھ - جب ان کی کچلیاں نکل آتی ہیں تو وہ ایک سربلند اور بدمست (سانڈھ) کے ارد گرد حملہ کے لئے آتے ہیں'

قطم الفحلُ = اذا اهتاج للضراب　تاج العروس ۹ : صفحہ ۳

۹ - یَا عَجَبًا لِعُمَانِ الاَزدِ اِذ هَلَکُوا　　وَقَد رَاَوا عِبَرًا فِی سَالِفِ الاُمَمِ

(ترجمہ) اے تعجب عمان کے ازد کی ہلاکت پر جبکہ وہ پہلی امتوں کے حالات سے عبرت پکڑ سکتے تھے

۱۰ - لَو اَنَّهُم عَرَبٌ اَو کَانَ قَائِدُهُم　　مُدَبِّرًا مَا غَزَا العِقبَانَ بِالرَّخَمِ

(ترجمہ) اگر وہ خالص عرب ہوتے یا کم از کم ان کا قائد مدبّر ہوتا - تو وہ گدھوں کے ذریعے عقابوں سے جنگ نہ کرتے'

۳۷

بوشے

فرزدق نے یزید بن عبد الملک کی مدح میں یہ لمبا چوڑا قصیدہ کہا ہے - اس مدح کے آخری اشعار میں یزید بن مهلب کی شکست کا ذکر ہے اس لئے صرف وہی اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

۱ - لَقَد عَلِمَ الفُسَّاقُ یَومَ لَقِیتَهُم　　یَزِیدُ وَحَوَّاکُ البُرُودِ الیَمَانِیَا

(ترجمہ) جس دن تو (یزید بن عبد الملک کی فوج) نے فاسقوں یعنی یزید (بن المهلب) اور یمنی چادریں بننے والے کا مقابلہ کیا تو انہوں نے جان لیا (کہ تو کس قدر زبردست ہے)!

حَوَّاکُ البرود الیمانی سے شاعر کی مراد عبد الرحمن بن محمد بن الاشعث ہے (فہرست دیوان صفحہ ۱۹)'

بن محمد نے عبدالملک کے خلاف بغاوت کی۔ حجاج بن یوسف خلیفہ کی طرف سے اس سے لڑا۔ بالآخر ابن الاشعث ۸۵ھ میں مارا گیا (طبری ۲ : ۱۰۵۲ تا ۱۱۳۲ نیز دیکھو بیان والتبین ۲ : ۷۹ '

۲۔ وَجَاءُوا بِمِثْلِ الشَّاءِ غُلْفاً قُلُوبُهُمْ وَقَدْ مَنَّيَاهُمْ بِالضَّلَالِ الْأَمَانِيَا

(ترجمہ: وہ بکریوں کی طرح آئے اس حال میں کہ ان کے دل غلاف دار تھے اور (ان) دونوں (یعنی ابن اشعث اور یزید) نے ان فُسّاق کے دل میں (جو اُن کے ساتھی و ناصر تھے) گمراہی کی خواہشات پیدا کیں '

غُلْفاً قُلُوبُهُمْ = غلفا کا واحد اغلف ہے۔ یعنی ان کے دل غلاف دار تھے اور اُن پر کسی بات کا اثر نہ ہوتا تھا '

دیکھو قرآن مجید سورۃ بقرۃ آیہ ۸۲ اور سورۃ النساء آیہ ۱۵۴ '

۳۔ ضَرَبْتَ بِسَيْفٍ كَانَ لَاقَى مُحَمَّدٌ بِهِ اَهْلَ بَدْرٍ عَاقِدِيْنَ النَّوَاصِيَا

(ترجمہ) تو نے اس تلوار سے (دشمن پر) حملہ کیا جس سے محمدؐ (رسول اللہ) نے اہل بدر کا جو ماتھے کے بالوں کو باندھنے والے ہیں مقابلہ کیا تھا '

عَقَدَ نَاصِيَةً ' اسنے اپنی پیشانی کے بال مضبوطی سے باندھے یعنی وہ سخت غضبناک تھا اور ہر قسم کی برائی اور شر کے لئے آمادہ تھا۔ لین ص ۲۱۰۵ '

۴۔ فَلَمَّا الْتَقَتْ اَيْدٍ وَ اَيْدٍ وَهَزَّنَا عَوَالِيَ اَوْقَتْ لِلطِّعَانِ عَوَالِيَا

(ترجمہ) جب (ایک گروہ کے) ہاتھ دوسرے ہاتھوں کے مقابلہ کے لئے اٹھے اور جانبین نے نیزے ہلائے تو نیزہ زنی کے لئے نیزے ایک دوسرے سے ملے '

هَزَّنَا کا فاعل " اَيْدٍ و اَيْدٍ " ہے '

۵۔ اَرَاهُمْ بَنُو مَرْوَانَ يَوْمَ لَقُوهُمْ بِبَابِلَ يَوْمَ اَخْرَجَ النَّجْمَ بَادِيَا

(ترجمہ) جس دن بنو مروان اُنسے (یعنی یزید بن مہلب اور اس کے رفقاء) سے بابل میں دو چار ہوئے تو انہیں ایک ایسا دن دکھایا جس (دن) نے ثریا کو نمودار کر دیا (یعنی اسقدر خوفناک جنگ ہوئی

کہ انہیں دن کے وقت ستارے نظر آنے لگے)

بنو مروان = مروان، یزید اور مسلمہ کا دادا اور عباس بن ولید کا پردادا تھا،

۶۔ بَکَوْا بِسُیُوفِ اللّٰہِ لِلدِّینِ اِذ رَاَوْا مَعَ السُّودِ وَالحُمْرَانِ بِالعَقْرِ طَاغِیًا

(ترجمہ) جب انہوں نے طاغی (یزید بن المہلب) کے ساتھ کالوں اور گوروں کو عقر میں دیکھا تو وہ (بنو مروان) اللہ کی تلواروں کے ساتھ دین کے لئے روئے،

حدیث بعثت الی الاحمر والاسود کی تشریح میں الازہری کا قول ہے:

والقول فی الاسود والاحمر انہما الاسود والابیض لان ہذین النعتین یعمان الآدمیین اجمعین وہذا قولہ بعثت الی الناس کافۃ تاج العروس ۳: ص۵۴،

۷۔ اَنَاخُوا بِاَیدٍ طَاعَۃٍ وَ سُیُوفِہِم عَلیٰ اُمَّہَاتِ الہَامِ ضَرْبًا شَآمِیَا

(ترجمہ) انہوں نے اپنے فرمانبردار ہاتھوں اور اپنی تلواروں سے کھوپریوں کی امہات پر ایک شامی ضرب بٹھائی،

شاعر نے ضرب کو استعارۃً اونٹنی قرار دیا ہے،

اُمّ = ام کل شیئ اصلہ وعمادہ ... وللراس الدماغ او الجلدۃ الرقیقۃ التی علیہا قاموس

۸۔ فَمَا تَرَکَتْ بِالمَشْرِقَینِ سُیُوفُکُم نُحُوبًا عَنَ الاِسْلَامِ مِنْہُنَّ وَرَائِیَا

(ترجمہ) مجھ سے دور رہنے والوں میں سے مشرق و مغرب میں تمہاری تلواروں نے اسلام سے منہ موڑنے والوں کو نہیں چھوڑا،

۹۔ سَعَی النَّاسُ مُذْ سَبْعُونَ عَامًا لِیَقْلَعُوا بِآلِ اَبِی العَاصِ الجِبَالَ الرَّوَاسِیَا

(ترجمہ) ستر سال سے لوگ اس کوشش میں ہیں کہ ان گڑے ہوئے پہاڑوں کو، جو ابی العاصی کی آل میں ہیں، اکھیڑ پھینکیں،

بآل ابی العاصی میں با تجریدی ہے،

آل ابی العاصی = کیونکہ مروان بن الحکم (دیکھو شعر ۵) ابی العاص بن امیہ کا پوتا تھا،

۱۰- فما وجدوا للحق اقرب منهمو ولا مثل وادی آل مروان وادیاً

(ترجمہ) راستی (اور استحکام) میں انہوں نے کسی کو ان سے بڑھ کر نہ پایا - اور نہ آل مروان کی وادی کی مثل کوئی وادی ہے'

۹۰ وقال الفرزدق یمدح یزید بن عبد الملک ویھجو یزید بن المھلب

ذیل میں صرف یزید موخر الذکر کے متعلق اشعار درج ہیں'

۱- لقد عجبت من الازدی جاء بہ یقودہ للمنایا حین مغرورا

(ترجمہ) میں نے اس ازدی سے جسے مغرور کی تقدیر کھینچ لائی تعجب کیا'

۲- حتی راٰہ عباد اللہ فی دقل منکسا وھو مقرون بخنزیر

(ترجمہ) حتیٰ کہ اللہ کے بندوں نے اسے (کشتی کے) ستون پر سرنگوں بندھا ہوا دیکھا درانحالیکہ وہ مقرون بہ خنزیر تھا [مطلب یہ کہ یزید کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور ساتھ ہی ایک خنزیر کو بھی تاکہ یزید کی تذلیل ہو]'

۳- للسفن اھون باساً اذ تقودھا فی الماء مطلیۃ الالواح بالقیر

(ترجمہ) نبرد آزمائی کے لحاظ سے کشتیاں یقیناً آسان تر ہیں' جب تو انہیں پانی میں چلاتا ہے وہ کشتیاں جن کے تختوں پر تارکول چڑھا ہوتا ہے'

۴- وھم قیام بایدیھم مجاد فھم منطقین عراۃ فی الدنانیر

(ترجمہ) بحالیکہ وہ ہاتھ میں چپوے کر' پیٹی باندھے ہوئے' ننگے' (صرف) کاچھوں میں کھڑے ہوتے ہیں'

۵- حتی راوا ولد ابی العاصی مسومۃ تعدو اکرادیس بالشم المغاویر

(ترجمہ) تاآنکہ انہوں نے ابی العاصی کے نشان والے گھوڑے دیکھے جو دستے دستے ہو کر اونچے ناکوں والے سواروں کو لے کر بھاگتے تھے'

۶- من حرب آل ابی العاصی اذا غضبوا بکل ابیض کالمخراق ماثور

(ترجمہ) (وہ حملہ آور) آل ابی العاصی کے حرب کی اولاد سے ہیں جب وہ غضب میں آئیں اور

سواروں میں سے ہر ایک کے ساتھ تلوار ہے جو کوڑے کی مانند ہے'

۷۔ اِخسأ کُلَیبُ فَاِنَّ اللّٰہَ اَنزَلکُم قِدَماً۔ مَنَازِلَ اِذلالٍ وَتَصغِیرِ

(ترجمہ) دُور ہوا ے کمینے کتے! کیونکہ اللہ (تعالیٰ) نے قدیم سے تمہیں ذلت و خست کے درجوں میں اُتار دیا ہے'

ع ۲۵۵ وَقَالَ الفَرزدق فی عمر بن هبیرة الفزاری

ذیل میں صرف تین اشعار (جو یزید بن مہلب کے قتل کے متعلق ہیں) نقل کئے جاتے ہیں

۱۔ وَفَضَّ بِسَیفِ اللّٰہِ عَنہُ وَدَفعِہِ کَتَائِبَ کَانَت مِن وَرَاءِ الخَنَادِقِ

(ترجمہ) اور اس نے خدائی تلوار کے ذریعہ اور اس (خدا) کی مدد سے اُپنے سے وہ دستے تتر بتر کر دئے جو خندقوں سے ورے تھے'

دَفعٌ = امداد

۲۔ دَعَاهُم مَزُونِیٌّ فَجَاءُوا کَاَنَّهُم بِجَنبَیهِ شَاءٌ تَابِعٌ کُلَّ نَاعِقِ

(ترجمہ) مزونی نے انہیں بلایا سو وہ اسطرح آئے گویا کہ وہ اس کے پہلو میں بکرے ہیں جو پکارنے والے کے پیچھے جا رہے ہیں'

۳۔ لَقُوا یَومَ عَقرِ بَابِلَ حِینَ اَقبَلُوا سُیُوفاً تُشَظِّی جَمجَمَاتِ المَعَارِقِ

(ترجمہ) عقر بابل کے دن' جب وہ آگے بڑھے تو ان تلواروں سے جو کھوپریوں کی چوٹیوں کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں' دوچار ہوئے'

ع ۵۲۸ وَقَالَ الفَرزدقُ لیزید بن المهلب

۱۔ وَلَم تَکُن دُعمُوصَ بَطنِ حُوَافَةٍ غَرِقتَ غَدَاةَ الجِسرِ یَابنَ المُهَلَّبِ

(ترجمہ) اے مہلب کے بیٹے! اگر تو حوافہ کے اندر کا کیڑا نہ ہوتا تو جسر (بابل) کے دن تو غرق ہو جاتا

حوافہ = [ما یبقی من ورق القت علی الارض بعد ما یحمل قاموس۔ تاج العروس]

---

[۱] مسلمہ کے حکم سے پل کو آگ لگا دی گئی تھی تاکہ دشمن بھاگنے نہ پائے' طبری ۲: ۱۴۰۲-۱۴۰۳ اور ابن اثیر ۵: ۳۸'

قتّ : یعنی چارہ - ایک قسم کا پھول بھی قت کہلاتا ہے لیکن
شاعر کا مقصد ہے کہ قتّ کے اندر جو چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں ان میں سے یزید
ایک کیڑا ہے جو پُل کے جلا دئے جانے کے بعد ڈوب جاتا اور ڈوبا ہوا صرف اسی لئے نہیں
کہ وہ ہلکا پھلکا حقیر سا تھا،

۲- وَكَيْفَ يَهَابُ الْمَاءَ مَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ   سِوَى الزَّجْرِ وَالْبُنِّيِّ أُمٌّ وَلَا أَبُ

(ترجمہ) اور وہ شخص جس کے ماں باپ ہی زجر اور بنّی ہوں، کیونکر پانی سے ڈر سکتا ہے ؟

زجر : سمک عظامٌ قاموس،

بُنّی[1] : ضربٌ من السمک قاموس،

شاعر انہیں بار بار ملاح کہتا ہے اور مچھلیوں کی طرح ملاح ہر وقت پانی میں رہتے ہیں،

سخاء اللہ
میکلوڈ عربک سٹوڈنٹ

---

[1] قاموس البُنِّیُّ، اور یہ صحیح معلوم ہوتا ہے،

ولی کے سن وفات کی تحقیق

رسالہ "اردو" بابت جنوری ۱۹۳۴ء میں فاضل اڈیٹر مولانا عبدالحق صاحب نے ایک نوٹ اوپر کے عنوان سے سپرد قلم کیا ہے۔ جس میں ولی اورنگ آبادی کی تاریخ وفات سے بحث کی ہے۔ اسوقت تک ولی کا سال وفات غیر محقق تھا لیکن اب مولانا نے اس امر کو پایۂ تحقیق تک پہنچا دیا ہے کہ انکی وفات ۱۱۱۹ھ میں واقع ہوئی۔ ہم موصوف کے بیان کا خلاصہ ذیل میں درج کرتے ہیں :-

عام تذکرے اس مسئلہ کے متعلق خاموش تھے صرف مولوی عبدالجبار خان مرحوم مولف "تذکرہ شعرائے دکن" نے اسکا سن وفات ۱۱۵۵ھ لکھا ہے۔ لیکن اسکے لئے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ چنانچہ ابتک یہی سن درست سمجھا گیا۔ غالباً اس غلط فہمی کی وجہ یہ شعر تھا ؂

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

اسی طرح ولی کا دوبارہ دلی جانا' جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہیں ثابت نہیں ہوتا وہ صرف ایک دفعہ دلی گیا ہے اور سوائے قائم کے کسی نے اسکا صحیح سن نہیں لکھا' وہ لکھتا ہے کہ ولی عالمگیر کے ۴۴ سن جلوس (۱۱۱۲ھ) میں دلی گیا'

مولانا عبدالحق صاحب نے مدت کی تلاش کے بعد ایک قلمی نسخہ دیوان ولی (نشان ۴۲۷۹) کتب خانہ جامع مسجد بمبئی میں دریافت کیا۔ جسکے خاتمہ پر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ درج ہے'

مطلع دیوان عشق سید ارباب دل والی ملک سخن صاحب عرفان ولی

سال وفاتش خرد از سر الہام گفت بادشاہ دلی ساقی کوثر علی

مولانا عبدالحق فرماتے ہیں یہ دیوان ۲۱ سنہ جلوس محمد شاہی (م ۱۱۵۲ھ) میں لکھا گیا۔ اور اس کے کاتب کا نام شہسوار بیگ ہے۔ اس کے بعد اضافہ کرتے ہیں کہ اس کی مزید تصدیق

احمد آباد کے ایک خانگی کتب خانے سے ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس قطعہ کے مصنف مولوی حسن مفتی ہیں۔ چنانچہ اس قطعہ تاریخ سے یہ امر کلی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ ولی کا سن وفات ۱۱۱۹ھ ہے'

ہم مولانا کی دلائل کی ضروری تلخیص یہاں پھر دُہراتے ہیں :

(۱) مؤلف " تذکرہ شعراے دکن " نے اسکا سن وفات ۱۱۵۵ھ لکھا ہے اور اس کے لئے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا'

(۲) مضمون کے مندرجہ بالا شعر کو ولی کا شعر سمجھ لیا گیا اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ ولی محمد شاہ کے عہد میں ہوا۔ حالانکہ وہ شعر ولی کا نہیں'

(۳) ولی کا محمد شاہ کے عہد میں دوبارہ دلی آنا کہیں ثابت نہیں ہوتا وہ صرف ایک دفعہ دلی گیا اور قایم نے اسکا دلی جانا ۴۴ سنہ جلوس عالمگیری (۱۱۱۲ھ) لکھا۔

(۴) ولی کے ایک قلمی نسخے کے خاتمے سے جس کی کتابت ۲۱ سنہ جلوس محمد شاہی ہے اور جسکی مزید تصدیق احمد آباد کے ایک خانگی کتب خانے سے ہوتی ہے صریحاً ثابت ہے کہ ولی کا سالِ انتقال ۱۱۱۹ھ ہے'

رسالہ " زمانہ " اپریل ۱۹۳۲ء میں جناب محمد یحیی صاحب تنہا غازی پوری مصنف " سیر المصنفین " نے مولانا کے نظریہ کی تردید میں اس عقیدہ کو پیش کیا ہے کہ ولی کا سن وفات ۱۱۵۵ھ زیادہ صحیح ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں :

" ظاہر ہے کہ یہ قطعہ تاریخ ناقل دیوان ولی نے یا کسی اور شخص نے جسکا نام مولوی حسن مفتی ہے' نظم کرکے دیوان ولی کے خاتمہ پر درج کر دیا ہے۔ اب امر یہ غور طلب ہے کہ ناقل دیوان ولی یا مولوی حسن مفتی کو ولی کی صحیح تاریخ معلوم تھی یا مولف " تذکرہ شعراے دکن " کو اسکا صحیح علم تھا' بظاہر مولف تذکرہ نے ولی کی صحیح تاریخ وفات معلوم کرنے کی

کوشش کی ہوگی اور کاتب دیوان ولی یا کسی مولوی حسن مفتی کو اس قدر جد و جہد کی ضرورت پیش نہ آئی ہوگی۔ بلکہ سرسری طور پر جو تاریخ اسے معلوم ہوئی ہوگی اسکو نظم کرنے کی طرف زیادہ توجہ کی ہوگی۔ مجھے فی الواقع یہ شبہ ہے کہ تاریخ وفات ولی جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے کہیں ولی رام ولی شاعر کی تاریخ وفات نہ ہو جو ہمارے ولی سے دس بیس برس پہلے مر چکا ہے اور " ناقل ناعاقل " نے ولی کی تاریخ وفات کو ولی اللہ کی تاریخ وفات سمجھ کر قطعہ تاریخ نظم کر دیا ہو"

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے :-

" بہرحال لایق اڈیٹر صاحب (مولینا عبد الحق بالقابہ) اس امر کی طرف توجہ فرمائیں کہ ولی نے یہ اشعار جو اسنے " وہ مجلس " کی تاریخ تالیف کے متعلق لکھے ہیں :

ہوا ہے ختم جب یو درد کا حال تھا گیارہ سو پہ اکتالیسواں سال
کہا ہاتف نے یو تاریخ معقول ولی کا ہے سخن حق پاس مقبول

کیسے لکھ دیے جبکہ وہ ۱۱۱۹ھ میں فوت ہوگیا تھا۔ ان اشعار سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ کم از کم ۱۱۴۱ھ تک زندہ تھا اور اگر موصوف کی رائے میں اسنے یہ اشعار نہیں لکھے تو قابل اڈیٹر کے پاس وہ کیا شہادت قابل یقین موجود ہے جس کی بنا پر " وہ مجلس " کی تاریخ تالیف کو غلط کہا جا سکتا ہے "

گویا تنہا صاحب مندرجہ ذیل تین امور کی بنا پر ولی کا سن وفات ۱۱۵۵ھ صحیح سمجھتے ہیں :—

(۱) مولف " تذکرہ شعرائے دکن " نے ولی کی صحیح تاریخ وفات معلوم کرنے کی کوشش کی ہوگی اور کاتب دیوان ولی یا کسی مولوی حسن مفتی کو اس قدر جد و جہد کی ضرورت پیش نہ آئی ہوگی بلکہ سرسری طور پر جو تاریخ اسے معلوم ہوئی ہوگی اس کو نظم کرنے کی طرف زیادہ توجہ کی ہوگی۔

(۲) وؔلی کا سن وفات ۱۱۱۹ھ جو کاتب دیوان وؔلی نے لکھا ہے۔ ولی رام وؔلی کا سن وفات معلوم ہوتا ہے

(۳) "وہ مجلس" کی تاریخ تالیف سے ثابت ہوتا ہے کہ وؔلی کم از کم ۱۱۴۱ھ تک زندہ تھا۔ اس لئے اس کا سن وفات ۱۱۵۵ھ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے'

مندرجہ بالا دلائل کی بنا پر تنہاؔ صاحب وؔلی کا سن وفات ۱۱۵۵ھ صحیح قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک ۱۱۱۹ھ غلط ہے جو غالباً ولی رام ولی کا سن وفات ہے'

تنہاؔ صاحب بیشک ایک قابل وکیل اور مشہور مصنف ہیں وہ ہمیں معاف کرینگے اگر ہم یہ کہیں کہ ان کا استدلال نہایت انوکھا اور غیر منطقیانہ ہے'

جب ہمارے پاس ایک ایسے قلمی دیوان کی سند موجود ہے۔ جس کی کتابت ۱۲ جلوس محمد شاہی میں ہوئی اور اسکی مزید صحت و توثیق احمد آباد کے ایک خانگی کتب خانے سے ہو جاتی ہے تو یہ تشکیک بے معنی ہے کہ آیا مولف "تذکرہ شعرائے دکن" کو وؔلی کی صحیح تاریخ معلوم تھی یا ناقل دیوان وؔلی کو۔ تاریخ اور ادبی تنقید میں کاغذی شہادت جس قدر زیادہ قدیم ہو اتنی ہی زیادہ معتبر اور مستند مانی جاتی ہے۔ مولوی عبدالجبار خاں کا "تذکرہ شعرائے دکن" بالکل حال کی چیز ہے۔ اور ۱۳۲۹ھ کی تالیف ہے۔ اور قلمی نسخہ دیوان وؔلی ۱۲ جلوس محمد شاہی (مطابق ۱۱۵۲ھ) کا ہے۔ تنہاؔ صاحب کا یہ دعوی بالکل بے محل ہے کہ کاتب دیوان وؔلی کو اسقدر جد و جہد کی ضرورت پیش نہ آئی ہوگی۔

یہاں کاتب زیر بحث نہیں ہے جس قدر مولوی حسن مفتی مولف قطعہ بالا ہے۔ جب اسنے قطعہ وفات وؔلی لکھا ہے تو ظاہر ہے کہ یا تو وہ وؔلی کا معاصر اور جاننے والا ہے۔ یا اگر ذاتی طور پر جاننے والا نہیں ہے تو اسنے وؔلی کے کسی جاننے والے کی فرمائش پر یہ قطعہ لکھا ہے۔ قطعہ مذکور بہر حال ۱۱۵۲ھ سے قبل کا نوشتہ ہے۔ اسلئے یقیناً قابل اعتبار اور

مستند ہے نیز یہ شہادت ہمیں ایک ایسے مخطوطے سے ملتی ہے جو ولی کی وفات سے تھوڑے عرصے بعد لکھا گیا ہے'

ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی عبد الجبار مصنف "تذکرہ شعرائے دکن" نے اپنے بیان کردہ تاریخ وفات ۱۱۵۵ھ کے متعلق کوئی سند یا حوالہ پیش نہیں کیا ہے۔ وہ ولی کے سال وفات کے بارے میں لکھتے ہیں :-

"کہتے ہیں ۱۱۵۵ھ کے قریب احمد آباد گجرات میں فوت ہوا" [ص ۱۱۳۲ محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن مطبوعہ رحمانی ۱۳۲۹ء]

اب ظاہر ہے کہ عبد الجبار خان نے سنی سنائی بات لکھ دی ہے۔ جس کی صحت میں خود مصنف کو بھی شبہ ہے کیونکہ ان کا بیان "کہتے ہیں" سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے موجودہ زمانے کے مصنف کے غیر موثقہ بیان کو پرانی شہادت پر ترجیح دینا کسی صورت میں بھی قابلِ قبول نہیں'

غور کرنے سے ایک اور نکتہ ذہن میں آتا ہے کہ جب شہسوار بیگ سنہ ۲۱ جلوس محمد شاہی مطابق ۱۱۵۲ھ میں حسن مفتی کا قطعہ مذکورہ نقل کر رہا ہے جس سے ولی کی تاریخ وفات ۱۱۱۹ھ برآمد ہوتی ہے تو تنہا صاحب کس بنا پر ۱۱۵۵ھ ولی کا سالِ وفات تسلیم کرتے ہیں۔ کیا ایک شخص کی وفات سے تین سال قبل اسکی تاریخ وفات اسکی تصنیف میں درج ہونا ممکن ہے'

(۲) محقق مقالہ نگار اپنی تحقیق کے جواز میں ایک اور ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ تاریخ وفات ولی رام ولی کی معلوم ہوتی ہے نہ کہ ولی اورنگ آبادی کی اور "ناقل ناعاقل" نے ولی کی تاریخ وفات سمجھ کر قطعہ تاریخ نظم کر دیا ہے'

ہم ان کے اس بیان کے متعلق یہ اضافہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی یہ تاویل جسقدر غیر موجہ ہے اسی قدر غیر عالمانہ بھی ہے۔ تنہا صاحب نے معلوم ہوتا ہے اس قطعہ کی

عبارت پر ٹھنڈے دل سے غور نہیں کیا - ورنہ ان جیسا لایق وکیل ایسے بے حقیقت استدلال کا آسانی کے ساتھ شکار نہ ہوسکتا جس میں ایک مسلمان ولی کی تاریخ وفات کو ایک ہندو ولی رام ولی کی تاریخ وفات فرض کر لیا جائے - ہم ان کی توجہ اس قطعہ کے چوتھے مصرعے ع

باد پناہ ولی ساقی کوثر علی

کی طرف مبذول کر کے مستفسر ہیں کہ کیا ایک ہندو کے لئے یہ قطعہ اور یہ مصرع ایک موزون تاریخ مانا جا سکتا ہے - یہ مصرع بالکل مسلمانی جذبات کا مظہر ہے اور مسلمان کے لئے لکھا گیا ہے نہ کہ ہندو کے واسطے - یہاں ولی رام کے متعلق بھی چند کلمے لکھنے ضروری معلوم ہوتے ہیں'

ولی رام ولی پنجاب کا باشندہ ہے اور شاہجہان کے عہد میں گزرا ہے اسکا کلام فارسی میں ہے - تصوف میں وہ کئی مثنویوں کا مالک ہے - جن میں سے بعض مختلف مطابع میں چھپ چکی ہیں - ایک مثنوی ملقب بہ شش وزن مطبع نادر العلوم میں چھپی تھی - اس کی ایک اور مثنوی "بحر عرفان" گیان پریس گوجرانوالہ میں باہتمام منشی برج لعل شایع ہوئی ہے - اس کے خاتمہ میں مندرجہ ذیل عبارت جس سے ولی رام کا سال وفات برآمد ہوتا ہے درج ہے :

"تاریخ وصال ولی رام صاحب" "از جام یقین ولی شدہ مست"

اس مصرعے سے ولی رام کا سن وفات ۱۰۷۰ھ نکلتا ہے - ان تمام باتوں سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ " ناقل ناعاقل' کا اس میں کوئی قصور نہیں بلکہ خود جناب تنہا صاحب اس غلط فہمی کے تمام و کمال ذمہ دار ہیں - ولی رام کا سن وفات ۱۰۷۰ھ ہے اور ۱۱۱۹ھ کسی صورت میں نہیں ہوسکتا - اس لئے مولانا عبدالحق کا بیان کہ ۱۱۱۹ھ ولی اورنگ آبادی کی تاریخ وفات ہے - زیادہ صحیح اور قرین عقل و قیاس معلوم ہوتا ہے'

(۳) تیسری دلیل تنہا صاحب کی ولی کے وہ اشعار ہیں جو انہنے " دہ مجلس" کی تاریخ تالیف کے متعلق لکھے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ " ان سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ کم از کم ۱۱۴۱ھ تک زندہ تھا"

اس کے جواب میں ہم تنہا صاحب کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ " دہ مجلس" یا جسے " روضۃ الشہدا" بھی کہا جاتا ہے ولی اورنگ آبادی کی تصنیف نہیں اسی نام کا ایک اور ولی گذرا ہے جسے ولی ویلوری کہا جاتا ہے وہ ویلور کا باشندہ تھا اور اس کا نام محمد فیاض ہے" دہ مجلس" یا " روضۃ الشہدا" اس ولی ویلوری کی تصنیف ہے اور ولی اورنگ آبادی کو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ تنہا صاحب کا کہنا بجا ہے کہ انجمن ترقی اُردو کے مطبوعہ کلیات میں ' دہ مجلس" کے یہ اشعار ولی اورنگ آبادی سے منسوب کئے گئے ہیں۔ لیکن اس میں مولانا عبدالحق کا کیا قصور ہے۔ مطبوعہ کلیات کے اڈیٹر احسن مارہروی ہیں نہ کہ مولانا عبدالحق۔ احسن صاحب بھی معلوم ہوتا ہے۔ اسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے جس میں خود جناب تنہا صاحب مبتلا ہیں '

ہم اپنے اس بیان کی تائید میں ولی ویلوری اور اسکی تصنیف " دہ مجلس" یا" روضۃ الشہدا " کے متعلق مندرجہ ذیل عبارت حکیم شمس اللہ صاحب قادری کی مشہور کتاب " اُردوے قدیم " سے نقل کرتے ہیں :-

" سید محمد فیاض ان کا نام ہے۔ ملا محمد باقر آگاہ نے مرآۃ الجنان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ویلور ان کا وطن تھا۔ عالمگیر کے زمانے میں گزرے ہیں' دکن میں سات گڑھ ایک تاریخی مقام ہے۔ وہاں حراست خاں نام ایک امیر رہا کرتا تھا۔ ولی عرصہ تک اسکی رفاقت میں رہے۔ پھر وہاں سے نکلکر کڑپہ میں چلے آئے۔ یہاں کے صوبہ دار نواب عبدالمجید خاں تھے انہوں نے ولی کی قدر دانی کی اور ملازمت دے کر سدہوٹ میں تعینات کر دیا۔ یہ واقعات ولی نے رتن پدم کے دیباچے میں بیان کئے ہیں۔

ولی کی تصنیفات سے اس وقت دو کتابیں ملتی ہیں :-

(۱) رتن پدم . . . .

(۲) روضتہ الشہدا - اس میں ولی نے واقعات کربلا منظوم کئے ہیں- ضخیم کتاب ہے اور ۱۱۱۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے '

کیا ہوں جب ختم یو درد کا حال گیارہ سو پو تھا انیسواں سال"

(اردوے قدیم صفحہ ۸۹ ' ۹۰)

حکیم شمس اللہ صاحب قادری کے بیان کے مطابق روضتہ الشہدا کا سن تصنیف ۱۱۱۹ھ ہے - لیکن جناب نصیرالدین صاحب ہاشمی اپنی کتاب ' یورپ میں دکھنی مخطوطات " میں رقم طراز ہیں :

" مولف اردوے قدیم نے تاریخ تصنیف کا شعر حسب ذیل درج کیا ہے - جو مطبوعہ نسخہ سے ماخوذ ہے ؎

کیا ہوں جب ختم یو درد کا حال گیارہ سو پو تھا انیسواں سال

مگر یورپ کے تین نسخوں سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی بلکہ وہاں کے نسخوں سے ۱۱۳۰ھ ظاہر ہوتا ہے ؎

کیا ہوں ختم جب یو درد کا حال گیارہ سو اوپر تھا تیسواں سال

میرے پاس جو نسخہ ہے اس سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے - اگرچہ وزن کے لحاظ سے یہ شعر موزوں نہیں ہوتا - مگر ایک سے زاید نسخوں میں اسی سن کا لکھا جانا خالی از تعجب نہیں - مولف اردو شہ پارے نے سن تصنیف کے متعلق کوئی رائے نہیں دی ہے"

(یورپ میں دکھنی مخطوطات ص ۴۵۳)

ہم " روضتہ الشہدا " کے سن تصنیف کے متعلق زیادہ بحث میں نہیں پڑنا چاہتے - یہاں صرف یہی دکھلانا مقصود ہے کہ " روضتہ الشہدا " یا " دہ مجلس "

ویلوری کی تصنیف ہے اور اسے وَلی اورنگ آبادی سے کوئی تعلق نہیں ۔ مذکورہ بالا بیان کی تصدیق میں ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری کی کتاب "اردو شہ پارے" کی یہ عبارت بھی قابل ملاحظہ ہے :

" اس میں شک نہیں کہ دکھن میں ایک ہی زمانے میں دو شاعر ایسے گزرے ہیں جنکا تخلص وَلی تھا ۔ لیکن ایک شاعر شمال مغربی حصہ یعنی صوبہ اورنگ آباد کا باشندہ تھا اور دوسرا جنوب مشرق میں بمقام ویلور رہتا تھا ۔ جو اب علاقہ مدراس میں شامل ہوگیا ہے ۔ اگرچہ دونوں کو ایک ہی زمانہ میں عروج ہوا لیکن خود وہ ایک دوسرے کے وجود سے ناواقف تھے ۔ . . . . ویلور کے وَلی کا نام سید محمدؐ فیاض ہے . . . . . . وہ پُر نویس شاعر معلوم ہوتا ہے ۔ اس لئے اسکے موجودہ تین نسخوں میں سے دو بہت ضخیم ہیں :

(۱) رتن پدم (یہ ہمارے موجودہ مبحث سے خارج ہے اس لئے اس کا ذکر بخوفِ طوالت چھوڑ دیا جاتا ہے ۔

(۲) روضۃ الشہدا ۔ اسکی دوسری نظم ہے یہ کئی وقت طبع ہو چکی ہے ۔ انڈیا آفس لائبریری میں اسکا ایک عمدہ مخطوطہ ہے ۔ . . . .

وَلی کی روضۃ الشہداء کا تعلق ملا حسین واعظ کاشفی کی اسی نام کی کتاب سے ہے ۔ جسکو " دہ مجلس " بھی کہا جاتا ہے بوڈلین لائبریری کے مخطوطہ سے اس بات کا پتہ چلتا ہے ۔ ترجمہ میں ہر باب کا عنوان " مجلس " قرار دیا گیا ہے اور چونکہ اسمیں دس ابواب ہیں ۔ اسی لئے اسکا نام " دہ مجلس " بالکل درست ہے ۔ اس کو وَلی اورنگ آبادی کی تصنیف خیال کیا جاتا ہے ۔ لیکن راقم کی رائے میں " دہ مجلس " اس مشہور و معروف وَلی کی تصنیف نہیں بلکہ یہی روضۃ الشہداء ہے ۔ جس کا نام " دہ مجلس " بھی ہے ۔ اورنگ آباد کے ولی نے اس نام کی کوئی کتاب نہیں لکھی ہے "

حال ہی میں وؔلی کا جو کلیات طبع ہوا ہے۔ اس میں "دہ مجلس" کے جو چند اشعار درج ہیں وہ فی الحقیقت ویلور کے ولی کے ہیں نہ کہ اسی مشہور و معروف وؔلی کے"

(اردو شہ پارے صفحہ ۱۴۴-۱۴۵)

بہرصورت اب یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ چکا ہے کہ درحقیقت وؔلی ویلوری نے ایک مثنوی بنام "روضۃ الشہدا" لکھی تھی جس کا تعلق ملا حسین کاشفی کی "دہ مجلس" سے ہے اور وؔلی اورنگ آبادی نے کوئی ایسی مثنوی بنام "دہ مجلس" نہیں لکھی۔ نصیرالدین صاحب ہاشمی اپنی کتاب "یورپ میں دکھنی مخطوطات" میں لکھتے ہیں: ۔

"یورپ کے کسی نسخہ میں "دہ مجلس" کا قطعہ تاریخ درج نہیں ہے۔ خصوصاً سب سے قدیم دیوان جو ۱۱۴۴ھ کا لکھا ہے اور ابوالمعالی کے فرزند کے جمع کردہ دیوان میں اس کا نہ ہونا اس امر پہ دلالت کرتا ہے کہ وؔلی نے وہ تاریخ نہیں کہی"

(یورپ میں دکھنی مخطوطات صفحہ ۴۹۵)

مندرجہ بالا امور سے امید ہے تنہا صاحب کی غلط فہمی کا ازالہ ہو جائیگا۔ معلوم ہوتا ہے انہیں یہ غلط فہمی زیادہ تر "دہ مجلس" کے اشعار سے ہوئی۔ اس کے متعلق ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ "دہ مجلس" وؔلی اورنگ آبادی کی تصنیف نہیں بلکہ وؔلی ویلوری کی ہے۔ نیز وؔلی کے دیوان کے قلمی نسخہ نے جس کا مولینا عبدالحق نے انکشاف کیا ہے اس امر کا حتمی طور پر فیصلہ کر دیا ہے کہ ولی کا سنِ وفات ۱۱۱۹ھ ہے'

اسکی تائید میں ہم ایک اور قلمی نسخہ دیوان وؔلی کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ پنجاب یونیورسٹی کی نمائش میں رکھا گیا تھا اور ۸ جلوس محمد شاہی (م ۱۱۳۸ھ) کا نوشتہ ہے اور ثناء اللہ فانی کے ہاتھ کا لکھا ہے اور کام کی بات یہ ہے کہ ثناء اللہ وؔلی کو مرحوم کے لفظ سے یاد کر رہا ہے۔ خاتمہ کی اصل عبارت یہ ہے:

"دیوان اشعار وؔلی مسمی سید ولی محمد مرحوم بتاریخ چہار دہم شہر محرم الحرام ۸ سنہ

جلوس میمنت مانوس محمد شاہ پادشاہ غازی خلد اللہ تعالیٰ ملکہ و سلطانہ، روز چہار شنبہ وقت چاشت در بلدہ خیر البلاد احمد آباد حمیت عن الفساد بخط فقیر حقیر اضعف العباد کلب محبوب سبحانی نمود بے بود ثناء اللہ ثانی سمت انجام و صورت اتمام پذیرفت"

اس نسخے میں ولی کو 'مرحوم' کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ ولی ان سنوں سے قبل وفات پا چکا ہے اور جب حسن مفتی کے قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۱۹ھ میں فوت ہوا تو ہمیں اس بیان کی تصدیق میں تامل و تذبذب نہیں کرنا چاہیئے اور بلا حیل و حجت مان لینا چاہیئے کہ ولی کا سن وفات ۱۱۵۵ھ نہیں بلکہ ۱۱۱۹ھ ہے۔

آخر میں ہم قبلہ مولینا عبد الحق صاحب کے انکشاف کی اہمیت اور اسکی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے تنہا صاحب کی خدمت میں انکی طرف سے عرض کرتے ہیں ؎

مرا خواندی و خود بدام آمدی نظر پختہ تر کن کہ خام آمدی

ان سطور کو ختم کرنے سے پیشتر ایک مودبانہ درخواست مولانا کی خدمت میں بھی کی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حسن مفتی کے قطعہ بالا سے بحساب جمل ولی کا سن وفات ۱۱۱۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ ۱۱۱۹ھ غالباً سہو کتابت ہو +

سردار عبد الحمید بی۔ اے

ہندوستان کی برسات پر مسعود سعد سلمان کے اشعار

برشکال ای بهار هندستان ‏ ‏ ‏ ای نجات از بلای تابستان

دادی از تیرمه بشارتها ‏ ‏ ‏ باز رستیم ازان حرارتها

هر سو از ابر لشکری داری ‏ ‏ ‏ در امارت مگر سری داری

بادهای تو میغها دارند ‏ ‏ ‏ میغهای تو تیغها دارند

رعدهای تو کوسها کوبند ‏ ‏ ‏ چرخ گوید همی که بکشوبند

طبع خاک و هوا دگر کردی ‏ ‏ ‏ دشتها را همه شمر کردی

سبزها را طراوتی دادی ‏ ‏ ‏ ثمرها را حلاوتی دادی

راغ را گل زمردین کردی ‏ ‏ ‏ باغ را شاخ بُسَّدین کردی

ای شگفتی نکو نگارگری ‏ ‏ ‏ رنگ طبعی نکو بکار بری

تو بدین حملهٔ که افگندی ‏ ‏ ‏ بیخ خشکی ز خاک برکندی

تیر بگذشت ناگهان بر ما ‏ ‏ ‏ منهزم گشت لشکر گرما

تن ما زیر جامهای تنک ‏ ‏ ‏ گشت تازه ز بادهای خنک

اینست راحت که رنج گرمانیست ‏ ‏ ‏ پس ازین جز امید سرمانیست

حبذا ابرهای پُرنم تو ‏ ‏ ‏ خرّما سبزهای خرم تو

عیش و عشرت کنون توان کردن ‏ ‏ ‏ می بشادی کنون توان خوردن

که ز گرمی تنبه نگردد جان ‏ ‏ ‏ نشود همچو چوب خشک دهان

جام باده نجوشد اندر کف

چون سر دیگ بر نیارد کف

(دیوان مسعود نسخهٔ پنجاب یونیورسٹی)

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۱ - عدد ۱	بابت ماہ نومبر ۱۹۳۴ء	عدد مسلسل ۳۹

فہرستِ مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور بابو این این مترا نے دفتر اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

سب رس

یعنے قصۂ حسن و دل تصنیف ملا وجہی

مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے آنریری سیکرٹری انجمن ترقی اُردو۔ اورنگ آباد

۱۹۳۲ء

فتاحی نیشاپوری نے حسن و دل کا ایک مثالی افسانہ نویں صدی ہجری میں اولاً فارسی نظم میں بعدہٗ نثر میں لکھا۔ اس کے بعد متعدد اشخاص نے اس پر طبع آزمائی کی۔ جن میں زیادہ تر ترکی اور ہندوستانی اہل قلم شامل ہیں۔ ترکوں میں آہی۔ لامعی اور صدقی کا نام ملتا ہے۔ ہندوستان میں داؤد ایلچی نے فارسی میں اور شاہ بحر العرفان اور شاہ پیر اللہ مجرمی نے دکنی میں نظم کیا۔ اہل مغرب نے بھی اس میں دلچسپی لی ہے۔ آرور براون نے ۱۸۰۱ء میں اور ولیم پرائس نے ۱۸۲۸ء میں اس کے تراجم بزبان انگریزی کئے۔ جرمن ڈاکٹر رڈولف دوراک نے ۱۸۸۹ء میں اصل فارسی متن مع ترجمہ ایک منتقدانہ مقالہ کے ساتھ شایع کیا اور مسٹر گرین شیلڈس نے ۱۹۲۶ء میں اصل فارسی متن پھر طبع کیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قصۂ حسن و دل کو فتاحی کے زمانہ سے لیکر اب تک خاصی شہرت رہی ہے اور ایک جماعت اس میں دلچسپی لیتی رہی ہے۔

ہمیں مولانا عبدالحق پروفیسر جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد و اڈیٹر انجمن ترقی اُردو

تا شناگذار ہونا چاہئے ۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک نہایت اہم تالیف دریافت کی ۔ اس سے ہماری مراد ملا وجہی کی نثری تصنیف سبرس ہے جو ۱۰۴۵ھ میں عبداللہ قطب شاہ والی حیدرآباد (۱۰۳۵ھ ۔ ۱۰۸۳ھ) کے واسطے دکنی زبان میں لکھی گئی ۔ مولانا نے علمی دنیا کو سب سے پہلے اس کا سراغ ایک عالمانہ مقالہ کے ذریعہ سے جو اپریل ۱۹۲۵ء کے رسالۂ اردو میں چھپا تھا دیا اور اب اصل کتاب مع مقدمہ و فرہنگ مختلف نسخوں سے مقابلہ کے بعد ترتیب دیکر شایع کی ۔

کتاب کے صفحات کی تعداد ۳۷۲ ہے جن میں مقدمہ کے ۵۲ ' کتاب کے ۳۰۰ ' فرہنگ کے ۱۶ ' اور غلط نامہ کے ۴ صفحات ہیں '

وجہی کے حالات میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ وہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد کا ایک زبردست عالم بلند پایہ شاعر اور بےمثل ادیب ہے ۔ سبرس کے علاوہ جیسا کہ فاضل مرتب نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے وہ تاج الحقایق ایک نثری تالیف اور مثنوی قطب مشتری کا مالک ہے علوم میں اسکا پایہ معلوم نہیں ۔ لیکن اس کے اس کارنامہ سے جو ہمارے پیش نظر ہے اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ اسلامی علوم و السنہ کے علاوہ ہندوستانی زبانوں میں بھی اسکو کافی دسترس ہے ۔ مرہٹی اور گوجری (گجراتی اردو) کے ساتھ ساتھ گوالیری (برج بھاشا) کے لٹریچر سے آشنا ہے ۔ امیر خسرو کے ہندی کلام سے واقف ہے ۔ اسپر طرہ یہ کہ اردو (جسے وہ زبان ہندوستان اور قول اہل ہند کے ناموں سے یاد کرتا ہے) بھی جانتا ہے ۔ اب جو شخص عربی فارسی ۔ برج ۔ گوجری ۔ اردو اور مرہٹی سے واقف ہو اور ان کے چیدہ اور منتخب اساتذہ کے کلام پر عبور رکھتا ہو ۔ شعر و ادب کے نکات کو سمجھتا ہو ۔ صحیح دماغ نکتہ رس طبیعت اور بلند تخیل کا مالک ہو ظاہر ہے کہ اسکا ادبی مذاق کس قدر شایستہ اور شستہ ہوگا ۔ وجہی کی خوش مذاقی کے ثبوت میں یہ کتاب

پیش کی جا سکتی ہے۔

سبرس اس دقیق اور رنگین طرز میں لکھی گئی ہے جسکو مقفی اور مسجع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فارسی اور عربی میں اس انداز کی بہت کتابیں ملتی ہیں جن میں زیادہ مشہور مقامات بدیعی۔ مقامات حریری۔ مقامات حمیدی۔ تاریخ وصاف اور درۂ نادرہ قابل ذکر ہیں۔ اردو زبان میں دو کتابیں مشہور ہیں۔ پہلی نوطرز مرصع از تحسین۔ دوسری فسانۂ عجائب از مرزا رجب علی بیگ سرور۔ موجودہ دور میں جب ہمارا صحیح مشرقی مذاق اپنے مرکز ثقل سے ہٹ کر مغربی ذوق و وجدان کی طرف جھکتا جا رہا ہے۔ ہم نثر کے ایسے مرصع کاروں اور عبارت کے معماروں کو ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن تکلف اور طمطراق ہماری تہذیب کا ایک مابہ الامتیاز ہے اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو نثر کے سادہ کاروں کے بجائے مرصع کاروں کو پسند کرینگے۔ نثر قدرتاً روکھی پھیکی اور سادہ ہوتی ہے۔ وقت پسند طبائع اس میں سجع کی چاشنی دیکر خوش آیند بنانا چاہتی ہیں اور نثر میں نظم کا لطف پیدا کر دیتی ہیں اور جس قوم نے اپنی طفولیت کے زمانہ میں قرآن پاک کی مسجع اور خوش آہنگ آیات بینات کی تلاوت کی تھی کس طرح ممکن ہے کہ وہ قوم بڑی ہو کر اس خاص طرز نگارش میں کوئی دلچسپی نہ لے۔ رنگینی اور رنگین بیانی مسلمان قوموں کی گھٹی میں پڑی ہے۔

وجہی نے جب آنکھ کھولی ہے ہندوستان میں فارسی زبان کا دور دورہ تھا۔ شمال اور دکن میں فردوسی۔ سعدی۔ خسرو اور حافظ کے نام لیوا موجود تھے۔ نظم میں تازہ گوئی اور نثر میں خیال بندی اپنا سکہ جما رہی تھی۔ ظہوری نے دکن میں اور ابو الفضل نے ہندوستان میں نثر کے ایسے اعلیٰ نمونے پیش کئے جو آیندہ چلکر ادبی شاہکار مانے گئے۔ عرفی۔ نظیری اور فیضی نے شعر کو حد کمال تک پہنچا دیا۔ مغل اور دکنی سلاطین کے زرق برق درباروں میں ایرانی اور ہندوستانی باکمالوں کا جمگھٹا

رہتا تھا۔ شعر و سخن کی محفلیں گرم تھیں اور گھر گھر فارسی کا چرچا تھا مختصر یہ کہ ہندوستان تہذیب و شائستگی میں رشکِ صفاہان و شیراز تھا۔ وجہی تہذیب و تربیت کے لحاظ سے بالکل فارسی رجحان کا ادیب تھا اور جن بلند ادبی نمونوں کی فضا میں اس نے تربیت پائی انہی کے اتباع میں اسنے اپنے اس شاہکار سب رس کی بنیاد ڈالی۔ فارسی میں رنگین نگاری چنداں مشکل نہیں ہے۔ لیکن وجہی نے اپنی ادبی مہم کے لئے جس زبان کا انتخاب کیا وہ اُردو تھی جس زبان میں نہ اسکا کوئی رہبر تھا نہ پیشرو۔ اُردو ان ایام میں محض معمولی بول چال اور تفریح کا ذریعہ تھی۔ اس میں ہر قسم کا ادبی سرمایہ مفقود تھا۔ نظم میں البتہ گجرات و دکن میں بعض تالیفات تھیں لیکن جہاں تک نثر کا تعلق ہے مطلع بالکل صاف تھا۔ سناٹے اور ہو کا عالم تھا۔ ان حالات میں وجہی کا دنیا کے سامنے یکایک ایسی بلند پایہ تصنیف پیش کرنا درحقیقت اعجاز سے کم نہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ وجہی کو اپنی جدت طرازی کا پورا پورا احساس ہے۔ اسنے اُردو میں جدید شاہراہ کھولی ہے وہ اس کی اہمیت اور مہم کی دشواریوں کا ذکر بار بار دیباچہ میں پورے شد و مد کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں کرتا ہے ؛

"فرہاد ہو کر، دونوں جہان تے آزاد ہو کر، دانش کے تیشے سوں پہاڑ اُلٹایا تو یو شیریں پایا تو یو نوی باٹ پیدا ہوی تو اس باٹ آیا" صـ۱۳

"حکوئی اچایا بنیاد اول آخر وہی استاد۔ یو عجائب نظم ہور نثر ہے۔ جانو بہشت میں کا قصر ہے۔ سطر سطر پر برستا ہے نور، ہر یک بول ہے یک حور۔ اسے پڑ کر جنے حظ پایا، جانو بہشت میں آیا" صـ۱۴

بہرحال وجہی اپنے کارنامے پر اور اُردو وجہی پر جس قدر فخر کرے کم ہے؛ سب رس کا طرز بیان رنگینی کے التزام کے باوجود شگفتہ اور دلکش ہے۔ عبارت کی آرایش اور قافیہ کی پابندی کے باوجود مصنف نے سلاست کا دامن

نہیں چھوٹتا ہے۔ کتاب اگرچہ دکنی میں لکھی گئی ہے اور دکنی بھی وہ جو جہانگیر اور شاہجہان کے زمانوں میں بولی جاتی تھی تاہم اردو خواں اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں'

کتاب کا پلاٹ چنداں دلچسپ نہیں فرائض افسانہ نگاری سے عام طور پر پوری غفلت برتی گئی ہے۔ لیکن ایک ادبی پایہ کی تصنیف میں یہ نقص چنداں قابل لحاظ نہیں۔ ایسی تصنیفات کا مقصد درحقیقت افسانہ نگاری نہیں ہوتا بلکہ افسانہ کے پیرایہ میں اخلاقی سبق اور درس حیات دینا اور ساتھ ہی متین خیالات کو ایک دلفریب پیرایہ میں ادا کرنا اسی لئے ایسی کتابوں میں اخلاقی پہلو ہر بہانہ سے نمایاں کیا جاتا ہے اور طبیعت کا تمام زور اسی پر صرف کر دیا جاتا ہے۔ نظامی۔ خسرو اور جامی کی مثنویات کا یہی ڈھنگ ہے اور اس نقطۂ نظر سے سب رس ان کی نہایت قریبی مقلد ہے'

مصنّف کی عام معلومات' دوسری زبانوں کے لٹریچر سے اسکی وسیع آشنائی اور عام زندگی کے تجربہ نے اس کو اس بات کا اہل بنا دیا ہے کہ زندگی کے اخلاقی اور معاشی مسائل۔ فضائل و رذائل معائب و اوصاف پر صحیح طریقہ سے رائے زنی کر سکے۔ اس تعلق میں وہ اپنی معلومات کے ذخیرہ سے جو غیر محدود معلوم ہوتا ہے کام لیتا ہے۔ آیات کلام پاک۔ احادیث و اقوال بزرگاں اساتذہ کے اشعار اور دیگر مختلف زبانوں کی امثال کے برمحل ایراد سے کتاب کے حسن کو دوبالا کر دیتا ہے بلکہ اپنی طرف سے بھی پاکیزہ خیالات اور چست فقرات کا اضافہ کرتا ہے'

ادبی پہلو سے قطع نظر اور اوصاف ہیں جنکی بنا پر یہ کتاب گوناگوں دلچسپیوں کا مرکز بنجاتی ہے۔ لغت و لسان اور قدیم صرف و نحو کے محقق اسکو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھیں گے۔ بالخصوص اس کا وہ حصّہ جو قدیم محاورات اور ضرب الامثال سے

تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح فارسی اثر بھی اس میں نمایاں حصّہ لیتا ہے۔ اُردو پر فارسی کا اثر صرف الفاظ و محاورات و ضرب الامثال تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اسلوب بیان طریق ادا اور صرفی پہلو تک پر حاوی ہے۔ آیندہ صفحات میں انہیں بعض خصوصیات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے'

جن بعض امور پر یہ کتاب بالواسطہ روشنی ڈالتی ہے۔ ان میں سب سے اہم وہ ہے جو اُردو اور برج سے متعلق ہے۔ ہمارے ہاں یہ نظریہ مقبول عام ہے کہ اُردو برج بھاشا سے نکلی ہے۔ یعنے جب سے برج بھاشا میں فارسی عربی الفاظ کا پیوند ہونے لگا اُردو پیدا ہو گئی۔ یہ نظریہ اُردو زبان کے بہترین مورخ مولانا آزاد کا ہے۔ لیکن وجہی کے ہاں ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں زبانیں بالکل مختلف ہیں۔ اُردو کو وہ زبان ہندوستان یا قول اہل ہند کہتا ہے اور برج کو گوالیری کے نام سے یاد کرتا ہے۔ جس طرح اُردو نام قدیم نہیں ہے اور خان آرزو کے عہد سے رواج میں آیا ہے۔ اسی طرح برج نام بھی قدیم نہیں' فارسی اہل قلم اُردو کو ہندی یا ہندوی کہتے ہیں اور برج کو گوالیری۔ مغلیہ عہد کے مصنفین ابو الفضل۔ عبدالحمید لاہوری محمد صالح بلکہ خان آرزو تک برج کو اسی نام سے پکارتے ہیں۔ وجہی ان دونوں زبانوں سے دوہرے اور کہاوتیں نقل کرتا ہے۔ دوہرے گوالیری سے اور کہاوتیں اُردو سے اور جہاں جس زبان سے اسنے کچھ لیا ہے وہاں اس زبان کا حوالہ دیدیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہندوستانی اور گوالیری کو دو مختلف زبانیں مان رہا ہے۔ خان آرزو جو وجہی کی طرح ان دونوں زبانوں سے تعلق رکھتے ہیں پھر ان زبانوں کو دو مختلف زبانوں کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ ایک ان کے نزدیک گوالیری ہے جو "افصح السنۂ ہند" ہے اور دوسری "زبان اردوی معلےٰ" یا "زبان شاہجہان آباد"۔ ان بزرگوں کے بیانات کے رو سے جن میں پورا ایک ڈیڑھ صدی کا فاصلہ ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ

دونوں زبانیں معاصر ہیں اور ان میں ماں بیٹی کے تعلقات ہرگز ہرگز نہیں ہیں'۔

امیر خسرو کی ہندی شاعری ہمارے ہاں معرض بحث میں ہے۔ سب رس میں خسرو کا ایک ہندی دوہرہ درج ہے وہ ہو بہو یہ ہے:-

بیت: پنکھا ہو کر میں ڈولے ساقی تیرے چاؤ منجہ چلتے جنم گیا تیرے لیکھن باؤ۔

یہ گویا ایک قدیم ماخذ ہے خسرو کی ہندی شاعری کا

عربی اقوال

کتاب میں عربی مقولے کثرت سے ملتے ہیں اور مصنف نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ ان کا استعمال کیا ہے:-

ص ۲۳ جس میں سلوک وہی سالک نہیں تو مذبذبین بین ذالک۔

ص ۱۵۸ دانایاں میں یوں چلی ہے بات العقل نصف الکرامات۔

ص ۱۶۷ مرتضیٰ فرماتے ہیں جنو کی بات دایم قایم عرفت ربی بفسخ العزائم۔

ص ۱۷۳ کھولے ہیں اسبات کی گرہ ' کہے ہیں الدنیا مزرعۃ الآخرۃ۔

ص ۱۸۱ صبوری ستے دنیا صبوری تے دین' مصحف کی آیت ہے کہ ان اللہ مع الصابرین۔

ص ۲۰۱ مصحف میں یوں دیے ہیں خبر' اذا جاء القضا عمی البصر۔

ص ۲۰۸ مصحف کی آیت بھی آئی ہے یہاں رہنموں' کل حزب بمالدیہم فرحون

ص ۲۵۶ ہمنچہ (ہمیں) نیں سمجے کس کا کیا کرنا گلہ' پیغمبر کہے ہیں کہ المرء عند المعاملہ

ص ۲۸۳ عاقلاں نے بی یوں کہے' کہ آخر الدواء الکی۔

صرفی خصوصیات

ضمائر

بعض تو وہی ہیں جو اردو میں رائج ہیں ۔ بعض ایسی ہیں جو اردو سے مختلف ہیں
میں ان کا یہاں ذکر کرتا ہوں ۔

(۱) فاعلی جمع متکلم = ہمیں (ہم) :-

ص۱۴۶ " ہمیں بی عجب مرد ہیں ' بہت کوئی بڑے فرد ہیں " ۔

ص۱۰ " دنیا میں کون سُنا راست کرتا ' ہمیں عبث کیے تھے سُننے کی آس اتا "
(یعنے ہم نے) ۔

ص۲۵۹ " تو ... دلاں میں کہ ہمیں کرتیاں ہیں ناز " ۔

(۲) مفعولی جمع متکلم = ہمنا (ہم کو) -

ص۲۲ " ہمنا ہماری نہایت کی معلوم نیں ہوتی خبر ' اس کے نہایت کی کسے خبر "

ص۱۹۵ " ظاہر کی صورت تماری دیکھتے ہیں اپنے باطن کی صورت ہمناکوں دکھاو "

(۳) مجروری جمع متکلم = ہمناتے (ہم سے) ۔

ص۱۴۶ " ہر ایک کام اپے سنبھالتا آتا ہے ۔ نیں تو کیا ہمناتے سنبھالیا جاتا ہے "
لیکن نہایت تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ ' ہم ' جو اردو میں اسقدر عام ہے اس
کتاب میں بہت کم ملتا ہے ' ۔

(۴) فاعلی جمع حاضر = تمیں (تم) ۔

ص۲۴۷ " کھانے میں تے اڑیا لون ' اتاں تمیں کون ہمیں کون " (یعنے تم) یہاں
علامت جمع حذف کر دی گئی ہے اور یاد رہے کہ امثلۂ آئندہ میں بجای خطابیہ
' ہو ' غائب کی علامت ' ہیں ' لائی گئی ہے ' ۔

ص۵۸ "نظر پوچھیا کہ تمیں کون ہیں کیا نام دھرتے ہیں کیا کام کرتے ہیں"؟

ص۱۱۹ "تمیں دونو بی میرے پر عاشق ہیں"۔

(۵) واحد غائب = اُن (اُس)۔

ص۱۳۱ "اُن نے سنیا کہ دل اتال جاتا ہے"۔

ص۱۵ "اُنے کہیا اے پیر سلام صاحب تدبیر سلام' اُنے کہیا اے جوان علیک سلام"۔

ص۱۴ "جنے خلیفے کوں نیں سمجھیا اونے کیا سمجھیا"۔

(۶) جمع غائب = انو (انہوں)۔

ص۱۲ "جنوں نے دل میں دانش نے گیا تھا گھر' انو دیکھتیچ کہے کہ تمیں حق کے برحق پیغمبر"۔

ص۱۱ "انو کے دلاں انوکیاں انکھیاں انو کے کاناں قدرت سوں یاندکر غفلت کی دی گرہ"۔

(۷) جمع غائب = اینو (انہوں)۔

ص۳۸ تیرے پاس بی . . . صاحب شمشیر صاحب تدبیراں ہیں' اینو کا دل ہات لے' اینو کی موں کی بات لے' اینو سوں قول قرار اچھے"۔

اسم اشارہ

واحد قریب :- ان (اس)۔

ص۱۳۲ "ان چور نے ان حرام خور نے چاڑی کھایا"۔

ص۲۵۵ "ان چھنال نے مجھے جیو بن ماری' ان چھنال نے اپنا دندہ ماری' ان چھنال نے میرا گھر گھالی' ان چھنال نے مجھے دیس انتر دی"۔

ایضاً = یو (وہ) :-

ص۱۳ " دانش کے تیشے سوں پہاڑاں اٹھایا تو یو شیریں پایا، تو یو نوی بات پیدا ہوی"-

ص۵۶ " لہوے تے یو ملک یو راج آیا، لہوے تے یو تخت یو تاج آیا"

واحد بعید = وو (وہ) ص۱۵۳ " جس کوٹ کوں کوٹ کہیا جاے سو یو کوٹ ہے، یو کوٹ ہوے تو وو کوٹ سہاوے، یو کوٹ نیں تو وو کوٹ کیا کام آے"

جمع قریب = یو (یہ) :-

ص۳۹ " انو کا عشق فاش ہوا تو یو حکایتاں چلیاں آجنوں"-

ص۱۳۲ " یو دو نو جنے ملکر منگتے ہیں جو دل کوں دیدار کے شہر کے او دھرلے جاویں"

ص۱۴۴ " یو بولاں لوکاں رکھے ہیں چن چن"-

ص۹۲ " حسن یو سواد بھریاں باتاں سن، یو کھریاں باتاں سن کچھ فکر دل پر لیائی"

اس آخری یو کو اگرچہ اس میں کوئی علامت جمع موجود نہیں۔ میں نے جمع مان لیا ہے۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری زبان ایک بڑی حد تک جس میں صرفی امور بھی شامل ہیں قدیماً فارسی کا اتباع کر رہی ہے اور فارسی میں قاعدہ ہے کہ جس طرح واحد کے ساتھ اسی طرح ' این ' یا ' آن ' جمع کے ساتھ بھی لایا جاتا ہے مثلاً ایں مرد و ایں مردان نہ ایں مرد و انیاں مرداں - اردو جو فارسی کے آغوش میں پرورش یافتہ ہے اپنی دکنی شاخ میں جو قدیم ہے اس قاعدے کی پابند ہے اسی لیے پچھلی مثالوں میں ' یو ' اسم اشارہ ' خلاف قیاس ' بولاں حکایتاں وغیرہ مشار الیہ جمع ' کے ساتھ آ رہا ہے - حالانکہ اردو میں اسم اشارہ جمع میں بھی موجود ہے یعنے اِن اور اُن وغیرہ - میں اپنے اس عقیدہ کی تائید میں مثال ذیل عرض کرتا ہوں -

ص۴۶ " معدن اس داروں کا دلربا شہر دیدار ہے " -

اس مثال میں ہم دیکھتے ہیں کہ داروان جمع کے ساتھ 'اس' واحد لایا گیا۔ حالانکہ مصنف اس کے بجائے اگر 'ان' کہدیتا تو زیادہ صحیح ہوتا۔ مگر چونکہ دکنی فارسی کی مقلد ہے اور فارسی میں ایسی صورت میں 'معدن این داروہا' لایا جاتا اسلئے وجہی مجبور تھا کہ محاورہ کے مطابق 'اس' لاے۔ جدید اردو میں اس میں شک نہیں اشارہ اور مشار الیہ دونوں جمع آتے ہیں یعنے 'ان داروونکا معدن' ۔ اِن مثالوں پر بھی نظر ڈال لیجائے:۔

ص۱۱ آج لگن کوئی اس جہان میں' اس ہندوستان میں ' ہندی زبان سوں' اس لطافت اس چھنداں سوں نظم ہور نثر ملا کر گلا کریوں نیں بولیا" اس مثال میں چھنداں جمع کے ساتھ اس واحد آیا ہے'۔

ص۲۱ کیا تھا کیا ہے کیا ہوے گا اس باتوں سوں ہمنا کیا کام' ہمنا خدا کوں ایک جاننا ہور اس کا محبت ہے فرض' خدا کے کاماں سوں ہمنا کیا غرض" یہاں اس باتوں اردو محاورہ کے خلاف ہے'۔

ص۵۲ "جس انکھیاں کوں دیدار کی لگی حیرانی' اس انکھیاں کا کیوں نہووے ایسا پانی" اس مثال میں بروے قاعدہ 'جن انکھیاں' اور 'ان انکھیاں' چاہیے مگر مصنف فارسی کی تقلید کر رہا ہے۔

ص۱۴۸ " ایک جھاڑ اسے کیتاں ڈالیاں سن' ہر ایک ڈالی میں جنس جنس کے گن' اس ڈالیاں میں بھی رنگ رنگ کے پھلے ہیں پھول' پھول کتا میں ڈالی تے آیا ڈالی کتی میں جھاڑ میں تے آئی' سب جھاڑ ہے نکو بھول" (اس ڈالیاں فارسی محاورہ کے مطابق ہے)۔

ص۱۵۸ " وہم کی باتاں کا اسپر اثر چڑیا' جو کچھ وہم کیا تھا سو اس کاماں کے خیال میں پڑیا'۔

یہاں یہ بھی اضافہ لیا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں ضمیر اور اسم اشارہ میں بھی التباس ہو جایا کرتا ہے۔ وہ، اس، اُن وغیرہ میں جو اسم اشارہ بھی ہیں اور ضمیر بھی تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ یہ بیضابطگی خود ہماری زبان کی پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ اسے فارسی سے میراث میں ملی ہے۔ فارسی میں بھی 'او' ضمیر اور 'آن' اشارہ میں مغالطہ ہو جایا کرتا ہے۔ چنانچہ قواعد نگار اس گنجلک کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں'۔

"آن اگرچہ بظاہر مشترک ہے مگر درحقیقت اشارہ و ضمیر میں فرق ہے چنانچہ کہ سکتے ہیں آنکس - آنمرد اور نہیں کہ سکتے اوکس - او مرد (جامع القواعد)

مَیں نے امثال بالا میں ضمیر اور اشارہ کی شناخت کے واسطے فارسی قواعد سے کام لیا ہے جو دکنی پر تو بالکل درست بیٹھتے ہیں'۔

جمع

الف نون کے الحاق سے عام طور پر جمع بنتی ہے۔ البتہ اگر آخر میں الف ہو تو یہ الف (ی) کے ساتھ بدل دیا جاتا ہے۔ امثال۔

(ا) دانشمنداں - چاتراں - صورتاں - مورتاں - پھلاں، پھولاں جھاڑاں - زوراں - فہمداراں - گن کاراں - آفتاباں - حوراں - پیغمبراں - ہاراں - گلاں - خویشاں - خدمتگاراں - دو تنخواہاں - امیدواراں - صاحب تمیزاں - ترکش بنداں - گھراں - پیکاں - بولاں - جاہلاں - سرورداں - جناوراں - کوڑاں - صاحب حاصلاں - حکایتاں - خرافاتاں - درمنداں - نیناں - سیناں - داروان - غماں - چالیاں - آنکھیاں - بنگڑیاں - رنگیلیاں - چھبیلیاں - باتیاں - سگھڑ سہیلیاں - چاند جیسیاں -

(ب) غمزیاں - نخریاں - عشویاں - پیاریاں - دیدیاں - دیوانیاں - سچیاں - مسخریاں - دسریاں - کنگوریاں - تاریاں - تلویاں - مال ملاتیاں - دھتیاریاں -

بھاتیاں - ریجھاتیاں "۔

غمزہ، عشوہ ، دیدہ وغیرہ اگرچہ ہ پر ختم ہوتے ہیں۔ لیکن دکنی میں یہ ہ تحریر و تقریر میں الف سے بدل گئی ہے"۔

تصریف کے قاعدہ میں اردو سے مختلف ہے۔ اردو میں پادشاہوں فاعلی۔ مفعولی وغیرہ حالتوں میں پادشاہوں بنجاتا ہے اور دکنی میں بدستور پادشاہاں رہتا ہے۔ چنانچہ:۔

فاعلی = ص۴۸ " برے لوکاں شہر میں کوچے کوچے بھرے ہیں " ۔

ایضاً = ص۱۲ " خدا کے دوستاں نے بوے ہیں " ۔

مفعولی = ص۱۵ " وہاں کے لوکاں کوں پوچھیا " ۔

اضافی = ص۱۵ " معشوقاں کے نازاں کیا سمجھتے ، عاشقاں کے چھنداں کوں کیا جانتے "۔

مجروری = ص۵۲ " کس کس لذت بھرے درداں سوں انکھیاں میں نے پڑتا ہے بند ایک ایک " ۔

'نے' کا استعمال

نے اردو میں محض فاعلیت کے لئے آتا ہے اور عام قاعدہ یہ ہے کہ فعل بحالت جمع و وحدت و تذکیر و تانیث اپنے فاعل کا تابع رہتا ہے۔ لیکن جب 'نے' کسی جملہ میں آتا ہے تو فعل بجای فاعل کا تابع ہونے کے مفعول کا تابع بنجاتا ہے دکنی 'نے' کے استعمال میں بالکل بے قاعدہ ہے۔ اس زبان میں وہ فاعل اور مفعول دونوں کے لئے آتا ہے جیسا کہ ہریانی کا دستور ہے۔ لیکن فاعلی علامت ہونے کی حالت میں اردو کے برخلاف فعل اپنے فاعل کا تابع رہتا ہے"۔

(۱) فاعلی:- ص۲۸ پادشاہاں نے دنیا کا حظ چھوڑے خلق کا دل توڑے۔
ص۹ غمزے نے نظر کوں اپنے گھر لے کر گیا۔
ص۵۶ اس خاطر زلیخا نے کیا کری۔
ص۲۵۸ جن عورت نے اتنی جھل کھائی، ان نے آخر مرد کوں گنوائی۔
ص۱۷ رقیب نے روسیاہ نے بے نصیب نے بولیا۔
ص۱۹ یو بات ہوئے پچھیں غمزے نے نظر کوں دوسرے دیس حسن کے حضور لیایا'
(۲) اُردو میں مصدر بولنے اور لانے کے ساتھ نہیں آتا۔ دکنی میں آتا ہے:-
ص۲۱۶ وفا با صفا نے بولی۔
ص۱۹۶ حسن دہن من موہن جگ جیون نے بولی۔
ص۲۲۱ دل کوں تو خدا نے باغ میں لیایا۔
ص۱۹ خدا نے اسے یاں لیایا۔
(۳) مفعولی:- ص۲۱ بے نمک کھانے تے آدمی نے کیا سواد پانا۔
ص۱۱۵ آدمی نے خدا کے کاماں سمجکر چپ رہنا، کسے کچھ نا کہنا۔
ص۱۳ آدمی برا اچھے تو شراب نے کیا کرنا۔
ص۱۰۵ انسان نے اتنا تو حاصل کرنا ہے کہ بارے نماز کے لگن اسے خدا بن کچھ یاد نہ آوے یہ نے بالکل اسی طرح ہے جیسے پنجاب میں بولا جاتا ہے'۔

'کر' فعل

دو فعلوں میں عطف کے لیے آتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ فاعل نے پہلا فعل ختم کر کے دوسرے فعل پر عمل کیا۔ سب رس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فعل کا دائرۂ عمل بہت وسیع تھا۔ ان ایام میں نہ صرف وہ ایک فعل پہ دوسرے فعل کی تقدیم ظاہر

کرتا ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ اور مقاصد کے لئے بھی آتا ہے :-

(١) علت کے لئے آتا ہے مثلاً ۔

ص١٣١ "خدا نے بخشیا کیا کر، خدا کے فرمودے میں بی ایتے کر" (کیا کر یعنی کس طرح اور کس لئے۔ پنجابی میں اس کا مرادف 'کی کر' آج بھی استعمال ہوتا ہے)

ص١٥٦ " اپنا کام فتح ہوا کر بہوت خوش حالی پائے "۔ (یعنے کام فتح ہوا اس سے خوش حال ہوئے ۔ فتح ہونے سے) ۔

ص٢٩٥ " خدا جو پادشاہاں کوں پادشاہی دیتا ہے ۔ خلق کوں کیوں پلتے کر خبر میں لیتا ہے " ؟ (یہ استفہامیہ ہے ۔ یعنے خلق کو کیونکر پالتے ہیں۔ کیونکر آج بھی اردو میں آرہا ہے) ۔

ص٥ " نشان اس آب حیات کا کیں نیں پایا کر بہوت تلملیا " یعنے اس بنا پر تلملایا ۔

(٢) طرح - مانند - سا - یوں وغیرہ کا بھی مفہوم ادا کرتا ہے ' ۔

ص٧ جیتے خدا کے دوست خدا کوں پچھانتے ہیں ۔ سب بی بی رابعہ کوں بڑے ہیں کر مانتے ہیں " ۔ (یعنے بڑے کی طرح مانتے ہیں ۔ بڑا کر کے مانتے ہیں پنجابی میں آج بھی اسی طرح بولتے ہیں " میں تے تینوں وڈا کر کے سمجھیا سی " میں تو تجھے بڑا کر کے سمجھا تھا یعنے بڑے کی طرح)

ص١٩ اگر یہیچ (یہی) وجہ مطلق کچھ نا دستا تو ہر گز " خدا ہے " کرنا کہتے " (یعنے ہے خدا کر کے نہ بولتے " خدا موجود ہے یوں نہ کہتے)

ص١٥ " اجالے کے رہن ہاریاں سوں لڑتا جھگڑتا ۔ اندھارے کوں اجالا کر سمجتا ' لال کوں کالا کر سمجتا " (یعنے اندھیرے کو اجالے کی طرح اور لال کو کالے کی طرح سمجھتا)

ص۲۶۲ "عشق میں محکم ہے کرجانتی تھی ' عاشق ثابت قدم ہے کرجانتی تھی"۔
(یعنے عشق میں محکم ہے یوں جانتی تھی)۔

ص۲۰۵ عقل یوں نہائی ہور داں یوں سنپڑیا کرکھیا ' نعیبیاں میں جو کچھ لکھا تھا سو اپیڑیا کرکھیا" (یعنے یوں کہا)۔

ص۲۳۰ "محمد میں محمد ہوں" کر کہے"۔ (ہوں محمد کرکے بولے یا محمد ہوں یوں بولے)۔

ص۲۶۹ "گھر ہیں تے بھار نکو نکلنے دیو کر فرمایا" (یعنے گھر سے باہر نہ نکلنے دینا یوں فرمایا)۔

ص۲۲ "موسیٰ نے خدا کوں دیکھنے کا سوال کیا ' نیں دستا سو دستا کر خیال کیا" (گویا نادیدنی کو دیدنی کی طرح مانا)۔

(۳) برائے تاکید جیسے خاص کر وغیرہ:۔

ص۹۲ "بہت کر اسیچ تے حسن کوں چھپاتے ہیں" (یعنے اکثر و بیشتر یا اکثر کرکے)۔

(۴) بہ معنی مصدر بطور فعل مرکب جیسے کر گزرنا ۔ کر چھوڑنا ۔ کر بیٹھنا وغیرہ ان میں مفعول مقدر ہے۔

ص۹۱ "پادشاہی آتی وے پادشاہی کر جانتا بہوت مشکل ہے" (یعنے پادشاہی کرنا یا پادشاہی کا فن یا عمل جاننا)۔

ص۱۴۷ صاحب وہیچ جسے صاحبی کرنی آئی ' نفر وہیچ جو کر جانتا ہے نفرائی (نفرائی کرنا ۔ چاکری کرنا)۔

ص۱۱۱ عارف کوں ضرور ہے یو تحقیق کر جانے " (یعنے تحقیق کرنا)۔

(۵) فعل سابق سے مقدم بھی آتا ہے:۔

صـ۱۵۶ فرصت کا وقت غنیمت کر جان تدبیر پر من دھرے " (یعنی غنیمت جان کر)۔

(۶) بطور علامت مفعول :۔

صـ۲۵ " دل دستا نہیں کدھر گیا ہے " کر ڈھنڈنے لاگیا (یعنی " دل دکھتا نہیں کدھر گیا ہے " کہکر ڈھونڈنے لگا)۔

صـ۳۸ " القصہ عشق پادشاہ سوں صلح صلاح کیے ہیں " کربے غم ناچنتا ' ہرچند " جاگ بھروسا کیے ہیں " کربے غم نا اچھتا "۔

سی ' مستقبل

سب رس میں اس مستقبل کا استعمال اس قلت کیساتھ ہوا ہے کہ باوجود تلاش مجلو صرف چار صیغے مل سکے :۔

(۱) واحد غائب :۔ صـ۱ کیا عورت کیا مرد ' جس میں عشق کا کچھ درد ' اس کتاب کو سینے پرتے ہلاسی نا ' اس کتاب بغیر کوئی اپنا وقت بھلاسی نا۔

صـ۱۹ بعض کہتے ہیں کہ خدا کوں اس نظرسوں دیکھیا جاسی ' نظرسوں خدا کوں دیکھیں گے تو خدا نظر نا آسی [اس مثال میں پہلا فعل مجہول ہے]

صـ۲۷ پادشاہ کوں عدل انصاف بغیر ہور کچہ پوچھ بچار نا ہوسی ' پادشاہ شراب پیا تو گنہگار نا ہوسی '۔

صـ۳۱ دسرے کی تقصیر کا حجت اپس پر نا آسی ' کسی کے گنہ خاطر کسی کوں دوزخ میں نا بھاسی ۔

صـ۵۴ ہمت کی صفت جوں ہے تیوں کوئی کرسی نا ' ہمت کی صفت جیتک کہے بی سرسی نا ۔

ص۲۱ مجھے یو کام بغیر آرام نا ہوسی تا یو کام نا ہوسی۔

مثال مونث :- ص۱۲ جو بات نا آسی میانے میاں۔

(۲) جمع غائب :- ص۱۰ جو کوئی صاحب دل ہیں، انو کے دل اس گل میں نا بھاسیں، انو کے دلاں پر ایسے خطرے ہرگز نا آسیں۔

ص۱۰ یو ہرن من ہرن، کون سکے انو کوں رام کرن، پھاندے ہیں پاڑینگے وے پھاندے میں پڑسیں نا، دسریاں کوں سنپڑا دینگے وے اپے سنپڑسیں نا، ص۲۰ انو بی کچھ دیکھے ہیں، بہوت کام کیے ہیں دنیا کا بھلا برا سب فام کیے ہیں، بھنے کاماں ہیں ہرگز نا جاسیں، کوئی دغا دینے آیا تو دغا نا کھاسیں، ص۲۰ ہر ایک کام کیے تو بڑیاں کو خبر کرنا، آخر خوب اچھیگا تو کرو کئیں گے و اگر برا اچھیگا تو جواب نا دیسیں۔ چپ رہینگے۔

(۳) واحد حاضر :- جو لگن تو سب تے بے طمع نا ہوسی، عشق میں آئے بغیر خاطر جمع نا ہوسی۔

ص۲۲ موسیٰ کوں جواب آیا کہ لن ترانی یعنے نا دیکھ سی تو یو انوار سبحانی۔

(۴) واحد متکلم :- ص۲۱۵ میں ایسی نیں ہوں، تو بولے پچھیں تدبیر نا کرسوں، جیو سوں راضی ہوں، فرما، تقصیر نا کرسوں۔

باقی صیغے یعنے جمع حاضر اور جمع متکلم اس کتاب میں نہیں آتے۔ یہ مستقبل امر اور مضارع کے آمیزے سے بنتا ہے۔ جس میں امر اپنی اصلی حالت پر رہتا ہے اور مضارع میں تصریف ہوتی ہے۔ اسکی تذکیر و تانیث میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سب رس میں اس ندرت کے ساتھ اسکا استعمال ظاہر کرتا ہے کہ اس عہد میں وہ متروک ہو رہا ہے۔

ظرفیہ

صـ۲ ٹھاویں ٹھاوں صـ۲ ٹھاریں ٹھار ۳۲ میانے میان ۔
صـ۲۷ بازارے بازار ... کونچے کونچے صـ۵۳ جنگلے جنگل جنیا ۔
صـ۵۶ رگے رگ میں لہو کوں آتا جوش صـ۶۳ بازاریں بازار پھرتے ۔
صـ۶۶ گھریں گھر ٹھاریں ٹھار صـ۶۷ چمنے چمن صـ۶۵ راسے راس ۔
صـ۱۴۷ پاتیں پات جیو بہلتا صـ۲۶۷ راتیں رات صـ۲۶۷ بالیں بال ۔

اسم فاعل

ا

فارسی کے مقابلہ میں ہندی اسم فاعل کم ملتے ہیں ۔ عام طور پر یہ اسم فاعل مصدر پر ہار ۔ ہارا اور جمع میں ہارے کے اضافہ سے بنتا ہے جیسے صـ۱۴۱ بولنہارا صـ۸ چلن ہارے ۔ بعض یای فاعلی کے اضافہ سے جیسے صـ۲۳ سنگاتی ۔

ایک اور اسم فاعل ہے جو 'تا' کے اضافہ سے بنتا ہے جیسے جانتا (دانا) اور انجانتا (ناداں) صـ۱۷

ایک اور شکل بہ تتبع سنسکرت ہے جس میں مصدر سے قبل اسم آتا ہے جیسے صـ۱۹۳ من موہن ۔ جگ جیون وغیرہ ۔ فارسی الفاظ کی ترکیب سے بھی بنائے جاتے ہیں جیسے صـ۲ پیدا کرن ہار ۔ جو صاف پیدا کنندہ کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے ۔ یہی حالت محبت کرنہار کی ہے 'خبر اپنڑان ہارا' ان سب میں عجیب ہے جو خبر رسان کا ترجمہ ہے ۔ بخشنہارا بھی اسی ذخیرہ سے تعلق رکھتا ہے جو بخشایندہ کے لئے بنا ہے ۔ اس قسم کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ حسب ضرورت الفاظ وضع کیے جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے زبان کے ذخیرہ کو وسعت دیجاتی ہے'

لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اردو اور پنجابی اسم فاعل کی نہایت

عام علامت ’ والا ‘ قطعاً نظر نہیں آتی یعنے بولنے والا ۔ چلنے والا قسم کے اسم فاعل نہیں ملتے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ ’ والا ‘ قدیم نہیں ہے ۔ سرسری نظر میں جو الفاظ ملے یہاں درج ہیں :۔

ص۱ سرجن ہار ص۵ کھیلن ہار ص۱۱ سمجاں ہارا ۔ چوسار ص۱۵ چلن ہار رہن ہار ص۲۵ جان ہار ۔ ص۱۱۱ کرنہارا ص۲۸۶ رٹن ہارا ۔ پڑنہارا ۔ ص۸ دھتیارا ص۴۳ دین ہارا ۔ لین ہارا ص۲۰۴ جیون ہارا ص۲۸ گھر کی رہن ہاری (مونث) ص۲۵۷ سمجن ہارے ۔ جھگڑا لان ہاری ۔ دندکاری (مونث) ص۲۵۸ آپ بھاونا (خودپسند کا ترجمہ ہے ۔ آلپتا ۔ ص۴۵ منگنہارا (خواہندہ کا ترجمہ ہے یعنے سوالی اور گدا) ص۲ چور ۔ پالتی ص۴۵ قسمت کرن ہار ص۱۱۳ دیکھن ہارا ۔ ڈھونڈن ہارا ۔ ص۱۲۳ نشان دیہارا ص۱۴۶ سنبھالن ہارا ص۱۵۰ منا کرنے (کذا) ہارا ۔ بڑے کوں ٹھنا کرن ہارا ۔ ص۱۵ کام آن ہارا ص۱۵۲ چھوڑان ہارا ص۳ کرتار ص۲۶۲ لکھن ونتی ۔ گن بھری ۔ بلہار ص۱۸۲ من ہرن ص۲۸۶ لڑن ہارا ۔ پڑن ہارا ص۱۲۸ کھان ہارے ‘ ۔

تذکیر و تانیث

ہمارے زمانہ میں دہلی اور لکھنو کا اختلاف مسلم ہے اگرچہ جزوی معاملات میں ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ دکنی میں بھی اسکے متعلق کوئی ضابطہ نہیں تھا ۔ کئی الفاظ ایسے ہیں جنکو وجہی دونوں طرح سے لاتا ہے مثلاً ’’مقصود ص۶۳ مذکر ہے ۔ مگر ص۲۸۸ مونث ہے ۔ ناؤں ص۱ مونث ہے اور ص۵۴ مذکر ہے ۔ اور بھی ایسے الفاظ ہیں ذیل کے الفاظ مذکر ہیں :۔

ص۱۳ محال ص۲۱ ذات ص۲۴ شرط ص۲۹ مشقت ص۵۴ ناؤں ۔ ص۴۷ عزت ۔ خاطر ص۸۴ طرب ۔ بشارت ص۲۷ شراب ص۲۸ خلق ۔

ص۳۶ جان - آگ ص۳۸ تاثیر - لذت ص۴۵ تاب ص۵۸ امیدواری
ص۶۰ چاشنی ص۸۲ خاطر ص۹۹ روح ص۱۰۶ تجلیات ص۱۱۱ کثافت،
ص۱۱۳ صحبت ص۱۵۵ خطا ص۱۶۰ عرض ص۱۶۷ موت ص۱۶۹ توبہ،
ص۲۱۸ مشکل ص۲۶۷ خطا تقصیر ص۲۶۷ دقت ص۲۸۴ خبر،
ص۲۸۹ سکت ص۲۹۱ پکار ص۳۰۰ قدر ص۱۳۹ بند (باندھ)

یہ الفاظ مونث باندھے گئے ہیں :-

ص۱ ناؤں ص۲۸۵ ادب ص۱۹۹ مقصود ص۲۹۱ ہانک، ص۲۹۶ مشتری (ستارہ)، ص۲۹۷ جفا ص۳۰۱ ذکر ص۱۹ ناؤں، -

میں نے اس نظر سے ساری کتاب کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اختلافی عنصر کا یہ غالب حصہ ہے، جو اوپر دکھایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی بڑی تعداد نہیں ہے۔ باقیوں میں اردو کے مطابق ہے۔

مصدر کا استعمال

ص۱۳ "دہنڈتے دہنڈتے دل کے توبیاں میں چپلے آنا ہے تو یو باٹ پانا ہے" (بمعنی حال)۔

ص۲۸ "تا دور قیامت اپنے دور کی بات ہونا" "انگے کے لوگاں جکوئی سنے تو شہات ہونا" (بمعنی مستقبل)۔

ص۱۴۱ "زور آور کوں زور سوں نا ہنکارنا" زور آور کوں ہنر سوں مارنا" (بمعنی امر)

ص۱۴۴ "بڑے آدمی کوں بڑا کام فرمانا" ننھے آدمی کا کام گھر میں آنا جانا بیخرے لانا لے جانا" (چاہیئے محذوف ہے)۔

ص۲۹ "جیوں خدا دیا تیوں لینے بی جانتا ہے، کسے کچھہ دینے بی جانتا ہے (نے بجائے نا)

ص۹۶ "ملایک آرزو دھرتے ہیں اس باغ میں آنے" (بحذف جارّہ 'کی')۔
ص۱۴۱ "وو ابدالاباد کی ٹھانہ ہے' یہاں تے وہاں جلنے کیا بار ہے (ظرفیہ میں محذوف ہے)۔

ص۸۳ "جکوئی خوب ہے اسے اپنی خوبی چھپانے نیں بھاتا' خوبی چھپانے خوباں کوں نیں آتا" (نے بجائے نا)۔
ص۹۴ "بڑے ہونا کیا باٹ میں پڑیا ہے" (یعنے بڑا ہونا)۔
ص۱۳۵ "ایسی مستی سوں ضرور ڈرنا لگتا ہے' بہوت حذر کرنا لگتا ہے"۔

دکنی صرف کا یہ کوئی پورا خاکہ نہیں ہے اور نہ اس کی تمام خصوصیات سے بحث کرنا ہمارے موجودہ مقصد کے مناسب ہے۔ ہم نے صرف بعض ایسی خصائص کو لے لیا ہے جو سطح پر نمودار ہیں مگر ایسی جو گہرے مطالعہ کی مقتضی ہیں ان کو ترک کر دیا ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ سب رس کا تفصیلی مطالعہ اردو صرف کے بعض پیچیدہ مسائل کی عقدہ کشائی میں امید سے زیادہ ہماری امداد کرے گا۔

فارسی اثر

سب رس پر فارسی اثر خواہ اصل فارسی اشعار و اقوال کی بنا پر جو کثرت کے ساتھ اس میں منقول ہیں یا انکے تراجم نیز ایسے محاورات و امثال کی بنا پر جو فی الحقیقت فارسی اصل پر مبنی ہیں۔ نہایت گہرا ہے۔ فارسی اساتذہ واہل قلم مولانا روم۔ سعدی۔ خسرو۔ حافظ۔ عرفی۔ گیسو دراز وغیرہم نیز ان بیشمار امثال و اشعار سے قطع نظر جنکے مالکوں کے نام مذکور نہیں ہوئے' ہم ایسے اسالیب کا ذکر کرینگے جو بادی النظر میں فارسی پرتو یا ترجمہ کے ذیل میں داخل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ دکنی اس خصوص میں نہ صرف فارسی اسالیب و روزمرہ سے سیراب ہو رہی ہے

بلکہ مصادر۔ حاصل مصادر۔ صفات و اسما حتیٰ کہ بعض صرفی خصوصیات نیز انداز بیان میں اس کی منت کش ہے۔ یہ اثر اسقدر جگری ہے کہ بعض موقعوں پر جب تک ہم فارسی محاورہ سے واقف نہ ہوں اصل دکنی مفہوم کا پتہ چلانا دشوار ہو جاتا ہے۔

ضرب الامثال

صفحہ ۳۸ " یو بات کھیل نہیں " (این سخن بازیچہ نیست)۔

صفحہ ۴۱ آپے کیا اسے کیا علاج " (خودکردہ را درمان چیست)۔

صفحہ ۶۱ " مردی و نامردی یک قدم ہے " [ع نامردی و مردی قدمے فاصلہ دارد]

صفحہ ۶۱ " اپنا کیا اپے پاوے " (کردنی خویش آمدنی پیش)

صفحہ ۵۶ " اگر ماٹی لیگا تو بی بڑی ڈھیگ (ڈھیر) پر ہات سٹ " (خاک از تودۂ کلاں بردار)۔

صفحہ ۲۴۳ " کھیچ ہیں کہ اپنا گھر خوشی ہجائے سو کرو خانہ خانۂ تست کا پرتو ہے)

صفحہ ۷۵ " اسبات پر یو بات آتی کہ علت جاتی وے عادت نہیں جاتی (علت می رود ولی عادت نمی رود)۔

صفحہ ۱۳۱ " ایسا اندیشا اندیشا اپی ماریا اپنے پانوں پر تیشا (تیشہ بر پای خود زدن کا ترجمہ ہے)۔

صفحہ ۱۲۲ " ماباپ مجازی خدا "

صفحہ ۱۵۴ " جن نے لہوا ہات پکڑیا اس کی دائم پیش بازی " (ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند)۔

صفحہ ۲۶۵ " بولے ہیں کہ شر شیطان تے مکر زنان تے خدا اپنی پناہ میں رکھے "۔

صفحہ ۲۵۲ " مثلہ معلوم ہوا آج ' خالی گھر میں کتیاں کا راج " ہم نے ایک قلمی نسخہ میں یہ

مثل یوں پڑھی ہے ' خالی گھر بھوتاں کا راج ' بہرحال خانۂ خالی را دیو می گیرد ' سے ماخوذ ہے '۔

ص۲۵۷ برے سوں بھلائی کرنا دشمن سوں سنگائی کرنا نادانگی سراسر ہے۔

ص۵۶ " سنے کے پانی سوں لکھ رکھنا یو تیری بات "۔

ص۲۶۱ " حیرت نے دانتاں تلے انگلی رکھی " دانگشت بدنداں گرفتن)۔

ص۲۴ " بر ور ہور در بریاں زمین آسمان کا انتر " سعدی کے اس شعر سے ماخوذ ہے ؎

فرق است میان آنکہ یارش در بر
با آنکہ دو چشم انتظارش بر در

ص۱۴۵ " پاچ ہور کاچ دونوں ہرے ہیں ولے دانشمنداں یہاں فرق کرے ہیں۔ کاچ ہیں کیا پاچ کا جھلک جھلکے گا "۔

اوپر کی مثالوں میں سب سے زیادہ سعدی کے خرمن سے خوشہ چینی کی گئی ہے۔ لیکن مثال ذیل سرقہ میں شمار ہونے کے قابل ہے اگر ترجمہ داخل سرقہ ہے

ص۱۳۸ " دو جیتے دنیا میں آئے اخو میں دو جتیاں نے حیفی کھائے۔ جنے جانکر غفلت میں پڑیا کچھ نیں کیا ' جنے اچہ کر نیں کھایا کسے کچھہ نیں دیا "۔

گلستاں کے باب ہشتم میں ہمیں یہ عبارت ملتی ہے :۔ " دو کس مردند و تحسر بردند یکے آنکہ داشت و نخورد۔ دیگر آنکہ دانست و نکرد "۔

مصادر

اُردو میں فارسی ذرائع سے کئی مصادر مثلاً فرمانا۔ گذرنا۔ رنگنا۔ بخشنا۔ آزمانا۔ خریدنا۔ نوازنا وغیرہ عام طور پر رائج ہیں۔ دکنی اس فہرست میں اور مصادر کا اضافہ کرتی ہے مثلاً تلاش سے تلاشنا۔ فہمیدن سے فامنا۔ آخری فعل نہایت کثرت

سے ملتا ہے :-

ص۱۵ " یو بات دانش کا معما ' اس بات کوں فامتا کوں "

نگاریدن سے نگارنا اور اندیشیدن سے اندیشنا بھی قابل ذکر ہیں :-

ص۲۹۹ " یو کام اندیشتے ہیں سو کرنا ۔ ۔ ۔ ۔ " کھر سنوارنے جاگا جاگا نقش نگارے "

مرغولنا ایک اور جدید مصدر ہے ۔ جسکے معنے فاضل مرتب نے پرندوں کے چہچہانے کے دیے ہیں :-

ص۲۲۲ " جناوراں ڈالیاں پر مست مرغولتے ہیں " ۔

مرغولہ تحریر نغمہ یا گٹکری کے معنوں میں بھی آتا ہے ۔ اس بنیاد پر شاید یہ معنے مستخرج ہوئے ۔ اسی طرح راندن سے راننا نکلا ' ۔

ص۱۲ " یو کوڑ پاپی خدا کے رانے یو جہنمی کج فامی کی " ۔

فارسی مرکب مصادر کا ترجمہ یا نصف ترجمہ بکثرت ملتا ہے ۔ ان میں اکثر مصدر داشتن ۔ کردن ۔ گرفتن ۔ خوردن وغیرہ کی ترکیب سے بنتے ہیں میں صرف چند مثالوں پر قناعت کرتا ہوں :-

دھرنا فارسی نہادن اور داشتن کا قائم مقام ہے چنانچہ

قانون دھرنا = قانون نہادن ص۲ " نوے نوے قانون دھرنے لگیا " ۔

کام دھرنا = کار داشتن ص۶۲ " ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ سوں کچھ کام دھرتا ہے " ۔

آرزو دھرنا = آرزو داشتن ص۶۷ " لایک آرزو دھرتے ہیں " ۔

محبت دھرنا = محبت داشتن ص۲ " محبت دھر گیا " ۔

نام دھرنا = نام داشتن ص۹ " کیا نام دھرتا ہے کیا کام کرتا ہے " (اردو محاورہ نام دھرنا اس سے بالکل مختلف ہے ' ۔

خبر دھرنا = خبر داشتن ص۱۶ " یو غافل بچارا خبر نہیں دھرتا "۔

غلام دھرنا = غلام داشتن ص۱۲۴ " حسن وھن من موہن جگ جیون ایک غلام دھرتی تھی "۔

فرصت دھرنا = فرصت داشتن ص۱۵۷ " فرصت دھرتا ہے "۔

شوق دھرنا = شوق داشتن ص۲۳ " شوق دھرینگے "۔

رخ دھرنا = رخ نہادن ص۱۶۹ " رخ دھرے " یعنے رخ نہادند یا رُو نہادند"

ظہور پکڑنا = ظہور گرفتن ص۹۴ " عشق تے معشوق نے پکڑی ظہور "۔

دنبال پکڑنا = دنبال گرفتن ص۱۱۵ " دوسریاں کا دنبال نکو (مت) پکڑ " یعنے دنبال دیگران مگیر '۔

ص۹۳ " پانوں سوں پڑنے کا آیا وقت " اردو میں بے معنے ہے دراصل فارسی ' از پا افتادن ' یا ' از پا در آمدن ' کا ترجمہ ہے۔

ص۱۱۷ " یو حال ہر کسے نہیں دیتا دست " (دست دادن کا ترجمہ ہے)

ص۲۱۱ " رستماں اس کے انگے کمر کا لہوا کھول کر سپر سٹے ہیں " (سپر انداختن کا ترجمہ ہے)۔

ص۲۴۱ " خوشبوی توش کرنا " [خوش کردن بہ معنی پسندیدن ہے]۔

ص۲۷۶ " اپنا ہات اپے لڑیا " (ترجمہ ہے دست گزیدن کا)۔

ص۱۳۲ " فتنہ اچایا " یعنے فتنہ انگیخت۔

ص۱۴۱ " باٹ ماریا ہے یعنے راہ زدہ است۔

ص۱۵۴ " اپنے ناوں کا علم اچاتا یعنے علم برکشیدن۔

ص۱۶۱ " حیفی کھانے لگا " ترجمہ ہے حیف خوردن کا۔

ص۱۹۴ " اس سوں مشورت لائی یعنے باوے مشورت آمدہ۔

ص۸۵ "سرکوں قدم کیا" = سر پا قدم ساخت۔

ص۸۱ " دل کا مدعا کھولیا یعنے مدعاے دل بکشود۔

ص۹۴ " جیو کے دریا میں پیار کا طوفان مار یا " یعنے طوفان زد۔

ص۸۱ " بصحت و سلامت خدا تجھے تیری مراد کوں انپڑاوے۔

ص۵۴ " پکڑنی بلندی " (بلندی گرفتن کا ترجمہ ہے)۔

اسی سلسلہ میں بعض اور مصادر ذکر کئے جاتے ہیں اور یاد رہے کہ ایسے مصادر بیشمار ہیں۔

ص۱ قدرت دھرنا = قدرت داشتن۔

ص۲ دم مارنے = دم زدن - پیدا کیا = پیدا کرد۔

ص۶ تقسیم آنا ص۸ عیاں کرنا - تسلیم کرنا - تمیز کرنا ص۹ لذت پانا ص۱۰ کیف کھانا (کیف خوردن)، فاتحہ پڑھنا ص۱۲ مانا کھولنا (معنے کشودن)، گرہ دینا (گرہ دادن)۔ باٹ دیکھلانا (راہ نمودن) ص۱۴ گھایل ہونا (فگار شدن) بنیاد اچانا (اٹھانا)۔ پرہیز کرنا - انصاف چھپانا ص۱۵ دردمند اچھنا (دردمند بودن)۔ حق تے گذرنا (از حق گذشتن)، گنج کاڑنا (گنج کشیدن) ص۱۶ عمارت راس کرنا (عمارت راس کردن)، قدر جاننا - عزت پانا - قبول پڑنا (قبول افتادن)، آفت دیکھنا - برا بولنا (بد گفتن) اپس کوں پچھاننا (خود را شناختن)، ص۱۷ نقصان ہونا - تازہ رکھنا (تازہ داشتن) ص۱۸ مول پانا (قیمت یافتن) ص۱۹ روشن ہونا - شک لیانا (شک آوردن)، صورت پکڑنا (صورت گرفتن)۔ جیو دینا (جان دادن)، حیران ہونا (حیران شدن) ص۲۰ فرصت پانا (فرصت یافتن)، ص۲۱ گروانا (گروانیدن)۔ فنا کرنا - دور کرنا - آرام پانا ص۲۳ دیدار دیکھلانا (دیدار نمودن)۔ عشق بڈھانا۔

(عشق افزودن)، ص۲۴ بے منت دینا (بے منت دادن)، قبول کرنا۔ اظہار کرنا
ص۲۵ فرق پڑنا (فرق افتادن) ص۲۶ دونوں جہان تے گذرنا (از ہر دو جہان
گذشتن)، لازم آنا۔ نظر کرنا ص۲۶ میانے میان لانا (درمیان آوردن)، ناؤں
دینا (نام دادن)، دخل دینا۔ فرق پکڑنا (فرق گرفتن)، ص۲۷ پادشاہی دینا۔
سرفراز کرنا۔ ممتاز کرنا ص۲۸ دل توڑنا۔ آزردہ ہونا۔ پژمردہ ہونا۔ افسردہ
ہونا۔ دعا دینا۔ خوش حال اچھنا (خوش حال بودن)۔ فدا ہونا۔ دل شاد کرنا۔
یاد کرنا۔ تعریف کرنا۔ شہادت ہونا ص۲۹ منا کرنا (منع کردن)۔ نرم اچھنا (نرم
بودن) ص۲۹ صفا پکڑنا (صفا گرفتن)، ص۳۰ گھوڑا بھانا (اسپ افگندن)،
حظ پانا (حظ یافتن) ص۳۲ مائل ہونا۔ کامل ہونا۔ پاک کرنا۔ آلایش پانا۔
(آلودگی یافتن)، ص۳۳ بخشنا (بخشودن)۔ اختیار کرنا۔ ہضم کرنا۔ بزم کرنا
ص۳۵ بدمست ہو پڑنا (بدمست شدہ افتادن)، کھوانا (کھلانا)۔ خالی کرنا۔
راز بھار بھانا (راز بیرون افگندن)۔ پنہانی بولنا (پنہانی گفتن) ص۳۶ قصہ
پڑتا (قصہ خواندن) ص۳۷ دل کھولنا (دل کشودن)۔ طالب ہونا۔ غالب ہونا۔
ص۳۸ رنگنا۔ لطافت دھرنا (لطافت داشتن)۔ سوا د ٹٹنا (ذوق شکستن)۔
آزمانا۔ دغا کھانا (دغا خوردن)، بلا آنا (بلا آمدن)، درہم ہونا (درہم بودن)
ص۳۹ فاش ہونا (فاش شدن)، گھر باندھنا (خانہ بستن)۔

ص۳۱ دنبال پڑنا (بدنبال افتادن) ص۴۷ درگذرنا ص۴۸ گذرانا
(گذراندن) ص۲۵۲ آہ مارنا (آہ زدن) ص۲۵۴ خلل پاڑنا (خلل افگندن)،
صحبت دھرنا (صحبت داشتن) ص۲۵۹ کپٹ پکڑنا (کینہ گرفتن) وغیرہ

یہ محض چند مثالیں ہیں اور ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ تقریباً مرکب مصادر
کے سارے ذخیرہ پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جب

تک اصل فارسی محاورہ کی طرف رجوع نہ کی جائے ان کا صحیح مفہوم دریافت نہیں ہوتا مثلاً دریغ دھرنا - غلام دھرنا - راز بھار بھانا - رنج دھرنا - حیفی کھانا - خوش کرنا - سوا دھندنا - کیرٹ پکڑنا -

بعض فارسی روزمرّہ - حروف عاطفہ وا ستدراک لانے کا بھی دستور ہے :-

ص " آخر بعد از حضرت کے بیٹے حضرت کی ٹھار "۔

ص۲۹ " ایک بات ہے خام ' اول خوشی جدا از ہر ایک کام "۔

ص۳۵ " ولایت بغیر از شاہ ولایت کسے نیں آتی "۔

ص۲۶ " بمعنی فنا ہوتا ہے نہ بصورت "۔

اما :- ص۲ " اما خدا کسے حاصل ہے " ص۲۴۳ اما دنیا اسے کہتے ہیں کہ بے عزتی ہور خواری سوں حاصل ہوئے " ص۲۴۳ " اما عشق سلامتی کتے سو اپنا گھر " ص۱۲ " اما خدا کی شان ہور شوکت عدل ہور انصاف کی جاگا سو آسمان " ص۱۰۹ اما جوں ابتدا تے رسول خدا تے ذکر اشغال کا قاعدہ آتا ہے " ص۱۶۹ " اما روایت یوں آئی ہے کہ نظر جس وقت عقل کے بند میں تے بھار آیا تھا "

ہم :- ص۱۱ ہم ہندو تجتے باٹ پاتجے مانینگے ' ہم مسلمان تجے بڑا کر جانینگے " ص۲۳۳ " میں جانتی ہوں کس پانی سے خمیر ہوئی عاشق کی خاک ' کہ ہم فراق میں ہم وصال میں دو تو جاگے ہے ہلاک ص۱۱ " انا اللہ کے مقام پر ہم عشق میں ہم عرفان میں جکوئی کامل ہے ' وو ہمیشہ کھڑا ہے "۔

کو (اضافی)

فارسی صرف کی رو سے حرف "را" مفعول کی علامت ہونے کے علاوہ اضافی

بھی آیا کرتا ہے - مثلاً "آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک" - اردو میں اس 'را' کا ترجمہ کا 'کے' 'کی' کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے - لیکن دکنی میں بہ تقلید فارسی ایسے موقع پر 'کو' اضافی لاتے ہیں - مثالیں :-

ص۱۷ "گھر دھنی و وچہ جس کوں گھر ہے خوب ' ووچہ صاحب جسے نفر ہے خوب " یہاں 'جس کوں' اور 'جسے' فارسی محاورہ کے مطابق آیا ہے - اردو محاورہ کے مطابق دونوں جگہ 'جس کا' آئیگا -

ص۱۱۶ " اندلیاں ہور احمقاں کی باتاں کوں کیا اعتبار " یہ کوں بھی اضافی ہے '

ص۱۹۴ تجھے کوہ قاف کی پریاں میں ایک ہمزاد ہے " اس جملہ میں اردو محاورہ کے مطابق 'تجھے' کی جگہ 'تیرا' چاہئے - لیکن مصنف نے فارسی 'ترا' کی تقلید کی ہے '-

ص۲۸۵ " تو ہمیں بھائی ہے " یہ بھی فارسی محاورہ کا ترجمہ ہے یعنے 'تو مارا برادری'

ص۸ " قامت کوں یک غلام تھا ' سیم ساق اس کا نام تھا - کوں ' یہاں پھر اضافی ہے '-

بای مفعولی

فارسی کی ایک 'ب' ہے جسکو مفعولی کہا جا سکتا ہے - اہل اردو اس کے ترجمہ میں 'کو' لایا کرتے ہیں مثلاً "بفریاد من برس - میری فریاد کو پہنچ - بہ شکار رفتہ بودیم - ہم شکار کو گئے تھے - او بمدرسہ خواہد رفت - وہ مدرسہ کو جائیگا" وغیرہ وجہی حسب محاورہ اس 'ب' کا مفہوم 'کوں' کے ذریعہ سے ادا کرتا ہے :-

ص۱۳۶ " صاحب کا فتح ہوئے تو مراد کوں انپڑے نفر " (بمراد خود برسد)-

ص۲۱ " جو عشق تیرا نہایت کوں انپڑیگا اس دھات " (یعنے بہ نہایت خواہد رسید)

ص۲۹۱ " خلق کوں مراد کوں انپڑاتا ہے " (یعنے خلق را بمرادمی رساند)۔

صد۱۴۲ "چوری شکار کھیلنے کیوں جیو بھگے ' جوں رات کوں بنسی کوں مچھلی لگے"

(ماہی در شب بشست افتد)۔

صد۱۴۷ "میرے کام کوں ہور دسریاں کے کام کوں زمین آسمان کا فرق"۔

صد۱۵۴ "مرتضیٰ کوں ذوالفقار آیا ' تو مرتضیٰ اس جاگا کوں انپڑے" (یعنے چوں

ذوالفقار بہ مرتضیٰ رسید مرتضیٰ بدین جایگاہ رسید)۔

یای زائدہ

بعض اوقات فارسی والے ایک یای زائدہ کلمہ کے آخر میں لایا کرتے ہیں۔ جس سے معنوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ۔ مثلاً حور و حوری ۔ زیان و زیانی ۔ پنہاں و پنہانی ۔ قربان و قربانی سلامت و سلامتی ۔ زیادت و زیادتی ۔ حضور و حضوری وغیرہ ۔ اسکی تقلید ہندوستانی زبانوں میں بھی ہوئی ہے ۔ جن میں پنجابی اور دکنی قابل ذکر ہیں ۔

سعادتی :۔ صد۱ "اگر ممات ہے تو ادھر کی سعادتی کا ' گر حیات ہے تو ادھر کی سلامتی کا" (یعنے سعادت)۔

خماری :۔ صد۱۳۵ "شراب کے اثر کا نتیجہ آخر خماری ہے ' بلا کی ہو خواری ہے . . . پچھیں خماری کے کھینچا کھینچی تے جیو جاتا" (یعنے خمار)۔

حیفی :۔ صد۱۶۱ "بھوت پچھتا کر حیفی کھانے لگیا" (یعنے حیف)۔

خاطرداشتی :۔ صد۱۲۶ "بہوت خاطرداشتی کیا ' بہوت سمجایا ' تقوی دیا" (یعنے خاطرداشت)۔

شرم حضوری :۔ صد۶۴ "صاحب کے کام پر نظر نیں ' ہر کس کی شرم حضوری کرتے (حضور)"۔

بحسب ظاہری :- صـ۱۴۵ "اگرچہ بحسب ظاہری ہیں شراب پینا گناہ ہے" (بہ حسب ظاہر)

اعتباری :- صـ

یای فاعلی

یای تحتانی بعض اوقات فاعلیت کے لئے بھی لاتے ہیں - جیسے گشت و گشتی - خون و خونی - محنت و محنتی وغیرہ - اس کے اتباع میں الفاظ ہذا ملتے ہیں:-

غدری (غدّار) :- صـ۲۱۸ "کتیک مرداں غدری اچھتے ہیں" ناقدری اچھتے ہیں" یعنے غدّار اور ناقدر -

ستمی (ستمگار) :- صـ۲۴۴ "نہیں کرتا' سواسے ستمی فعل بد پر لیاے"

مکری (مکار) صـ۱۳۲ "یو مکری دغا بازاں کام کیا آنے" -

ئی مصدری

ایسے کلمے جو الف یا 'یے' پر ختم ہوتے ہیں - ان پر 'ئی' لاحقہ لانے سے اسمی حاصل مصدر بن جاتا ہے - جیسے پارسا و پارسائی - گدا و گدائی - زیبا و زیبائی - حنا و حنائی وغیرہ - اس قاعدہ کی بنا پر بعض الفاظ میں بے موقع تصرف کیا گیا :-

استغنائی :- صـ۹۵ "عاجزی ہور استغنائی ' یو ایک صفت ہے عشق کی جو دو صفت ہو آئی" (یہاں استغنا چاہیے) -

نفرائی :- صـ۱۳۷ "جو نفر نفرائی نیں سمجھیا ' اس نفر تے کیا ہوے کام - صاحب کوں صاحبی سہانا بہوت مشکل ہے ' نفر کوں نفرائی آنا بہوت مشکل ہے" -

قبول صورتائی :- صـ۲۶ "جن عورت نے یو چھند نہیں پائی ' کیا کام آتی روکھی قبول

صورتانی ' (قبول صورتی)۔
خوبائی :۔ صث ۲۶۷ " برائی بغل میں خوبائی بات میں ' (خوبی)۔
معلوم ہوتا ہے کہ یہ قاعدہ ہماری زبان کی تعمیر کرنے والوں کے پیش نظر تھا۔ چنانچہ ہندی الفاظ پر بھی اس کا عمل کیا گیا۔
کڑوائی اور مٹھائی :۔ صث ۵۲ " اس غم میں کیوں خوشی آئی ' اس کڑوائی میں کون رکھے مٹھائی " (یعنے کڑواہٹ اور مٹھاس)۔
بڑائی :۔ صث ۳۷ " نھنا کام کیا قبول ' بڑائی کاں تے آئیگی دھول "۔
چاترائی :۔ صث ۸۴ " اپنی چاترائی کچھ قام نیں کی ' نکامی کچھ کام نیں کی "۔

'گی' لاحقہ

فارسی میں 'گی' لاحقہ سے اسم مصدری بنتا ہے مثلاً بندہ اور بندگی فرخندہ اور فرخندگی۔ افسردہ اور افسردگی۔ بیچارہ اور بیچارگی۔ اس قاعدہ کی تقلید میں دکنی نے یہ بے محاورہ بدعت شروع کی :۔
صث ۸۷ " اسکی پریشانگی پر اسکی حیرانگی پر اسکی سرگردانگی پر مہر آئی " یہاں پریشانی۔ حیرانی اور سرگردانی چاہیے۔
صث ۱۰۱ " انے فرمایا سو اس کی فرمودگی بجالیاتا ہوں " (یعنے فرمان۔ حسن دہلوی نے فرمودگی باندھا ہے)۔
صث ۲۹۵ " دسری بار ایسی شیطانگی نکرے " (یعنے شیطنت)۔
صث ۱۶۴ " انو کی عقل جاتی مدمستی چڑتی ' بے خبرگی آتی " (یعنے بے خبری)۔
ان چند امور پر فارسی اثر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ وہ اس سے بہت زیادہ گہرا ہے اور اسقدر رچا ہوا ہے کہ صرف غور و خوض کرنے اور کریدنے سے اسکا

پتہ چلتا ہے۔ جذبات و خیالات سے قطع نظر دکنی میں جملوں کی ساخت بھی فارسی انداز کی نظر آتی ہے مثلاً :-

صنہ نظر اپنا قصہ قامت کوں بولیا، ہمت نے مکتوب لکھیا تھا سو قامت کے انگھے کھولیا۔ قامت اس مکتوب کا مضمون خاطر نیایا، بہوت محظوظ ہوا"۔ یہ سارا جملہ فارسی انداز میں ہے اور اُردو کے انداز سے بہت دُور ہے۔ اردو میں اس کا ابتدائی حصہ یوں آئیگا" نظر نے قامت سے اپنا قصہ کہا " علی ہذا فارسی کا ایک فقرہ ہے۔ 'گفت شنیدہ ام'۔ یہاں ضمیر منفصل مذکور نہیں ہے۔ دکنی اس موقع پر فارسی کا لفظی ترجمہ معلوم دیتی ہے مثلاً صنہ "کہی میں سنی ہوں " آج کے محاورہ کے مطابق یہ فقرہ یوں بولا جائیگا ' اس عورت نے کہا۔ میں نے سنا ہے"۔ اُردو میں ایسی صورتوں میں 'نے' علامت فاعل کا آنا لازمی ہے۔ اہل دکن اس علامت سے واقف بھی ہیں اور استعمال بھی کرتے ہیں۔ مگر فقرات بالا میں 'نے' کا عدم استعمال دکنیوں کی ناواقفیت اور سہل انگاری پر محمول نہیں ہونا چاہئے بلکہ فارسی کی تقلید کے جذبہ کی بنا پر۔ وہ آج بھی بولتے ہیں " رسول اللہ فرماتے ہیں" اور ہم اس کو بے محاورہ سمجھتے ہیں۔ لیکن درحقیقت فارسی روزمرہ 'رسول اللہ فرمودہ اند' کا تحت اللفظی ترجمہ ہے۔ اور کیا اس فارسی جملہ کا اس سے بہتر کوئی اور ترجمہ ہو بھی سکتا ہے '۔

فعل فارسی میں فاعل کا تابع ہوتا ہے۔ اردو میں 'نے' کے ایراد سے بالعموم مفعول کا تابع بنجاتا ہے۔ مثلاً میں نے روٹی کھائی۔ میں نے کھانا کھایا وغیرہ۔ دکنی اس بارہ میں فارسی کی تابع ہے۔ عام اس سے کہ نے موجود ہے یا نہیں۔ مثلاً فارسی کا فقرہ 'کافران زبون شدند' خراج دادند و دین قبول کردند' دکنی میں یوں لکھیں گے :-

صفحہ ۱۵۵ "کافراں زبوں ہوے - خراج دیے - دین قبول کئے"۔
اس فقرہ میں 'کافراں' فاعل بحالت جمع ہے - اس لئے تینوں فعل جمع میں لائے گئے اور مفعول کی مطلق پروا نہیں کی گئی۔

صفحہ ۱۵۱ "و بھوتیاں نے بہوتاں کو مارے ہیں"۔
یہاں 'نے' موجود ہے لیکن فعل فاعل کی حالت کے مطابق ہے - یہی حالت ذیل کے فقروں کی ہے۔

صفحہ ۱۲۷ "دل پادشاہ عالم پناہ صاحب سپاہ نے بولیا"۔

صفحہ ۹۰ "القصہ حسن نار نے گلعذار نے انکھیاں کے سنگار نے دل کے ادھار نے سنی (یہاں فاعل مونث ہے لہذا فعل مونث آیا)۔

صفحہ ۸۴ "جنے (عورت فاعل ہے) فخراں میں انکڑی مرد کا دل ہات نیں پکڑی"

صفحہ ۹۱ "یو بات ہوے پچھیں غمزے نے نظر کوں دسرے دیس حسن کے حضور لایا"
اس قاعدہ میں دیکھتے ہیں کہ دکنی بالکل فارسی کے نقش قدم پر چل رہی ہے ' دکنی کے اسی جذبہ کی مثال میں یہ فقرہ بھی ملاحظہ ہو:۔

صفحہ ۳۶ "اس ٹھار عاشق کوں شک لیانا کافری ہے" جس کا فارسی میں ترجمہ یوں ہوگا ' اینجا عاشق را شک آوردن کافری است ' اس جملہ میں 'را' دراصل جارہ ہے اور برای کے معنوں میں آیا ہے جیسے ع خدا را کن یک نظر سوی ما" اردو میں اس کا ترجمہ' واسطے' 'لیے' وغیرہ ہو سکتا ہے۔ مگر فارسی کے تتبع کے ذوق میں دکنی نے 'را' کا ترجمہ 'کوں' مان کر اس میں وہی خاص معنے جو فارسی میں آ رہے ہیں تسلیم کر لیے - ذیل کے شعر میں پہلا 'کوں' اضافی ہے اور دوسرا بہ معنی 'برای' آیا ہے۔ صفحہ ۵۵ ۵

غرض ڈھونڈنا ہے نیں تو کیا غرض ہے یاں لگ آنے کوں جکوئی سیو اکرے کس کی تو کچھ مقصود پانے کوں

دیعنے برای مقصود یافتن)۔

کاف فارسی میں متعدد معنوں میں آتا ہے۔ ازانجملہ وہ علت کے معنے بھی دیتا ہے۔ چنانچہ :۔

سہ زلشکر بود زور شاہنشہاں کہ یک تن بہ تنہا نگیرد جہاں۔

یہ کاف علت کہلاتاہے اور بہ معنی 'چراکہ' لایاگیا ہے۔ اب اُردو نیز اور ایسی زبانوں میں جو مسلمانی اثرات میں آئی ہیں 'جو' کاف بیانیہ کا قائم مقام ماناگیا ہے مگر دکنی ایک قدم اور آگے بڑھی ہے۔ اس نے اس لفظ میں بیانیہ کے علاوہ فارسی اصل کی مطابقت میں علت کے معنے بھی داخل کرلئے۔ چنانچہ 'جو' علت کے لئے بھی استعمال ہونے لگا :۔

صـ۱۵۵ یو فتح تو ہوئی تھی جو ماں پر نظر نہ تھی"۔

یہاں 'جو' کیونکہ کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔

فارسی میں حکایتوں اور کہاوتوں کے شروع میں آوردہ اند۔گفتہ اند وغیرہ قسم کے جملوں کے لانے کا دستور ہے جن میں فاعل دانایاں یا بزرگاں وغیرہ محذوف اور مقدر ہوتا ہے۔ دکنی فارسی کی اس خصوصیت کو بھی نہیں بھولی چنانچہ۔

صـ۱۶۳ "بولیچہ ہیں کہ بھوک ہور پیاس نبیاں ہور ولیاں کی میراث"۔

صـ۳۳ " بولیچہ ہیں کہ بندہ گنہگار خدا بخشنہار۔

صـ۲۹۱ " کہیچہ ہیں کہ خدا با خلق خلق با خدا۔

ان جملوں میں 'بولیچہ ہیں' اور 'کہیچہ' ہیں درحقیقت 'گفتہ اند' کا ترجمہ ہے' ایسے موقعے بھی موجود ہیں کہ جب تک دکنی کے مفہوم کو فارسی میں منتقل نہ کیاجائے جملہ کا اصل مطلب معلوم نہیں ہوتا :۔

صـ۱۵۰ " فرصت ہے لگن کچھ کرلے"۔

اردو میں اسکا ترجمہ " فرصت ہے تنک کچھ کرئے " بالکل نا تمام ہے اور مطلب ادا نہیں کرتا ۔ لیکن اسکا فارسی ترجمہ ' تا فرصت است چیزے بکن ' اصل مطلب کو پورا پورا واضح کر دیتا ہے ۔ اسی طرح یہ جملہ ہے ص۵۱ جیوتا ہے لگن مرنے کا کام کر " (یعنے تا زندہ ۔)۔

علیٰ ہذا یہ جملہ ص۱۵۱ " پادشاہاں کوں تدبیر کرنا واجب ہے ' ولایت ہات میں ہے تک " اس کا فارسی ترجمہ یہ ہوگا ۔ پادشاہان را تدبیر کردن واجب است تا ولایت در دست است ' یہ جملہ بھی قابل غور ہے :۔

ص۱۲۱ " اگر مرد ہے تو عشق اپنا کماں کوں پنپڑا ' فراق میں کی ہلاک ہوتا اپس کوں وصال کوں انپڑا "۔

اس جملہ میں جو گنجلک ہے وہ اسے فارسی میں ترجمہ کرنے سے رفع ہو جاتی ہے یعنے ' اگر مرد ہستی عشق خود بکمال برساں در فراق چہ ہلاک شوی خود را بوصال برساں

ایک اور جملہ ہے ۔

ص۱۱۲ " ولے یو بھید کوں سمجنا بہوت مشکل ہے ۔

اردو میں یہی مطلب یوں ادا ہوگا ۔ ' یہ بھید سمجھنا بہت مشکل ہے یا ' اس بھید کا سمجھنا بہت مشکل ہے ' ۔ مگر وجہی ان دونوں کے برعکس فارسی محاورے " ولے این راز را فہمیدن خیلے مشکل است " کا پابند ہے ' ۔

فارسی حروف ' از ' بہ ' اور ' با ' کا ترجمہ اردو میں ' سے ' مانا گیا ہے مثلاً " از و گرفتم ' میں نے اس سے لیا اور با و گفتم ' میں نے اس سے کہا دکنی اس موقعہ پر از اور بہ کا فرق قائم رکھتی ہے ۔ دکنی زبان میں از کا ترجمہ ' تے ' اور بہ کا ترجمہ ' سوں ' کیا جاتا ہے اور اردو کی طرح ان کے استعمال میں کبھی کوئی خبط نہیں ہوتا چنانچہ :۔

صہ۱۵۹ " اپنی عقل سوں اگر دسرے کی عقل ملے تو واہ واہ۔ اس تے بی کیا خوب ؟"

اس جملہ میں سوں 'با' کیواسطے اور 'تے' 'از' کیلئے آیا ہے۔

یہی نہیں بلکہ فارسی اثر ادنیٰ ادنیٰ الفاظ پر آمرہے۔ دانا کا ترجمہ 'جانتا' اور نادان کا 'انجانتا'۔ ہم گذشتہ صفحات میں دیکھ آئے ہیں 'گھر گھالو' صہ۳۲ خانہ خراب کا قائم مقام ہے۔ ہر یکے کا ترجمہ ' ہر یک کوئی ' وضع ہوا '۔

صہ۳۴ "ہر یک کوئی اپنے مراتب کوں غو بیچہ کر جانتا"۔

اسی طرح چرا کا ترجمہ کیا واسطہ اور درمیان کا میانے میان ٹھہرا '۔

صہ۲۲ " موسیٰ دیکھنے کا بات ہرگز میانے میان نالیا تا کیا واسطہ کہ وو پیغمبر تھا"۔

بالیں بال ' مو بمو ' کا ترجمہ قرار پایا :۔ مصرع مو بمو حال پریشانی من میگوید

صہ۸۶ "جیب لگا کر بالیں بال ' بولیا اس کنے سب احوال"۔

صہ۱۶۷ " آدمی کوں پریشانگی ہے بالیں بال ' خدا یچہ ہے جو وو رہتا ہے یک حال"۔

ایک اور پہلو ہے جس پر اگرچہ میں نے کافی غور نہیں کی ہے۔ مگر تحقیق و تلاش سے ممکن ہے کہ جدید امور روشنی میں آئیں میں یہاں صرف ایک دو مثالوں پر قناعت کرتا ہوں '۔

' دزدیدن ' مصدر سے حاصل مصدر 'دزدی' امر 'دزد' اور اسم فاعل 'دزد' ہے۔ اردو میں اس کا ہم معنیٰ چورنا ہے جو چرانے کی قدیم شکل ہے۔ چورنے سے حاصل مصدر 'چوری' امر 'چور' اور اسم فاعل 'چور' آتا ہے۔ ان مصادر میں مشابہت اتفاقی ہے یا ارادی ؟ اگرچہ ایک آدھ مثال پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا مگر ہمیں یہ معلوم ہے کہ اردو کا اٹھان فارسی کے آغوش میں ہوا ہے۔

ایک اور مثال مصدر خواستن کی دی جاتی ہے۔ یہ مصدر [illegible]

مثلاً :-

(۱) چاہنا - خواہش کرنا - آرزو کرنا (۲) سوال کرنا - گدائی کرنا اور پوچھنا -

(۳) دوست رکھنا اور محبت کرنا -

دکنی میں 'منگنا' خواستن کا مرادف ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ خواستن کے معنوں کی تمام مختلف جہات پر حاوی ہے چنانچہ منگنا بمعنی اول

صہ ۲۸ " دنیا کوں لوگ منگتے ہیں سو دنیا کا ذوق کرنے خاطر "

صہ ۱ " اگر دین ہور دنیا کا امید پانے منگتا ہے تو یو کتاب دیکھ ' اگر بڑا ہوکر عالم کوں سمجانے منگتا ہے تو یو کتاب دیکھ "

معنے دوم :- صہ ۴۵ " جسے دیکھے دنیا دار منگنے کھڑے رہے بات پسار "

صہ ۴۵ " لاج سنکر منگتا منگن ہارا . . . شرم کا کوئی منگے تو وہاں کہے ہیں دھرم ' بے شرم گھڑی گھڑی منگتا ' اسے منگنے کی کیا شرم ' اسے خوش لگا ہے منگ لینا

اس جملہ میں منگنہارا خواہندہ کا ترجمہ بمعنی سوالی و گداگر آیا ہے

معنے سوم :- " اگر تو منگتا ہے کہ خلق تجے منگے ' تو تو پیکاں کوں نکو منگ ' جو تو پیکاں کوں منگتا تو تج میں ہرگز نا رہسی رنگ "

صہ ۲۱ بعضے مرداں جو کوئی عورت منگتی ات خوار کرتے ' جو کوئی نیں منگتی اسے پیار کرتے ' جو کوئی منگتی اس سوں نخرے ناز الخ

یہ ناممکن ہے کہ ان مصادر کے واضعین نے یہ متفاوت پہلودار معنے شروع ہی سے ان کے لئے مخصوص کر دیے ہوں - ہمارے نزدیک یہ ہمرنگی اتفاقی نہیں ہے بلکہ ارادی جو ترجمہ کی غرض سے پیدا کی گئی ہے - یہ قاعدہ دکنی کے لئے جدید نہیں ہے ' بلکہ دیگر مسلمانی زبانوں میں بھی ملتا ہے - مثلاً عربی انسان العین اور فارسی مردم چشم - عربی قطع الطریق فارسی راہ زدن اور اردو باٹ مارنا نیز ان کے اسم فاعل قاطع الطریق -

راہ زن اور بیمار اتفاقیہ پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان میں ایک دوسرے کا پرتو ہے۔ جو بغرض ترجمہ وضع ہوا ہے اور کیا یہ امر اختلاف السنہ کے باوجود مسلمان اقوام کے جذبات وخیالات کی ہم آہنگی اور ہمرنگی کا ثبوت ہمارے سامنے پیش نہیں کرتا؟

اس معاملہ سے یہ امر ہمارے ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ اردو پہ فارسی اثر جیسا کہ ہمارے ہاں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے بارھویں صدی سے شروع نہیں ہوتا ہے بلکہ اس سے بہت زیادہ قدیم ہے اور بلحاظ وسعت بے پایاں ہے جس کا اندازہ کرنے سے ابھی ہم قاصر ہیں۔ اس مسئلہ پر صرف دکنی روشنی ڈال سکتی ہے جس کے لٹریچر کی قدامت اردو کے مقابلہ میں مسلمہ ہے۔

عربی فارسی الفاظ میں تصرفات

اُردو کی نشو و نما ابتداءً غیر تعلیم یافتہ طبقوں میں ہوتی ہے۔ تعلیم یافتہ جماعت بہت دیر بعد اسکی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ سینکڑوں عربی و فارسی الفاظ رواج عام میں آج بھی غلط بولے جاتے ہیں۔ تحریری اُردو میں ایسے الفاظ کا داخلہ بند ہے۔ لیکن یہ اصلاحی تحریک ہمارے ہاں میر و سودا کے عہد سے جاری ہے اس عہد سے پیشتر بالخصوص دکن میں جہاں اُردو کی ادبی تشکیل شمالی ہند سے بہت پہلے شروع ہو گئی ہے۔ دکنی اہل قلم اپنے آپ کو عام بول چال کا پابند بنا دیتے ہیں اور عوام الناس کا تلفظ اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ دکنی میں بیشمار ایسے الفاظ ملتے ہیں۔ جنکو عوام کے تصرف نے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ اعراب کی خفیف تبدیلی سے لیکر لفظ کی شکل بلکہ معنے تک میں ہر قسم کی ترمیم و تنسیخ روا رکھی گئی۔ مثلاً حروف حلقی جن کا عربی سے تعلق ہے بالکل اڑا دیے گئے۔ قریب المخرج حروف کا فرق مٹا دیا گیا۔ بعض الفاظ پر غلط لاحقے لگا دیے اور لفظ کے آخر کی ہ کو الف سے بدل دیا۔

(۱) ہ اور ع کا الف کے ساتھ تبادلہ۔

ص۱۱۳ معنا (معنی)، ص۱۵۵ مانا (معنی)، ص۱۱۶ خاصا (خاصہ)، ص۱۱۷ منا (منع)، ص۱۱۹ وضا (وضع)، ص۱۲۰ بچارا (بیچارہ)، ص۱۲۲ نفا (نفع)، ص۱۲۵ قصا (قصہ)، ص۱۳۱ اندیشا (اندیشہ)۔ تیشا (تیشہ)، ص۱۵۵ صبا (صبح)، ص۹۹ آلا (اعلیٰ)، ص۱۶۲ واقا (واقعہ)، ص۱۶۳ طما (طمع)۔ جما (جمع)، ص۲۱۱ حیلا (حیلہ)۔ وسیلا (وسیلہ)۔ ص۲۳۸ قطرا (قطرہ)، ص۲۲۶ مالا (معاملہ)، ص۱۹۶ غمزا (غمزہ)۔ عشوا (عشوہ)۔

(۲) معنی کے لحاظ سے تصرف

تقویٰ:۔ اصلی معنے ترس و پرہیز ہیں۔ مگر دکنی میں جیسا کہ فاضل مرتب نے لکھا ہے۔ اطمینان اور ڈھارس کے معنے دیتا ہے۔

ص۸۰ خدا کوں نکو بسر، تقوی کم نکو کر"

رقوم:۔ بمعنی شہرت و نام۔ فاضل مرتب نے یہی معنی دیے ہیں

ص۲۸ عورت خوب عورتاں ہیں جس کی رقوم، وو تو النادر کالمعدوم"

فتوا: یعنے فتنہ

ص۱۸۵ کیا جانے کیا فتوا اچاتا ہے،

نقشاں چننا:۔ نکتہ چینی کرنا

ص۲۳۵ لوکاں پر نقشاں چنے بغیر رہتے ہیں

اختیار:۔ شاید بمعنی مختار آتا ہے

ص۱۶۰ " دل کے اوھار کوں شہر دیدار کوں جانے اختیار ہوا پانوں سار ہوا"

ص۱۵۶ "جو کوئی صاحب سوں یوں اختیار اچھے۔ اس کا دل صاحب خاطر کیوں نا پکڑے اچاٹ"

(۴) الفاظ میں تصرف

ص۱۹ رویش (روش) ص۱۱ کلیمہ (کلمہ) ص۱۶۴ پس غیبت (غیبت پس پشت)، ص۱۰۲ ورزور (زور آور) ص۱۱۵ جناور (جانور) ص۱۲۳ فام (فہم) ص۱۲۸ زیاست (زیادت و زیادہ) ص۱۲۹ تقادے (تقاضے) ص۱۳۱ نزیک (نزدیک) ص۱۶۰ تناخوری (تنہاخوری) ص۱۹۴ اندیشوان (اندیشناک) ص۲۱۳ گمٹ (گنبد) ص۲۱۳ منامنی (منی و مائی) ص۲۳۲ مہروان (مہربان) ص۲۴۶ فضیتے (فضیحت) ص۲۵۳ زہار (زہر)، ص۲۹۹ مستید (مستعد) ص۳۰۰ نابات (نبات)، ص۱۴۹ تیزی (تازی)اسپ)۔ ص۱۰۱ شناس (شناخت)، ص۱۸۲ تفاس (تفحص)۔ ص۔۔ غلغال (غلغلہ)۔ ص۱۰۰ صبور (صبر)

اردو اسالیب

جو چیز سب رس کو ہماری نگاہ میں سب سے زیادہ قیمتی بناتی ہے وہ اس کے اسالیب ہیں ۔ ان اسالیب میں ہم محاورں ۔ ضرب المثلوں نیز ہر قسم کے دیگر مخصوص روزمروں کو خواہ ایک ہی لفظ کے دوہرائے جانے سے یا قریب المعنیٰ الفاظ و افعال کے آمیز سے بنتے ہیں ۔ داخل سمجھتے ہیں ۔ ان سے ہم کو زبان کی وہ حالت معلوم ہوتی ہے ۔ جو اب سے ۳۰۰ سال قبل رائج تھی اور پتہ چلتا ہے کہ زبان انتشاری کیفیت کو خیرباد کہکر ایک مرتب اور منظم شکل اختیار کر چکی ہے ۔ جب ہم ان اسالیب کا موجودہ زبان کے اسالیب سے مقابلہ کرتے ہیں ۔ تو ان میں بہت خفیف فرق معلوم ہوتا ہے ۔ نمونہ کے واسطے چند یہاں نقل کئے جاتے ہیں :-

روزمرے اور محاورات

قدیم	جدید
ص ۲۹۵ " شکر کی چھری ہے "	میٹھی چھری (د)[1]
ص ۲۲ " کیا خالا کا گھر ہے " ؟	' خالہ جی کا گھر یا خالہ کا گھر (د)

ضیاء برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے " چنانکہ خوردگان بخانۂ خالگان می روند " ص ۱۴۴ (طبع کلکتہ)

قدیم	جدید
ص ۳۷ بڑائی کہاں تے آئیگی دھول	(یعنے کیا خاک آئیگی)
ص ۲۵۷ " قیما قیما کرنا	قیمہ قیمہ کرنا (د)
ص ۱۵ " لڑنا جھگڑنا "	(آج بھی رائج ہے)
ص ۷ " مائی جائی "	" ما جایا "
ص ۲۴۴ " چھپے چوری سوں "	چوری چھپے (د)
ص ۲۳۵ " اپنا گڑ چھپا کھانا "	' راز چھپانا '
ص ۹۶ " بھانڈا پھوڑنا "	بھانڈا پھوڑنا (د)
ص ۸۹ " شرم حضور "	شرم حضوری (د)
ص ۱۳۲ " گھر گھالو	خانہ خراب۔ خانہ برباد
ص ۲۵۹ " بھلا برا "	برا بھلا
ص ۱۷۱ جدھر تدھر	' جدھر تدھر '
ص ۸۷ " جیدوں تیوں "	' جوں توں '
ص ۳۵ " کھینچا کھینچی "	' کھینچا کھینچ ' (د)
ص ۱۷۶ " نھاٹا نھاٹ "	بھاگا بھاگ (د)

[1] علامت (د) سے مراد فرہنگ آصفیہ (ج) سے مراد نجم الامثال اور (ز) سے مراد خزینۃ الامثال ہے

قدیم	جدید
ص۱۹۹ "لال گلال"	لال گلال
ص۲۰۵ "مارا مار[1]"	مار و مار و (بزبان بکش)
ص۶۱ "پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنا"	یعنے پیٹ بھر کر ہنسنا
ص۶۷ "کوڑ کپٹ"	کینہ نفاق۔ دغا فریب
ص۲۳۲ "فراق کے جلے بلے"	جلے بلے (۱)
ص۶۳ "پیشانی کوں بدنامی کا ٹیکا لاوو"	بٹہ لگانا۔ داغ لگانا
ص۱۳ "یو بی کیا لکھنوواں کا کھیل ہے؟"	بچوں کا کھیل (۱)
ص۲۲ "سچے پر بولاں دھرتے"	(یعنے بات لاتے (۱) فارسی سخن داشتن کا ترجمہ ہے)
ص۲۴۵ "کوچے کوچے دھنڈورا پھراتے"	ڈھنڈورا پھیرنا (۱)
ص۳ "شان نہ گمان۔ جان نہ پچھان"	(آج بھی یوں ہی بولتے ہیں)
ص۸۲ "خونا خون"	خون خرابہ۔ کشت و خون
ص۷۵ "ماٹی میں جاؤ ننگ و نام"	یعنے خاک میں ملے۔ برباد ہو۔ بلا سے
ص۲۴۴ "کدھیں مدھیں"	کبھی کبھار۔ کبھی کدھار (۱)
ص۲۶۸ "تلوے میں عقل"	یعنے ناقص العقل یا گدی میں عقل
ص۲۶۹ "گھرداری دھندا"	یعنے خانہ داری کا دھندا
ص۱۰۴ "دیتا و لاتا ہے"	دیتا لیتا ہے (۱)
ص۹۸ "ڈاواں ڈول"	ڈانواں ڈول
ص۱۵۹ "گانٹ باندھنا"	گانٹھ رکھنا۔ کپٹ رکھنا

---

[1] مارا مار اردو کی تاریخ میں بڑا پرانا لفظ ہے۔ غزنوی دور کے لاہوری شاعر خواجہ مسعود سعد سلمان متوفی ۵۱۵ھ ۔ اسی مفہوم میں اس کا استعمال کرتے ہیں سہ

چو رعد ز ابر بغرید کوس محمودی   بر آمد از پس دیوار حصن مارا مار

قدیم	جدید
ص۲۸۰ "ادھر اودھر"	ادھر اُدھر
ص۱۴۶ "بات کے روڑے"	بات کا روڑا۔ سنگ راہ کا ترجمہ ہے
ص۱۶۱ "پکڑیا جکڑیا"	پکڑنا دھکڑنا
ص۱۶۹ "داد نہ فریاد"	داد نہ فریاد (۱)
ص۲۰۲ "لوگ ہنسائی"	لوگ ہنسائی۔ جگ ہنسائی (۲)
ص۱۶۰ "ہنستا کھیلتا"	ہنستا کھیلتا
ص۲۴۹ "سچیں مچیں"	سچ مچ
ص۲۸۰ "بھولے چوکے"	بھولے چوکے
ص۶۷ "سچے کوں اڑاتے"	یعنے ہنسی میں اڑاتے
ص۱۱۸ "جھک مارنا"	جھک مارنا
ص۱۳۱ "خلل بھانا"	خلل ڈالنا
ص۱۲۶ "انو میں کیا ماٹی اچھیگی عقل"	کیا خاک عقل ہوگی
ص۱۵۹ "اپنی عقل ہوئی ہوائی"	عقل چرخ ہوگئی
ص۲۱۹ "اپنے گریبان میں کچھ نہیں بچارتے"	اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتے
ص۱۶۲ "اس برائی پر بی اینٹ اینٹ مرتے"	اینٹھ اینٹھ مرنا
ص۲۱۰ "عقل پر بات آتا ہے"	بات آنا۔ حرف آنا (۱)
ص۲۶۷ "ماں کے پیٹ میں تے نکلتا"	یعنے پاک و معصوم
ص۳۵ "یو بزرگی باٹ میں نیں پڑی"	یعنے مفت نہیں ملا کرتی
ص۱۳۷ "ایسے نفر کوں چولھے میں بھاؤ"	یعنے چولھے میں جھونکو
ص۱۵۲ "کام سب ہوگیا بھنگ"	بھنگ ہوگیا۔ خراب ہوگیا
ص۱۵ اس کاموں کالا	یعنے کالا منہ ہو

قدیم	جدید
ص ـ " دودھ میں کانجی "	ع ارے یہ دودھ کانجی کن رلائی (محمد اکرم رہنگی در تیرہ ماسہ)
ص۱۷۶ " بارہ باٹ "	بارہ باٹ - تتر بتر
ص۲۲۲ " الابلالی"	الاے بلاے لینا - صدقے قربان جانا
ص۲۹۵ " جاں جائیگی واں بلا بسائیگی"	فتنہ برپا کرنا - آفت لانا
ص۱۳۳ " باقی سب ٹکرے کے کتے "	پیٹ کے کتے ' (د)

اردو روزمرہ میں تحسین کلام کی غرض سے بعض افعال و الفاظ کی تکرار کیجاتی ہے - دکنی میں یہ طریقہ بھی رائج ہے -

ص۱۸۶ " یونچہ چپک لاتے لاتے ' بھاندے میں بھاتے بھاتے ' پھسلاتے پھسلاتے دیدار کے شہر لگن آئے "

ص۲۱۲ " دیکھتے دیکھتے سنتے سنتے خاطر بیاتے لیاتے فکر کرتے کرتے رہتے رہتے معلوم ہوتی ہے کام کی دھات '

ص۵ " جاتے جاتے تلملاتے تلملاتے جیفے کھاتے کھاتے باٹ میں دیکھا -

ضرب الامثال

قدیم	جدید
ص۲۸۰ " چور پہ مور پڑیا "	چور پر مور یا چور کے گھر مور (د)، (ج)
ص۱۲ " ٹھنا فہم بڑی بات"	چھوٹا منہ بڑی بات (ج)
ص۲۳ " اسبات کاکون پایا کھوج ' کہاں گنگا تیلی کہاں راجہ بھوج	کہاں راجہ بھوج کہاں گنگا تیلی (ج)، (ز) '
ص۳۳ " بولیچہ ہیں کہ بندہ گنہگار خدا بخشنہار"	. . . .

قدیم	جدید
ص۴۶ "بقول اہل ہند چکنے گھڑے پر پانی ڈھلتا"	ع چکنے گھڑے پہ بوند پڑی اور پھسل گئی
ص۹۶ "رام جو جا کر راون پر آئے، گھر کے بھیدی تے لنکا جائے"	گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے (ا)، (ج)، (ز)
ص۳۴ "بقول اہل ہند پیاسا کیا منگتا پانی"	پیاسا کیا مانگے پانی
ص۱۳۸ "جاں پانی نا ملے واں گردن مار"	اسکی گردن وہاں ماریے جہاں پانی نہ ملے (ز)
ص۱۴۲ "اصل نے کچھ خطا نہیں کمزات تے وفا نہیں"	اصل سے خطا نہیں کم اصل سے وفا نہیں (ز)
ص۱۴۴ "گھرگٹ کی دوڑ باڑی لگن"	گرگٹ کی دوڑ بھٹی تک (ز) گرگٹ کی دوڑ بورے تک (ج)
ص۱۴۶ "مشہور ہے کہ جدھر ہنڈی ڈوئی اودھر سب کوئی"	جس کے ہاتھ ڈوئی اوسکا سب کوئی (ز)، (ج)
ص۱۴۷ "اول خویش بعد از درویش"	اول خویش بعدہ درویش
ص۱۲ "بات یوں بی آئی کہ جانتے کاگر انجانتے کا بھائی"	. . . .
ص۱۴۶ "گھر کوں دیوا تو مسجد کوں دیوا"	پہلے گھر میں تو پیچھے مسجد میں (ز)، (ج)
ص۱۴۷ "یو وو قصہ کہ ع چار بلائے چودہ آئے سنیو گھر کی ریت بھار کے آکر کھا گئے گھر کے گائیں گیت	باہر کے کھا جائیں گھر کے گیت گائیں (ز) باہر کے کھاویں گھر کے گاویں (ج) تین بلائے تیرہ آئے دیکھو یاں کی ریت باہر والے کھا گئے اور گھر کے گاویں گیت (ج)
ص "او ہیچ قصہ کہ ہتی کوں کلچڑی ضمان"	. . . .

قدیم	جدید
ص۱۶۳ " بولیچہ ہیں کہ بھوک ہور پیاس نبیاں ہور ولیاں کی میراث	. . . .
ص۱۶۴ " چڑتا سو پڑتا ہے	جو چڑھیگا سو گرے گا (ج)
ص۱۶۵ " دنیا دوپہر کی چھانوں "	. . . .
ص۱۸۱ " دونوں ہات ملتے بجتی ہے تالی"	دونو ہاتھوں تالی باجتی ہے (ز) دونوں ہاتھ تالی بجنا (ا)
ص۱۸۸ " دغے سوں چمٹی ہتی کوں مارے	. . . .
ص۱۸۹ " ہتنیاں انباڑیاں سوں ڈبتے بکری کتی مجھے کیتا پانی	اونٹ ڈوبیں بھیڑیں تھاہ مانگیں (ز)، (ج)،
ص۱۹۶ " ادھر بائیں اودھر کواہے	ادھر کنواں اُدھر کھائی (جامع اللغات)
ص۱۹۷ " درد خراسان ہیں دارو ہندوستان ہیں	. . . .
ص۲۱۹ " یو بات چلیچہ ہے سب کئیں کہ بھلے کی دنیا نیں"	بھلے کا زمانہ نہیں (ا)
ص۲۴۳ " کیہچ ہیں کہ اپنا گھر خوشی بھاے سو کرے"	. . . .
ص۲۵۷ " کتے کوں کھیر جروتی ہے" ؟	کتے کو گھی نہیں پچتا (ا)
ص۲۶۶ " جننے نیں سنیا بڑیاں کی بات اسکوں کیوں ہونا نجات "	جنے نہیں سنی بڑوں کی سیکھ وہ لے ٹھیکرا مانگے بھیکھ
ص۲۷۰ " تین گناہ خدابی بخشتا ہے"	تین گناہ خدا بھی بخشتا ہے (ز)
ص۲۷۶ " دودکا جلا چھاچھ پھونک پیتا"	دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پیے " (ز) دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک پیتا ہے" (ج) دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے" (ا)

دکنی ضرب الامثال

ص۴۷ 'یو سمجھے نیں دراصلا' دکھن کا ہے یو مثلا " جو کوئی آوارا وہ بھائی ہمارا "

ص۴۸ 'جیوں دکھنی مثل ہے " مرنا مرنا چوکے نا ' ایسا مرنا جو کوئی تھوکے نا "

ص۱۳۶ 'جوں دکھن میں چلیا ہے کہ " میاں متے دنیا میں رہتے ' ہاں کوں ہاں کی نیں سکتے "؟؛

ص۱۵۶ 'مثلا ہے دکھن میں اگر کوئی سمجھے من میں ۔ لوٹ کا لوٹ کا کلوٹ ' (حرص ؛ لت میں لت غفلت "

ص۲۲۶ ' دکھنی دہرا :-

تیرے کرتب کرنے تے میں چپ ؤ ئی بدنام میں میانے تے اٹھ گئی تو جانے تیرا کام

ص۱۴۹ ' دکھنی میں بھی بولے ہیں کہ " تٹو کوں ٹومنی (ایڑ۔ٹھوکر) تیزی کوں اشارت "

لیکن یہ کہاوت اردو میں موجود ہے چنانچہ :- ٹٹو کو کوڑا اور تازی کو اشارہ (جامع اللغات) اور کسی قدر اختلاف کے ساتھ یوں بھی آئی ہے " بھلے گھوڑے کو ایک چابک بھلے آدمی کو ایک بات " (ز) ' (ج) '

اس کے علاوہ خود مصنف کے دانشمندانہ مقولے نہ صرف خیالات کی پاکیزگی اور بیان کی چستی کی بنا پر بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ تجربہ اور حقیقت پر مبنی ہیں اور اعلیٰ اخلاقی معیار کے حامل ہیں ۔ اس قابل ہیں کہ کہاوت اور ضرب المثل کے طور پر نقل ہوں ۔ میں نمونہ کے طور پر صرف چند یہاں نقل کرتا ہوں :-

ص۱۶ " نہ آفت دیکھے نہ زلزلا ' آپے بھلے تو عالم بھلا "

ص۳۴ " سمجا سو پایا نیں سمجا سو گنوایا "

ص۳۹ " آفتاب کوں کوئی بغل میں ماریا ہے " (؟)

ص۴۲ " آرسی ہات میں ہور موں دیکھنے نیں آتا "

ص۵۴ " ہمت تے نیست ہوتا ہست دنیا میں ہمت بڑی بست "

ص۶۴ "بڑے ہونا کیا بات میں پڑیا ہے"

ص۵۵ "کیا کام آوے رس نیں سو گانڈا، جس میں ہت نیں سو خالی بھانڈا"

ص۶۳ "دل کا یار سو پاک پروردگار"

ص۱۳۴ "نامراد کیا منگتا ہے مراد"

ص۱۳۵ "مست ہتی، پادشاہ ہور باگ، یو تینو ایک جنس کی آگ"

ص۱۳۷ "رام جیسا صاحب آئے۔ تو ہنونت جیسا نفر پیدا ہوے"

ص۱۳۸ "ہوتا ہے تقدیر کا کرنا، وے مرد تدبیر نا بسرنا"

ص۱۴۱ "سینے میں شیطان کیوں یاد آوے رحمٰن"

ص۱۴۲ "برا وقت کیا پوچھ کر آتا"

ص۱۴۴ "جیتا تیز ہوئی سوئی تو کیا شمشیر کے برابر ہوئی"

ص۱۶۲ "اگر دایم اچھے یک وفا تو عبث ہے یو قدر قضا"

ص۱۴۷ "نوے سو نوے قدیم سو قدیم"

ص۱۴۷ اپنے سو اپنے پرائے سو پرائے، پرایاں کوں اپنیاں میں کیونکر لیا یا جائے"

ص۱۶۲ "اہوار کا کھیل جو آگ سوں ہے تو یکا وے وقت جلتا بی ہے"

ص۱۶۴ "جسے نیٹ نہیں اسے بھیٹ نہیں"

ص۱۶۴ "جو پارا آگ پر رہیا وو قائم النار"

ص۱۶۴ "حیات باؤ کا ہلنا چلنا، اس حیات پر اپنا کیا اچھلنا"

ص۱۸۴ "مہر سو ما باپ کی باقی مہریں پاپ کی"

ص۱۹۰ "جتنا قاعدہ اتنا فایدہ"

• ص۲۲۷ "کھارا ہے تو میٹھے کا پایا جاتا سواد" ص۲۴۱ "خدا کے عالم میں سب کچھ بھریا ہے، سو کا ہے ہریا ہے، جدھر دیکھیں ادھر دریا ہے"

صفہ ۲۹۳ "یو عبادت چار سجدے کرتا خلق کوں دکھلاتا ہے، خدا ہور رسول کوں پھسلاتا ہے"

صفہ ۱۳۹ "دنیا دو دیس کی کچھ دینا لیناچ کام آویگا"

صفہ ۱۴۴ "دولت کوئی ماں کے پیٹ میں تے نیں لیاتا"

صفہ ۱۴۸ "خوب عورت خوب کھانا خوب لہوا خوب گھوڑا، یو سب کسے میسر ہے تھوڑا تھوڑا"

صفہ ۶۴ "کہانی کہی ساری رات آخر وہیچ بات"

صفہ ۱۳۱ "رہیا سو آگمن (مستقبل) ہوا کا ٹھا جو کچھ توں لیا سو تیرا"

صفہ ۱۴۵ "دسرا اگر دشمن ہوا تو سہل ہے ولے اپنا دشمن اپی ہونا بہوت جہل ہے"

صفہ ۱۴۱ "یو باٹ ہے جیوں لوکاں آتے ہیں تیوں چل جاتے ہیں، جیسا یہاں کرتے ہیں ویسا وہاں پاتے ہیں"

صفہ ۱۲۹ "کوتیاں کو سالک دیے دمنہ لگایا) تو موں چاٹنے آتے"

صفہ ۱۲۹ "اپتے ہی میٹھے نا ہونا جو مکھیاں توڑ توڑ کھاویں"

یہ دعوی تو نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سب مقولے مصنف ہی کے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض ان میں دوسروں کے ہوں اور مصنف کا حصہ ان میں محض مترجم یا ناقل کا ہو مثلاً "یو باٹ ہے جیوں لوکاں آتے ہیں تیوں چل جاتے ہیں الخ" زیادہ تر ہمیں عربی ضرب الامثال کی یاد دلاتا ہے۔ تاہم ان میں اکثر ایسے ہیں جنکی کسی معلوم ماخذ تک سراغ رسانی نہیں کی جاسکتی اور معمولی طور پر مصنف ہی کی طرف منسوب ہونے چاہئیں۔ بہرحال کتاب ایسے اقوال و امثال سے بھری پڑی ہے۔

ذیل میں بعض فقرے اصل کتاب سے نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے ناظرین ہمارے مصنف کے شگفتہ انداز بیان اور سنجیدہ خیال آرائی کا کسی قدر اندازہ لگا سکتے ہیں:-

اپنے اور پرائے

"جسے توں کچھ محبت سوں دیا، اسے توں اپنا کیا۔ مشہور ہے کہ جدھر ہنڈی ڈوئی

اودھر سب کوئی۔ جسے توں اپنا کیا وو چہ تیرا، ہر کسی کوں نکو جان کہ یو وقت پہ ہے میرا۔ عاقل آنگیچ جانتا، نادان پچھیں تے پچھانتا۔ اپنیاں کوں اپنے کرنا، اپنیاں تے مال دریغ نا دھرنا۔ اپنے سو اپنے پرائے سو پرائے، پرایاں کوں اپنیاں میں کیوں لیا یا جائے۔ اپنیاں میں بہوت تواضع بہوت تعظیم، نوے سو نوے قدیم سو قدیم۔ کہیچ ہیں کہ اول خویش بعد از درویش۔ اتال سب خوب دسے وسلے سن رے جیوا۔ گھر کوں دیوا تو مسجد کوں دیوا۔ یو وو قصہ کہ

چار بلائے چودہ آئے سنیو گھر کی ریت　　بھار کے آکر کھا گئے گھر کے گائیں گیت

آشنا کوں جاننا، بیگانے کوں پچھاننا۔ دنیا میں اپنایت خوب ہے۔ اپنایت نہایت خوب ہے" (ص۱۴۷)

ترکش بندی

"پادشاہاں تیر ترکش کمان لھواسپر اپنے سنگات لے کر مستعد ہو کر، سبکوں دلاسا دیکر، مہابت سوں، صلابت سوں۔ جیوں ترکش بندی کا قاعدہ ہے، جس بات میں ترکش بنداں کو فایدہ ہے۔ خوب نمائش سوں، خوب آرائش سوں بھار آنا، بھار آئے تو غافل نا ہونا ہشیار آنا۔ اپنی مردی کا سنگار اپے دیکھنا، اپنے لشکر کوں کھلانا دسریاں کو دیکھ اُمس (حوصلہ) آوے، ترکش بندی کا ہوش آوے۔ ترکش بند ترکش بندی کرے، تو جوت اچھے وہ بھی جوت دھرے۔ ترکش بندی کا عالم بولیچہ ہیں کہ الناس علی دین ملوکہم۔ پادشاہاں بڑے ترکش بنداں۔ ترکش بنداں کو ایبو باٹ دکھلانا، ایبو ترکش بندی پر لیانا۔ ایبو دینا بنداں تو ترکش بند کا دل قوت پکڑتا ہے تو ترکش بند لڑتا ہے، ہمت یاری دیتی ہے آگ میں پڑتا ہے جو پادشاہچ یو روش چھوڑے، تو کدھر تے ترکش بندی کریں گے نگوڑے" (ص۱۴۹)

سوتیاڈاہ

"سوکن نا سووے تا سونے دیوے ' سوکن جیو پہ اٹھے سوکن جیو لیوے - سوکن تے محبت میں فتنہ اٹھے ' سوکن سے جتیا دل تٹے - سوکن آئی دوکھ سے سینہ پھٹیا - سوکن آئی محبت کا سواد اٹھیا - وایم جھگڑتیاں ' جوں بلبلاں لڑتیاں - ادھر نے سالے اودھر تے سالیاں ' چاروں طرف تے برستیاں گالیاں - کوئی کوا گرتی کوئی بائیں ' گھر میں کھیلتیاں چائیں ٹائیں - یو گھر میں سکھ سوں نہیں سوتا میانے میاں لوگاں کا ہنسا ہوتا - جو دیکھے تو کل کل ' عورت تے ریاست ساس کی جھل - سالا دشمن سالی دشمن ' بجر کا اس بچارے کا من - کسے کسے سمجاوے ' کس کس کے تغاویاں تے بھار آوے - بیٹا بیٹی اپنیاں ماواں خاطر جدا لڑتے ' یو جدا ملتے یو جدا چر پھرتے - بیزار ہوتے باپ کے اسم سوں ' یوبی دشمن ہو بیٹھتے ایک قسم سوں - دل سب ہوتا بھنگ ' سعدی کہتا ہے کہ

بلائے سفر بہ کہ در خانہ جنگ تہی پائے رفتن بہ از کفش تنگ (ص ۲۵۳)

ہزیمت خوردہ پادشاہ اور اسکی بربادی

" ہر کوئی نھاٹ کر پادشاہاں پاس آتا ' پادشاہ نھاس کر کدر جاتا - یک وقت ٹوٹیا تو جوڑتا کون ' پادشاہ نھاٹیا تو چھوڑتا کون - غنیم لگن کیا کام جاتے ' اپنیچ لوگاں تو دشمن ہو آتے - لوٹتے ننگاتے ' ہزاراں ہزار بلایاں لیاتے - اول اپنے لوگاں تے ڈرنا ' پچھیں دشمن کی فکر کرنا - کون پادشاہ مال دھن سوں نھاٹ کر سلامت گیا ' جیوں نکلیا تھا تیوں امانت گیا - البتہ ننگائے ہیں یا مفلس ہو کر گیا یا پکڑ لیائے ہیں - پادشاہاں کو جتی خوشی اتناچ دکھ بھی ہے ' جتا نیک اتناچ بد بھی ہے - پادشاہ تو تگیچ جو لشکر گھوڑے ہتی ہے ' سب نھاٹے پچھیں کیا پادشاہاں کی عزت رہتی ہے

مالی جیتا جیپتا ہے' وِلے جھاڑ بیر تے اکھڑے پچھیں کیا پنپتا ہے۔ شیشہ پھوٹے پچھیں جڑتا نہیں' پر کٹ ہوے پچھیں جناور اڑتا نہیں۔ یو بات دانش کا معما اس بات کو فامتا کون' آسمان ٹٹ پڑیا پچھیں تھاتتا کون۔ حوض کی پال ٹوٹ تو یکایک باندھی جاتی ہے' وِلایت گئے پچھیں بھی ہات آتی ہے؟ جیوں کمان کا تیر جوں بولے سو بات' یو دونو گئے تو مشکل ہے پھر آنا ہات" (ص ۱۵۰)

ادنٰی اور اعلٰی کا فرق

"جن نے جو کچھ پایا' سو ہمت ہور تدبیر سوں پایا' دولت کوئی ماں کے پیٹ میں تے نہیں لیایا۔ بڑا ہونے منگتا ہے تو بڑے لوگاں کوں پیدا کر' بُجے لوگاں تے کیا ہوئیگا کھرے لوگاں کوں پیدا کر۔ بڑے لوگاں کی بڑی فکر بڑی دھانوں' بڑے لوگاں کی عقل اس حد لگن دوڑتی جاں لگ خدا کا ناؤں۔ ہلنے لوگاں کے ہات تے کیوں ہووے گا بڑا کام' تو عقل پادشاہ یو تجھے بہتر ہے فام' تجے روشن ہے تمام۔ یو بولاں لوگاں رکھے ہیں چن چن' سکلائی بُد دہلیز تلک گھر گھٹ کی دوڑ باڑی لگن۔ بگولا ہزار پر دھرے گا' تو کیا بھری کا کام کریگا۔ جیتا تیز ہوئی سوئی تو کیا شمشیر کے برابر ہوئی۔ بلی کوں باگ کا کس آئے گا' لانڈ کا چیتے کے جھانپ بھاے گا۔ کھلگا ہتی کے کام سار یگا' سیاہ گوش شیرزے کے ابھالے مارے گا؟ بڑے آدمی کوں بڑا کام فرمانا' ہلنے آدمی کا کام گھر میں آنا جانا بجرے لانا لیجانا" (ص ۱۴۲)

سب رس اگرچہ اردو نثر کی پہلی کتاب ہے مگر وجہی کے دست و قلم نے اس میں وہ جوہر پیدا کر دیے ہیں کہ یہ خورد سال دوسری زبانوں کی کہنہ سال معیاری کتابوں سے برابری کا دعویٰ کرتی ہے۔ اور یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اس

تالیف کو اردو زبان کے ساتھ وہی نسبت ہے جو مقامات بدیعی کو عربی کیساتھ اور مقامات حمیدی کو فارسی کے ساتھ ہے اور ہمیں حیرت اس امر پہ ہوتی ہے کہ جس شہرت کا یہ ادبی شاہکار مستحق تھا وہ ابتک اسکو نصیب نہیں ہوئی۔ درحقیقت ہمیں اس کے محترم اڈیٹر مولانا عبدالحق کا ممنون احسان ہونا چاہئے کہ انہوں نے مسیحائی کر کے اس کارنامہ کو از سر نو زندہ کر دیا۔

اورنگ آباد کو اُردو کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ شمالی ہندوستان میں اُردو شاعری کا پہلا ورق ولی اورنگ آبادی کی تحریک سے کھلتا ہے۔ محمد شاہ کے عہد سے لے کر ابتک اسکا نام ہماری ادبی روایات میں گونج رہا ہے۔ اُدھر اُردو زبان کی قدیم تاریخ و ادبیات پر تحقیقات کی تحریک بھی اورنگ آباد ہی سے شروع ہوتی ہے۔ اس تحریک کے موجد و محرک مولینا عبدالحق ہیں۔ اس تحریک کو شروع ہوئے اگرچہ دس سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گذرا مگر اسنے اُردو زبان کی تاریخ میں بالکل انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ سب رس بھی اسی سلسلۂ انقلاب کی ایک کڑی ہے۔

محمود شیرانی

فارسی تذکرے

(سلسلے کے لئے دیکھو یہی رسالہ نمبر ۸ تا ۱۰، ۱۵ و ۳۵ و ۳۶)

اورینٹل کالج میگزین نمبر ۸ میں ہمارے مکرم دوست ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے فارسی ادب کی تاریخ کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم کیا تھا۔ جس میں ایتھے کے ایک طویل مضمون کی ایک فصل کا ترجمہ بھی شامل تھا۔ جس میں شعرا کے تذکروں کے نام اور ان کا مختصر حال تھا۔ اسی نمبر اور بعد کے دو نمبروں میں راقم سطور نے اسکا تکملہ لکھا، پھر نمبر ۱۵ میں حکیم شمس اللہ صاحب قادری نے تکملہ کا تتمہ لکھا اور اسطرح کل ۱۳۵ تذکروں کا حال درج ہوا، جن تذکروں کا صرف سرسری طور پر ذکر ہوا وہ اسکے علاوہ تھے، میگزین کے نمبر ۳۵ و ۳۶ میں محبی ڈاکٹر محمد اقبال نے زبدۃ المعاصرین کا حال درج کیا اور آج وہ ایک اور تذکرے کا ذکر فرماتے ہیں ۔ (اڈیٹر)

۱۳۷۔ تذکرہ لطائف الخیال

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فارسی شعراء کے تذکرے لاتعداد ہیں اور قلمی کتاب خانوں میں جتنی زیادہ تلاش کی جائیگی اتنی ہی انکی تعداد بڑھتی جائیگی۔ نومبر ۱۹۳۳ء اور فروری ۱۹۳۴ء کے میگزین میں میں نے ناظرین کو ایک نئے تذکرے سے آشنا کیا تھا۔ جسکا نام زبدۃ المعاصرین ہے۔ اور جسکا ایک قلمی نسخہ میرے فاضل دوست پروفیسر

شیرانی کے پاس ہے۔ اُنہی کے بیش بہا کتبخانے میں ایک اور تذکرہ موسوم بہ لطائف الخیال ہے جو بظاہر اسوقت تک غیر معروف ہے۔ جہانتک میں نے تلاش کیا کسی کتب خانے کی فہرست میں مجھے اسکا نام نہیں ملا اور نہ کہیں اسکا حوالہ دیکھنے میں آیا۔ لہذا مناسب ہے کہ سطور ذیل میں اس کے متعلق ضروری اطلاع شائع کردی جائے۔ فارسی تذکروں کی ایک جامع فہرست مرتب کرنا اور ان کے مندرجات کا احاطہ کرنا میرے نزدیک ایک مفید اور ضروری کام ہے۔

افسوس اسبات کا ہے کہ اسوقت تک جتنے تذکرے (مطبوعہ یا غیر مطبوعہ) معرض علم میں آچکے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو ہماری تشنگی تحقیق کو بجھا سکے۔ شعراء کے حالات جنکی ایک محقق کو تلاش ہوتی ہے ان میں بالکل نہیں ملتے۔ عموماً ایک آدھ سطر میں شاعر زیر بحث کا نام اور نسبت بتادی جاتی ہے۔ پھر اس کے کلام کا انتخاب دے دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے دولتشاہ کی طرح بیان کو طول دیا تو غیر متعلق باتیں اور ناقابل اعتبار کہانیاں بھردیں۔ کسی فارسی شاعر کی زندگی کی داستان مرتب کرنے کا سوائے اس کے اور کوئی طریقہ نہیں کہ ان متفرق تذکروں میں اطلاعات کے بکھرے ہوئے ریزے فراہم کئے جائیں اور پھر جتنا تعمیری کام کرسکنا ممکن ہو وہ کیا جائے۔ شاعر کا اپنا دیوان بھی ناقدانہ نظر سے مطالعہ کرنے والے کو کچھ نہ کچھ مواد بہم پہنچا دیتا ہے۔

تذکرہ لطائف الخیال بھی اپنی نوعیت میں عام تذکروں سے مستثنےٰ نہیں۔ شعراء کے حالات کالعدم ہیں۔ شاذ و نادر کسی شاعر کے متعلق تین چار سطروں سے زیادہ لکھا ہے۔ لیکن ایک خصوصیت اس میں یہ ہے کہ بعض معاصر شعراء (اور اس میں زیادہ تر معاصر شعراء ہی کا ذکر ہے) کے سنین وفات دے دئے ہیں جو اکثر دوسرے تذکروں میں نہیں ملتے۔ یا ان کے متعلق ایک آدھ بات

ایسی کہدی ہے جو ہمارے لئے ایک مفید اطلاع ہے' علاوہ اس کے مصنف نے معاصر شعراء میں سے جب کبھی کسی سے خود ملاقات کی ہے تو اسکا ذکر ضرور کیا ہے اور یہ بات خود اسکی زندگی پر روشنی ڈالتی ہے - ایسے مقامات کو میں آگے چلکر اصل عبارت میں پیش کر دونگا -

جیسا کہ اوپر بیان ہوا میرے پیش نظر جو نسخہ ہے وہ محبی پروفیسر شیرانی کے کتابخانے کا ہے - مصنف کا نام کہیں مذکور نہیں لیکن اسکا سن تالیف سنہ ۱۰۷۶ھ / ۱۶۶۵ء ہے جو دوران کتاب میں کئی جگہ ذکر کیا گیا ہے - نسخہ ناکمل ہے اور ورق بے ترتیب ہیں - سن کتابت درج نہیں - لیکن بظاہر گیارھویں صدی یا بالفاظ دیگر مصنف کے زمانے کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے - تعداد اوراق ۲۴۹' تقطیع ۱۰" × ½۵" اور بحساب اوسط ۲۰ سطر فی صفحہ' کتاب کے شروع میں شعراء کی جو فہرست ہے اس میں ۴۵۴ نام ہیں لیکن حقیقت میں ۲۱۴ شاعروں کا ذکر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ نسخہ اصل کتاب کے نصف سے بھی کم ہے - مقدمہ صرف ایک سطر کا ہے - جس میں صرف یہ لکھا ہے :-

"مجموعۂ مسمّی بلطائف الخیال منتخبات اشعار متقدّمین و متاخّرین
تا سنہ ستّ وسبعون [و] الف"

شعراء کو طبقات میں تقسیم کیا ہے اور یہ تقسیم ایران کے صوبوں اور شہروں کے اعتبار سے ہے بدیں ترتیب :-

(۱) فارس و شبانکارہ (۲) توابع فارس (۳) اصفہان (۴) توابع اصفہان (۵) کاشان و توابع آن (۶) دارالمومنین قمؔ (۷) قزوین و ساوہ و نواحی آن (۸) ری و طہران و توابع آن (۹) ہمدان (۱۰) توابع ہمدان (۱۱) آذربائجان - اردبیل (۱۲) تبریز (۱۳) توابع آذربائجان'

(۱۴) شوشتر (۱۵) طبرستان وگیلان (۱۶) مازندران (۱۷) استرآباد -
(۱۸) یزد (۱۹) کرمان (۲۰) خراسان (۲۱) نیشاپور (۲۲) مشهد مقدس
(۲۳) ہرات و توابع آن (۲۴) بلاد متفرقہ از خراسان (۲۵) قندھار و
سیستان (۲۶) ماوراء النہر (۲۷) ہندوستان و توابع آن (۲۸) نجف
اشرف و کربلای معلیٰ "

شاعروں کے حالات کی نسبت ان کے کلام کے انتخاب پر زیادہ زور دیا
ہے - اور بعض نامور شعراء کے دواوین میں سے تو کئی کئی ورق منتخب کر ڈالے
ہیں - قدیم شعراء (یعنی چھٹی صدی سے ماقبل کے شعراء) کا ذکر بہت کم ہے -

مصنف

مَیں نے اوپر بیان کیا ہے کہ کتاب میں مصنف کا نام کہیں مذکور نہیں لیکن
بعض بعض جگہ اسنے اپنی طرف اشارے کئے ہیں - جن سے اس کی زندگی کے
جستہ جستہ حالات کا پتہ چلتا ہے مثلاً

(۱) ۱۰۶۲ھ میں وہ دولت آباد میں ہے - میر برہان ابرقوہی کے متعلق
بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ دولت آباد میں مَیں دیر تک مقیم رہا - اور
۱۰۶۲ھ میں وہاں میر برہان سے میری ملاقات ہوئی "

(۲) دوران قیام ہندوستان میں وہ سورت اور احمد آباد میں بھی مقیم
رہا ہے - چنانچہ لکھتا ہے کہ سورت میں میرزا محمد حسین جابری اصفہانی سے
میری ملاقات ہوئی اور احمد آباد میں میر فائض الحسینی نطنزی[۱] کے بیٹوں

---

[۱] میر فائض الحسینی نطنزی جہانگیر کے بڑے منظور نظر تھے اور اسکے عہد میں صوبۂ گجرات کی خفیہ
نویسی پر مامور تھے (تذکرہ مخزن الغرائب)"

سے جو وہاں مقیم تھے ملا۔ ان کے علاوہ میرزا یوسف قزوینی سے بھی ملاقی ہوا،
(۳) ۱۰۶۷ھ میں وہ ہندوستان سے واپس ایران کو جاتا ہے۔ لکھتا ہے کہ اس سفر میں مَیں اور سالک قزوینی ایک کشتی میں سوار تھے،

(۴) ایران واپس جاکر مصنف نے اپنا وقت زیادہ تر شیراز اور اصفہان میں گذارا چنانچہ شیراز میں پہنچکر وہ حکیم رکنا مسیح کاشی[2] اور نظمی بہبہانی سے ملا، اور اصفہان میں صائب، شاہ مجدای طہرانی اور معادقا ولد شیخ مومن اصفہانی[3] سے مسلسل رفاقت رہی، میرزا صائب کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ مجھ پر بہت شفقت فرماتے ہیں اور میں نے ان سے بہت استفادہ کیا ہے۔

(۵) مصنف ایران سے دوبارہ ہندوستان آیا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کب اور کس سال۔ تذکرہ لطائف الخیال کی تالیف کا کام اسنے ۱۰۷۶ھ میں ہندوستان میں رہ کر کیا چنانچہ اس امر کا اسنے متعدد بار ذکر کیا ہے۔ اپنے ایک معاصر شاعر میر محمد باقر پسر میرزا صادق شیرازی کے حالات میں لکھتا ہے کہ "جوانیست در نہایت قابلیت وآدمیت واکثر مراتب علمیہ با این حقیر مباحثہ نمودہ لطافت طبع بالارث والاستحقاق دارد و در بعضی جنگل ہندوستان کہ حقیر تالیف این مجموعہ می نمود از اشعار ایشان بجز این بیت در صفحۂ خاطر نبود و بسبیل الموزوج بصفحۂ اوراق نقل نمود" (ورق ۲۸۵ ب)،

(۶) ہندوستان میں ان کے ماسوا جن معاصر شاعروں سے مصنف کی

---

[1] برادر میرزا طاہر وحید (آتشکدہ) [2] رکنا مسیح کاشی کی تاریخ وفات بالعموم ۱۰۶۶ھ بیان کی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے مصنف کے اس بیان کے مطابق وہ ۱۰۶۸ھ میں زندہ تھے،
[3] شیخ مومن جہانگیر کے ہاں ملازم تھے اور تقی اوحدی کے رفقاء میں سے تھے (مخزن الغرائب)،

ملاقات ہوئی ہے - ان میں میر تقی شاگرد میرزا جلالا اسیر ہیں - لکھتا ہے - کہ بوقت تالیف (۱۰۶۰ھ) وہ جہانگیر نگر ڈھاکہ میں اپنا دیوان مرتب کر رہے ہیں - مجھے ان سے ملنے کی بڑی تمنا ہے - ان کے علاوہ میر صابر حسینی کیساتھ اسکی صحبت رہی - ان کے متعلق بیان کرتا ہے کہ انہوں نے ۱۰۶۴ھ میں برہان پور میں انتقال کیا - تیسرے مولانا واہب ہمدانی (برادر مولانا رونقی ہمدانی[1]) ہیں - جنہوں نے ۱۰۶۰ھ میں حیدرآباد میں وفات پائی - میرزا صادق کاشی کو وہ نوجوان معاصر شاعروں میں شمار کر رہا ہے '

(۷) میرزا قاسم خلف میرزا محسن تاثیر کی رفاقت میں وہ نجف اشرف اور کربلاء معلےٰ کی زیارت کو گیا ہے - لیکن اس سفر کی تاریخ نہیں بتلائی -

مصنّف کے متعلق بعض قیاسات

بیانات بالا سے اگرچہ مصنّف کی اصلیت کا پتہ نہیں چل سکا تاہم بعض آثار سے پایا جاتا ہے کہ غالباً وہ محمد بن محمد الدارابی[2] ہے جو رسالہ لطیفۂ غیبیہ کا مصنّف ہے - یہ رسالہ خواجہ حافظ کے معترضین کے جواب میں لکھا گیا اور بقول پروفیسر براؤن[3] طہران میں ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوا ہے[4] - جن وجوہات کی بنا پر میں نے مصنّف کے متعلق یہ قیاس کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں :-

---

[1] رونقی ہمدانی ..... در عہد شاہجہان بہ ہند آمدہ بوساطت مقرب خان ملازمت بادشاہ اختیار نمود (مخزن الغرایب)

[2] نسبت "دارابی" کے ماخذ کا پتہ نہیں چل سکا - موسیو آئوناف (مؤلف فہرست مخطوطات کتبخانۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال) کا قیاس ہے کہ دارابی سے مراد داراب جرد کا رہنے والا جو صوبۂ فارس میں ایک قصبہ ہے واللہ اعلم '

[3] تاریخ ادبیات ایران' ج ۴ ' ص ۳۰۰ ' براؤن لکھتے ہیں کہ مجھے اس رسالے کے مصنّف کا حال معلوم نہیں ہو سکا

[4] اسکا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتبخانے میں ہے '

(۱) اگر دارابی سے مراد داراب جرد کا رہنے والا ہے تو معلوم ہوا کہ لطیفۂ غیبیہ کا مصنّف صوبۂ فارس کا باشندہ ہے اور یہی قیاس لطائف الخیال کے مصنّف کے متعلق بھی ہے۔ اسکی صحبت بیشتر اہل شیراز کے ساتھ ہے' ہندوستان سے لوٹ کر وہ سیدھا شیراز جاتا ہے اور وہاں قیام کرتا ہے۔ اپنی کتاب میں بھی وہ فارس ہی کو زیادہ اہمیت دے رہا ہے اور سب سے پہلے فارس ہی کے شعراء کو بیان کرتا ہے۔ کتاب کی ابتدا خواجہ حافظ کے ذکر سے کرتا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ وہ خواجہ کا معتقد ہے اور یہی آخری بات لطیفۂ غیبیہ کے مصنّف پر بھی صادق آتی ہے'

(۲) لطیفۂ غیبیہ میں مصنّف نے دیوان حافظ کی ایک فال کے سچے ہونے کا قصّہ بیان کیا ہے اور وہ قصّہ اسکو احمد آباد میں پیش آیا۔ جبکہ وہ سنہ ۱۰۵۲ھ میں وہاں تھا۔ ہم اوپر معلوم کر چکے ہیں کہ اسی زمانے میں لطائف الخیال کا مصنّف بھی احمد آباد میں ہے'

(۳) دیوان حافظ کی ایک اور فال کے سچا ہونے کا واقعہ لطیفۂ غیبیہ میں لکھا ہے۔ وہ مشہور واقعہ فتح علی سلطان پسر امام قلی خان والی فارس کا ہے۔ جسکو پروفیسر براؤن نے مفصّل بیان کیا ہے[۲]۔ مصنّف لطیفۂ غیبیہ بیان کرتا ہے کہ یہ واقعہ میرے اپنے زمانے میں پیش آیا۔ بعینہٖ یہی واقعہ اور یہی بات لطائف الخیال کا مصنّف بھی کہہ رہا ہے " وعجب تر ازین کہ در عصر مؤلّف واقع شد آنکہ فتح علی سلطان پسر خان عالیشان امام قلی خان در نہایت حسن و جمال دماغ را از بادۂ ناب تر ساختہ۔۔۔ الخ" (ورق ۲ الف)

---

[۱] دیکھو براؤن (کتاب مذکور صفحہ ۳۱۶) [۲] ایضاً ص ۳۱۸ -- ۳۱۹'

اس سے قیاس ہوتا ہے کہ دونو کتابوں کا مصنف ایک ہی شخص ہے ،

(۴) دونو کتابوں کے نام میں بھی کسی قدر لفظی اور معنوی مشارکت پائی جاتی ہے - اگرچہ یہ دلیل قائل کرنے والی نہیں ہو سکتی - تاہم قابل توجہ ہے -

افسوس ہے کہ لطیفۂ غیبیہ کا کوئی نسخہ (مطبوعہ یا قلمی) دستیاب نہیں ہو سکا - ورنہ دونو کتابوں کے مطالب اور عبارات کے موازنے سے شاید میرا یہ نظریہ حتمی طور سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتا -

مصنف لطائف الخیال غالباً شیعی ہے - قم کو وہ دار المومنین لکھتا ہے اور بمعیت میرزا قاسم تبریزی زیارت کربلاء معلےٰ کو جاتا ہے -

اب ہم ذیل میں مختلف شاعروں کے تراجم میں سے وہ جملے اور عبارتیں نقل کرتے ہیں - جن سے یا تو ان کے بارے میں کوئی ایسی مفید اطلاع بہم پہنچتی ہے کہ عام طور سے دوسرے تذکروں میں نہیں ملتی یا ان سے مصنف کے اپنے حالات پر روشنی پڑتی ہے -

خواجہ حافظ

.... علمای علم دین و عرفای منہج یقین کلام حقیقت فرجامش را لسان الغیب میدانند و استدلال بدین مطلب باین روش نمودہ اند کہ باآنکہ حضرت خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ در علم ظاہر از فحول علمانہ بودہ و مع ہذا گلی چند از حقایق و معارف در گلستان دیوانش شگفتہ کہ دماغ فکرت ہوشمندان از استشمام آن عاجز[1] است ، و دلیل بر آنکہ در علم رسمی درجۂ اعلی نداشتہ اینکہ بحث بزہل[2] بسیط در حکمت العین در

---

[1] ایضاً ص ۱۸ - ۱۹ ، [2] در اصل : جعل ،

خدمت میر سید شریف علامہ[1] میخوانده و چون میر حق فہم اثر و مشاہده نمی نموده نزودند که جہل بسیط ہمان معنیست که در شعر شما واقعست که بیت :

گفتم این جام جہان بین بتو کی داد حکیم — گفت آنروز که این گنبد مینا میکرد

چرا نگفتہ که ایجاد میکرد . . . ' (ورق ۱ ب)'

عرفی

. . . . چون در سنہ تسع و تسعین و تسعمایہ مشرف بر موت شد مسوّدات اشعار خود را بکتابخانہ خانخانان فرستاد و آن پردگیان جملۂ فکر در کنج کتابخانہ مسطور بودند مگر دیوان اوّل او که کمال شہرت داشت الحاصل در سنہ احدی و ثلاثین بعد الف خانخانان شخصی را باین امر برگزید که آن جواہر منظوم را در سلک تحریر کشد اتفاقاً آن شخص مسوّدات را گرفتہ بسبب آزردگی که بخانخانان داشتہ بقدم فرار ارادۂ مکہ معظمہ نمود ' بعضی اعزّہ آن شخص را در بندر مخا ملاقات کرده مسوّدات اشعار عرفی را که بخط ید او بودازده گرفتہ ترتیب داد و تمامی اشعار او پانزده ہزار بیت است[2] . . . . (ورق ۴۰ ب – ۴۱ الف)

میر محمد باقر پسر میرزا صادق شیرازی

. . . . الحق جوانیست در نہایت قابلیت و آدمیت و اکثر مراتب علمیہ باین

---

[1] علامہ سید شریف جرجانی ' علوم عقلی اور نقلی میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں ' انکا نام محتاج تعریف نہیں ' تاریخ وفات ۸۱۶ھ ' خواجہ حافظ سے عمر میں ۱۴ ' ۱۵ برس چھوٹے تھے ' خواجہ حافظ کا اور انکا استادی شاگردی کا تعلق میرے علم میں کسی دوسرے تذکرے میں مذکور نہیں ' [2] دیکھو مآثر رحیمی ج ۳ ص ۲۹۸ – ۲۹۹ و حواشی میخانہ ص ۱۰۲ نشتر عشق میں یہ سارا قصہ ناظم تبریزی کے حوالہ سے دیا گیا ہے ۔ مگر اس کتاب میں سن ۱۰۳۱ ہی بجائے ۱۰۳۲ لکھا ہے '

حقیر مباحثه نموده، لطافت طبع بلا ارث و الاستحقاق داده و بعضی جنگل هندوستان
که حقیر تالیف این مجموعه می نمود از اشعار ایشان بجز این بیت در صفحهٔ خاطر نبود
بسبیل انموذج بصفحهٔ اوراق نقل نموده بیت :
با این دو روزه عمر چه آید ز دست ما　　　با مایهٔ قلیل چه سودا کند کسی

میرزا نظام دست غیب شیرازی

.... از اقران غیاثای حلوائی میشود .... در سنه تسع و عشرین
بعد الف که سی مرحله از عمرش طی شده رخت اقامت بعالم بقا کشیده، از بعضی
اعزه که روز وفات او حاضر بوده اند میگفتند مادر میرزا نظام این شعر از میرزا
بسوز و درد تمام میخواند ؎
دل که افسرده شد از سینه برون باید کرد　　　مرده هر چند عزیز است نگه نتوان داشت
"و بهشتش جای باد" تاریخ اوست، در خاک مصلّی در جنب مرقد شریف
خواجه حافظ مدفون است دیوان او دو هزار بیت است .... (ورق ۵۵ الف)

میر مرتضی شریفی شیرازی

از کلان زادهای شیراز و نسل میر سید شریف علّامه است، جوانی بود
عاشق پیشه در غایت اهلیت و آدمیت در سنه ست و خمسین و الف
در شیراز بعالم بقا شتافت، دیوانش تحمل که پنجهزار بیت باشد . . .
(ورق ۵۷ ب)

باقرای عصّار عزّت تخلص

... از عزیزان شیراز است تازه قدم در عرصهٔ شاعری و سخن گستری نهاده و

درین سال تالیف که سنہ ست وسبعین والف است پرکار وار در ہند سرگردانست (ورق ۵۸ الف)

قدری شیرازی

.... درشیراز با ملا عرفی و قیدی وطرحی در دلستان تربیت غیرتی ہم مشق وہمراہ بودہ در اواخر با قیدی بہند آمد در سنہ احدی وتسعین و تسعمایہ درگذشت .... (ورق ۵۸ الف)

میر برہان ابرقوہی

... بغایت ہموار وکم گو بود در سنہ ہزار وشصت و دو قرب یکسال اتفاق صحبت با ایشان در دولت آباد افتادہ بود، بعد از مفارقت بہ حیدر آباد رفتہ ومفارقت دنیای فانی اختیار نمود الحق بسیار پختہ گو بود .... (ورق ۶۱ الف)

نظمی بہبہانی

.... در طہارت و تصافت (نظافت — ظ) بمرتبۂ مبالغہ می نماید کہ بعضی اورا نسبت بوسواس می دہند، درشیراز با ایشان صحبت داشتہ ...

(ورق ۶۱ ب)

میرزا صائب

.... وتا امروز کہ سنہ ست وسبعین والف ہجریست صد وبیست ہزار بیت بلکہ صد وبیست ہزار در شاہوار ازان بحر معانی بساحل افتادہ و

ملکه اش بمرتبه ایست که روزی شعر میخواندند دیگری ازیشان استدعای تکرار نمود چون آن معنی مرکوز خاطر ایشان بود از لفظ اول غافل شده عبارتی دیگر پاکیزه تر از اول بی آنکه مشعوریهٔ ایشان باشد بزبان مبارک آوردند و توجه بسیاری با این حقیر دارند چنانکه در وقت ملاقات اشعار تازهٔ خویش افاده میفرمایند وطلب ترجیح بعضی بر بعضی می نمایند که ظل افازتش سالهای بسیار بماند . . . (ورق ۱۰۴ ب) '

میرزا محمد حسین جابری

در بندر صورت (سورت) رحل اقامت انداخته ملاقات نمود و نستعلیق خوش می نویسد و صاحب دیوان است و این بیت که بنام شیدا مشهور است از وست ؎

زبس سودای آن مه در سر شوریده پیدا شد
بهر سنگی که یکدم سر نهادم سنگ سودا شد

(ورق ۱۱۶ الف - ب) '

تسلّی شیرازی

. . . نام او ابراهیم است در اوائل حال بشغل قیچی بافی مشغول بوده . . . تا آنکه در اواخر بهند آمده ملازمت مخدومی حکیم مسیح الزمان اختیار کرد در سنه احدی و ثلاثین بعد الف سفر نمود . . . (ورق ۱۲۸ ب) '

میرزا قاسم خلف میرزا محسن تبریزی

.... بعضی مراتب علمی با این حقیر مباحثه نموده و رفیق طریق زیارت امام الجن و الانس بوده ... (ورق ۱۳۳ الف)'

میر مرتضیٰ سلمہ اللہ

.... میر مرتضیٰ خلف الصدق میر اسد اللہ است .... رشادت شاگردی میرزا جلال بر طاق بلندی نہادہ کہ دست ہمت جمیع بلند ہمتان از وصول بآن کوتاہ است' و در حین تالیف این مجموعہ کہ سنہ ست وسبعین باشد در جہانگیر نگر ترتیب دیوان لطافت بنیان کہ سہ ہزار بیت است دادہ اند ... (ورق ۱۳۶ الف ـ ب)'

صادقا ولد شیخ مومن اصفہانی

ذاکر اصفہانیست .... مدتی رفیق بودیم در سفر ... بسیار خوش طبیعت است ... (ورق ۱۴۴ ب)'

میر صابر حسینی اصفہانی

.... مکرر با او صحبتہا در ہند داشتم آخر الامر در ۱۰۶۴ھ در برہانپور داعی حق را لبیک اجابت گفت و در رباعی ید طولیٰ دارد'

علی نقی کمرہ

..... وفات او در سنہ احدی و ثلاثین و الف واقع شدہ است
(ورق ۱۴۵ ب)'

ذوقی اردستانی

.... حکیم [شفائی] نزدیک بصد رباعی در ہجو بینی آن دردمند
گفتہ او نیز بتقصیر از خود راضی نشدہ آنچہ گفتہ اگرچہ ہمہ صاحب رتبہ نیست
اما بعضی از آنہا خوب واقع شدہ در سنہ ثلاثین بعد الف دیوان خود را
بظہور آوردہ قریب بشش ہزار شدہ .... (ورق ۱۴۹ الف)'

خضری خوانساری

پسر رشید مولانا تاجر بیست .... آوردہ اند کہ چون در سنہ ثمان و
تسعین و تسعمایہ بمنزل فنا رحلت کرد والدہ و ہمشیرۂ او مسودات اشعار او
راخصوص فرہاد و شیرین کہ بسیار خوب گفتہ پارہ پارہ ساختہ بر جنازۂ او
افشاندند .... (ورق ۱۷۵ الف)'

میر فائض الحسینی نطنزی

از سید زادگان نطنز است در صحبت ملا نظیری مشق سخن نمودہ بالفعل
مؤلف اولاد او را در احمد آباد ملاقات نمودہ در نہایت صلاح و سداد اند...
.. (ورق ۱۷۶ الف)'

میر محمد کاظم کریم تفرشی

پدر ایشان مستجاب الدعوة مشهور است مسموع شد که قریب شصت هزار رباعی دارد و بالفعل که سنہ ست وسبعون والف است بعنوان تجارت در هند سرگردانست .... (ورق ۱۷۸ ب) '

میرزا صادق کاشی

جوانیست در نہایت صلاحیت و اہلیت و آدمیت وہمیشہ صحبتش با اہل استعداد و کمالست ... (۱۹۰ ب) '

سالکای قزوینی

جوانیست در نہایت دردمندی .... در سنہ ہزار و شصت وہفت در مراجعت از ہند ساکن یک سفینہ بودیم .... دیوانش ہنوز ترتیب نیافتہ .... (۲۰۰ الف) '

میرزا یوسف قزوینی

.... در احمد آباد باو ملاقات واقع شد .... (۲۰۴ ب) '

شہیدی قمی

شہید تیغ محبت وہلاک زخم شہادت است .... خاک گجرات دامنگیر او شدہ ... دران اوان گرفتار ہندو پسری کہ در بیرحمی ثانی ہندوی فلک بود

گردید و بہ تیغ بیداد او شہید گشت ... [1] دیوان شوق انگیزش دو ہزار بیت است ..... (۱۹۶ ب)'

شاہ پور طہرانی

.... در سنہ احدی و ثلاثین [و الف] در گذشت دیوان پنجہزار بیتی در حین حیات از اشعار آبدار خود مدون ساختہ ... (۲۰۱ الف)'

میر صیدی طہرانی

رندی لاابالی بی تکلف بود ... در اواخر بہ ہند افتاد و در سنہ ہزار و ہفتاد وداع عالم فانی نمود .... (۲۱۲ ب)' [2]

واہب ہمدانی

..... برادر مولانا رونقی .... در سنہ اربع و سبعین و الف در حیدر آباد عالم فانی را وداع کردہ و نظم و نثرش نزد حقیر بخط او بسیار است .... (۲۱۷ ب)'

حکیم رکنا مسیح و رکنی

ہر دو تخلص می کند .... او نقد خزینہ حضرت حکیم نظام الدین علی است و در وقت مراجعت از ہند این حقیر در دار الفضل شیراز ایشانرا ملاقات نمود ... دیوان او کہ مجموع آن شصت ہزار بیت شدہ بنظر متبحران آمدہ .... (۲۴۸ الف)'

محمد اقبال

---

[1] آتشکدۂ آذر میں ہے کہ نوّے سال کی عمر پائی۔ اس عمر میں ایسی موت تعجب خیز ہے' [2] دیکھو میخانہ ص ۲۶۲ حاشیہ ۱ و حواشی ص ۶۹'

استدراکات

اورینٹل کالج میگزین (حصہ اول) بابت ماہ اگست ۳۴ء میں یسین خان صاحب نیازی ایم۔اے کا ایک مضمون بعنوان شیخ گدائی کنبوہ شائع ہوا ہے مجھے اس سلسلہ میں بعض امور قابل ذکر معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) گدائی کا نام عبد الرحمن تھا۔ محمد حارثی بدخشی آئینۂ محمدی (ج ۲) میں ۹۷۶ھ کے ماتحت لکھتا ہے :۔

"شیخ گدائی بن شیخ جمالی کنبوی دہلوی مدتے صدر اکبر بادشاہ بود، عبد الرحمن نام و بگدائی شہرت داشت و باکثر علوم عالم بود"

(۲) حیاتی کی تاریخ وفات محمد حارثی کے بیان کے مطابق ۹۵۹ھ ہے۔ چنانچہ وہ سال مذکور کے ذیل میں لکھتا ہے :۔

"شیخ عبد الحی بن شیخ جمالی کنبوی شاعر مشہور دہلوی متخلص بہ حیاتی و وی بفقر و آزادگی و حسن خلق متصف بود۔ عمرش ۳۶ سال۔ و پدرش در ۹۴۲ھ گذشت"۔

چونکہ محمد حارثی کے نزدیک حیاتی نے ۳۶ سال کی عمر میں وفات پائی، اس لئے سال پیدایش بدستور ۹۲۳ھ رہتا ہے۔ یہی تاریخ وفات صاحب اخبار الاخیار نے لکھی ہے۔ چونکہ مضمون مذکور میں اخبار الاخیار کا حوالہ موجود ہے۔ اس لئے یقین یہ ہے کہ کاتب نے غلطی سے ۹۵۹ کو ۹۵۴ھ لکھ دیا ہے۔

(۳) محمد حارثی نے حیاتی کے تذکرہ میں جمالی کا ضمناً ذکر کیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکا وہ نوٹ جو جمالی کے متعلق ۹۴۲ھ کے ماتحت

تحریر کیا ہے، یہاں نقل کر دیا جائے - اس نمبر کا تعلق نیازی صاحب کے مضمون "سکندر لودھی اور اسکے عہد کے بعض فارسی مصنفین" سے بھی ہے - لہذا اسکے ساتھ اورینٹل کالج میگزین بابت مئی و نومبر ۳۲ء کو ملاحظہ کرنا بہتر ہوگا،

محمد حارثی لکھتا ہے :-

"شیخ جمالی کنبوی دہلوی شاعر مشہور از مشایخ طریقت، دہم ذی القعدہ در گجرات فوت شد و بدہلی نقل کردند، "خسرو ہند بودہ" تاریخ است نام اصلیش جلال خان بود، و پسرانش شیخ عبد الحی در ۹۵۹ھ و شیخ گدائی در ۹۷۶ھ خواہند آمد"

شیخ کی تصنیفات میں سے سیر العارفین اور مرآۃ المعانی نادر نہیں، لیکن دیوان جمالی کمیاب اور مثنوی مہر و ماہ نایاب ضرور ہیں،

مثنوی مہر و ماہ کے کسی نسخہ کا پتہ نہیں چلتا - احمد خان اکبر شاہی نے ۱۰۴۱ھ کے مابعد شجرۂ سہرورد ایک تذکرہ لکھا ہے - اس تذکرہ میں وہ جمالی کو "جدی" کہتا ہے اور دیباچہ میں مثنوی مہر و ماہ کے چند اشعار بھی نقل کرتا ہے - ناظرین کی دلچسپی کے لئے انکا یہاں درج کرنا غیر مناسب نہ ہوگا وہ لکھتا ہے :-

"و درین باب نکتۂ بلند و کلمۂ ارجمند بر آئینۂ زاکیہ قلوب (؟) صنوبری حقایق آگاہ معارف دستگاہ حضرت جدی شیخ جمالی قدس اللہ سرہ جلوہ گر شدہ، و در دیباچۂ کتاب مہر و ماہ کہ از جملۂ تصنیفات ایشان است ثبت فرمودہ بیت:

سخن گو گر ہزاران جان تر اشد — ز عیب و از ہنر خالی نباشد
سخن دانان چو در انصاف کوشند — بزیر یک ہنر صد عیب پوشند
چہ باشد گر رود حاسد درین تگ — کہ دایم در پے آہو دود سگ
اگر حاسد درین نخچیر باشد — سگے باشد کہ آہو گیر باشد

(شجرۂ سہرورد ورق ۳ الف)

تذکرۂ مذکور کا مصنف خود کنبوہ ہے - اسلئے وہ کہتا ہے کہ " جمعے کم گویاں کہ بغلط عام کنبو شہرت یافتہ ' بدین خاندان عالیشان استحکام پذیراست ' واز غایت کرم در ہمہ آوان واز مان بانواع رعایت و اصناف تربیت مخصوص وممتاز بودہ علی الخصوص آبا واجداد بندہ کہ از مریدانِ حق شناس ..... این خاندان سہوردیہ اند' بنا برضوابط حق گذاری کلمۂ چند بشرح وبسط مرقوم میگردد"

اور بعد از اں اپنی ارادت میاں جمال خاں کنبوی مفتی دہلی سے ظاہر کرکے انکا حال اور تفصیل کے ساتھ ان کے دادا شیخ سماء الدین شیخ جمالی شاعر کا حال لکھتا ہے - خاندان کنبوہ کے حالات لکھنے والے کو اس کتاب کا مطالعہ لازم ہے '

خیر دیوان جمالی کے قصائد کا حصہ مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی کے کتب خانہ میں موجود ہے - جسکا اقتباس صاحب موصوف نومبر ۱۹۳۳ء کے پرچہ میں دے چکے ہیں - شاہی کتب خانۂ رامپور میں اسکا ایک غالباً مکمل نسخہ موجود ہے - میں چاہتا ہوں کہ یہاں بعض غزلیات کا اقتباس دے دوں -

اس دیوان میں قدیم صفحہ واغ کے مطابق ۲۵۶ اوراق اور فی صفحہ ۱۵ تا ۱۷ اسطور ہیں ' کتاب کا سائز $9\frac{1}{2} \times 5\frac{1}{2}$ اور کتابت کا سائز $7 \times 3\frac{1}{4}$ ہے - اس میں ۳۷ قصائد ' ۲ ترجیع بند ' ۵ مراثی ' ۸۲۱ غزلیات ' ۱۷ قطعات ۴ چھوٹی چھوٹی مثنویاں اور ۴۴ رباعیاں ہیں ' سنہ کتابت اور کاتب کا نام نہیں ملتا ' لیکن ظن یہ ہے کہ گیارھویں صدی ہجری کے آغاز کا مکتوبہ ہے - میں نے اسکو غالباً مکمل یوں کہا ہے کہ مجھے آخری صفحہ مصنوعی معلوم ہوتا ہے - دراصل وہ صفحہ مکتوبہ تھا - لیکن جیسا کہ عموماً کتب فروشوں کا قاعدہ ہے - کہ وہ کتاب کو مکمل ظاہر کرنے کے لئے آخر میں سادہ ورق چسپاں کردیتے ہیں - اس

نسخہ کے ساتھ بھی اسکے فروخت کنندہ نے یہی سلوک برتا ہے۔

غزلیات کا آغاز ورق ۷۰ الف سے اور انجام ۲۲۸ الف پر ہوتا ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے:-

(۱) خواہم کہ ہمدم دلِ پرخوں کنم ترا — حالِ دلم نمی نگری، چون کنم ترا
افسانہ ام نمی شنوی عشوہ می دہی — ای سنگدل بگو کہ چہ افسون کنم ترا
دل شاد گشت چون بجمالی حبیب گفت — زین داد کم مباش کہ افزون کنم ترا

---

(۲) جانان مپرس بے تو شبِ ما چسان گذشت — یا روز بدچنین برسید و چنان گذشت
تیر غمت کہ بر سپر سینہ ام رسید — دل را شگافت، بر جگر آمد ز جان گذشت
گفتی گذر ز جان و جہان از برای من — چون جان تو ئی ز جان و جہان میتوان گذشت
از چشم مردمان ہمہ خونابہ شد روان — در مجلسی کہ ذکر جمالی روان گذشت

مخندان لعل شیرین را کہ شوری در جہان افتد — مرا زان خندہ دل بگداز دو آتش بجان افتد
بمرگ خود شدم ہم شاد و ہم غمگین کزین محنت — رہائی یابم و ترسم جدائی درمیان افتد
ز سوز سینہ گشتم خشک لب ای دیدۂ گریان — مدد فرما کہ از جوی تو آبم در دہان افتد

چہ نیکو میرود آن کبک رفتار — خداوندا ز چشم بد نگہدار
چہ شکل است اینچہ نازست این چہ شوخی — چہ قدست اینچہ نازست اینچہ رفتار
منہ پا بر زمین بر چشم ما نہ — کہ چشم ماست پایت را سزاوار
جمالی کلک آن طوطی ہندست — کہ آب خضر می ریزد ز منقار

ای نسیم صبح پیغامم دران درگاه بر | یعنی احوال گدا در بارگاهِ شاه بر
ناتوانم سوی او نتوان شدن، باد صبا | بر مثال برگ خاشاکے مرا همراه بر
آب و آتش در دو رخ داری نقاب از رو کشا | آتش خورشید بنشان آب روی ماه بر
یا بعمر کوته ام زلف دراز خود به بند | یا بدان زلف دراز این رشتهٔ کوتاه بر

تو در درونِ منی، از شوق سینه پاره کنم | که دل شگافم و بر روی تو نظاره کنم
بزندگی نرسد دست من بدامانت | مگر لباس حیاتے که هست پاره کنم
من آن جمالی دردی کشم که زاهد را | بیک کرشمهٔ ساقی شراب خواره کنم

ترا که شیوه چنان ست و شکل و ساز چنین | چرا دلم نبود در غمت گداز چنین
تو گر جفا کنی از ما بجز وفا ناید | که رسم ناز چنان باشد و نیاز چنین
دلم نواختهٔ از زخمهای خنجرِ تست | همیشه باد مرا یارِ دلنواز چنین

ماہے بمیدان میرود تا شه سوار کیست این | از دیدنش جان میرود یارب نگار کیست این
قوس از دو ابرو ساخته، از غمزه تیر انداخته | هر سو سمندش تاخته بهر شکار کیست این
بالائی او سرو روان، رخسار خویش گلستان | خط سبزه، لعلش ارغوان، تا نوبهار کیست این

امتیاز علی عرشی

ناظم کتب خانهٔ شاهی - ریاست رامپور

الموسیقی

ہمہ عالم صدائے نغمۂ اوست   کہ شنید این چنین صدائے دراز

موسیقی - سنسکرت میں اسکا مترادف سنگیت ہے - چونکہ ہندوستان میں ہندوؤں کا علم موسیقی مسلمانوں میں بھی رائج ہے - مگر مسلمان بجائے سنگیت لفظ موسیقی ہی بولتے ہیں - اس لئے ضروری ہوا کہ لفظ موسیقی کی تحقیق لغوی لکھی جائے -

اس لفظ کو سریانی یا عبرانی قرار دے کر مو بمعنی آواز اور سیقی بمعنی گرہ کہنا دور از کار اور بلا تمسک معلوم ہوتا ہے یا موسا بمعنی ہوا - اور قی بمعنی گرہ بھی بعید از تحقیق ہے -

اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا ہے کہ یونانی زبان کا لفظ ہے اور پوری پوری صورت اس لفظ کی یونانی میں موجود ہے - چنانچہ یونانی میں اسکا املا یہ ہے (Mousike) اور فرنچ میں Musique اور لاطینی میں Musica اسکا املا ہے - جب مامون رشید کے زمانہ میں یونانی علوم کے تراجم عربی میں ہوئے - تو یہ لفظ یونانی سے عربی میں صرف کاف کو قاف سے بدلکر منتقل ہوا - لہذا یہ لفظ عربی میں دخیل ہے - غنا و تطریب البتہ اسوقت سے پہلے کے الفاظ عربیہ ہیں - اس زمانہ سے پہلے عربوں میں بحیثیت علم ہونا موسیقی کا پایا نہیں جاتا -

اگلے زمانہ میں موسیقی

قدیم اقوام دنیا اس فن کی ایجاد یا علمی جامہ پہنانے یا عملی حیثیت میں لانے سے کس حد تک واقف تھے - یہ ایک ایسا سوال ہے کہ جسکا جواب دینا کوئی آسان کام

نہیں '

قدیم مصریوں کی نسبت اتنا پتہ چلتا ہے کہ فوجوں کے ساتھ گانے والے
اور ساز بجانے والے ہوا کرتے تھے۔ راگ راگنیوں اور سازوں کی تفصیل معلوم
نہیں (Historian's History (Volume I page 463)

عبرانیوں میں انبیا و اولیا نزول الہام کی تمنا میں موسیقی کو استعمال کرتے
تھے (از تاریخ مورخین جلد دوم - صفحہ ۷۶)

لحن داؤدی مشہور ہے - اور انکے مزامیر جنکو انگریزی میں (سام Psalm)
کہتے ہیں - عبادت میں لحن کے ساتھ گائے جاتے تھے '

ملک شام کی نسبت مشہور ہے کہ وہاں غلاموں کی خرید و فروخت کا بہت
رواج تھا - جیسا کہ عرب میں اب بھی ہے - اسلئے دوسرے ممالک کے لوگ غلام و
کنیزیں لے جایا کرتے تھے جو گانا بجانا اور ناچنا جانتے تھے اور ان کنیزوں کو پسند
کرتے تھے جو گانا جانتی تھیں (چنانچہ ایران میں ابتک کنیزوں کو موسیقی کی تعلیم دی
جاتی ہے - ایسی لونڈیوں کو جو گانا جانتی ہوں عربی میں قائنات کہتے ہیں اور ہندوستان
میں مسلمان امرا کے یہاں گائنیں ہوا کرتی تھیں) اس کا علم نہیں کہ راگ اور ساز
کیا تھے ' (از تاریخ المورخین جلد دوم - صفحہ ۳۴۳)

یونانیوں میں مدت دراز سے حلقی (Vocal) اور آلی (Instumental)
موسیقی کا استعمال ہے - چنانچہ لفظ موسیقی ہی اسی زبان کا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا
ہے - یونانیوں نے ہندوؤں کی طرح موسیقی کو الٰہی مرتبہ دے رکھا تھا - اپالو (Apollo)
جو ہندوؤں کے کرشن جی کے مقابلہ میں ہے (Lyre) بربط کا موجد سمجھا جاتا ہے
ایتھنی (Athene) نے سادہ مرلی ایجاد کی اور پین (Pan) نے گوجروں
کی بانسری بنائی - ایک شخص مسمی ترپینڈر نے اس فن کو اعلے درجہ ترقی پر پہنچایا اور

گیتوں کو ایک ساز کے ساتھ جسکا نام کتھارہ تھا گانا شروع کیا - بعد ازاں رفتہ رفتہ گیت مرلی کیساتھ بھی گائے جانے لگے -

ستھارہ اپنی شکل و ہیئت میں ایرانی لفظ ستار سے مشابہ ہے - چونکہ ایرانیوں نے مدتوں مقدونیہ و یونان پر حکومت کی ہے - اور ایرانی ایک مدت سے متمدن قوم ہیں - اس لئے بعید نہیں کہ ستار ایرانیوں سے یونانیوں کو ملا ہو[۱] - ابتدائی شکل اسکی بہت سادہ تھی جسکا نمونہ ابتک کشمیر و ایران میں موجود ہے - مگر امیر خسرو نے اس میں ترمیم و اضافہ کر کے اسے ایسا مکمل کر دیا کہ اب وہ بین کا کام دیتا ہے '

یونان کے مختلف اشخاص نے ٹھاٹھ بھی مقرر کئے ہیں - جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں :- (۱) Jonion (2) Lydian (3) Phrygian (۴) Dorian (۵) Aeolian . کسی ٹھاٹھ سے بریں اور کسی سے تحریک جذبات کا کام لیتے تھے '

ابتداءً چار سُر استعمال ہوتے تھے - جس طرح کہ سام وید کے منتر صرف چار سروں میں گائے جاتے تھے - رفتہ رفتہ پانچ چھ سات بلکہ آٹھ سر ہو گئے - ان آٹھ سروں کا نام (Octave) اکٹیو ہے - موسیقی کا شوق یونان میں اسقدر بڑھا ہوا تھا - کہ اقلیدس اور بطلمیوس بھی اعلےٰ درجہ کے گویئے تھے -

اسپین (اندلس) میں مسلم سلاطین نے موسیقی کو ترقی دی - ایک ایشیائی قوم بوہیمینس (Bohemians .) جو مصر سے آکر یورپ کے مختلف حصوں میں خانہ بدوشوں کی طرح پھرتی رہی ہے - اسکے ذریعہ سے روس اور اندلس میں ایشیائی طرز کے گیت رائج ہوئے -

ہارمزورتھ (Harmsworth.) کی تاریخ دنیا جلد ۴ صفحہ ۲۱۱۰ سے پایا

---

[۱] Syffert Dictionary of Mythology Page 406.

جاتا ہے کہ ایک آوارہ گرد اور خانہ بدوش قوم جسے انگلینڈ میں جپسی (Gypsy) کہتے ہیں۔ اور دوسرے ممالک یورپ میں دوسرے ناموں سے یاد کی جاتی ہے گانے کی بہت شوقین تھی۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ہندوستان کی رہنے والی تھی چنانچہ بعض نام مثلاً پتّا۔ بہاری ابتک اس قوم میں پائے جاتے ہیں۔ اس قوم کی وساطت سے سلاطین یورپ کے درباروں میں ہندوستانی طرز کے گانوں کی رسائی ہوئی'

پروفیسر ویبر کی کتاب سنسکرت لٹریچر صفحہ ۲۷۲ میں درج ہے کہ ہندوؤں کی سات سروں والی سپتک جسے سنسکرت میں گرام کہتے ہیں ایرانیوں نے ہندوؤں سے لی اور ان سے عرب میں پہنچی۔ بعد ازاں گیڈو منک (Gaido Monk) نے اسے یورپ میں رائج کیا۔ اور اسنے ابجد کے لحاظ سے اس گرام کو وضع کر کے گیمٹ نام رکھا۔ پروفیسر ویبر کی رائے ہے کہ یہ لفظ گیمٹ سنسکرت کے لفظ گرام ہی سے بنا ہے'

ٹائمز ہسٹورین ہسٹری جلد آٹھ صفحہ ۲۸۲ میں مرقوم ہے کہ عربوں نے موسیقی کو بہت ترقی دی۔ چنانچہ فارمر صاحب نے Influence of Arabic musics) اسی مبحث میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جو نسخہ قلمی الفانسو کے ہاتھ کا موجود ہے۔ اس میں نہ صرف چھ سر جنکو منگ گیڈو (Monk Gaido) نے ۱۰۳۰ء میں ایجاد کئے موجود تھے۔ بلکہ ساتواں سر بھی اس میں درج ہے۔ الفانسو نے یہ علم عربوں سے حاصل کیا ہے۔ جن میں سے مشہور اہل فن ابونصر فارابی اور ابوالفرج اصفہانی صاحب کتاب الاغانی تھے۔ اور اہل اندلس نے کٹارا اور بربط عربوں سے پایا۔

چینی بھی موسیقی کے بہت شائق تھے۔ انکا نبی Confucious اس علم کے سیکھنے پر بہت زور دیتا ہے۔ بلکہ ایک شہنشاہ چین ایسا بھی گذرا ہے۔ جو

اپنی سلطنت کے معزز عہدے باتقان علم موسیقی کے سوا اور کسی کو نہیں دیا کرتا تھا؟

موسیقی ایران

کرنیل علی نقی خان وزیری نے ۱۳۴۱ھ میں ایک کتاب فن موسیقی میں تصنیف کی ہے - جسکا نام انہوں نے تعلیمات موسیقی رکھا ہے - اسکی دو جلدیں ہیں - جلد اول کا نام دستور تار رکھا ہے - یہ کتاب Luzac & Co. کتب فروش کتب مشرقی 46 Gt Russell Street London. W.C سے ملتی ہے - یہ مصنف سند یافتہ موسیقی کالج پیرس ہیں - دستور تار کے دو جزو ہیں - جزو اول میں موسیقی اروپائی یا "بین المللی" کا ذکر ہے - اور جزو دوم میں موسیقی وطنی یا "ایرانی" کا بیان ہے - اس جزو اول کے دیباچہ میں میرزا سید عبداللہ خاں المعروف بہ اتابکی کی ایک تقریظ انہوں نے لکھی ہے - جسکو انہوں نے ۱۳۲۲ھ یا ۱۳۲۳ھ میں لکھا تھا - جسکا خلاصہ ترجمہ میں یہاں درج کرتا ہوں؛

علم موسیقی علم ریاضی کی فروع میں سے ہے - اور علم ریاضی حکمت نظری کی قسم دوم میں شمار کیا جاتا ہے - مجھے اس بات کا افسوس ہوتا ہے کہ اس علم شریف میں جو معنویت ہے اور جو اہمیت اس علم کو حاصل ہے تدریجاً ہم میں سے جاتی رہی اور ذہنوں نے اس سے دوری اختیار کر لی ہے - یہ بات مانی ہوئی ہے - کہ انبیا اور حکما نے اس فن عالی کو بغرض لہو و لعب و ہزل و طرب ایجاد نہیں کیا - بلکہ اس اثر کی وجہ سے جو وہ نفس انسانی میں کرتا ہے - اور قلب و دماغ شخص پر تصرف کر کے ایک حال سے دوسرے حال میں اور ایک خیال سے دوسرے خیال کی طرف پھیر لاتا ہے - جس طرح کہ اعصاب الحافی کے حساس بنانے اور ہیجان خون اور تحریک عرق کے لئے کام میں لاتے تھے - چنانچہ جنگوں میں ساز بجاتے تھے اور بجاتے

ہیں ۔ تاکہ تولید حدت اور برانگیختگی حرارت ہو اور رعب خصم دور ہو جائے ۔ اسی طرح رفع خصومات و نفی کدورات و اصلاح ذات البین و ائتلاف خصمین میں بھی نغمات مناسب کو کام میں لا کر نتیجہ و فائدہ مطلوب حاصل کرتے تھے ۔ چنانچہ ابو اسحاق ندیم موصلی نے کنیز بارودہ سے ہارون الرشید کی خفگی کو استعمال نغمہ کرکے مصافات سے بدل دیا ۔

آواز ۔ آہنگ

اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ دورۂ اول خلقت کے انسان کس سلیقہ اور ذوق کے تھے ۔ اور درجۂ شباہت خلق و فکر ہمارے آباء قدیم کا ہماری نسبت سے کس اندازہ تک قریب یا بعید تھا ۔ چونکہ وہ زمانہ تاریخ کا نہیں اس لئے ان کے حالات زندگانی ہم پر مجہول ہیں ۔ اسلئے از روے وثوق و اطمینان کوئی قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ رغبت و عشق ان کا موسیقی سے ہم سے زیادہ تھا یا کم ۔ بہر تقدیر یہ مسئلہ مسلمات سے ہے کہ آواز و آہنگ ایک طبیعی اور فطری چیز ہے اور اختراعات قدیم انسان سے ہے ۔ زمانہ تاریخ سے پہلے کے انسان اگر بحیثیت علم موسیقی سے واقف نہ تھے ۔ اور حد کمال پر گانا نہیں جانتے تھے اور انکی رغبت الحان و اوزان و نواہاے خوش آیند سے ہماری اتنی نہ تھی ۔ مگر کم از کم صداے مرغان خوش الحان سے اپنے زمانہ کے حظ حاصل کرتے تھے ۔ انسان نے بعد از زمانہ تاریخ بھی اس غرض سے کہ جسوقت چاہے اس لذت طبیعی سے بہرہ مند ہو اور ہر وقت محتاج ایک مرغ خوش الحان یا شخص خوش گلو کا نہ رہے ۔ صنعت موسیقی کو اپنے معجزہ ہوش خداداد سے ایجاد کیا ۔ مسئلہ آواز و آہنگ حیات بشری میں دخل عظیم رکھتا ہے اور بید مطبوع طبائع انسانی واقع ہوا ہے حتیٰ کہ تمام آداب و رسوم اقوام قدیم و جدید میں محترم اور زینت بخش رہا اور ہے ۔

اور انسان کے مقدس ترین اعمال یعنی عبادت میں اسکا استعمال ہونا تھا اور ہے۔

بت پرست جو ظاہر تاریخ سے اقدم متدینین عالم ہیں اوقات عبادت میں گانے والے لڑکے اور لڑکیوں کو ہم آہنگ کر کے نے وطنبور بجاتے تھے حضور قلب و تزکیہ نفس و تصفیہ و تنقیہ درا ویش و مرتاضین و استجابت دعوات و آمرزش گناہان کے لئے اصوات و آلات مخصوص ترکیب دے کر معابد و کلکایا و صوامع و خوانق میں گاتے اور بجاتے تھے تاکہ درستی اخلاق ہو اور تعادل و تکامل پیدا ہو۔ جیسا کہ فرازہائے حضرت داؤد جملات زبور میں ہمارے بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

جملۂ ۳۳ فراز اول و دوم وسوم و چہارم میں ہے (۱) اے مقدس لوگو! خدا کی ثنا گاؤ کیونکہ حمد راستوں ہی کے لئے ہے (۲) خدا کا شکر چنگ میں ادا کرو۔ اور دس تار والے ستار میں اوسکی ثنا گاؤ (۳) نیا گیت اس کے لئے گاؤ (۴) خوشی اور شادمانی کے ساتھ ساز بجاؤ۔

جملہ ۴۳ فراز چہارم۔ قربانگاہ میں جاؤنگا۔ کیونکہ خدا میرا سرود اور شادمانی ہے۔ اور بربط پر تیرا شکر ادا کرونگا۔ اے میرے خدا اور اے میرے اللہ۔

جملہ ۹۲ فراز اول و دوم وسوم و چہارم (۱) اقرار خداوندی اور تیرا نام گانا اے اللہ اچھا ہے (۲) تاکہ تیری رحمت کو صبح میں اور تیری وفاداری کو راتوں میں ظاہر کریں (۳) دس تار والے ساز کے ساتھ نبل و ہکایون پہ اور بربط کے ساتھ کیونکہ اے خداوند تو نے اپنی صنعت سے ہم کو شادان کیا۔ اور تیری دستکاری پر میں فخر کرونگا۔

جملہ ۹۸ فراز چہارم و پنجم و ششم (۵) خداوند کی بربط اور نبل پر آواز کیساتھ تسبیح گاؤ (۶) نفیر اور بربط و آواز کرنا کے ساتھ حضور بادشاہ اور خداوند میں شور مچاؤ

جملہ ہا فراز سوم و چہارم و پنجم (۳) آواز کرنا و نبل و بربط کے ساتھ
اسکی حمد کرو (۴) طبل و کرنا اور سازہائے ریسمانی اور ارغنوں کے ساتھ اسکی
حمد کرو (۵) زنگولہائے مسموع بلکہ زنگولہائے ظفر کے ساتھ اسکی حمد کرو۔

یونانی نہایت اصرار کیساتھ مدعی ہوتے ہیں کہ اصول موسیقی کا ظہور یورپ
قدیم (اثینہ = ایتھنس) کے گہوارہ تمدن میں قرار دے کر اسکا وجود ممالک
مشرق زمین بالخصوص ایران میں من قبیل اقتباس و تقلید ثابت کریں اور ایرانی
اس دلیل سے کہ تمدن ایران کو یونان کے تمدن پر تقدم ہے۔ اس لئے قرائن
تاریخی سے ثابت کرتے ہیں کہ ایجاد آلات موسیقی او تکمیل اس فن کی جو اعلیٰ
یادگار مشرق زمین کی ہے ایران سے شروع ہوئی ہے اور موسیقی مشرق کو پیداوار
فکر و استعداد ایرانی کا نمونہ جانتے ہیں۔ ہندو چونکہ اپنے ہر علم کو قدیم مانتے ہیں
انکا عقیدہ یہ ہے کہ ممالک ہندوستان صنائع دماغی کا گہوارہ ہے اور خیال کرتے
ہیں کہ اصول موسیقی ہندوستان سے دوسرے ممالک میں پہنچے ہیں۔ چینی بھی جو
صنائع مستظرفہ کی اصل ہیں اس فن کے دعوے تقدم کا سہرا اپنے سر باندھتے ہیں

باوجود ان دعاوی کے چند باتیں ایسی ہیں جو ہم کو اسطرف لاتی ہیں کہ اس
صنعت کے تقدم کو ہم ایران سے منسوب کریں۔ اول تو ملک کا صاف و پاکیزہ
ہونا اور ان مقتضیات کا ہونا جنکو طبیعت نے ایران میں ودیعت رکھا ہے جیسے
مرغان خوش الحان کا ہونا۔ شفافی گلوں کی۔ اور زندگی چوپانی اور کوچ گردی قوم کی۔

دوسرے قدیم اہل یونان کا اعتراف جو انہوں نے اپنی تحریروں اور کتابوں
میں اپنے رقیب (ایران) کے موضوع پر کیا ہے۔ اور ان کتابوں کے تراجم حال کی
یورپین زبانوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے اور اقرار کرتے ہیں
کہ ایران میں موزیک کے دستے منظم ہیں۔ اور دربار شاہنشاہ مشرق کے موزیکا نچیوں

دگوینی) کو اپنے زمانہ کے استادان فن پر ترجیح دیتے ہیں اور مشرقِ زمین کے آلات ساز رائجہ کی تعریف کرتے ہیں۔

علاوہ ان کے زردشت کے سرود مذہبی کہ جنکا آہنگ فی الحال نسیاً منسیاً ہوگیا ہے اپنی تکمیل کی وجہ سے قدامت موسیقی ایران کے خود دلیل ہیں۔ ایرانیوں نے اپنے غمردار آوازے اور ترانہائے والسی کی نگہداشت آخیرصدی دوم ہجری تک کی۔ اسکے بعد آہنگ سوزناک کے ساتھ بدل ہوگئے۔ ملکی حالات کی ناموافقت کی وجہ سے ایرانیوں کے دماغ کی طراوت کلیتاً محو ہوگئی۔ حکام عرب کے جابرانہ سلوک سے آبادیاں ویران ہوگئیں۔ لوگ دل سوختہ ہوگئے اور حزن والم نے انہیں گھیر لیا۔ لہذا آہنگ موسیقی ایران کی رونق جاتی رہی اور ضروب نغمہا سوزناک سے بدل گئے۔

موسیقی حالیہ کا دور عباسیوں کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں ایرانیوں نے انہدام مظالم بنی امیہ کے لئے بنی عباس کو تقویت دیکر خلافت اسلامی کو ایران میں قائم کیا۔ وہ ذوق وسلیقہ جو مظالم بنی امیہ سے کھو بیٹھے تھے کم کم پھر از سر نو ظاہر ہونے لگا۔ اور زمانہ ترقی علم و ادب وشعر آگیا۔ دور اول کے موسیقی ایران میں آہنگ وسلیقہ عراقی وشامی مل گیا۔ تمام ممالک اسلامی سے جو ماہرین فن موسیقی اکٹھا کئے گئے تھے۔ دار الخلافہ بغداد میں انہوں نے آلات وطرز آہنگ ایرانی سے اپنے ذوق و اسلوب مملکت میں اضافہ کیا۔ عباسیوں کے زمانہ کی ترقی موسیقی بہت مشہور ہے۔ ایران کے تمام فنون اور صنایع کی طرح موسیقی بھی زمانۂ عباسیاں میں منتہائے درجۂ اوج پر پہنچا ہوا تھا۔

استاد کبیر ابو نصر فارابی کا اسی زمانہ میں ظہور ہوا اور تالیفات ابوالفرج اصفہانی وصفی الدین عبدالمومن و اسمعیل ابن جامع اسی زمانۂ عباسیاں کی یادگار ہیں۔ اور

یہ لوگ ایرانی ہیں۔ دورۂ بنی العباس کے ختم ہونے کے بعد ممالک اسلامی میں ایک تغیر عظیم واقع ہوا۔ اور ان تمام تغیرات میں موسیقی ایران بھی تغیر سے نہ بچ سکا۔

جو قت ترک دربار خلافت میں داخل ہوئے تو ترک ماہرین فن موسیقی نے صنعت موسیقی ایران میں جنکا اسلوب اور ترکیب آوازہائے سوزناک سے تھی اپنے مدّ کو داخل کردیا۔ اور اپنے بعض آلات مثل سنطور کے اسباب موزیک ایران میں اضافہ کردئے۔ زمانۂ غلبہ تاتار و مغول میں بقیہ علوم و صنائع ایران طوفان غارت و خرابی قبائل وحشی چنگیز خاں و ہلاکو و تیمور میں مٹ کے رہ گئے۔ ایرانی موسیقی دانوں اور علماء ریاضی کی توجہ ان مہاجمین کی طرف ہوئی اسلئے ان فاتحین کی تقلید نے رواج فوق العادہ پایا۔ بت پرستان تاتار کے آوازے کا ایرانی و عربی و ترکی کے اسلوب سابق و لاحق پر اضافہ ہوگیا۔

ارقام موسیقی

جن زمانوں کو کہ خط تحریری نے طے کیا ہے خط موزیک کے لئے بھی اسی طرح قائل ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً زمان تاریخ کے لئے تین دور تجویز کرتے ہیں:-

(۱) عصر اول تصویری (Ideographie) جس میں اپنے منظور و مطلوب کی یادداشت بذریعہ تصویر کیا کرتے تھے،

(۲) عصر دوم علامتی (Syllabique) جس میں تصویریں مصغرّ اور مکسرّ ہو کے بالآخر علامات اور کبھی کلمہ کا بھی پتہ دیتے ہیں،

(۳) عصر سوم الف بائی (Alphabetique) کہ تلفظ و تشکل کلمات و خط حالیہ اسی کا نتیجہ ہے،

ارقام موسیقی ہر قوم و ملت کے اسکے تمدّن کے مناسب ہوتے رہے ہیں۔ مثلاً چین میں دو ہزار سات سو سال قبل سن میلادی "گام" اپنے

اصوات کو حروف مختلف الشکل کے ساتھ جو ان کے حروف الف با سے مشابہ ہیں لکھتے تھے۔ تعجب اسبات کا ہے کہ ابتک وہی صورت رائج ہے۔ اور ہندوستان میں موزیک کو حروف سنسکرت میں درج کرتے تھے۔ اور یونانی بھی اپنی الف بے حروف میں کسی قدر شکلی تغیر کرکے بجائے ارقام موسیقی استعمال کرتے ہیں۔

ایرانیوں نے ارقام موسیقی کے لئے نو دائرے رنگہاے مختلف سے بنائے ہیں جو ایک دوسرے کے محیط ہیں۔ پہلے دائرہ داخلی کو چھ برابر حصّوں پر تقسیم ہوجاتے ہیں اور ہر حصّہ کا نام دانگ رکھتے ہیں اور مجموع حصص کو ششدانگ کہتے ہیں۔ یہی حصص صداے انسانی ہیں۔ پھر دائرہ دوم کے چھٹوں حصوں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرکے انکے خطوط کو آخری دائرہ تک بڑھا دیتے ہیں اسطرح علاوہ دائرہ اول کے باقی سب برابر کے بارہ حصوں پر تقسیم ہوجاتے ہیں۔ پھر دائرہ سوم کے بارہ حصوں کو دو برابر کے حصوں پر تقسیم کرتے ہیں۔ اور ان خطوط کو تمام دوائر مافوق کے محیطوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ لہذا دو دائروں کے سوا باقی تمام دوائر برابر کے چوبیس حصوں پر تقسیم ہوجاتے ہیں انہیں کا نام ہنگام ہے۔ اسی ترتیب سے آگے بڑھے ہیں اور اصطلاحات وضع
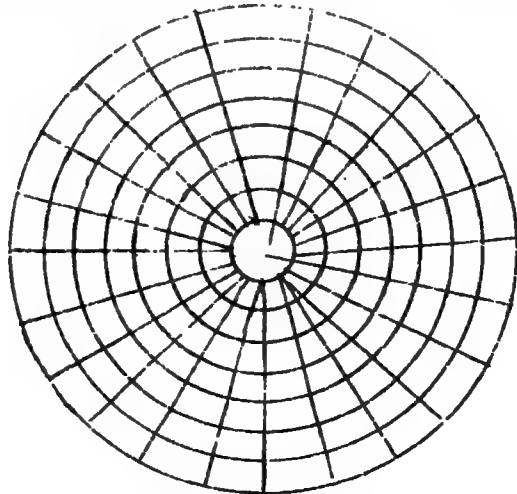
کہتے ہیں کہ فی الحال انکے معانی سے علی العموم ناواقفیت ہے۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ اصول اصوات چوبیس ہیں۔ کہ یہی اب ایران میں گام کہلاتے ہیں۔ جنکے فروع نوسو سے اوپر پہنچتے ہیں۔ بعد از ابونصر فارابی۔ استاد معروف صفی الدین عبدالمومن المتوفی ۲۹۴ھ نے اپنے ایک رسالہ مسمی بہ کتاب الادوار میں جسے اپنے شاگرد خواجہ بہاء الدین کے لئے لکھا ہے جو اباقا پسر ہلاکو کی طرف سے عراق کا گورنر تھا بہت کچھ اس فن کے سہل بنانے میں کوشش کی ہے اور تعلیمات مخارج صدا کی بنیاد پردہاے تار کے موافق تین آہنگ اصلی پر رکھی ہے اور ہر آہنگ کے آٹھ حصے متساوی کئے ہیں۔ جنکا مجموعہ چوبیس پردے ہوتا ہے اور ہر پردہ کے پھر تین حصے کئے ہیں۔ اس لئے اصول تمام اصوات کے بہتر صدائیں ہوتی ہیں'

موسیقی قدیم ایران کی کوئی حالت اب نہیں معلوم ہوتی۔ تسلط عرب سے جو چیز تمدن قدیم ایران یعنے قبل از اسلام سے تعلق رکھتی تھی۔ اسکے ساتھ ہی موسیقی ایران بھی مفقود ہوگیا۔

موسیقی امروزہ ایران کا ایک اچھا حصہ وہی قدیم موسیقی کا ہے۔ اگر تاریخ کی طرف رجوع کرکے موسیقی قدیم یونان کا ملاحظہ کیا جائے۔ اور زمانہ تمدن ہلنیک کو ایران میں پیش نظر رکھیں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ٹھیک وہی موسیقی قدیم یونان اب بھی ایران میں موجود اور رائج ہے۔ درآنحالیکہ خود یونان سے بالکل مٹ گیا اور موسیقی بین المللی یا اروپائی نے اسکی جگہ لے لی ہے'

(باقی دارد)

سید اولاد حسین شاداں بلگرامی

مہالبہ
فرزدق کے اشعار میں

(گذشتہ سے پیوستہ)

معجم البلدان ۳ : ۶۹۶ ' یوم عقر کے متعلق فرزدق کہتا ہے '

إِذا مَا الْمَزُونِيَّاتُ أَصْبَحْنَ حُسَّرًا
وَ يَبْكِيْنَ أَشْلاَءً عَلَى عَقْرِ بَابِلِ

(ترجمہ) جب مزونی عورتیں ننگے سر ہو جائیں اور عقر بابل میں اپنے مقتولین کو روئیں

حُسَّرا　　　　واحد حاسرۃ ای کاشفۃ　　　شِلو ج اشلاء

العضو والجسد من کل شئ کالشلاء وکل مسلوخ اکل منہ شئ وبقیت منہا بقیۃ

وَ كَمْ طَالِبٍ بِنْتَ الْمَلاَءَةِ إِنَّهَا
تُذَكِّرُ رَيْعَانَ الشَّبَابِ الْمُزَايِلِ

(ترجمہ) بنتِ ملاوہ کے کس قدر طالب ہیں) کیونکہ وہ گذری ہوئی جوانی کی ابتداء کو یاد دلاتی ہے '

معاویہ بن یزید　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　ص ۶۹

(۱) تُبَكِّي عَلَى الْمَنْتُوفِ بَكْرُ بْنُ وَائِلٍ　　　وَتَنْهَى عَنِ ابْنَيْ مِسْمَعٍ مَنْ بَكَاهُمَا

(ترجمہ) بکر بن وائل ' منتوف پر رو رہے ہیں اور مسمع کے دونو بیٹوں پر رونے والے کو ہٹاتے ہیں '

منتوف　بنی قیس ثعلبہ کا غلام اور یزید بن المہلب کا نائب (مبرد)

ابنی مسمع یعنی عبدالملک اور مالک - یہ بھی بنی قیس بن ثعلبہ سے تھے

(نوٹ) بکر بن وائل عدنانی ہیں' انہیں منقوف سے جواز دبول کا حامی و ناصر رہا ہے کیا سروکار ؟ کیونکہ ازد قحطانی ہیں - برعکس اس کے مسمع کے بیٹے جو بکری ہیں اور جن کے لئے انہیں رونا چاہیئے - ان پر رونے والوں کو روکتے ہیں - تعجب ہے کہ یہ لوگ بنی قیس بن ثعلبہ کے غلام پر تو روتے ہیں لیکن جو ان کی اولاد میں سے ہیں ان پر رونے سے منع کرتے ہیں'

(۲) قَتِیْلَیْنِ تَجْتَازُ الرِّیَاحُ عَلَیْهِمَا ‌ ‌ ‌ مُجَاوِرُ نَهْرَیْ وَاسِطٍ جَسَدَاهُمَا

(ترجمہ) (عبدالملک اور مالک) دو مقتول ہیں جن پر سے ہوائیں گزر رہی ہیں - اور واسط کی دونو ندیوں کے قرب و جوار میں ان کے جسد ہیں'

نہری واسط : دیکھو بوشنہ ص ۲۱۹ ح ۲'

(۳) وَلَوْ اَصْبَحَا مِنْ غَیْرِ بَکْرِ بْنِ وَائِلٍ ‌ ‌ ‌ لَکَانَ عَلَی الْجَانِیْ ثَقِیْلًا دِمَاهُمَا

(ترجمہ) اور (بکر بن وائل تو نکمے ہیں - ہاں) اگر وہ دونو بکر بن وائل سے علاوہ کسی اور قبیلہ سے متعلق ہوتے تو ظالم پر ان کا خون بہت بھاری ہو جاتا'

مبرد میں یہ شعر اس طرح پر ہے :-

وَلَوْ قُتِلَا مِنْ جِذْمِ بَکْرِ بْنِ وَائِلٍ ‌ ‌ ‌ لَکَانَ عَلَی النَّاعِیْ شَدِیْدًا بُکَاهُمَا

(۴) غُلَامَانِ نَالَا مِثْلَ مَا نَالَ مِسْمَعٌ ‌ ‌ ‌ وَمَا وَصَلَتْ عِنْدَ النَّبَاتِ لِحَاهُمَا

(ترجمہ) دو بچے' جنہوں نے وہی کچھ حاصل کیا جو (ان کے باپ) مسمع نے حاصل کیا اور ابھی ان کی ڈاڑھیوں کے اگنے کا وقت (بھی) نہ آیا تھا'

مبرد نے یہ شعر اس طرح پر دیا ہے :-

غُلَامَانِ شَبَّا فِی الْحَرْبِ وَادْرَکَا ‌ ‌ ‌ کِرَامَ الْمَسَاعِیْ قَبْلَ وَصْلِ لِحَاهُمَا

(۵) وَلَوْ کَانَ حَیًّا مَالِکٌ وَابْنُ مَالِکٍ ‌ ‌ ‌ لَقَدْ اَوْقَدَا نَارَیْنِ عَالٍ سَنَاهُمَا

(ترجمہ) اگر مالک (بن مسمع) اور مالک کا بیٹا زندہ ہوتے تو وہ دو ایسی آگ لگاتے جس کے شعلے بہت اونچے اٹھتے۔

(۶) وَلَوْ غَیْرُ اَیْدِیْ الْاَزْدِ نَالَتْ دِمَاءَھُمَا وَلٰکِنْ بِاَیْدِی الْاَزْدِ حُزَّتْ طُلَاھُمَا

(ترجمہ) کاش! ازد کے ہاتھوں کے سوا کوئی اور ہاتھ انہیں قتل کرنے کے لئے ان کے بالائی حصے کی طرف پہنچتا۔ لیکن ازدیوں کے ہاتھوں ان کی گردنیں کٹیں۔

طُلْیَۃٌ یا طُلَاۃٌ (طُلیٰ جمع) = گردن

طبری ۲: ۱۳۹۶، مبرد ۱۲۵،

جب معاویہ بن یزید بن المہلب الازدی نے اپنے باپ یزید کے قتل کی خبر سُنی تو اُسنے متعدد قیدیوں کو قتل کر دیا۔ جن میں مسمع کے دو بیٹے بھی تھے۔ مبرد ۱۲۵،

مروان بن المہلب

مروان بن المہلب اپنے بھائی یزید بن المہلب کی نظر میں سب بھائیوں سے بڑھ کر قابل وثوق تھا۔ چنانچہ یزید دار الخلافہ سے باہر جاتے وقت اپنے ذاتی امور اور مال و زر مروان ہی کے سپرد کیا کرتا تھا۔ مروان سخاوت میں بھی مشہور تھا۔

سنہ ۱۰۱ھ میں بعض دوسرے بھائیوں سمیت عدی بن ارطاۃ نے مروان کو بھی قید میں ڈال دیا۔ پھر یزید بن المہلب نے بصرہ پر چڑھائی کی اور عدی کو جکڑ لیا۔ (یہی میگزین بابت فروری سنہ ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۴)

اب یزید نے اپنے بھائی مروان کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا اور خود یزید بن عبد الملک کے خلاف جنگ کے لئے نکل پڑا۔ مروان نے بحیثیت بصرہ کے گورنر کے، لوگوں کو کثیر تعداد میں اپنے بھائی کی مدد کے لئے بھیجا۔ لیکن چونکہ بالآخر یزید بن مہلب کو شکست ہوئی۔ اس لئے مروان نے قندابیل کا رخ کیا۔ بلال بن احوز المازنی نے

تعاقب کیا اور مقابلے کے بعد مروان مارا گیا '

مروان بن المہلب

وقال الفرزدق یمدح مروان بن المہلب وکان عامل یزید علی البصرۃ حین خُلِعَ[1] ویذکر مخلد بن یزید[2]

لَعَمْرِی لَئِنْ مَرْوَانُ سَهَّلَ حَاجَتِی وَفَکَّ وَثَاقِی عَنْ طَرِیدٍ مُشَرَّدِ

(ترجمہ) مجھے اپنے مذہب کی قسم! اگر مروان میری حاجت پوری کرے اور میری زنجیر توڑے ایک راندے ہوئے بھگائے ہوئے شخص سے '

(۲) لَنِعْمَ فَتَی الظَّلْمَاءِ وَالرَّائِدُ الْقِرَی وَضَارِبُ کَبْشِ الْعَارِضِ الْمُتَوَقِّدِ

(ترجمہ) تو کس قدر اچھا ہے اندھیری رات کا جوان اور مہمان نوازی میں مددگار اور مارنے والا ایسے سردار کو جسکے رخسار چمک رہے ہیں '

العارض المتوقد کے بجائے الکوکب المتوقد بھی پڑھا گیا ہے یعنی ایک ایسا لشکر جس کے اوزار چمکتے ہوں '

(۳) أَغَرُّ کَأَنَّ الْبَدْرَ فَوْقَ جَبِینِهِ مَتَی تَرَهُ الْبِیضُ الدَّهَاقِینُ تَسْجُدِ

(ترجمہ) وہ سفید پیشانی والا ہے۔ گویا ماہ چاردہ اس کے ماتھے پر ہے۔ جب گورے دہقان اسے دیکھتے ہیں تو سر خم کر لیتے ہیں '

(۴) وَکَائِنْ لَکُمْ آلَ الْمُهَلَّبِ مِنْ یَدٍ عَلَیَّ وَمَعْرُوفٍ یَرُوحُ وَیَغْتَدِی

(ترجمہ) اے آل المہلب! صبح و شام مجھ پر تمہارے کتنے احسان اور مہربانیاں ہیں '

(۵) وَمَا مِنْ فَلَابِرٍ مِنْ مَعَدٍّ عَلِمْتُهُ وَلَا مِنَ الْأَمْلَاکِ مِنْ أَرْضِ صَیْهَدِ

(ترجمہ) قبیلۂ معد بن عدنان کا ' یا یمن یعنی ارضِ صیہد کے بادشاہوں کا کوئی ایسا بیٹا نہیں جانتا '

بقول یاقوت صَیہد یمن اور حضرموت کے درمیان ایک ریگستان ہے۔

---

[1] لعلہٗ "خلع" [2] طبری ۲:۱۳۹۳

علماءِ لغت اسے فَیْعَل کے وزن پر ضَیْغَم کہتے ہیں ۔ معجم البلدان (۳ : ۴۳۸)

(۶) لَهُ مِثْلُ جَدِّ بْنِ الْمُهَلَّبِ الَّذِیْ	لَهُ عَدَدُ الْحَصْبَاءِ مِنْ ذِی اَنْتَمَتْ

(ترجمہ) جس کا مہلب کے بیٹے کی مثل دادا ہو اور جو کہ کنکریوں کی طرح ان گنت ہوں اور معد بن عدنان کی طرف منسوب ہونے والوں میں سے ہوں ۔

(۷) وَمَا حَمَلَتْ اَیْدِیْهِمْ مِنْ جَنَازَةٍ	وَلَا اَلْبَسَتْ اَثْوَابَهَا مِثْلَ مَخْلَدِ

(ترجمہ) ان (مہلبیوں) کے ہاتھوں نے مخلد جیسا کوئی جنازہ نہیں اٹھایا اور نہ اس جیسے کو کفن پہنایا ۔

(۸) اَبُوْكَ الَّذِیْ تُسْتَهْزَمُ الْخَیْلُ بِاسْمِهٖ	وَاِنْ كَانَ مِنْهَا سَیْرَ شَهْرٍ مُطَرَّدِ

(ترجمہ) تیرا باپ وہ ہے جس کے نام سے دُور ہی سے شہسوار بھگا دیے جاتے ہیں ۔ خواہ وہ (تمہارا باپ) ان (گھوڑوں) سے اتنے فاصلے پر ہو جسے ایک ماہ میں تیز رفتاری کے ساتھ طے کیا جائے ۔

(۹) وَقَدْ عَلِمُوْا مُذْ شَدَّ حَقْوَیْهِ اَنَّهٗ	هُوَ اللَّیْثُ لَیْثُ الْغَابِ غَیْرُ الْمُعَرِّدِ

(ترجمہ) اور جب سے اس نے ازار باندھا ہے انہوں نے جان لیا ہے کہ وہی جنگل کا شیر ہے ، جو نڈر ہے ۔

وقال لمروان بن المهلب بیتاً

مندرجہ ذیل بیت میں مروان کی جود و سخا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ شاعر ابوالبہا الایادی نے بھی مروان کی سخاوت کے متعلق تین شعر کہے ہیں جو ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں :-

(۱) رایت اباقبیصۃ کل یوم	علی العلات اکرمھم طباعا

(۲) اذا ماھم ابوا ان یستطیعوا	جسیم الامر یفعل ما استطاعا

(۳) وان ضاقت صدورهم بامر   فضلتهم بذالک ندیٰ و باعاً

(طبری ۲ : ۱۳۱۰ - ۱۱)

فرزدق کہتا ہے :-

(۱) فدی کل مغلول الیدین عن الذی   بلموان . مروان الندی ابن المھلب

(ترجمہ) ہر جکڑے ہوئے ہاتھوں والا ' مروان پر اسکی سخاوت کے سبب فدا ہو ' مروان سخاوت ' مہلب کا بیٹا '

اس قصیدے کے شروع میں ایک لمبی جوڑی تمہید درج ہے جس کا خلاصہ پیش کرنا یہاں مفید معلوم ہوتا ہے :-

حجاج بن یوسف نے مہلب کے بیٹوں یزید ۔ حبیب اور عبدالملک کو گرفتار کرکے قید کرلیا اور انہیں بہت لمبے عرصے تک سخت سزا دی ۔ حجاج کی اس ناقابل برداشت سختی سے تنگ آکر ابنائے مہلب نے اپنے بھائی مروان بن مہلب کو جو بصرے میں تھا گھوڑے تیار کرنے کے واسطے لکھا تاکہ وہ حجاج کی قید سے جان چھڑائیں ۔ چنانچہ مروان نے ان کے لئے گھوڑے مہیا کر دیے '

خود یزید نے ایک جعلی ڈاڑھی تیار کروائی جو سچ مچ قدرتی ڈاڑھی معلوم ہوتی تھی ۔ جیل کے پہرے داروں کو یزید نے ایک شاندار دعوت دی اور جب وہ طعام و شراب میں مشغول تھے اسوقت مہلب کے بیٹے یکے بعد دیگرے قید خانے سے بھاگ نکلے اور بلا تاخیر سلیمان بن عبدالملک کے پاس پہنچے ۔ سلیمان نے انہیں اپنے بھائی خلیفۂ وقت سے امان دلا دی ۔

مندرجہ ذیل قصیدہ سلیمان بن عبدالملک کی اس بندہ نوازی کی داستان ہے[1] :-

لعمری لقد اوفی و زاد وفاءہ   علی کل جار جار آل المھلب

(ترجمہ) مجھے اپنے مذہب کی قسم آل مہلب کو پناہ دینے والے نے وفا کی اور خدا اس کی

[1] نیز دیکھو طبری ۲ : ۱۲۱۰ ببعد '

وفا کو ہر پناہ دینے والے سے زیادہ کرے

أَمَرَّ لَهُمْ حَبْلاً فَلَمَّا ارْتَقَوْا بِهِ أَتَى دُونَهُ مِنْهُمْ بِذُرْوَةِ مَنْكِبِ

(ترجمہ) اس نے ان کے لئے ایک رسی بٹی۔ پس جب وہ اس کے ذریعے سے بلندی پر پہنچے تو اس (حجاج) سے بچانے کے لئے وہ ان کے لئے روک اور کندھا لایا

وَقَالَ لَهُمْ حُلُّوا الرِّحَالَ فَإِنَّكُمْ هَرَبْتُمْ فَأَلْقُوهَا إِلَى خَيْرِ مَهْرَبِ

(ترجمہ) اور اسنے کہا۔ پالان کھول دو کیونکہ تم بھاگ کر آئے ہو۔ پس انہیں بہترین جائے گریز کے پاس ڈالو!

أَتَوْهُ وَلَمْ يُرْسِلْ إِلَيْهِمْ وَمَا أَلَوْا عَنِ ابْنِ أَمْنَعِ الْأَدْنَى الْجِوَارِ الْمُهَذَّبِ

(ترجمہ) وہ اس کے پاس آئے۔ حالانکہ اسنے انہیں بلا نہ بھیجا تھا اور قوی ترین اور با وفا ترین اور مہذب جائے پناہ سے انہوں نے روگردانی نہ کی '

فَكَانَ كَمَا ظَنُّوا بِهِ وَالَّذِي رَجَوْا لَهُمْ حِينَ أَلْقَوْا عَنْ حَرَاجِيجَ لُغَّبِ

حُرْجُوجٌ ج حَرَاجِيجُ: الناقة السمينة الطويلة... قاموس ۱:۱۸۳ لاغب یا نحیفہ (ج لُغَّب)

(ترجمہ) وہ (سلیمان) ایسا ہی تھا جیسا کہ انہوں نے اس کے متعلق گمان کیا تھا۔ اور وہ چیز (بھی) ویسی ہی تھی، جسکی انہیں اپنے متعلق اسوقت توقع تھی جبکہ انہوں نے اپنی تیز رو لاغر اونٹنیوں سے (پالان) اتار لئے '

إِلَى خَيْرِ بَيْتٍ فِيهِ أَوْفَى مُجَاوِرٍ جِوَارًا إِلَى أَطْنَابِهِ خَيْرُ مَذْهَبِ

(ترجمہ) (وہ آئے) بہترین گھر کی طرف جس میں نہایت باوفا پناہ دینے والا تھا۔ اس کے خیموں کی طرف بہترین راستہ ہے '

خَبَبْنَ بِهِمْ شَهْرًا إِلَيْهِ وَدُونَهُ لَهُمْ رَصَدٌ يُخْشَى عَلَى كُلِّ مَرْقَبِ

(ترجمہ) وہ (اونٹنیاں) انہیں ایک ماہ کے سفر کے بعد اسکی طرف لیکر آئیں جبکہ راستے میں جو اس (سلیمان) کی طرف جاتا ہے۔ ان کے (پکڑنے کے لئے) گھات

لگی ہوئی تھی۔ جس کا ہر جوکی پر خطرہ تھا،

مُعَرَّقَةَ الْأَلْحِي كَأَنَّ خَبِيبَهَا — خَبِيبُ نَعَامَاتٍ رَوَائِحَ خُضَّبِ

(ترجمہ) انکی ٹھوڑیاں پسینہ پسینہ ہو رہی تھیں۔ گویا ان کی دوڑ شام کو لوٹنے والی خون سے رنگی ہوئی زخمی مادہ شتر مرغ کی رفتار کی مانند تھی،

إِذَا تَرَكُوا مِنْهُنَّ كُلَّ شِمِلَّةٍ — إِلَى رَخَمَاتٍ بِالطَّرِيقِ وَأَذْؤُبِ

(ترجمہ) جب ان لوگوں نے ان اونٹنیوں میں سے ہر دبلی اونٹنی کو گدھ اور بھیڑیوں (کی خوراک) کے لئے چھوڑ دیا

نَاقَةٌ شِمِلَّةٌ ــــ سَرِيعَةٌ قاموس ۳: ۴۰۳

حَذَوْا جِلْدَهَا أَخْفَافَهُنَّ الَّتِي لَهَا — بَصَائِرُ مِنْ مَعْرُوفِهَا الْمُتَقَوِّبِ

(ترجمہ) اور اس کے چمڑے سے دوسری اونٹنیوں کے پاؤں کے لئے جوتا تیار کیا۔ جو سوراخوں اور چھلی ہوئی جگہوں کے خون سے رنگین تھیں،

وَكَمْ مِنْ مُنَاخٍ خَائِفٍ قَدْ وَرَدْتَهُ — حَذِيٍّ مِنْ مُلِمَّاتِ الْحَوَادِثِ مُعْطِبِ

(ترجمہ) اور کسقدر خوفناک مقامات پر تو بغیر ہلاک کرنے والے مصائب کا شکار ہونے کے وارد ہوا،

مَعْطَب کی بجاے جو مطبوعہ نسخہ میں ہے مُعْطِب پڑھنا چاہئے۔ مُعْطِب صفت ہے ملمات الحوادث کی،

وَنَحْنُ وَقَدْ صَاحَ الْعَصَافِيرُ إِذْ بَدَا — تَبَاشِيرُ مَعْرُوفٍ مِنَ الصُّبْحِ مُغْرِبِ

(ترجمہ) وہ (اونٹنیاں) وارد ہوئیں جبکہ چڑیاں بول رہی تھیں۔ اسوقت جبکہ سورج کی پہلی شعاعیں صبح کا اعلان کرتی ہیں،

نباشیر کی بجاے تباشیر اور مغرب کی جگہ مُغرِب پڑھا ہے،

بِمِثْلِ سُيُوفِ الْهِنْدِ إِذْ وَقَعَتْ وَقَدْ — كَسَا الْأَرْضَ بَاقِي لَيْلِهَا الْمُتَجَوِّبِ

(ترجمہ) ہندی تلواروں کی مثل جب وہ پڑیں حد حالیکہ رات کے آخری اور باقی حصّہ نے زمین کو (اندھیرے کا) لباس پہنا دیا ہے'

جَلَوْا عَنْ عُیُوْنٍ قَدْ کَرِیْنَ کَلَاْ وَلَا مَعَ الصُّبْحِ اِذْ نَادَی نِذَانُ الْمُثَوِّبِ

(ترجمہ) ان مسافروں نے اپنی آنکھوں سے نیند کو بھگا دیا جنہوں نے ذراسی ہی نیند صبح کو لی تھی جب کہ مکرر کہنے والے نے اذان کہی'

مُثَوِّب - مکرّر پکارنے والا'

عَلٰی کُلِّ حُرْجُوْجٍ کَاَنَّ صَرِیْفَھَا اِذَا اصْطَکَّ نَابَاھَا تَرَنُّمُ اَخْطَبِ

(ترجمہ) وہ سوار ہوئے، ہر اونٹنی پر جس کا دانت پیسنا' جب اس کے دونو دانت ایک دوسرے سے رگڑ کھائیں صُرَدْ یا صقر کے ترنم کی طرح ہے'

وَقَدْ عَلِمَ اللَّاتِیْ بَکَیْنَ عَلَیْکُمُ وَاَنْتُمْ وَرَاءَ الْخَنْدَقِ الْمُتَصَوِّبِ

(ترجمہ) وہ عورتیں جو تم پر اسوقت روئیں' جب تم گہری خندق کے دوسری طرف تھے' جانتی ہیں (کہ تم بچ گئے)

تَصَوَّبَ = نیچے جانا - متصوب نیچے گئی ہوئی یعنی گہری

لَقَدْ رَقَاَتْ مِنْھَا الْعُیُوْنُ وَنَوَّمَتْ وَکَانَتْ بِلَیْلِ النَّائِحِ الْمُتَحَوِّبِ

(ترجمہ) رونے والیوں کی آنکھوں نے رونا ختم کر دیا ہے اور سو گئی ہیں حالانکہ انکی رات نوحہ خوان دعا کرنے والے کی رات تھی'

وَلَوْلَا سُلَیْمَانُ الْخَلِیْفَۃُ حَلَّقَتْ بِھِمْ مِنْ یَدِ الْحَجَّاجِ اَظْفَارُ مُغْرِبِ

(ترجمہ) اگر سلیمان خلیفہ نہ ہوتا تو حجاج کے ہاتھ سے انکو عنقاے مغرب کے پنجے لے جاتے اور چکر لگا لگا کر ہوا میں بلند ہو جاتے'

کَاَنَّھُمْ عِنْدَ ابْنِ مَرْوَانَ اَصْبَحُوْا عَلٰی رَاْسِ عَیْنَاءَ مِنْ شَبِیْرٍ وَکَبْکَبِ

(ترجمہ) ابن مروان (یعنی سلیمان) کے پاس وہ (ایسے محفوظ ہیں گویا) کوہ شبیر اور

کبکب کی اونچی چوٹی غیناء پر بیٹھے ہیں (یعنی پوری طرح محفوظ ہیں)

غیناء = قنة فی اعلا ثبیر، الجبل المطل علی مکة معجم ۳: ۸۳۱

ثبیر، دیکھو معجم ۱: ۹۱۰ + کبکب جبل خلف عرفات مشرف علیها معجم ۴: ۲۳۳

اَبَیٰ (وَھُوَ مُوفِی العَھدِ) اَن یَقبَلَ الّتِی ‏ ‏ ‏ یُلَامُ بِھَا عِرضُ الغَدُورِ المُسَبَّبِ

(ترجمہ) وہ وعدے کا پکا ہے (اس لئے) اسنے انکار کردیا اس چیز کے قبول کرنے سے جس کے ذریعے سے وعدہ خلاف اور ذلیل آدمی کی عزت پر دھبہ لگایا جاتا ہے'

وَفَاءَ اَخِی تَیمَاءَ اِذ ھُوَ مُشرِفٌ ‏ ‏ ‏ یُنَادِیہِ مَغلُولٌ فَتًی غَیرُ جَانِبِ

(ترجمہ) (سلیمان نے وفا کی مثل تیماء والے سموأل کی وفا کی جب وہ اونچی جگہ سے نیچے دیکھ رہا تھا اور ایک نوجوان (سموأل کا بیٹا) جو قابل نفرت نہ تھا قید و بند میں اسکو پکار رہا تھا'

اخی تیماء - تیماء کا مالک اس قلعے کا نام "الابلق" تھا - تیماء حصن السموأل بن عادیاء الیہودی معجم ۱: ۹۰۷

اَبُوہُ الّذِی قَالَ اقتُلُوہُ فَاِنَّنِی ‏ ‏ ‏ سَاَمنَعُ عِرضِی اَن یُسَبَّ بِہٖ اَبِی

(ترجمہ) اس (جوان) کا باپ وہ ہے - جسنے کہا اسے قتل کردو - کیونکہ میں اپنی عزت کی حفاظت کرونگا تاکہ اس کے سبب سے میرے باپ کو گالی نہ دی جائے'

فَاِنَّا وَجَدنَا الغَدرَ اَعظَمَ سُبَّةً ‏ ‏ ‏ وَاَفضَحَ مِن قَتلِ امرِیءٍ غَیرِ مُذنِبِ

۱؎ ان اشعار میں سموأل بن عادیا کی مشہور وفاداری کی طرف اشارہ ہے - اغانی (۱۹: ۸۲) میں اسکی تفصیل یوں ہے: امراءالقیس نے ایک سو زرہیں سموأل بن عادیا کو بطور امانت دیں - اسکے بعد اس کے پاس حارث بن ظالم (اور بقول بعض حارث بن ابی شمر الغسانی) پہنچا تاکہ وہ زرہیں اس سے چھین لے - لیکن سموأل اپنے قلعے میں محفوظ ہو بیٹھا - حارث نے سموأل کے بیٹے کو جو شکار کھیل رہا تھا پکڑ لیا اور کہا زرہیں مجھے دیدو ورنہ میں تمہارے بیٹے کو قتل کردونگا - لیکن سموأل نے زرہیں دینے سے انکار کر دیا - حارث نے بچے کے دو

(ترجمہ) کیونکہ ہمارے نزدیک بدعہدی بدترین گالی ہے۔ اور یہ ایک بے گناہ انسان کے قتل سے بھی زیادہ بری ہے"

فَاَدّٰی اِلٰی آلِ امرِئِ القَیسِ بَزَّہٗ وَاَدْرَاعَہٗ مَعْرُوفَۃً لَمْ تُغَیَّبِ

(ترجمہ) پس اسنے امراء القیس کو اسکے کپڑے واپس دے دئے اور اسکی زرہیں بھی جو بہت مشہور ہیں اور چھپائے نہیں گئی تھیں'

کَمَا کَانَ اَوْفٰی اِذْ یُنَادِی ابْنُ دَیْہَثٍ وَصِرْمَتُہٗ کَالْمَغْنَمِ الْمُتَنَہَّبِ

(ترجمہ) جس طرح اس نے وفا کی تھی جب ابن دیہث پکارتا تھا اس حال میں کہ اس کے اونٹ لوٹے ہوئے مال غنیمت کی طرح تھے'

ابن دیہث = ہو ابو عیاض بن دیہث الذی استجار بہ الحارث (والصواب استجار بالحارث) بن ظالم فرد علیہ ابلہ کتاب الاشتقاق ابن درید ص۳۲۳'

اسکا قصہ اغانی (طبع دوم) ج ۱۰ ص ۲۱ پر دیکھو دیہث بنی مرہ میں سے تھی' نعمان بن منذر کے ایک عامل (مصدق) نے اس کے اونٹ چھین لئے۔ وہ حارث بن ظالم کے پاس آئی اور اپنا ڈول اس کے ڈول سے لٹکادیا فقالت انی اتیتک مضافۃ فقال الحرث اذا اورد القوم النعم۔ ۔ ۔ ۔ ثم قال لھا لا تردن علیک ناقۃ ولا بعیر تعرفینہ الا اخذتیہ ففعلت

فَقَامَ اَبُو لَیْلٰی اِلَیْہِ ابْنُ ظَالِمٍ وَکَانَ اِذَا مَا یَسْلُلُ السَّیْفَ یَضْرِبِ

(بقیہ حاشیہ ص۱۰۰) ٹکرے کر دئے۔ سموأل نے اس ضمن میں کہا:

وفیت بذمۃ الکندی انی اذا ما ذم اقوام وفیت

واوصی عادیا یوماً بان لا تہدم یا سموأل ما بنیت

بنی لی عادیا حصناً حصیناً وماءً کلما شئت استقیت

(نیز دیکھو اغانی ۱۹: ۹۸ - ۹۹)'

(ترجمہ) ابولیلی ابن ظالم یعنی الحارث اسکی طرف مدد کیلئے اٹھ کر گیا اور جب کبھی وہ اپنی تلوار کھینچتا تھا وار کر دیا کرتا تھا

وَمَا كَانَ جَارٌ غَيْرُ دَلْوٍ تَعَلَّقَتْ — بِحَبْلَيْهِ فِي مُسْتَحْصَدِ الْحَبْلِ مُكْرَبِ

(ترجمہ) وہ جار نہ تھا ڈول تھا جو اپنی دو رسیوں کے ذریعہ ایک مضبوط رسے میں بندھا ہوا تھا'

اصل میں عَير غلط لکھا ہے مگر دیکھو اغانی محل مذکور۔ اکرب (ڈول کو) رسی سے باندھنا'

إِلَى بَدْرِ لَيْلٍ مِنْ أُمَيَّةَ ضَوْءُهُ — إِذَا مَا بَدَا يَعْشَى لَهُ كُلُّ كَوْكَبِ

(ترجمہ) یزید بن المہلب) بنی امیہ کے بدر کی طرف آیا — کہ جب کبھی اسکی روشنی ظاہر ہوتی ہے تو ہر ستارہ اس کے سامنے ماند پڑ جاتا ہے'

وَأَعْطَاهُ بِالْبِرِّ الَّذِي فِي ضَمِيرِهِ — وَبِالْعَدْلِ أَمْرَيْ كُلِّ شَرْقٍ وَمَغْرِبِ

(ترجمہ) اپنی دلی نیکی اور عدل کی وجہ سے اس نے مشرق اور مغرب کے امور اس کو سونپ دیے'

وقال حين خرج بنو المهلب من سجن الحجّاج

وَفِتْيَانِ هَيْجَا خَاطَرُوا بِنُفُوسِهِمْ — مَعَ الْمَوْتِ فِي سِرْبَالِ أَسْوَدَ حَالِكِ

(ترجمہ) بہت سے مردان جنگ کالی سیہ رات کا قمیص پہنکر موت کے مقابلے میں جان پر کھیل گئے'

مَضَوْا حِينَ أَسْقَى النَّوْمُ كُلَّ مُسَهَّدٍ — بِكَأْسِ الْكَرَى فِي الْجَانِبِ الْمُتَهَالِكِ

(ترجمہ) وہ ایک خطرناک طرف کو ایسے وقت میں چلدئے جبکہ نیند نے ہر کم خواب کو اونگھ کا پیالا پلایا۔

فَكُلُّهُمُ يَمْضِي بِأَبْيَضَ صَارِمٍ — وَقَلْبٍ إِذَا سِيمَ الدَّنِيَّةَ فَاتِكِ

(ترجمہ) ان میں سے ہر ایک سفید چمکیلی تیز تلوار سے چلتا ہے اور ایسے دل سے (چلتا ہے) جو بوقت اہانت بہت جلد حملہ کرنے والا ہے'

وَقَالَ یَزِیدُ بن المھلب واخوتہ حین ھربوا من سجن الحجاج

ثُمَّ اَدْ کَالرَّھْطِ الَّذِینَ تَتَابَعُوا عَلَی الْجِذْعِ وَالْحُرَّاسُ غَیْرُ نِیَامِ

(ترجمہ) ان لوگوں کی مثل جو ایک دوسرے کے بعد پہرے داروں کے جاگتے جاگتے بھاگ کر کشتیوں میں آ گئے میں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا'

علی الجذع کے بجائے علی الخدع بھی پڑھا گیا ہے (دیکھو طبری ۲: ۱۲۱۰ حاشیہ)

علی الجذع سے بظاہر مراد یہ ہے کہ یزید اور اسکے بھائی کشتیوں کے ذریعہ بھاگ گئے۔ دیکھو طبری ۲: ۱۲۰۹ (لسان میں ذہب القوم جذع مذع کا فقرہ بمعنی تفرقوا فی کل ناحیہ ملتا ہے)

مَضَوْا وَھُمْ مُسْتَیْقِنُونَ بِاَنَّھُمْ اِلَی قَدَرٍ آجَالُھُمْ وَحِمَامِ

(ترجمہ) وہ چل دیے درانحالیکہ انہیں پورا یقین تھا کہ انکی زندگی کی مدت اور موت قضا و قدر کے ہاتھ میں ہے'

وَمَا مِنْھُمْ اِلَّا یُخَفِّضُ جَاشَہُ اِلَیْہِ بِقَلْبٍ صَارِمٍ وَحُسَامِ

(ترجمہ) ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں مگر یہ کہ وہ ایک مضبوط دل اور تیز تلوار کے ذریعے سے اپنے نفس کو اطمینان دیتا ہے'

یُسَکِّنُ بجائے یخفض طبری ۲: ۱۲۱۰'

مصرع دوم طبری میں یوں ہے: بعضب صقیل صارم وحسام

وَلَمَّا الْتَقَوْا لَمْ یَلْتَقُوا بِمُنَفَّہٍ کَبِیرٍ وَلَا رَخْصِ الْعِظَامِ غُلَامِ

(ترجمہ) جب (اعدا) انکے مقابل میں آئے ہیں تو وہ ایسے شخص سے مقابل نہیں ہوتے جو بوڑھا مریض اور کمزور ہڈیوں والا بچہ ہے' طبری: فلما

بِمِثْلِ اَبِیھِمْ حِینَ تَمَّتْ لِدَاتُہُ لِخَمْسِینَ تُلْ فِی جُرْاَۃٍ وَتَمَامِ

(ترجمہ) وہ ہمت و کمال میں اپنے باپ کیطرح ہیں جبکہ اسکے ہم عمر پچاس سال سے متجاوز ہو گئے'

طبری میں دوسرا مصرع یوں ہے: لخمسین تتری جراۃ وتمام سجاع اللہ لاے

نوروزنامۂ خیّام

نوروز نامہ منسوب بہ حکیم عمر خیّام ایک فارسی رسالہ ہے جس میں جشنِ نوروز کی اصلیت اور ابتدا سے بحث کی گئی ہے' اس رسالے کا واحد نسخہ برلین کے کتبخانے میں اب سے چار پانچ سال پہلے دریافت ہوا تھا۔ اور اب اسکو آقای مجتبی مینوی نے باضافۂ مقدمہ و حواشی و فرہنگ کتابخانۂ کاوہ طہران سے طبع کرایا ہے[1]'

مولوی سید سلیمان ندوی اپنی کتاب خیّام میں جو پچھلے سال شائع ہوئی تھی۔ اس رسالے کو ناظرین سے روشناس کر چکے ہیں[2]۔ اسوقت رسالہ ابھی طبع ہو کر نہیں آیا تھا۔ لیکن محض ابواب کی فہرست اور انکے عنوانوں کو دیکھ کر انہیں شک پیدا ہوا تھا کہ ایسی کتاب خیّام کی تصنیف نہیں ہو سکتی'

ایسا شک ہر اُس شخص کے دل میں پیدا ہونا چاہیے جو خیّام سے واقف ہو اور چھٹی صدی کی فارسی تصانیف کی نوعیت کو پہچانتا ہو۔ اور ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود ناشر نے بھی اس رسالے کو شبہ کی نظر سے دیکھا ہے لیکن خیّام کے ساتھ جو عقیدت اب نوجوان ایرانیوں کے دلوں میں موجزن ہو رہی ہے۔ اسنے اسکو اجازت نہیں دی کہ تصانیف خیّام کی فہرست میں ایک اور کتاب کا اضافہ نہ ہونے دیا جائے۔ مقدمہ میں کتاب کی بعض خصوصیات اور سبکِ تحریر پر توجہ دلانے کے بعد لکھا ہے:۔

"کلیۂ این ممیزات . . . . در ہر کتابی جمع شد اگر در خود کتاب ہم تالیف

---

[1] ضخامت ۳۰ + ۱۲۸ صفحے۔ انمیں متن ۷۷ صفحے کا ہے [2] کتاب مذکور صفحہ ۲۱۔۲۲'

آن بخیام نسبت داده نشده باشد من آن را از خیام میدانم، چرا ندانم؟ برای اینکه صاحبان تذکره ها و کتب تراجم چنین کتابی باسم او نیاورده اند و من و شما تا امروز آن را نمی شناختیم و ندیده بودیم؟ گر ارباب تذکره همه چیز را نوشته اند یا همه اقوال و روایات آنها راست است؟ . . . . . چه کسی را جز خیام توان یافت که با او هم عصر بوده باشد چنین رساله ای را نوشته باشد آنگاه این قدر گذشت کرده باشد که نام خیام را بر آن بگذارد؟ بالآخره این کتاب موجود است و صریحاً از تالیف خیام خوانده شده و براهین نیز بر صحت این تصریح دارم، پس تا دلیل دندان شکن بر بطلان این نسبت اقامه نشود، هیچ کس را بتصاحب آن سزاوار تر از حکیم عمر خیام نیشاپوری نمی شمارم" (صفحہ "بیست و شش")

اس ساری عبارت کو لکھنے کا باعث فقط چور کی ڈاڑھی میں تنکا ہے، خود اپنے دل میں شک موجود ہے اور دوسروں کے دلوں میں اسکے آنے کی راہ روکی جا رہی ہے۔ نوروز نامہ خیام کی تصنیف ہو یا نہ ہو۔ یہ ایک ادبی بحث ہے۔ ہمیں زیادہ افسوس اسبات کا ہے کہ ناشر نے اپنی دُھن میں واقعات کو توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ کر دیا ہے اور تاریخ اور مذہب پر بھی وار کئے ہیں، جناب مجتبی مینوی ان نوجوان ایرانیوں میں سے ہیں جن کے نزدیک ملکی ترقی کا راز وطن پرستی میں مضمر ہے اور وطن پرستی بھی ایسی کہ جس میں احترامِ مذہب کا کوئی شائبہ نہ ہو اور خصوصاً ایسے مذہب کا جو اپنے وطن کی پیداوار نہ ہو بلکہ باہر سے آ کر ملک میں پھیلا ہو۔ انہیں جہاں یہ کہنا منظور ہے کہ قرآن میں یوں آیا ہے تو کہینگے کہ "دین آورِ تازیان در کتابِ خود چنان گفته است" عربوں کی فتح ایران کو "ورودِ غارتگرانِ عرب در ایران" سے تعبیر کرینگے۔ وطن پرستی کے ان جذبات کو تو خیر بعض لوگ خصوصاً دورِ حاضر میں، بنظرِ استحسان دیکھیں گے ہمیں ایسے عقائد سے بحث نہیں لیکن

ادبی اور علمی نقطۂ نگاہ سے یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ یہی وطن پرستی ان اہل قلم سے واقعات کا انکار کرا رہی ہے۔ مشاہیر ایران کو وہ زرتشتی ثابت کرنے کی ہر جائز و ناجائز کوشش کر رہے ہیں، دقیقی اور فردوسی کے بارے میں تو انہیں مادہ پہلے ہی سے تیار ملا کہ وہ ایران کی قدیم عظمت کے گیت گانے والے تھے اور دقیقی نے تو صاف کہہ بھی دیا ہے کہ:۔

دقیقی چار خصلت برگزیدہ است   بہ گیتی از ہمہ خوبی و زشتی
لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ   مئی خون رنگ و کیش زردہشتی

لیکن اب خیّام کو بھی ان زرتشتی شاعروں کی فہرست میں داخل کیا جا رہا ہے۔ جشن نوروز کے متعلق ایرانیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ پیشدادی خاندان کے بادشاہوں (طہمورث، ہوشنگ اور جمشید) کا جاری کیا ہوا ہے لہذا لازمی بات ہے کہ جو شخص (خواہ وہ خیّام ہو یا کوئی اور) نوروز پر کتاب تصنیف کریگا وہ ضرور ان بادشاہوں کا ذکر کرے گا۔ لیکن اس ذکر سے نقّادانِ ادب نے یہ نتیجہ نکالا کہ مصنّف ایرانِ قدیم کی عظمت کا شیفتہ اور اسلامی ایران سے بدظن ہے۔ اور چونکہ چند حکایتیں اُسنے دور ساسانی کے بعض مشہور بادشاہوں مثلاً بہرام گور، خسرو پرویز، قباد اور نوشیرواں کے متعلق لکھدی ہیں۔ لہذا ضرور ہے کہ وہ وہی عقیدہ اور مذہب رکھتا ہو جو ساسانیوں کا تھا!

ناشر نوروز نامہ نے جو دلائل اس امر کا یقین دلانے کے لئے کہ یہ خیّام کی تصنیف ہے پیش کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) دیباچہ میں خیّام کا نام بالتصریح دیا ہے،

(۲) مصنّف کا طرزِ فکر اور اندازِ بیان خیام کی طرف اشارہ کر رہا ہے،

(۳) جشن نوروز ایران کی رسوم ملی میں سے ہے۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس

موضوع پر کتاب لکھنے والا ملیّت ایران کا حامی ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ اپنے معاصر ترک (یعنی سلجوقی) بادشاہوں کو باصرار تاکید کر رہا ہے کہ جشن کا منانا واجب سمجھو[1]۔ وہ قدیم اساطیری اور تاریخی شاہانِ ایران کو جو اسلام سے پہلے ہو گزرے ہیں بار بار یاد کر رہا ہے اور شاہنامہ کی روایات اور داستانوں کے جا بجا حوالے دے رہا ہے گویا شاہنامہ اسے خوب از بر ہے۔ شاہانِ ساسانی کے آئینِ جہانداری کو وہ تحسین و تمجید کے ساتھ بیان کر رہا ہے۔ وہ منجم اور ریاضی دان بھی ہے۔ اسلئے کہ ہیئت کی اصطلاحوں کو اسنے جا بجا برتا ہے۔ مسائل طبّی سے بھی واقف ہے۔ شراب کے منافع اور مضرتوں اور دیگر خواص کے بیان کرنے میں ابن سینا اور رازی کے حوالے دے رہا ہے اور کتاب کو وہ نیشاپور میں لکھ رہا ہے[2]۔ لہذا وہ خیام ہے!

وہ فیلسوفِ مادی ہے اور قائل نہیں ہے کہ خدا سب کا خالق ہے بلکہ کہتا ہے کہ سب چیزیں بر حسبِ گردش عالم ظہور میں آتی ہیں۔ زندگی کو تلخ اور وبالِ جان سمجھتا ہے۔ فکر مرگ سے وہ ہمیشہ رنج میں ہے۔ بنا بریں وہ "خوش باش دمی کہ زندگانی اینست" کا معتقد ہے۔ شراب کی علانیہ ستائش کرتا ہے، حُسنِ صورت کا دلدادہ ہے۔ اور اگرچہ وہ رسمی طور پہ دیباچے کو حمد و درود سے شروع کرتا ہے۔ تاہم سب پیغمبروں کو وہ ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیتا۔ اسلام نے سونے کے برتنوں میں کھانے کو منع کیا ہے۔ لیکن وہ ان کے استعمال کو مستحسن سمجھتا ہے۔ اسلام نے شراب کو حرام قرار دیا ہے لیکن وہ اس کا مدّاح ہے گویا دوسرے لفظوں میں احکام اسلام سے برگشتہ ہے۔

---

[1] ص ۱۰، [2] مصنف کے نیشاپوری ہونے کی دلیل میں فقط یہ جملہ دیا ہے: "فخر الدولہ برادر پناخسرو آنگاہ کہ بگریخت و بنشاپور آمد" (ص ۴۸)۔

پس ایسا شخص جو ان تمام صفات سے متصف ہو سوائے خیّام کے اور کون ہو سکتا ہے ؟

(۴) مصنف اگرچہ کہتا ہے کہ میں نے اس کتاب کو ایک دوست کی فرمائش پر لکھا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ کسی بادشاہ کے لئے لکھ رہا ہے۔ اس لئے کہ وہ اُن تمام چیزوں کو جو موبد موبدان نوروز کے دن بادشاہ کے لئے ہدیہ کے طور پہ لے جاتا تھا۔ اپنی اپنی نوع کا بادشاہ قرار دے رہا ہے' شراب شاہِ نوشیدنیہا' زر شاہِ گوہرہای گداز ندہ' یاقوت شاہ گوہرہای ناگداز ندہ' اسپ شاہ چرندگان' باز شاہ پرندگان وغیرہ' کتنی قائل کُن دلیل ہے !

وہ شاہان سلاجقہ کے عہد میں لکھ رہا ہے۔ اس لئے کہ ایک مقام پر اس نے افراسیاب کے ایک مقولے سے استشہاد کیا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ افراسیاب سلجوقیوں کا مورثِ اعلےٰ تھا۔ سلجوقیوں کا یہ معاصر خیام ہی ہو سکتا ہے !

(۵) مصنف نوروزنامہ کو ملکشاہ کے کسی جانشین کے عہد میں لکھ رہا ہے اس لئے کہ ایک مقام پر وہ تعمیم کے طور پہ کہہ رہا ہے کہ ہر بادشاہ کو چاہئے کہ جو عمارات (از قسم قلعہ یا شہر یا دیہہ یا رباط یا پل یا مدرسہ) اس کے باپ دادا نے بنانا شروع کی ہوں اور وہ انہیں نا تمام چھوڑ جائیں تو انکو پورا کر دے تاکہ اس کا نام برقرار رہے۔ اگلے بادشاہ ہمیشہ اسی رسم پر کاربند رہے ہیں۔ ناشر صاحب بتلاتے ہیں کہ اس مقام پر مصنف جانشینِ ملکشاہ کو گویا اشارۃً یہ کہہ رہا ہے۔ کہ ملکشاہ نے جو رسدگاہ بنوانا شروع کی تھی اور اسکو ادھورا چھوڑ مرا تھا تم اس کو پورا کرو۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ایسی رائے دینے والا اور یہ نصیحت کرنے والا خیّام ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اسی کو اس رصدگاہ میں دلچسپی تھی !

ناظرین خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ یہ دلیلیں کسقدر زوردار ہیں اور کہاں تک

انکی تردید کی ضرورت ہے؟ میرے خیال میں ان میں سب سے زیادہ قابل توجہ پہلی دلیل ہے یعنی یہ کہ دیباچے میں خیام کا نام بالتصریح مذکور ہے۔ لیکن اگر خود کتاب کے متن میں ایسے آثار موجود ہوں جنکی وجہ سے ہمیں اسکو خیام کی طرف منسوب کرنے میں تامل ہو تو اس دلیل کا بآسانی جواب دیا جا سکتا ہے کہ قلمی نسخہ کے اڈیٹر یا کاتب نے کسی غلط فہمی یا قیاس کی بنا پر اسے خیام کی طرف منسوب کر دیا ہے جیسا کہ بے شمار رباعیاں غلطی سے اس کی طرف منسوب ہوئیں۔

رہا یہ بحث کہ مصنف کا طرز فکر خیام کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اس سے ناشر کا مطلب یہ ہے کہ نوروز نامے میں بعض خیالات خیام کی رباعیات کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ سرے سے رباعیات ہی کے متعلق کہاں ثابت ہو سکا کہ وہ خیام کی ہیں بھی یا نہیں یا اگر ہیں تو کونسی ہیں؟ اور پھر جو عقاید ناشر کے نزدیک مصنف نوروزنامہ کے اپنے ہیں وہ اکثر جگہ اس کے اپنے نہیں ہیں بلکہ وہ محض ان کا راوی یا بیان کرنے والا ہے۔ مثلاً شراب کے خصائص یا منافع کو وہ طبی تحقیقات کی روشنی میں پیش کر رہا ہے نہ مذہبی نقطۂ خیال سے اور پھر ساتھ ہی وہ اسکی مضرات کو بھی واضح کر رہا ہے۔ اسی طرح سونے کے برتنوں یا دوسری ممنوع چیزوں کے استعمال کے بارے میں بھی وہ طبی مسائل یا عقائد عامۃ کو بیان کر رہا ہے۔ غرض یہ کہ آقای مجتبی مینوی نے نوروزنامہ کے بیانات کو بہت کھینچا تانی کے ساتھ خیام کے ذہنی اعتقادات کے ساتھ مطابق کرنا چاہا ہے،

جشن نوروز بیشک ایران کی رسوم ملّی میں سے ہے۔ لیکن یہ کہنا۔ کہ اس موضوع پر کتاب لکھنے والا (موجودہ مضنوں میں) ملیّتِ ایران کا حامی ہے محض تخیل ہی تخیل ہے۔ شاہنامہ کی داستانوں سے واقف ہونا یا قدیم ایرانی

بادشاہوں کی حکایات بیان کرنا یا شاہانِ ساسانی کے آئینِ جہانداری کا مداح ہونا مصنف نوروزنامہ کے ساتھ مخصوص نہیں، فارسی ادب یا شعر کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھو اس میں جا بجا فریدون، جمشید، کیقباد، کیخسرو، رستم اور اسفندیار کے قصوں کی تلمیحات نظر آئینگی، صولتِ جم اور جاہِ فریدون اور عدل انوشیروان کی کس شاعر نے تعریف نہیں کی؟ حشمت دارا اور شوکتِ کسریٰ کے افسانے کہاں دیکھنے میں نہیں آتے؟ لیکن کیا ہر ایسے شاعر یا مصنف کے متعلق ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ زرتشتی عقائد رکھتا ہے؟ خیام کے جو حالات اب تک ہمیں معلوم ہوئے ہیں ان سے کہیں یہ نہیں پایا جاتا کہ اسنے شاہنامہ یا قدیم تاریخ ایران کا خاص طور سے مطالعہ کیا تھا۔ بلکہ برعکس اس کے ہمیں یہ معلوم ہے کہ اسے عربی شاعری سے خاص شغف تھا اور ماوراء ریاضی و ہیئت جو اسکی بنائے شہرت ہیں وہ قرأت اور تفسیر القرآن کا ماہر تھا۔

نوروزنامہ کا جو قلمی نسخہ برلین کی لائبریری میں دریافت ہوا ہے۔ وہ (بقول میرزا محمد قزوینی) غالباً ساتویں صدی ہجری کا نوشتہ ہے۔ کتابت کی تاریخ اس میں درج نہیں، اور سبک عبارت سے واضح ہے کہ یقیناً چھٹی صدی کی تصنیف ہے اور عجب نہیں کہ خیام کے زمانے میں لکھی گئی ہو۔ لیکن بہرکیف ۴۸۵ھ کے بعد تصنیف ہوئی ہے۔ اس لئے کہ مصنف ملکشاہ کی وفات کا ذکر کر رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ تجدید تقویم کا کام جو اسنے شروع کرایا تھا ادھورا رہ گیا[1]، علاوہ اس کے آئین سیاست کے بعض اصول جو اسنے صفحہ ۱۵ اور ۱۶ پر دئے ہیں صریحاً سیاست نامۂ نظام الملک سے ماخوذ ہیں، جو ۴۸۵ھ کی تالیف ہے۔ انداز تحریر میں چھوٹے چھوٹے جملے، سادہ عبارت قدیم محاورے ہم کو پانچویں اور چھٹی صدی کی تصانیف کی یاد دلاتے ہیں،

[1] ص ۱۲

مصنف یقیناً ہیئت اور ریاضی سے واقف معلوم ہوتا ہے۔ طب سے بھی ضرور باخبر ہے۔ زبان عربی بھی بخوبی جانتا ہے، واقفیت عامہ بھی رکھتا ہے، قلم اور تلوار کی مختلف قسمیں، گھوڑوں کی بیشمار نوعیتیں اور ان کے خصائص، انواعِ خط اور ان کے موجد وغیرہ ان سب باتوں پر عبور رکھتا ہے، لیکن ہمیں قریب قریب یقین ہے کہ وہ خیّام نہیں ہے۔ اسکے لئے جو دلائل ہم پیش کرسکتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مصنّف ایک نہایت ضعیف الاعتقاد اور توہّم پرست آدمی ہے۔ جُہلا کے عقائد کے ساتھ ہم آواز ہے اور عام سُنی سنائی باتوں پر یقین رکھتا ہے، مثلاً جو فصل اُسنے بہ عنوان "اندر علامت دفینہا"[1] لکھی ہے وہ بجز توہّمات اور خیالی باتوں کے اور کچھ نہیں، لکھتا ہے کہ جہاں خزانہ دبا ہو وہاں برف گرتے ہی پگھل جاتی ہے اور اگرچہ بنجر زمین ہی کیوں نہ ہو وہاں خود بخود سپر غم اُگ آتا ہے۔ بغیر اس کے کہ وہاں مُردار ہو گدھ جمع رہتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ وہاں گہرائی ہو بارش کا پانی تھما رہتا ہے وغیرہ، اس قسم کے مہمل خیالات اور حکایات مسلسل بیان کرتا چلا گیا ہے[2]، ہم پوچھتے ہیں کہ کیا وہ خیّام جس سے ہم آشنا ہیں کہ ریاضی اور سائنس کا ماہر اور فطرت کا مطالعہ کرنے والا ہے۔ ایسی لغو باتوں کا مصنّف ہوسکتا ہے؟

(۲) ناشر نے مصنّف کی بعض تاریخی اور ادبی غلط بیانیوں کو خود بھی دکھایا ہے[3] منجملہ ان کے یہ کہ وہ عامیانہ اشتقاق سازی میں یقین رکھتا ہے مثلاً "دیبا" کے متعلق کہتا ہے کہ "دیو بافت" سے مشتق ہے، ایرانی مہینوں کے ناموں کے اشتقاق بھی فرضی اور عامیانہ بیان کررہا ہے، چنانچہ ناشر نے حواشی میں ان سب کی تصحیح کی ہے اور اصلی اور صحیح اشتقاق بیان کئے ہیں (ص ۸۱ - ۸۳)، اس قسم کی لغزشوں کی توقّع ہم کو خیّام کے قلم سے کیونکر ہوسکتی ہے؟ ناشر نوروزنامہ کو یہ بات خود بھی

---

[1] ص ۲۲ [2] ص ۲۲ - ۲۳، [3] دیکھو ص "بیست و نہ"

کھٹکی ہے۔ لیکن اس کا جواب اسنے یوں دیا ہے کہ " از روی سبک انشای سریع ونقصہای عبارتی و پارہ ای غلطہای تاریخی و ادبی آن حکم می کنم خیّام آن را بسیار سرد ستی، بدون صرف وقت و مطالعہ و تحقیق و مراجعہ فقط باعتماد حافظہ و مساعدت خیال بطور قلم انداز برای منظوری نوشتہ و بشاہ معاصر خویش تقدیم کردہ یا بلکہ اصلاً بتکلیف آن شاہ روی کاغذ آوردہ است[1]"

کیا یہ جواب شافی ہے؟

(۳) مصنّفِ نوروزنامہ سلطان ملکشاہ سلجوقی کے رصدگاہ بنوانے اور تقویم کی تجدید کرانے کے واقعہ[2] کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

" سلطان سعید معین الدین (کذا) ملکشاہ را انار اللہ برہانہ ازین حال معلوم کردند، بفرمود تا کبیسہ کنند و سال را بجایگاہ خویش باز آرند، حکماء عصر از خراسان بیاوردند بیاوردند و ہر آلتی کہ رصد را بکار آید بساختند از دیوار و ذات الحلق و مانند این و نوروز را بفروردین باز بردند ولیکن پادشاہ را زمانہ زمان نداد و کبیسہ تمام ناکردہ بماند" (ص ۱۲)،

خود ناشر نے اس مقام پر حاشیہ لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ ملک شاہ کے عہد میں جن ہیئت دانوں نے ملکر تجدیدِ تقویم کا کام انجام دیا تھا۔ ان میں خود خیّام بھی تھا اور انہوں نے یہ کام ۴۷۱ھ میں تمام کیا چنانچہ " ایشان تعدیلی کردند کہ بتعدیل جلالی معروفست و از سال ۴۷۱ھ آن را بموقع اجرا گذاشتند و ابتداء وضع آن روز جمعہ دہم ماہ رمضان ۴۷۱ھ بود و دران وقت نزول آفتاب ببرج حمل در ہجدہم فروردین بود ہجدہ روز اول را کبیسہ کردند و روز نوزدہم را اول فروردین قرار دادند و سال ۴۷۱ھ مبدأ تاریخ جلالی گردید" (ص ۸۹)،

معلوم نہیں کہ سابقہ عبارت میں مصنّف "کبیسہ تمام ناکردہ بماند" سے کیا مطلب ہے، ظاہراً یہ ایک غلط بیانی معلوم ہو رہی ہے جو ہرگز خیّام کے قلم سے سرزد نہیں ہو

---

[1] ص ر بیست ونہ ، [2] تاریخ اسلام کا یہ ایک مشہور واقعہ ہے جو ۴۶۷ھ میں ظہور پذیر ہوا ،

سکتی خصوصاً جبکہ وہ خود اُن منجموں کی جماعت میں شریک تھا جنکو کبیسہ کرنے کا کام سپرد کیا گیا۔ اور پھر سب سے بڑی تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ اسیات کا ذکر تک نہیں کرتا کہ میں بھی اُن "حکماءِ عصر" کے زمرے میں شامل تھا:

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نوروز نامہ کے بعض نادر الفاظ اور محاوروں کی ایک فہرست دے دی جائے۔ جن میں قدامت کا رنگ پایا جاتا ہے اور اب کم و بیش متروک ہیں، ناشرِ کتاب نے اخیر میں ایک فرہنگ دی ہے۔ لیکن اس میں یہ سب الفاظ اور محاورات درج نہیں ہوئے۔

(۱) دانا آن (ص ۲، ۱۴، ۴۷، ۶۰، ۷۰، ۷۱)

ناسزا آن (ص ۴۶)،

بجائے دانایان و ناسزایان، علامت جمع آن قدیم فارسی کے باقیات میں سے ہے۔ جہاں مضاف الیہ (بحالتِ جمع) کی علامت آنام ہے۔ بعینہ جیسے عربی میں ین ہے، مثلاً "قدیم فارسی میں کھشایتیا بمعنی شاہ ہے اور لفظ شاہ اسی سے مشتق ہے۔ تو اگر کہنا ہو" شاہِ شاہان" تو کہینگے "کھشایتیا نام" رفتہ رفتہ آخر سے ام گر گیا اور آن جمع کی علامت باقی رہ گئی۔ ظاہر ہے کہ چھٹی صدی ہجری تک یہ اصلی حالت میں رہی۔ بعد کے کسی زمانے میں مبدّل بہ یاں ہو گئی لیکن فقط ان الفاظ میں جو الف یا واو میں ختم ہوتے ہوں،

(۲) الف علامت استعجاب "نیکا گردہا کہ گردہاء جو بود"! (ص ۳۱) یعنی کیا ہی اچھی ہے وہ روٹی جو جَو کی ہو!

"بزرگا شفیعا کہ تو آوردی"! (ص ۴۷)،

(۳) از بہر ... را، "از بہر بزرگ داشتن آفتاب را" (ص ۴)

بر پادشاہان واجبست آیین و رسم ملوک بجای آوردن

از بہر مبارکی و از بہر تاریخ را (ص ۵)،
از بہر نامش را (ص ۲۸ س ۳)، دیکھو فرہنگ راحۃ الصدور؛

(۴) دوازدہ (ص ۴، ۳۷، ۴۹) = دوازدہ،

(۵) فریشتہ (ص ۴، ۵۱) = فرشتہ،

(۶) بدید کرد (ص ۷) = پدید کرد،

(۷) بزرگ منشی بمعنی کبر و رعونت "منی در خویشتن آورد، بزرگ منشی و بیداد گری پیشہ کرد" (ص ۹)،

(۸) ماندن بمعنی رہا کردن یعنی چھوڑنا، (ص ۱۱ س اخیر)، شاہنامے میں بکثرت آتا ہے

(۹) ماضی استمراری کی دوہری علامت یعنی شروع میں می اور آخر میں ی،
"بوقت خویش بر عادت معہود سال و ماہ بدوی رسانیدندی" (ص ۱۴)

(۱۰) خوار داشتن بمعنی وقعت نہ کرنا، "فرمان را ۔۔۔۔ خوار داشتی" (ص ۱۶)

(۱۱) خوار کاری = سہل انکاری، "وخزانۂ بی مہر از خوار کاری و غافلی بود" (ص ۲۶)

(۱۲) کی = کہ (ص ۲۷ س ۱۲) پرانی تصانیف میں عام ہے،

(۱۳) چشم زدگی = نظر بد، "وخاصیتش آنکہ چشم زدگی باز دارد (ص ۲۸)

(۱۴) بایستگی = قابلیت (؟) "و مثال بایستگی قوت ہاضم نہادہ اند اندر معدہ و جگر" (ص ۳۵)،

(۱۵) شناو - شنا یعنی تیراکی؛ "بیاموزید فرزندان را تیراندازی و شناو" (ص ۳۶)،

(۱۶) ماتیدن = جھٹنا، "پشت دست باز خماند ..."

(۱۷) بلند تر ... و فروترین بمعنی "زیادہ سے زیادہ" ...

"وزنِ کمان بلندترین شش‌صد من نہادہ اند . . . . وفروترین یک من بود" (ص ۴۰)،

(۱۸) فسانگاہ ' غالباً بمعنی کمان کے چلّہ کا وہ حصّہ جہاں تیر جوڑا جاتا ہے "و آغاز آرو از دو گروہ چنانک در گوشۂ کمانست تا فسانگاہ زہ" (ص ۴۰)،

(۱۹) قبضہ = مُشت ' پنجابی "چپا" ' "انواع تیر دی سہ است ' دراز و کوتاہ و میانہ ' دراز پانزدہ قبضہ ' میانہ دہ قبضہ ' کوتاہ ہشت قبضہ و نیم (ص ۴۱)،

(۲۰) بَ = در ما قبل اعنی منفی ' "حروف و کلمانش از حال خویش بنگردد" (ص ۴۷)

(۲۱) پیدا کردن = واضح کرنا ' بیان کرنا ' "اکنون پیدا کنیم کہ انگور از کجا پدید آمد" (ص ۶۵)

(۲۲) پرچین کردن = کسی چیز کے گرد کانٹوں کی باڑ وغیرہ لگانا ' "گرداگرد او پرچین کن تا چہار پا اندرو راہ نیابد" (ص ۶۷)،

(۲۳) بلگ ' غالباً برگ کی ایک شکل ہے "شاخہاش بسیار شد و بلگہا پہن گشت" (ص ۶۷)

(۲۴) بزرگوار = بزرگ ' "ای کنیزک گناہ مہتر تو بزرگوارتر از انست کہ آنرا آمرزش توان کرد" (ص ۷۴)،

(۲۵) باز زدن = رد کرنا "شفیع من بتو بزرگتر از انست کہ باز توان زد" (ص ۷۴) "گفت و ما شفیعک الذی لا یُرَدّ کدامست این شفیع تو کہ باز نتوان زد" (ص ۷۴)،

محمد اقبال

تغلق نامۂ امیر خسرو

مطبوعہ حیدر آباد

تمام دنیای ادب کو خصوصاً ان لوگوں کو جنہیں ہندوستان کے ادب فارسی سے دلچسپی ہے۔ سید ہاشمی صاحب اور مجلس مخطوطات فارسیہ حیدر آباد کا ممنون ہونا چاہیئے کہ انہوں نے تغلق نامۂ امیر خسرو کو شائع کرنے کا مفید کام اپنے ذمہ لیا۔ اور اس بیش قیمت مثنوی کو جس کے متعلق عرصہ سے خیال تھا کہ ناپید ہو گئی گویا دوبارہ زندہ کر کے ہمارے سامنے پیش کر دیا۔ اڈیٹر سید ہاشمی صاحب نے جس محنت و جانکاہی سے اس نظم کی تہذیب و تحشیہ کے کام کو سرانجام دیا ہے وہ قابل ستایش ہے۔ آپ کے سامنے صرف ایک نسخہ حبیب گنج لائبریری کا اور ایک اس نسخہ کی نقل تھی (یہ نقل مولوی رشید احمد صاحب مرحوم نے اپنے لیئے تیار کی تھی) اب تک دنیا کی کسی اور لائبریری میں اس مثنوی کے کسی دوسرے نسخہ کے وجود کا ہمیں علم نہیں۔ صرف ایک نسخہ سے کسی کتاب کا متن تیار کرنا آسان کام نہیں اور وہ بھی ایسے نسخہ سے جو بہت زیادہ احتیاط سے نہ لکھا گیا ہو اور جس میں جگہ جگہ نقائص موجود ہوں۔ لیکن ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مطبوعہ نسخہ کا متن بہت حد تک صحیح اور غیر مشکوک ہے۔

بقول اڈیٹر اصل نسخہ میں کتابت کی بیشمار غلطیاں تھیں جن میں سی مولوی رشید احمد صاحب نے اپنی نقل میں درست کر دی تھیں او[ر] آخری خواندگی اور تصحیح میں مولانا احتشام الدین صاحب حقی دہلوی۔

مفید مشورے ملے۔ شیدا محمد صاحب حیدرآبادی بھی اس کام میں اڈیٹر کے برابر معین رہے طباعت کی بعض غلطیوں کی تصحیح اڈیٹر نے آخر کتاب میں ایک صحت نامہ کے ذریعہ کر دی ہے۔ گویا فاضل اڈیٹر نے اپنی جانب سے احتیاط کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ مگر افسوس ہے کہ اس تمام احتیاط اور محنت کے باوجود مطبوعہ مثنوی میں بیشمار نہیں تو بکثرت غلطیاں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض تو طباعت یا طابع کی طرف منسوب کی جا سکتی ہیں لیکن بہت سی ایسی بھی ہیں جو بظاہر تصحیح کرتے وقت خود قابل اڈیٹر کے ذہن میں نہیں آئیں۔ آپ نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ "سوائے صریحی اور یقینی اغلاط کے ہم نے متن میں ہر جگہ نسخۂ حبیب گنج کی کتابت کی بجنسہ نقل کر دی ہے اور مولوی رشید احمد صاحب کی یا اپنی قیاسی تصحیح کو حاشیہ میں لکھا ہے" یہ اصول بجائے خود قابل اعتراض نہیں لیکن قابلِ اعتراض یہ بات ہے کہ اڈیٹر نے مشتبہ اشعار کو بجنسہ اور بلا حاشیہ چھوڑ دیا ہے اور بہت سی صریح غلطیاں متن میں موجود ہیں جو ذرا غور سے دیکھنے سے صاف ہو سکتی تھیں۔ برخلاف اسکے بعض جگہ مثنوی کے اصل الفاظ کو بلاضرورت بدل دیا گیا ہے۔ بعض اشعار ایسے بھی ہیں کہ جنکا مفہوم بالکل خبط ہے۔ لیکن اڈیٹر نے انکی طرف حاشیہ میں کوئی توجہ نہیں کی اور بدقسمتی سے بہت سی جگہ آپ کا یا مولوی رشید احمد صاحب مرحوم کا قیاس متن کی تصحیح میں ہماری بہت کم مدد کرتا ہے'

میں نے مطبوعہ مثنوی کو دو تین بار غور سے پڑھا اور ہر دفعہ مجھے اس میں متعدد غلطیاں نظر آئیں جنہیں میں نے ایک فہرست کی صورت میں بحوالۂ صفحہ و شعر مفصل بیان کر دیا ہے۔ یہ فہرست نقادانِ سخن کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ بعض اشعار اب بھی ایسے باقی ہیں جنکی تصحیح میں اپنی بے بضاعتی کے سبب خاطر خواہ نہیں کر سکا۔ ممکن ہے کہ اگر اصل نسخہ تک میری رسائی ہو سکے تو ان میں سے بعض سمجھ میں آ

جائیں - یہ بھی ممکن ہے کہ بعض قابل احباب ان کے حل کرنے میں کامیاب ہوسکیں اس خیال سے میں نے ان اشعار کو آخر میں علیحدہ لکھ دیا ہے - خاتمہ پر اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تنقید سے میرا مقصد اڈیٹر مثنوی کی منقصت ہرگز نہیں ہے - بلکہ محض اس عقیدت کی بنا پر جو مجھے امیر خسرو کے کلام سے ہے یہ چند سطریں لکھتا ہوں - اگر میری ناچیز رائے اور ناقص قیاس علم دوست اصحاب کو پسند آئی اور تصحیح میں مفید ہوسکی تو میرا مقصد پورے طور پر حاصل ہو جائیگا -

(فہرست آیندہ میں جہاں کہیں ق - ر " مذکور ہے - اس سے مراد قیاس مولوی رشید احمد صاحب ہے اور ک " سے قیاس اڈیٹر)

(نوٹ) فہرست میں وہ اغلاط شامل نہیں ہیں جو اڈیٹر نے صحت نامہ میں درست کردئے ہیں '

خلاصۂ مثنوی

[فاضل اڈیٹر نے یہ خلاصہ نہایت مفصل اور صحیح لکھا ہے - صرف دو تین جگہ مجھے انکی رائے سے اختلاف ہے]

ص ۴۹ " یہ فوج علا پور سے گذرتی ہوئی حوض بہت تک پہنچ گئی اور غالباً اسی کو بدایونی کی تاریخ میں حوض تھانیسر لکھا ہے الخ" میرے خیال میں حوض کا لفظ یہاں شاعر نے مجازاً استعمال کیا ہے - اور کوئی خاص حوض مراد نہیں بلکہ مقصود دریائے بیاس (بہت) ہے - چنانچہ شعر یوں ہے : -

چنین تا ز آب خیز کین بس دیر (ز بس دیر؟) بحوض بہت آمد آب شمشیر

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حوض کا لفظ محض آب آمدن و آبخیز کی رعایت سے استعمال ہوا '

ص ۵۱ (فوج خانخانان کے متعلق) اسکا ایک سرا زیادہ پھیلا ہوا تھا اور دوسرا

سمٹا ہوا تھا اس نمبر ۱۷۹۲) شعر مذکور یوں ہے:-

درآمد صفِ دہلی یک طرف تنگ ز دیگر سو برائے قبضۂ جنگ

اور شعر ما بعد یہ ہے: "صف غازی ملک شد فوج بر فوج
چو دریائے کہ بیرون افگند موج"

ظاہر ہے کہ دونوں شعر قطعہ بند ہیں اور شاعر کا مطلب یہ ہے کہ یک طرف صف دہلی تنگ (ای قریب و نزدیک) آمد و سوے دیگر صف غازی ملک . . .
. . . . فوج بر فوج شد" معلوم نہیں اڈیٹر نے پھیلے ہوئے اور سمٹے ہوئے کا مفہوم کہاں سے لیا -

ص ۵۸: (فوج دہلی میں) "شایستہ خاں قرقمار، امیر حاجب کافور" مہروار، نائب امیر حاجب شہاب اودھ کا صوبیدار الخ" مثنوی میں یوں ہے:-

ہمانجا با دُبد، وکیل باب کافور بعرف مہرداری گشتہ مشہور"

ظاہر ہے کہ مراد وکیل باب کافور عرف مہروار ہے - معلوم نہیں اڈیٹر نے وکیل باب کافور کو امیر حاجب کافور سے کیوں بدل دیا اور مہردار مہروار (بالواو) کیسے ہوگیا - مہرداری ایک عہدہ تھا جو آجکل بھی بعض ممالک میں ہے

ص ۵۹: "یہ بھی حکم دیا کہ ہر سردار اپنے جھنڈے پر مور کے پر باندھ لے الخ" یہاں اڈیٹر نے شعر کو غلط پڑھ کر غلط مطلب لیا ہے - جسکا ذکر آگے ش ۲۲۵۴ کے ضمن میں موجود ہے - اس لئے اعادہ بیکار ہے'

متن مثنوی

ص ۱۰ - ش ۱۷۲ - بجائے "برو بومش" "درو بامش" پڑھنا چاہیئے

ص ۱۱ - ش ۱۹۶ کے بعد خط غلط کھینچا گیا ہے - اس لئے کہ حکایت کا آخری شعر

نمبر ۱۹۹ ہے'

ص ۱۱ - ش ۱۹۷ "حدیث دیگراں" کی جگہ "حدیث دیگر آن" ہونا چاہئے

" - س ۱۹۹ "شہش چون گفت زین الخ" کی جگہ "شہش چون سفت این گوہر الخ

ص ۱۴ - ش ۲۴۷ "عیانیش" کی جگہ "عنانیش" ہوگا -

" - ش ۲۵۲ - "پہلا مصراع یوں صحیح معلوم ہوتا ہے" اجل کز علم یوحیی است موسوم"

" ش ۲۵۵ میں مہ ہونا چاہیے بجای مهه

" - ش ۲۵۳ - پہلے مصراع کا آخری لفظ بجائے "بر" "پُر" ہونا چاہئے '

ص ۱۶ - ش ۲۸۴ "خروشان خسپد از"

"ار" ہونا چاہئے '

ص ۱۷ - ش ۳۰۶ "بر بیدان تیز در دور بیابانے" آخری لفظ "پیاپے" ہوگا

ص ۱۸ - ش ۳۲۲ "وز و دو دل بیک دور از اخلاص" ق - ر = بیک دل دور

ز اخلاص" میری رائے میں "بیک تن دور از اخلاص" زیادہ موزون ہوگا

ص ۲۰ - ش ۳۶۵ - میرے خیال میں پورا شعر یوں ہوگا :

کشیدش تیغ تیزے جست بر دست   بخشم تیز چون تیری ہمی جست

ص ۲۵ - ش ۴۵۳ "چو گاہ نیم سوز از خستہ نمار" اصل نسخہ میں "خستہ نمار" تھا - جو

موزون اور صحیح ہے - بدلنے کی ضرورت نہیں '

" - ش ۴۶۲ "بخونی گریہ الخ" بخونین ہوگا -

ص ۲۸ - ش ۵۱۶ - "بشانہ گردن افتادی بدل ہوی' بشانہ کردن" ہوتا --

ص ۳۱ - ش ۵۷۵ - "نصیبت خاک شد ور خاک کز خواب" "اگن خوب" - -

ص ۳۵ - ش ۶۵۳ : یکی گفت این کہ آمد شام تاریک" آمدیت

کی ضرورت نہیں '

ص ۳۷ - ش ۶۹۱ - از دہائے رزم - اژدرہای رزم صحیح ہے۔
ص ۴۱ - ش ۷۶۷ - "کہ یاگاہی کہ آن گاہ غرا بود" - ق - ر - صحیح ہے - "کہ" زاید ہے اور حذف ہونا چاہئے - مصراع یوں ہوگا : ۔
"باگاہی کہ آن گاہِ غـرا بود"
اور مطلب صاف ہے - یعنی اس اطلاع کے ساتھ کہ اب جنگ کا وقت آ گیا ہے -
ص ۴۲ - ش ۷۵۵ - "جز از آیت مردِ این آتش قہر" صحیح یوں ہوگا : -
"جز از آیت مُردِ این آتش قہر"
ص ۴۳ - ش ۸۰۳ - "بسو نہا کردہ پیکان ہای قتال" "بسویان" ہونا چاہئے -
ص ۴۴ - ش ۸۲۱ - "بیادِ نسلِ شاہ از گریہ دوشست
پس این طوفان غم را ماجرا بست"
آخری لفظ "جُست" ہونا چاہئے - ق - ر (گفت) قافیہ اور مطلب دونوں کے لحاظ سے غیر موزون ہے - اسلئے کہ فاعل ملک تغلق ہے نہ کہ اسکا بیٹا جونا خان - مطلب یہ ہے کہ تغلق نے رونے دھونے کے بعد اس طوفان غم کی کیفیت اپنے بیٹے سے دریافت کی -
ص ۴۷ - ش ۸۷۶ " ز بند آہنین آسان بران جست
ولیک از بند مشکل چون توان جست
میرے خیال میں یوں ہونا چاہئے "ز بند آہنیں آسان توان رست الخ
یا بران کی جگہ بدان ہوگا -
ص ۵۰ - ش ۹۲۳ "خرے تا گہ ز آخر برکران شد" آخور ہونا چاہئے اور بجای برکران اگر سرگران ہو تو زیادہ موزون ہوگا -

ص ۵۰ - ش ۹۴۶ : " زبس خنده و بازی دمی، زدش کاز
بخنده هر سگالش گرز کست باز"
میرے خیال میں یوں ہوگا :-
زبس خنده و بازی دمی، زدش گاز
بخنده بر سگالش کرد کست باز"
پہلے مصرع کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ (شیر) خندہ و بازی سے اسے (گدھے کو) دانت مار رہا تھا (گاز = مقراض و دندان' - دیکھئے فرہنگ اندراج وغیرہ)
" - ش ۹۵۰ " کہ پر خون رسولاں الخ" کہ بر ہونا چاہیئے'
ص ۵۲ - ش ۹۷۴ : " ہم اکنون روی پشتت رخت ریزان
قبای پشت زو بوسد گریزان
دوسرا مصراع یوں ہوگا : قبای پشت رُو پوشد گریزان (پشت رو یعنی اُلٹی)
" - ش ۹۷۵ : بہ او بوسد سیہ روی سپہ را کہ چون تو پشتیان باشد بہ ا
پہلا مصراع یوں ہوگا :- بہ او پوشد سپہ روی سیہ را (یعنی تیرے ... کے منہ کالے ہیں - اس لئے انہیں اپنے چہروں کو ڈھانپنا چاہیئے)
" - ۹۸۲ : درین خوراک چون هندو پسندی بیندازم سرت چون جو ...
خوراک کی جگہ فتراک زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے'
ص ۵۳ - ش ۹۹۹ : چو ماہاریم کش باخود درآریم دم و دود ...
صحیح شعر یوں ہوگا :
چو ما ناریم (= نیاریم ای نتوانیم) کش باخود درآریم دم و دود ...

ـــــــــــ

لـه یعنی جب تجھ سا شخص فوج کا سردار ہو تو بہتر ہے کہ فوج ندامت سے اپنے کالے چہروں کو چھپ

اور یہ شعر مابعد سے قطعہ بند ہے۔ اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ جب ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ اسے اپنے ساتھ ملالیں تو ہمارا اسکو دھمکانا پھسلانا ایسا ہوگا کہ جیسے ایک بوڑھے نے ایک مرتبہ خشک سالی کے دوران میں ایک کھیت صحرا میں بویا "ہادیم" بہ معنی ناکام میری نظر سے فارسی میں نہیں گذرا اور غیر ضروری بھی ہے۔ اصل نسخہ میں ناریم ہی ہوگا۔ اس لئے کہ لفظ نارد دم و دود کی رعایت سے موزوں ہے '

ص ۵۴ - ش ۱۰۰۳ : " حدیث ما برین پر دل الخ" بدین ہونا چاہئے '

" - ش ۱۰۱۴ : کنون مازبن تنبہای خس انگیز چہ زور آریم بر گوی گران خیز ؟ گوی کی جگہ کوہ ہوگا '

" - ش ۱۰۲۴ - زبوری زد قلم داؤدی اوصاف بعجز ہم نوازان ہم زرہ باف " صحیح یوں ہوگا :

زبوری زد قلم داؤدی اوصاف بعجز ہم نوازان ہم زرہ باف "

ص ۵۵ - ش ۱۰۳۵ : " ز وصل ہجر در بر دار بس فصلی کہ از بعد جدائی اننہ وصل " : صحیح یوں ہوگا :

ز وصل وہجر در بر دار بس فصل کہ از بعد جدائی یافتہ وصل " - در بردار صفت ہے یعنی رکھنے والا اور فصل بمعنی حاصل فصل یا خود موسم کے ہے - اس لئے شعر کا مفہوم صاف ہے اور تق - ر غیر ضروری ہے -

" - ش ۱۰۴۴ : " سفید است و تنک چو بیضۂ پوست
میان بیضہ بر زاغش سخن گواست

دوسرے مصراع میں بر کی جگہ ہر ہوگا اور آخر میں گوست ہوگا -

ص ۵۶ : ش ۱۰۵۶ : " درخت آسا ہمہ یکتا ستاند زمین را چون بنفشہ بوسہ داند " صحیح

لہ فصل سے مراد ایسی باتیں ہیں جو ایک ہی مضمون سے متعلق ہوں ' فصل فی عتاب ' فصل فی الادب وغیرہ انتخابات مکاتیب و رسائل کے مشہور عنوان ہیں '

یوں ہے :-

درخت آسا ہمہ یکتا [یکپا؟] استادہ زمین را چون بنفشہ بوسہ دادہ

یا آخری الفاظ ستادند اور دادند ہو سکتے ہیں '

ص ۵۶ - ش ۱۰۶۱ : دگر آزادگان سیر گشتہ دران خدمت جوان سیر گشتہ

بجائے سیر گشتہ پیر گشتہ ہوگا اور ممکن ہے کہ جوان کی جگہ جواناں ہو اسلئے کہ پہلے مصراع میں آزادگان ہے '

ص ۵۷ - ۱۰۶۷ : نہم یاری نخست از رائے کین جوی بمملوک و ملوک مملکت روی

یاری کی جگہ باری ہونا چاہئے '

" - ۱۰۷۵ " محمد شاہ کرد " کی جگہ محمد شاہ کرد ہونا چاہئے

ص ۶۰ - ش ۱۱۳۲ : " نماند از بہر دین را پاسبانی نہ غمخوار رمہ در دین شبانی "

میرے خیال میں پہلا مصراع یوں ہوگا :- نماند از بہر دنیا پاسبانی " اسلئے کہ دین کا ذکر دوسرے مصراع میں موجود ہے اور بہر دین را نحوی حیثیت سے بھی غلط ہے ' [بہر دین را درست ہے ' دیکھو راحۃ الصدور ص ۱۲۱ ادارہ]

ص ۶۴ [ش ۱۲۲۰ میں " اوہم " پڑھو بجای " عم او "] ش ۱۲۲۱ : میرے خیال میں شعر یوں ہوگا :-

" پس نامہ کہ بنوشت آن سپہدار رسید اما پس از آرامش کار "

گویا نسخہ میں کہ سے پہلے دو لفظ محذوف ہیں اور کہ کے بعد بینوست نہیں بلکہ بنوشت ہوگا -

ص ۶۹ - ش ۱۳۰۷ - چو چاکر بہر نان راپے فشردی ندادے نان و آبش ہم بہ روی

صحیح یوں ہوگا : چو چاکر بہر نان آبے فشردی الخ دوسرے مصراع میں آب . نان کی موجودگی کافی دلیل ہے (آب فشردن بہ معنی محنت کرنا ؛

ص ۷۱ - ش ۱۳۳۶ : " زیک دیو پا لیوروخیل یک میر چہ خیزد گو نہ بہر دم [illegible] -

---

ا؎ دیکھو ش ۱۱۳۲ پر نوٹ بہر نان را چاہئے +

دوسرا مصراع یوں ہوگا : چہ خیزد گر بود ہم رستمی گیر[متن درست ہے' ادارہ]

ص ۷۳ - ش ۱۳۸۵ : " ہمہ گشتند با جان طرب یاب ہو بخت خویش بیدار از چنین خواب "
شعر بالکل صحیح ہے - پہلے مصراع میں جان کو عنان سے تبدیل کرنا (ق - ر)
غیر ضروری ہے'

ص ۷۶ - ش ۱۴۴۳ : چو از طاؤس و بط شاہین کند مال کہ باشد ماکیان کآید بدنبال"
بالکل صحیح ہے - مال کردن بہ معنی شکار کردن ہے - اس لئے ق - ر بال غیر
ضروری ہے'

ص ۷۷ - ش ۱۴۵۸ "خزینہ نیز مال بوحنہ سند نہ کمتر ز آنچہ باشد غیرۂ ہند" غیرہ
کی جگہ 'عبرۂ' ہوگا'

ص ۸۱ - ش ۱۵۲۷ - دو پیکر در تقاضا ہر زمانش کہ کے کردم کمر گرد میانش "
کردم کی جگہ گردم ہوگا'

ص ۸۳ - ش ۱۵۷۰ " چنین تا کرد کین کان (آن ؟) لشکر انگیخت سیاہی در سواد سرستی ریخت"
شعر صحیح یوں ہوگا :-
چنین تا گرد کین کان لشکر انگیخت سیاہی در سواد سرستی ریخت "
(ق - ر باکر وکین غلط ہے) : مطلب یہ ہے کہ جو گرد کیں اس لشکر نے اپنی
تیز رفتاری سے اڑائی اس سے سوادِ سرستی سیاہ ہو گیا - سواد اور سیاہ کی
مناسبت قابل غور ہے'

ص ۸۴ - ش ۱۹۰۳ : "صلائے خوارہ چون کشت برافزای" آخری لفظ بر افضای[1] ہوگا'

ص ۸۵ - ش ۱۹۱۰ " بود ہر روز عشرت راشماری فتد ار بعد عمری کارزاری " ار بعد
کی جگہ از بعد ہوگا'

" ش ۱۹۲۶ " سراسر چون ہمہ سرباز بودند بروی خاک سرہا باز بودند" آخری

---

[1] بظاہر متن درست ہے'

لفظ سود مند ہوگا '

ص ۸۷ ۔ ش ۔ ۱۶۵۱ : شکوہ کوہ خیزد مردوازمرد پدید آید بگاہ رزم و ناورد "
شعر بالکل صحیح ہے ۔ صرف دوسرے مصراع میں رزم و ناورد ہوگا اس لئے
کہ ناورد رزم سے عطف نہیں ہے بلکہ پدید آید کا فاعل ہے ۔ ق ۔ ز = ہردو
(بجائے مردو) غیر موزون ہے '

۔ ش ۱۶۵۴ " دوان را بس بود ناخن برانگشت " دوان کی جگہ دوان ہوگا ۔
(بالدال) '

۔ ش ۱۶۶۱ : سواری را بہ ہیجا دیدہ در گیر کہ کورا کور دارد دیدہ بر تیز "
پہلے مصراع میں دیدہ در گیر کی جگہ دیدہ ورگیر (دیدہ ور = آزمودہ ۔ دانا)
ہوگا ۔ کورا کور کے معنی اڈیٹر نے زود زود لکھے ہیں ۔ مفہوم عام یعنی بے
محابا زیادہ صحیح ہوگا '

ص ۸۸ ۔ ش ۔ ۱۶۷۰ " زصیقلہا صف ہای یافت جوشن " بجائے صف ہای ۔
صفای [صفاہا] ہوگا '

" ۔ ش ۱۶۷۸ ۔ جہان چون شاہ باری نیم کرنے " جہان چون شاہبازی [نیم گز نے] ہوگا

" ۔ ش ۱۶۷۹ ۔ چو خط استوا شد ہر خطی راست چو خط محور از وی گرشدن خواست "
بجای گرشدن کژ شدن ہوگا '

" ۸۹ ۔ ش ۔ ۱۷۰۰ ۔ چنین تا ز آب خیز کین بس دیر بحوض بہت آمد آب شمشیر "
بس دیر کی جگہ زبس دیر یا پس دیر یا پس از دیر پڑھا جائے تو مطلب صاف
ہو جاتا ہے '

ص ۹۰ ۔ ش ۱۷۲۲ : چو گفتند این سخن را مود دانا ہراسان گشت ...
پہلے مصراع میں رامود کی جگہ زا مرد ہوگا ۔ یعنی اس مرد دانا کے متعلق ...

لوگوں نے یہ بات سنائی الخ

ص ۹۰ - ش ۱۷۴۱ - "چو تیغ پُر دلان صیقل پذیرد بگیرد زنگ اگر زنگش بگیرد" دوسرا مصراع یوں بہتر ہوگا: "بگیرد ننگ اگر زنگش بگیرد" اس لئے کہ شعر ماقبل میں ننگ و زنگ کا التزام ہے۔ [شاید بگیرد زنگ اگر ننگش بگیرد بہتر ہے]

ص ۹۲ - ش ۱۷۶۶ : "نہ خود ہر پیل چون کوہی باشکوہ بود بر گستوان چون ابر بر کوہ" صحیح نہ خود ہر پیل الخ ہوگا۔

ص ۹۳ - ش ۱۷۷۳ : "ز بانگ کوس گردون رہ نہادہ" زہ نہادہ ہونا چاہئے۔

" - ش ۱۷۷۹ : "ہمہ بر ہماد گیران بر زبانہا ہمہ دیباچۂ بت بر دہانہا" بر ہماد کی جگہ ہر مہاد پڑھنا چاہئے۔ (ہر مہاد = ہر مہا دیو)

ص ۹۵ - ش ۱۸۲۳ : "ز بالا کرگس از بہر خور خویش ہمی آمد بہ نہان پر خویش" پر خویش ہونا چاہئے (کرگس کے پر تیروں میں لگے ہوتے ہیں)

" - ش ۱۸۴۴ : "غرض اعظم ملک غازی چو در جنگ محل وید از برِ سیر آہنگ" دوسرے مصراع میں از برای ہوگا۔

ص ۹۷ - ش ۱۸۶۱ : "سپہ پیش و ملک غازی است در پس ز آتش شعلہ و خرمن خس" دوسرا مصراع یوں ہوگا: "ز آتش شعلہ در خرمن خس" [متن درست ہے]

ص ۹۸ : ش ۱۸۷۵ "نمی زد پیل را چندان کسی تیر کہ گاو آید مگر بہر جہانگیر" بجائے گاو آید کار آید ہوگا۔

ص ۱۰۱ - ش ۱۹۳۴ : "بلے آن کش کرم پرسش نماید بران حد کے رسد کس پرسش آید" آخر میں بجای کس کش ہوگا۔

ص ۱۰۳ - ش ۱۹۸۲ - دوسرا مصراع "زن و مرد این و مستور مستور" آخر میں مستورہ مستور ہونا چاہئے۔

ص ۱۰۵ - ش - ۲۰۲۲ : " رسیدند الغرض چون بر عرض تیر بسوی میر کیشان سبک سیر "
پہلا مصراع یوں ہوگا : رسیدند الغرض چون بر غرض تیر (غرض = ہدف ، نشانہ ؛
ق ۔ ر عرض = شمار جائزہ !)
" - ش ۲۰۲۳ " حسن چون دید چندان تیر بے زور کہ باز آمد عرض را کرده بے ہور "
یہاں بھی عرض کی جگہ غرض پڑھنا چاہیئے ۔ شعر کا مطلب صاف ہے ؛
ص ۱۰۶ - ش ۲۰۳۲ - ببرپہنی بر زمین وز آسمان کم کہ شد زیرش زمین چون آسمان خم
پہلے مصراع میں بجائے بر کے بُد ہوگا ۔ یعنی وہ لشکر اپنی وسعت میں آسمان
سے تو کم تھا لیکن زمین کے برابر تھا ؛
" - ش ۲۰۳۹ : مرا چون نیست این فیروزه درشت چہ سود است از کرم چون خاتم انگشت "
دوسرا مصراع یوں صحیح ہوگا : چہ سود است ار گزم چون خاتم انگشت ۔ یعنی
اس سے کیا فائدہ کہ میں اپنی انگلی کو اسطرح کاٹوں جیسے انگوٹھی کاٹتی ہے ۔
(مراد تنگ انگوٹھی سے ہے) اڈیٹر کا قیاس بہت بعید ہے ؛
" - ش ۲۰۴۱ " من از خاتم شوم زینسان کہ حالست رسم ور خنصر آن جم محالست "
بجائے ار ہوگا ؛
" - ش ۲۰۴۰ " چو خاتم راز من آن مرد غازی بہ نیرو می ستاند بے نبازی "
دوسرا مصراع صحیح یوں ہوگا : بہ نیرو می ستاند نے ببازی (یعنی طاقت
سے چھینتا ہے دھوکہ سے نہیں)
ص ۱۰۶ - ش ۲۰۴۴ " علم ہائی سیاه و لعل این شہر زخنگ بد دلم شد نیلگوں بہر "
بجائے خنگ چنگ یا جنگ ہوگا ؛
ص ۱۰۷ - ش ۲۰۶۰ : چو شیر از دم علم بر سر برافراخت سر خود باید ش در پائے دم ساخت "
اصل نسخہ میں آخری لفظ باخت ہے جو صحیح ہے ۔ بدلنے کی ضرورت نہیں ؛

ص ۱۰۸ - ش ۲۰۷۰ "ہزیمت گشتگان را رای و تدبیر بود بعد از خلل برگرِدن تیر"
دوسرا مصراع یوں ہونا چاہیئے "بود بعد از خلیہ پر کردن تیر" یعنی شکست کے
بعد رای و تدبیر سوچنا ایسا ہے جیسے تیر چل چکنے کے بعد اس میں پر لگانا '
" - ۲۰۷۲ ' بپای لنگ مرکب کردن چوب پس آوردن سوی زور آوران کوب"
پہلے مصراع میں بجائے کردن چوب کردن از چوب ہونا چاہیئے '
" - ش ۲۰۸۰ - ہمی گفت آن دگر کس نیز کاری بباید کرد با اندیشہ باری"
اصل نسخہ میں آخری لفظ کاری تھا - جو بالکل صحیح ہے - اڈیٹر نے باری سے نہ
معلوم کیوں بدلدیا - شاید اس خیال سے کہ قافیہ دونوں مصرعوں میں ایک
ہوجاتا ہے - لیکن دراصل قافیہ ایک نہیں ہے - اس لئے کہ پہلا کاری =
کہ آری '
ص ۱۰۹ - ش ۲۱۰۰ - چو باران از ہوا ناوک روان کرد بدرع کاغذین چوں رو توان کرد"
دوسرے مصراع میں بجائے رو توان کرد - ردّ توان کرد ہوگا '
ص ۱۱۰ - ش ۲۱۰۶ - نہ بر جان لرزہ کرد و نے بر اسباب وژ اندر گل فگند و دیزہ بر آب
آخری الفاظ دیژہ بر آب صحیح ہیں - ق - ر = دیدہ بر آب موزون نہیں
(دیژہ = قلعہ) یعنی بہادر خود کو کیچڑ میں بے دھڑک ڈالدیتا ہے اور اپنا
قلعہ پانی میں یعنی سامان عافیت و سلامت کی پروا نہیں کرتا -
" - ش ۲۱۱۸ - دوسرے مصراع (بر آورد آہن از بازوئے لشکر) میں بر آورد
کی جگہ برآور ہوگا '
ص ۱۱۱ - ش ۲۱۲۵ : ہمہ آئینہ کش گیرند در مشت بسوئے ور از ین رو میکند پشت"
بجائے بسوے ور - بسوے زر ہوگا اور سب سے پہلا لفظ بجائے ہمہ کے ہماں
زیادہ صحیح ہوگا -

ص ۱۱۱ - ش ۲۱۳۹ " گریزش بین چسان باشد زدشمن   پہلا لفظ گریزش ہونا چاہیے '

ص ۱۱۴ - ش ۲۱۸۸ " کسی را چند زر کلہا بکف کرد   کسی از تنکۂ بدمہ علف کرد "
اڈیٹر کے خیال میں بدمہ بہ معنی بہرہ ہے - لیکن ظاہر ہے کہ صحیح لفظ پدمہ ہوگا
جو ایک ہندوانی سکہ تھا - پہلے مصرع میں لفظ را غلط ہے - کچھ اور ہوگا -
یا پھر دوسرے مصرع میں بھی بجاے از رأ ہوگا - کیونکہ اس طرح بکف کرد
اور علف کرد کا فاعل خسرو خاں ہوسکتا ہے '

• - ش ۲۱۸۹ " کسی از مہر کہنہ وجہ نو یافت   کسی نو سکہ سیم زرد رو یافت " سیم
زرد رو ہوگا '

ص ۱۱۵ - ش ۲۲۰۴ : چو زندہ نان فرامش کرد برخوان   و فر المرء من امہ و اخوان "
ظاہر ہے کہ چو زندہ کی جگہ خورندہ پڑھنا چاہیے '

" - ۲۲۰۷ : علم کر حوض سلطان عکس بنمود   منارہ حالہ بست از ظل ممدود " -
علم کر کی جگہ علم کز ہونا چاہیے -

ص ۱۱۶ - ش ۲۲۳۱ " چنان باید لبستہ عصمت آرام   کہ جوشن گردوش دیبا بر اندام "
پہلے مصرع میں چنان باید ہونا چاہیے '

ص ۱۱۸ - ش ۲۲۵۷ : " ہمانجا یاد کیل باب کافور   بعرف مہرداری گشتہ مشہور "
پہلے مصرع میں ہمانجا بُد (= بود) ہونا چاہیے '

ص ۱۱۹ : ش ۲۲۸۷ " برنج خوردہ در خوردہ در اندام   ز رایت بردہ در روئین تنی نام "
دوسرے مصراع میں بجائے رایت " راوت " صحیح معلوم ہوتا ہے - شعر
ماقبل کے مصراع ثانی سے متعلق ہے یعنی ایسے پایک تھے جو راوتوں سے
بھی بہادری میں سبقت لے گئے تھے '

ص ۱۲۰ - ش ۲۳۰۵ " بجوشن گوئی ہر تیرہ جنگی   درون رفت است در ماہی نہنگی "

پہلا مصراع غیر موزون ہے، غالباً یوں ہوگا :۔ بجوشن گویا ہر تیرہ جنگی
یا یوں ہو سکتا ہے :۔ بجوشن گوئی ہر یک تیرہ جنگی ،

ص ۱۲۱ ۔ش ۲۳۲۱ : "چو جانی شد بہم ہولناکت نہ جان ما بہ است از جان پاکت"
پہلا مصراع صحیح یوں ہوگا : چو جان شد در بہم ہولناکت"

ص ۱۲۲ ۔ش ۲۳۴۲ : " دو در محش در چپ و در راست ،رنائے
رسیدہ سر بگردون پائے بر جائے"

پہلا مصراع یوں ہوگا : " دو در محش در چپ و در راست بر پای"

" ۔ش ۲۳۵۴ : " کہ تا فرقی بداند خصم بدسیر زرایات ملک بارایت غیر"
پہلے مصراع میں بجائے بداند" نداند" ہونا چاہیئے ۔ مطلب یہ ہے ۔کہ
تغلق نے اپنے سرداروں کو مور کے پر اپنے اپنے جھنڈوں پہ باندھنے کو کہا
اس غرض سے کہ دشمن خود تغلق کے جھنڈے اور دوسرے سرداروں کے
جھنڈوں میں تمیز نہ کر سکے ،

ص ۱۲۳ ۔ش ۲۳۶۶ " چنان شد خاک بر خورشید منظور کہ نورش خاک گشت و خاک شد نور"
پہلے مصراع کا آخری لفظ منظور صحیح نہیں معلوم ہوتا ۔ غالباً منشور کی تصحیف
ہے ،

ص ۱۲۷ ۔ش ۲۴۴۲ : "سوار قدر صف فیرزمندان زفیروزی چو بخت خویش خندان"
پہلا لفظ سوار اندر ہوگا یا سوار یدر ہو سکتا ہے ،

ص ۱۳۰ ۔ش ۲۴۹۸ : " صف از پیشم چو سیل ہفت شاخست
سوار آب و برگستان باختہ است"
پہلے مصراع میں صف ار پیشم ہونا چاہیئے ،

" ۔ش ۲۵۰۲ : ز دیگر سو ملک غازی بر آمد ملک بہرام سواری دیگر آمد

دوسرا مصراع یوں ہوگا : ملک بہرام سوی دیگر آمد "

ص ۱۳۴ - ش ۲۵۷۱ " چو ملک دہر بگرفتی پیاپے ہنوز این انتظار ہر دو تا کے "
چو ملک و دہر ہوگا ' [متن درست ہے]

ص ۱۳۵ - ش ۲۵۹۳ : " جوان چندان کہ گفت از ترکِ خود راز
بہ ترکِ او نگشتِ اقبال دمساز " اصل نسخہ میں نگشت کی
جگہ نگفت ہے جو زیادہ موزون ہے - اس لئے کہ پہلے مصراع میں گفت
ہے نگفت یہاں اجازت نداد ' حکم نکرد کے معنی میں ہے - نگشت سے
بدلنے کی ضرورت نہیں - اقبال دمساز مرکّب توصیفی ہے '

" - ش ۲۶۰۶ : اس شعر میں بھی آخری لفظ سرانداز کو صف انداز سے بلا وجہ
بدل دیا گیا ہے '

ص ۱۳۶ - ش ۲۶۱۱ " ز آواز نقیبان کز گزر دور رمنده مردمان چون سایہ از نور "
کز گذر ہونا چاہئے اور رمنده کی جگہ رمیده زیاده اچھا ہوگا [؟] '

ص ۱۳۶ - ش ۲۶۲۳ " کہ من بودم یکی آوارہ مردے ز مہر و مہ چشیدہ گرم و سردے "
اصل نسخہ میں آزادہ مردے ہے جو زیادہ موزون ہے - اس لئے اسے
آوارہ مردے سے بدلنا غیر ضروری ہے '

" - ش ۲۶۱۵ : " سنانہا برہنہ پوشیدہ در کرد کہ خورشید از فروغش حربہ میخورد "
در کرد کی جگہ در گرد ہوگا '

ص ۱۳۸ : ش ۲۶۶۱ " دگر بر جاش تیہو و کبک بود ہم از تو قتل گبران یک بیک بود "
اڈیٹر نے غالباً تیہو و کبک پرندوں کے نام سمجھ کر لکھے ہیں - تیبو اور کبک خان
دو مغل شہزادوں کے نام ہیں جنہوں نے علاء الدین کے زمانے میں ہندوستان
پر فوج کشی کی تھی - ان کا ذکر امیر خسرو نے خزائن الفتوح میں بھی کیا ہے '

اور غالباً اعجاز خسروی میں بھی - اس لئے بجائے تیہو تیہو پڑھنا چاہیئے '
"برجاش" کا لفظ بھی غلط ہے - میرے خیال میں پرخاش ہوگا یعنی پھر تیہو
اور کبک سے لڑائی کا موقع ہوا الخ '

ص ۱۳۹ - ش ۲۶۸۷ : خلیفہ قطب دین را با چنان بہر کہ چون چشم خویش میداشت بر بہر "
پہلے مصراع کا آخری لفظ مہر ہونا چاہیئے - بہر سلاوہ غیر موزون ہونے کے چہر کے
ساتھ قافیہ نہیں ہو سکتا '

ص ۱۴۱ : ش ۲۷۳۰ " بلی کو طعمہ یار ست در کام بود نہ دو دو خواران را طمع خام " -
پہلے مصراع میں بجائے یارست " بازاست " ہونا چاہیئے '

ص ۱۴۲ - ش ۲۷۵۲ : " شبانی کش ستم بر بز گمارند بدیہ از دہ رمہ یک بز نیارند "
پورے شعر کا مطلب خبط ہے - میرے خیال میں " آخری لفظ گمارد اور نیارد
تھے - جنہیں غلط پڑھا گیا ہے - اگر یوں پڑھا جائے کہ :
شبانی کش ستم بر بز گمارد بدیہ از دہ رمہ یک بز نیارد " تو مطلب
صاف ہو جاتا ہے اور ترکیب نحوی بھی درست رہتی ہے یعنی شبانی کہ ستم او
را بر بز می گمارد بیدل و بے پروا باشد حتیٰ کہ از دہ رمہ بز یک بز بدیہ
باز نیاورد از چراگاہ '

ص ۱۴۳ - ش ۲۷۵۵ : " کہ این کاری کہ از دستت بر آمد نہ مردم کآسمان را ہم در آمد "
شعر صحیح ہے - لیکن حاشیہ قابل غور ہے - اڈیٹر کے خیال میں مردم کآسمان سے
مراد آسمان جیسے افراد ہیں - وہ شاید عربی کا کاف تشبیہ سمجھے اور مطلب پھر بھی
سمجھنا مشکل ہے - ظاہر ہے کہ کآسمان برابر ہے " کہ آسمان " کے اور شاعر کا
مدعا یہ ہے کہ جو کام تجھ سے ظہور میں آیا ہے وہ نہ صرف آدمیوں کو بلکہ آسمان
(خدا) کو بھی پسند آیا (در آمدن = مقبول شدن ' پسندیدہ شدن) '

ص۱۴۳ - ش ۲۷۹۰ : دوسرا مصراع : بخود انگند خود را دور ازین شور" خوذ کی جگہ خود ہوگا'

ص۱۴۴ - ش ۲۷۹۲ : بتثلیث از نہم او ہم نظردار بتشریعیت وازہر سو خبردار"
شعر بالکل صحیح ہے ۔ لیکن اس میں بھی تحشیہ غلط ہے ۔ یعنی اڈیٹر از نہم کو لکھتے ہیں کہ ممکن ہے یہ لفظ "او ہم" خانے کے معنی میں ہو" (!) حالانکہ ظاہر ہے کہ از نہم سے شاعر کی مراد از برج نہم ہے (پہلے مصراع میں او زہرہ کے لئے ہے) چنانچہ شعر مابعد میں کہتا ہے کہ :" بعاشر قرصۂ خور بالحقیقہ کہ دادش خوشۂ گندم دقیقہ"

ص۱۴۷ - ش ۲۸۳۲ : " نگون سر مرتد رسوا در آن گشت زمین راسایۂ او بیکران گشت
لفظ بے کران موزون نہیں معلوم ہوتا غالباً صحیح پے گران (= گران پے) ہوگا یا ہم گران ہو سکتا ہے

" - ش ۲۸۴۳ : " اگر گوہر بدست آرد شود سنگ دگر آئینہ بیند گیردش زنگ"
وگر آئینہ الخ ہوگا'

" - ش ۲۸۴۵ " فرس گر بیشتر راند فتد بس وگر بر دست گیرد گل شود خس" پہلے مصراع کا آخری لفظ پس ہوگا'

ص۱۴۸ : ش ۲۸۵۲ : " تو نشناسی طریق دہر قتال مگر آنکہ کہ خوانم بر تو این حال"
خوانم بر تو الخ ہوگا'

" - ش ۲۸۶۸ " خزان دیدہ درختی دیدہ کندہ سپہر از برگ و بارش برفگندہ"
پہلا مصراع یوں ہوگا :" خزان دیدہ درختی دید کندہ " اڈیٹر نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ " یعنی ایک خزاں دیدہ درخت کو اسنے اکھڑا ہوا دیکھا" لفظی ترجمہ تو صحیح ہے ۔ لیکن اس سے یہ صاف نہیں ہوتا کہ شاعر استعارہ سے کام

لے رہا ہے اور اس درخت سے مراد خسرو خاں ہے '

ص ۱۴۹ - ش ۲۸۷۲ " ازین سو تیغ بیرون کردہ سوسن وزان سو بار بروے راند توسن "
دوسرے مصراع میں بجاے "بار" "باد" ہونا چاہیئے '

ص ۱۵۰ - ش ۲۹۰۶ : نخواہم گندم سلطان ضنائع بکوری گردم از دو دیدہ قانع "
ضنائع قانع کے ساتھ قافیہ نہیں ہو سکتا - اصل لفظ صانع معلوم ہوتا ہے -
سلطان صانع یعنی مہربان و کرم گستر '

ص ۹۴ - ش ۱۷۹۵ : " قوی شد زین گمان دلہائے ایشان کہ ماتا جمع ' دشمن شد پریشان "
دوسرے مصراع میں 'ماتا جمع' کے بدلے مانا جمع ہونا چاہیئے اور جمع کے بعد
علامت وقف بالکل غلط ہے بلکہ جمع دشمن سے مضاف ہے - شعر ماقبل یوں
ہے کہ : " صف دہلی چو آن صف را نہان دید گریز و عجز دشمن در گمان دید "
جس سے ظاہر ہے کہ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ تغلق کی کچھ فوج پوشیدہ تھی '
اس لئے سپاہ دہلی کو یہ گمان گذرا کہ " مانا (چنان نماید' گویا) جمع دشمن شد
پریشان "

ص ۸۲ - ش ۱۵۶۸ : " روان شد سوئے آن مقتل مقابل چو انجم لشکری منزل بہ منزل "
پہلے مصراع میں مقتل کی جگہ مُقبل ہونا چاہیئے - مقبل سے مراد ملک تغلق ہے '

ص ۸۵ : ش ۱۶۱۵ : " بیائید آنکہ دارد کار با ما شوید از عہد و پیمان یار با ما "
بیاید اور شود ہونا چاہیئے '

ص ۸۸ - ش ۱۶۷۷ : " بلائی از نظر کم ناوکی خورد کہ زین سو در شد وزان سوی در برد "
آخری لفظ برد کی جگہ کرد ہوگا ' [متن درست ہے]

" - ش ۱۶۸۰ : " ز تیغ کینہ تف بالا شتابان کہ مہر از وی گریزد سوئے تابان "
دوسرے مصراع کے آخر میں بجائے سوی تابان روی تابان ہونا چاہیئے '

ص ۹۰ - ش ۱۷۰۸ : " اگر خنجر و مدز انگشت شیران بود شمشیر ہر موی دلیران"
خنجر و مد ہونا چاہیے '

ص ۹۷ - ش ۱۸۴۹ : " سیدرو مرتد ازعیسی بہنگام بزردی زرد ولی زردی سیاہ فام"
پہلے مصراع میں سیدرو کی جگہ سیہ رو ہوگا اور پورا مصراع یوں صحیح معلوم ہوتا ہے : " سیہ رو مرتدان راغشی ہنگام "

" - ش ۱۸۵۶ : " بماند آن صوفی آزادہم سواری کہ کم گردش جنید بخت یاری"
پہلا مصراع یوں ہونا چاہیے : بماند آن صوفی ازادہم سواری (ادہم بمعنی اسپ) ادہم ' صوفی اور جنید میں مراعات النظیر ہے

ص ۱۰۱ - ش ۱۹۳۱ : ہمی سر خستہ کش بود جانی ہمی شد دم بدم مرہم رسانی "
پہلا لفظ ہمی کی جگہ پی ہوگا '

" - ۱۹۴۱ - تر شان گفت حاجت نیست تعجیل کشندہ کشتنی گیرند بے فیل "
دوسرے مصراع کا آخری لفظ قیل (بالقاف) ہونا چاہیے یعنی بلاشبہ کشندہ راکشتنی گیرند ای شمارند (شعر ما بعد) ولے باید مرا پیش ملک برد الخ"

" - ش ۱۹۴۴ - بدین گفتش سر اندازان اقبال[۱] روان پیش ملک بردند در حال "
بجائے اقبال ' اقیال (جمع قیل = سردار) زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے '

ص ۱۰۳ - ش ۱۹۷۰ : ثوابت ہم در آن کوشش کہ گویند
ثباتِ دولتش را مژدہ جویند "
پورا شعر یوں صحیح معلوم ہوتا ہے : ثوابت ہم در آن کوشش کہ پویند
ثباتِ دولتش را مژدہ گویند

ص ۱۰۷ - ش ۲۰۵۴ : " گرو مسلم[۲] مرد از زمین خاست ملک [مگر ؟] خاقان ملک زاد از کمین خواست "
دوسرے مصراع کا آخری لفظ بھی خاست ہونا چاہیے '

---

[۱] غالباً قتال چاہیے [ادارہ] [۲] مرو ؟ [ادارہ]

ص ۱۱۴ : ش ۲۱۸۱ " زرزرِ والاشدہ ہندوئی ہرکس . جو دودی کو بر آرد سرِ آتش "
ظاہر ہے کہ ہرکس اور آتش کا قافیہ نہیں ہوسکتا - اسلئے پہلا لفظ سرکش یا زرکش ہوگا '

" - ش ۲۱۹۶ : " زبزمی بسکہ ہندو سیر خور شد ہمہ تھال بر نجش تھال زر شد "
پہلے مصراع میں بزمی سیرِ خور اور تھال کی رعایت سے بہت موزون ہے اس لئے اڈیٹر کا یہ خیال کہ صحیح لفظ حسب روایت فرہنگ جہانگیری "سیری" ہونا چاہئے ٹھیک نہیں ہے '

ص ۱۱۷ - ش ۲۲۴۸ " بعزم رزم شد ترتیب لشکر ازان ہر روز ترتیب آہنین تر "
دوسرا مصراع صحیح یوں ہوگا : "از آہن زور ترتیب آہنین تر "

ص ۱۲۵ - ش ۲۴۰۶ " طعانہ سینہ را دروازہ میکرد الخ " پہلا لفظ غالباً طغانہ ہونا چاہئے '

ص ۱۲۶ : ش ۲۴۱۵ : گران سرگشتہ گم ور گم نوفتی سرش گم گشتہ از [ار] سرگم نہ رفتی
پہلے مصراع کا آخری لفظ یقیناً برفتی ہوگا - دوسرے مصراع کا آخری لفظ بھی برفتی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ' [؟]

ص ۱۲۰ - ش ۲۴۴۶ " یلان را زخم خنجر مست مانع شراب مرگ شان داروی نافع
ظاہر ہے کہ مانع اور نافع ہم قافیہ نہیں - مست مانع یوں بھی مہمل ہے میرے خیال میں ہست شافع ہونا چاہئے '

ص ۱۲۷ : ش ۲۴۴۹ : زنندہ ہیچ روی گرز نگزارد کہ در پشت استخوانہا را نہ گرد آرد "
آخر میں کرد آرد ہوگا '

ص ۱۳۰ - ش ۲۴۹۵ " بماہی دار ہم گفت اندران تاب کہ گرد آری تو ماہی ہم برین آب "
دوسرا مصراع یوں ہوگا : کہ گرداری تو ماہی ہم برین آب (داری داشتن سے)

ص ۱۳۲ - ش ۲۵۵۱ " وگر کز آسائش بہرہ پستی است رہش باچار سوی زیر دستی است "
پہلے مصراع کا پہلا لفظ وگر (بالدال) ہونا چاہیئے '
ص ۱۳۸ - ش ۲۶۵۲ " شدی سلطانی اما چون وفا بود بسانِ تغلق خانی بجا بود "
اڈیٹر کے خیال میں دوسرے مصراع کا پہلا لفظ بشان ہوگا لیکن میرے
خیال میں پورا شعر یوں ہوگا :
شدی سلطان اما چون وفا بود نشانِ تغلق خانی بجا بود "
یعنی آنوقت توانستی کہ سلطان شوی لیکن چون وفا درمیان بود نشانِ
تغلق خانی بجا ماند '

ص ۴۰ - ش ۷۵۱ : " ولے میگفت بر نباید چو کاری ببازی جان بباید باخت باری "
دوسرے مصراع میں نباید ہونا چاہیئے '
" - ش ۷۵۲ : درین اندیشہ با خود غصہ میخورد کہ چون شاند زخون دشمن این کرد
شعر کا آخری لفظ گرد ہونا چاہیئے '
ص ۴۲ - ش ۷۷۸ : " ولے چون قلعۂ گبران گشت خویم من این حاجت ز محراب تو جویم "
پہلے مصراع میں بجائے قلعہ گبران - قلع گبران ہونا چاہیئے '
ص ۴۵ - ش ۸۳۸ : " تمن ہا گر نہیبت میخورد خون نخوردہ آبِ خوش زین سوی جیحون "
بجائے " تمن ہا گر " تمن ہا کہ ہوگا '
ص ۴۶ - ش ۸۵۵ : " گر او گردد ازان مردم سبک گام چو شخصی کش رود بازو ز اندام "
پہلے مصراع کا پہلا لفظ کہ ہونا چاہیئے - اسلئے کہ شعر ما قبل یوں ہے :
چو بر گردد سری از سرفرازی بجان سر فراز افتد گدازی "
" - ش ۸۶۸ : " اگر دارِ دگر اندیشہ بندیم ہزاران شیر چون در بیشہ بندیم "

پہلا مصراع صحیح یوں ہوگا : اگر در دار وگیر اندیشہ بندیم ،

ص ۴۹ : ش ۹۲۵ : " بگو کای کاروان وتیغ زن مرد نمی شاید فریب روز خود خورد "
" فریب زور خود " ہوگا ،

ص ۵۱ : ش ۹۵۵ : " شود صوفی چو گاہی سخت کوشی زخون خویش رنگین خرقہ پوشی "
پہلا مصراع یوں ہونا چاہیئے : " شوی صوفی چو گاہ سخت کوشی "

" ش ۹۵۶ : " بکار صوفیان ہم خام کاری کہ بر حلوا مگس گشتن بیاری "
دوسرا مصراع یوں زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے : " کہ بر حلوا مگس گشتن [؟] نیاری

" ش ۹۶۴ : " نمائی پشت بے رو ہمچو منعم چو رویت پشت گردد پیش متعم "
میرے خیال میں پہلے اور دوسرے مصراع کے آخری لفظ علی الترتیب
مینعم اور تینعم ہونگے ،

ص ۵۲ - ش ۱۰۰۷ : اگرچہ افغان زدی آتش بدنبال تتر سیدی ز بانگ نعرہ زال "
پہلے مصراع میں بجائے آتش آنش (بالنون) ہونا چاہیئے ،

ص ۵۵ - ش ۱۰۳۷ : بسی دریائے علمش دادہ وصاف قلم بر باد بر دریا زرہ باف "
دوسرا مصراع دو طرح صحیح ہو سکتا ہے یعنی یا تو :
" قلم بر باد و بر دریا زرہ باف " اور یا :
" قلم چون باد بر دریا زرہ باف "

ص ۵۵ - ش ۱۰۴۱ : " لوانا گامش از وے جستہ ماندہ بہ بند کاغذینش بستہ ماندہ "
پہلے مصراع میں جستہ ماندہ کی جگہ خستہ ماندہ ہونا چاہیئے ،

ص ۵۶ - ش ۱۰۶۵ : " چہ کار آید مرا این خنجر تیز کہ در کین شہش بازم بخونریز "
دوسرا مصراع یوں ہوگا : " کہ در کار شہش نارم بخونریز " (نارم = نیارم)

ص ۵۸ - ش ۱۰۹۶ : " ہر آن ذرہ کش از روزن در آمد ز مہرش آفتابی شد بر آمد "

دوسرے مصراع کے آخر میں بر آمد کی جگہ سر آمد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے'

ص ۶۶ - ش ۱۲۵۳ : وگر تانی وداری غیر پفاش مرادتست وروزی ہست می باش"

پہلا مصراع یوں ہوگا : "وگر نانی و ناری (= نیاری) غیر پرخاش"

ص ۶۹ - ش ۱۲۹۱ : " چو شہ در بند گی کردہ غلامش کشیدہ خام حلق از حلق خامش"

دوسرے مصراع میں دونوں جگہ بجائے حلق " نمق " ہوگا'

ص ۷۰ - ش ۱۳۱۸ " کسی کو راست موئی کار دولت بود ہر موئی او بیدار دولت"

پہلا مصراع یوں ہونا چاہیئے : " کسی کاراست موئی کار دولت " (متن درست ہے ؟)

ص ۷۲ - ش ۱۳۵۶ ' چو میدانی نہ بندد ہر چہ می گفت بباید خار خار خود زدل رفت"

پہلے مصراع میں " ہر چہ میگفت " کی جگہ ہر چہ دل گفت ہوگا'

" - ش ۱۳۶۴ : " چو در کارت سلامت ہست برخیز سلامت یار تست او ہم برانگیز"

دوسرے مصراع کے آخر میں ادھم (بالدال) ہونا چاہیئے'

ص ۷۶ - ش ۱۴۴۷ : " متاع قادر از زاری نیابد فسون بر اژدہا کاری نیابد"

پہلے مصراع میں " قادر " کی جگہ نادر ہونا چاہیئے'

" - ش ۱۴۴۸ : بتندی نارد از رستم شتابی خزینہ کے برد ز افراسیابی"

بتندی نارد از الخ ہوگا'

ص ۸۱ - ش ۱۵۴۵ : عملہایش ستارہ کین سہ پایہ کند بر کرسئی نہ پایہ سایہ"

شعر ما قبل یوں ہے :

عطارد ظل چترش را بامید کہ نبود محترق زین پس بخورشید"

اسلئے شعر کا مصراع ثانی یوں صحیح معلوم ہوتا ہے : عملہایش ستادہ کین سہ پایہ'

ص ۱۳۱ - ش ۲۵۲۹ : "سران چغتوانان می درودند زر و اسپ و جواہر می ربودند"

پہلا مصراع یوں ہوگا " سر آن جغتایان می درودند (جغتران بمعنی گنوار کسان)

---

(۱) موئی = بقدر یک موئی (ادارہ)

مقابلہ کیجیے ش نمبر ۱۲۰۶ (صفحہ ۶۸)

چکیدہ از دو لنگ جعفرانی یکوری تو روده از شاماخ نانی

ص ۲۲ - ش ۵۸۶: ہما نجا ہا یکنجی بود آن شور دو شیر مملکات شد طعمۂ گور"

حسب حاشیہ اڈیٹر اصل نسخہ میں یوں ہے:

ہمانجا ہا یکنجی بعید آن شور" جو بالکل درست ہے۔ بود سے بدلنے کی ضرورت نہیں تھی، مطلب یہ ہے کہ اس شور و شغب کے بعد وہیں ان دو شیروں (یعنی شہزادوں) کو سپرد خاک کر دیا گیا'

ص ۱۴: ش ۷۷۳: "میان بی دین تو نزا بی پاک دل بے دین ز محرابت شدہ چاک"

پہلا مصرعہ میں میانِ بید یا میان بیدین (صفت از بید بفک اضافت) ہونا چاہیئے یعنی بید کا بنا ہوا میان (نیام)

" - ش ۷۷۴: زہی ہندو زبانت ماندہ در بید کہ در محراب داری روئی امید"

یہاں بھی بید درخت معروف کے معنی میں ہے۔ وید سے مطلب نہیں ہے - اگرچہ اسکی طرف اشارہ ضرور ہے ہندو کی مناسبت سے۔ ہندو زبان سے مراد زبان تیز خنجر ہے اور شاعر کا مطلب یہ ہے کہ تعجب ہے کہ تیری زبان ہندو بید میں رہتی ہے۔ اسلئے کہ تیرا روی امید تو محراب (دین) کی طرف ہے'

ص ۱۸ - ش ۲۱۵ " چو چندان خال بر رویش کہن گشت حسن زان نقطہای بدخش گشت"

پہلے مصراع میں بجائے کہن۔ پہن ہوگا - شعر ماقبل (حسن کش ہندو اند چار سو بود سہ چار ش خال ہندو پیش رو بود) کے متعلق اڈیٹر نے لکھا ہے 'شعر کا مفہوم غالباً یہ ہے کہ اس کے منہ پر ہندوانی ٹیکے کے تین نشان یا تل تھے" شاعر نے لفظ خال ماموں کے معنی میں استعمال کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کے

چند رشتہ دار اس کے ساتھ رہتے تھے اور ان کے بل پر ان نے سرکشی اختیار کی۔

ص ۱۸۔ش ۳۱۹: "زیک خال است اوراخوبیٔ خال کند رو را سیہ افزونیٔ خال"

پہلے مصرع میں اورا کی جگہ 'رورا' ہونا چاہئے'

ص ۲۰۔ش ۳۶۷: "سبک آن برخلاف خارج آہنگ بہ بستاخی زد اندر موی شہ چنگ"

پہلے مصرعہ میں برخلاف کی جگہ 'پر خلاف' ہوگا۔

ص ۳۴۔ش ۶۲۷: "کہ بیکار است چشم از جسم پیش است بچندین نقطہ چشم از جسم پیش است"

پہلا مصرعہ یوں ہونا چاہئے "نہ بیکار است جسم از چشم پیش است" یا یوں

ہوسکتا ہے: کہ بیکار است جسم از چشم ریش است"

ص ۵۴۔ش ۱۰۲۳: "چو باشد نامہ خاموشی سخن گوی بروں پشت و درون امسکن (کذا) رھی"

دوسرے مصرع کے متعلق حاشیہ میں ق۔ر' یوں ہے: درون دان مسکن روی

لیکن یہ بہت بعید ہے۔میرے خیال میں یوں ہوگا:

بروں پشت و درون اشکمش روی

ص ۸۳۔ش ۱۵۷۳: "بقلعہ سرستیہ محمود پر دل نگشت از حملۂ شیران شتر دل"

اڈیٹر کے خیال میں پہلے مصرع کا دوسرا لفظ سرسیہ (= سرسہ) ہے۔لیکن

میرا خیال ہے کہ صحیح لفظ سرسپہ ہوگا اور قلعہ سے مراد قلعۂ سرستی ہے۔جس

کا ذکر پہلے آچکا ہے نہ کہ کوئی اور قلعہ'

ص ۹۸۔ش ۱۸۷۰ "نہنگ آہنگ و اژدوریش سواران دوان بیدست و پا اندماران"

پہلا مصرع یوں پڑھنا چاہئے "نہنگ آہنگ و اژدروش سواران"

ص ۱۰۷۔ش ۲۰۴۵: "چنین مصری کہ کردن شادیش میل ز فرعونی چو من زد جامۂ نیل"

پہلے مصرع میں کردن کی جگہ گردون (بمعنی آسمان) ہوگا۔اور شادیش کی جگہ

اگر آیدش پڑھا جائے تو بہتر ہوگا'

ص ۱۲۹۔ ش ۲۴۸۴: دوسرا مصرع: ملک غازی کری را پیش خود خواند۔ کری کی جگہ گوی ہوگا۔ اسی طرح شعر ۲۴۹۶ میں لفظ کری کو گوی پڑھنا چاہیئے'

ص ۱۲۲: ش ۲۳۳۷: "بدیگر فوج بود آماج داری جوشِ غوری شہاب اسفندیاری"
(حاشیہ اڈیٹر بر "جوش" = جوشن) میرے خیال میں مصرع یوں صحیح ہوگا:
"چو شہ غوری شہاب اسفندیاری" یعنی شاعر نے شہاب کو شہ غوری (شہاب الدین) سے تشبیہ دی ہے۔ اس خیال کی تائید شعر ماقبل سے بھی ہوتی ہے (بدیگر فوج ہمچون سعد وقاص اسدوالا برادرزادۂ خاص"
جہاں شاعر نے اسد کو سعد وقاص سے مماثل قرار دیا ہے'

ص ۵۱۔ ش ۹۶۰: "بر آشفتی چو تو تیغ مرا تاب پیامت سوی من حشویست در خواب"
آخری الفاظ "حشریست در خواب" ہونے چاہئیں۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ تو نے میری تلوار کی تاب کو بھڑکا دیا ہے۔ اس لئے گویا تیرا پیغام (میرے نام) ایک محشر خوابیدہ ہے۔ یعنی اس پیغام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میری تلوار حشر برپا کر دیگی۔ اور اسکی تاب تیرے لئے نار جہنم ہو جائیگی'

ص ۹۱۔ ش ۱۷۴۳: "در آن حال آن بزرگان راخبرہا بفتراک اجل بستند سرہا"
ظاہر ہے کہ پہلے مصرع میں "راخبرہا" غلط ہے۔ میرے خیال میں "باچترہا" یا "ازچترہا" پڑھنا چاہئے'

ص ۱۵۰۔ ش ۲۹۰۴: "ہمین جان بخش ودیہی دہ کہ گردد جانم آزاد ازرہی دہ"
(حاشیہ = کذا نامفہوم)۔ پہلا مصرع غیر مکمل ہے اور دوسرے میں الفاظ "ازرہی دہ" مشتبہ ہیں۔ میرے خیال میں پورا شعر یوں صحیح ہوسکتا ہے۔
ہمین (خواہم کہ) جان بخش ودہی دہ کہ گردد جانم آزاد ار دہی دہ
یعنی میری خواہش صرف یہ ہے کہ میری جان بخشی کر اور مجھے ایک گاؤں

دے دے۔ کیونکہ اگر تو مجھے گاؤں دے دیگا تو میری جان رنج و غم سے آزاد ہو جائیگی (پہلا دہ = امر از دادن - دوسرا = گاؤں)

ص ۹۷ - ش ۱۸۶۴ : "چو شستش در کشاد بیلکی شد کی ز و شصت و شست از وی یکی شد"
دوسرے مصرع میں دونوں جگہ شست کی جگہ شصت ہونا چاہیئے - یعنی جب اسنے تیر چلانے شروع کئے تو ایک (آدمی) کے ساٹھ (ٹکڑے) ہو گئے اور ساٹھ (آدمی) ایک ہو گئے - یعنی تیر سے چھد کر اکٹھے ہو گئے

ص ۵۲ - ش ۹۸۱ : "بیا امروز تا فردا کنم جنگ کنم روز جہاں بر چشم تو تنگ"
روز جہاں کے عوض روی جہان ہوگا[؟]

" - ش ۹۸۳ : "ولی بر نیزہ ندہم ار جمندی کہ ہست آن ہم بسان سربلندی"
شعر ما قبل اور ما بعد کو ملحوظ رکھتے ہوئے پہلے مصرع میں ولی کی جگہ بلی ہونا چاہیئے (دیکھئے شعر ۹۸۴)

" - ش ۹۸۴ : "بفتراک غلامان ہم ببندم [نبندم] کہ بے صیدی چنان کاری نگندم"
دوسرا مصرع یوں ہونا چاہیئے : "کہ نے صیدے چنان کارے فگندم"
شعر ما قبل سے متعلق ہے یعنی تیرے سر کو نیزہ پر نہیں باندھونگا کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی سربلندی ہے بلکہ غلاموں کی فتراک میں باندھ دونگا اس لئے کہ میں یہ سمجھوں گا کہ میں نے کوئی ایسا بڑا یا اہم (کاری) شکار نہیں مارا

" - ش ۹۸۵ : "چہ گویم بیش ازان ناکردہ کاری کہ می ناخورد مانم در خماری"
دوسرے مصرع میں می ناخوردہ ہونا چاہیئے

" - ش ۹۸۶ : "درین عالم چو تیغت بر سر آرم در آن عالم شناسی حد وارم"
دوسرے مصرع کا آخری لفظ وارم (بالواو) ہوگا - شاعر کا مطلب یہ ہے کہ

میری تلوار تجھے اسقدر جلد قتل کرے گی کہ میں اسے تیرے سر پر تو اس دنیا میں مارونگا اور اسکے وار کی تیزی کو تو دوسری دنیا میں پہچانیگا'

اشعار مشتبہ و غیر مفہوم

ص ۴۷ : ش ۸۹۰ : "زسوز داغ آن پوشیدہ رویان پری رو دید پوشیدہ مویان" : "پوشیدہ مویان" مشتبہ ہے (بلاحاشیہ)'

ص ۵۲ : ش ۹۷۳ : "بمن ار چہ پت آری گہ کار کہ خون خود پست رومی کار" (حاشیہ = نامفہوم)'

ص ۶۳ : ش ۱۱۹۷ : "ازان پس بیشتر زان بردہ بستند بدنبال مغلطی در نشستند" (بلاحاشیہ)' "بردہ بستند" مشتبہ ہے۔ ممکن ہے پردہ بستند ہو'

ص ۶۸ : ش ۱۲۸۱ : "کران حب از سلامت جو اشی چو تسلیمات نامہ در حواشی" (حاشیہ = کذا۔ پہلا ٹکڑا غالباً "کران جرت از سلامت ہے۔ لیکن آخری لفظ نہیں پڑھا جاتا)'

ص ۶۸ - ش ۱۲۸۵ : شہی کو کرد یکسو از دو دانش لگام خفتہ مطلق عنانش" (بلاحاشیہ)

ص ۶۹ : ش ۱۲۹۶ : "چنین در دیدہائی ملک شد خار وی آن خار بلا را تیزی کار" (بلاحاشیہ)'

ص ۷۶ : ش ۱۴۴۶ : "برزمی کو سر زدن با گرگ جوید بران پشمین ہمہ مویش بموید" (بلاحاشیہ)'

ص ۹۰ - ش ۱۷۲۰ : "قضا در زیر آن دار دشماری کہ او را داشت است از بہر کاوی" (بلاحاشیہ)'

ص ۹۳ : ش ۱۷۸۰ : "بمدح آن سگان نعرہ زنان تند چو طفل کندرا با حفص گلفند" (بلاحاشیہ)'

ص ۱۱۲ : ش ۲۱۴۴ : " ہمہ چون دیو لیکن دیو با جنگ   ہمہ چون کوہ لیکن کوہ بی سنگ "
(حاشیہ : ک = پاجنگ = کفش ؟)

ص ۱۱۳ : ش ۲۱۷۴ : "دل افگندہ کہ خونہا کوش میکرد   بسنگ انداز بادہ میخورد" (حاشیہ :
کذا نامفہوم - دوسرے مصرع میں تیسرا لفظ اڑ گیا ہے مولوی رشید احمد مرحوم
نے گوئی قیاس کیا ہے"

ص ۱۱۷ : ش ۲۲۴۱ : "چنان بود این حدیث تیغ بازی   کہ چون اندیت در آمد شاہ غازی"
(بلا حاشیہ)'

ص ۱۱۹ : ش ۲۲۷۷ : "دگر زسیہ سائین سیہ بر سیہ   ز بر خوردن نشستہ سیہ بر سیہ"
(حاشیہ = کذا)

ص : ۱۴۵ - ش : "نہانی ہر کسی شان راخبر داد   کہ نتوان خانہ حرا راگرچہ درداد"
(حاشیہ = کذا مشکوک)'

ص ۱۲۸ - ش ۲۴۶۹ : "زخون گبر و مسلمان ہر دو ریان   زدین دیان و دیان دین دیان"
(حاشیہ = ن : دی ؟)'

محمد وحید مرزا ایم اے پی ایچ - ڈی
پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی'

دہلی کا ایک قدیم شاعر

تاج الدین سنگریزہ یا ریزہ

تاج الدین کے حالاتِ زندگی۔ اس کے ذوقِ سخن اور علمی و ادبی خدمات کے متعلق مواد کی قلت حسبِ معمول نہایت مایوس کن ہے۔ لیکن چونکہ ہندوستان میں فارسی شعر و شاعری اور علم و ادب کی داغ بیل ڈالنے میں تاج الدین کا خاص حصہ معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اسکے متعلق جسقدر مواد دستیاب ہو سکا اسے سطور ذیل میں پیش کیا گیا ہے:-

قدیم ترین اور مستند ترین ماخذ جس سے تاج الدین کے سلسلہ میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ طبقات ناصری ہو سکتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے طبقات میں کوئی ایسا مواد نہیں ملا جو ہمارے مطلب کے لئے مفید ثابت ہو۔

تاج الدین کو سنگریزہ یا ریزہ کہنے میں تذکرہ نگاروں کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ سیر الاولیا[1] اور ہفت اقلیم میں ریزہ اور سیر العارفین[2] میں سنگریزہ لکھا ہے۔ مجمع الفصحا نے ریزہ اور سنگریزہ کو نظر انداز کر کے اسے تاج الدین فارسی کے نام سے یاد کیا ہے

سنگریزہ[4] سلطنت شمسی کے پایۂ تخت دہلی کا فاضل اور روشن دماغ باشندہ

---

[1] اورینٹل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۲۹ء [2] سیر العارفین قلمی مملوکہ پروفیسر محمد شفیع
[3] صہ ۱۴۴ [4] فرشتہ، بدایونی جلد اول صہ ۶۷، مجمع الفصحا صہ ۱۷۴،

تھا - اس کا سن ولادت اور سن وفات نامعلوم ہے - لیکن بعض قرائن سے جن کا
بعد میں ذکر ہوگا ظاہر ہے کہ وہ چھٹی صدی کے ربع آخر میں پیدا ہوا ہوگا - ۶۲۹ھ
سے قبل شاہی ملازمت اختیار کی - خدا داد ذہانت اور ذاتی کمالات کے باعث ترقی
کرتے کرتے دبیر الملک کے جلیل القدر منصب تک پہنچا - جس پر وہ شمس الدین اور
اس کے جانشین رکن الدین کے دور حکومت میں متمکن رہا - سن وفات کے متعلق
اسقدر قطعی طور پر معلوم ہے کہ وہ کم از کم سنہ ۶۶۴ھ تک زندہ رہا -

سنگریزہ کا شاہی ملازمت میں سنہ ۶۲۹ھ سے قبل داخل ہونا اسطرح ثابت ہے
کہ جب[1] سنہ ۶۲۹ھ میں التمش نے گوالیار کی جانب فوج کشی کی تو سنگریزہ اس کے ہمراہ
تھا - چنانچہ جب گوالیار کا قلعہ ایک سال کے محاصرہ کے بعد سر ہوا تو سنگریزہ نے
رُباعی ذیل لکھی جو شاہی حکم سے شہر کے دروازہ پر کندہ کروائی گئی : رُباعی

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت   از عون خدا و نصرت دین بگرفت
آن قلعۂ کالیور و آن حصن حصین   در ستما سنہ ثلثین بگرفت

التمش کی وفات کے بعد سنہ ۶۳۳ھ میں جب اس کے بیٹے رکن الدین نے سلطنت
کی باگ ڈور سنبھالی تو اس نے سنگریزہ کو اپنے پرانے عہدہ پر برقرار رکھا - جشنِ
تاجپوشی کے موقع پر شعرای ہمعصر نے بادشاہ کی مدح میں خوب خوب قصائد لکھے -
سنگریزہ[2] نے بھی ذیل کا قصیدہ لکھ کر بہت کچھ انعام و اکرام پایا - قصیدہ

مبارک باد ملک جاودانی   ملک را خاصہ در عہد جوانی
امین الدولہ رکن الدین کہ آمد   درش از دین او رکن یمانی

لیکن چونکہ رکن الدین تخت پر بیٹھتے ہی عیش و عشرت اور لہو و لعب میں
منہمک ہوگیا اور عنان سلطنت اپنی ماں کے ہاتھ میں دے دی جس کے جور و ستم

---

[1] مجمع الفصحا ص ۱۷۲ ، فرشتہ ، بداؤنی   [2] بداؤنی ج اول ص ۶۷

سے امراء و وزراء تنگ آکر بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ چاروں طرف سے فتنہ و فساد کا طوفان امڈنے لگا۔ رکن الدین کو جان کے لالے پڑ گئے اور متعدد امرائے ساتھ جان بچا کر پنجاب کا رُخ کیا لیکن بدبختی میں کون کسی کا ساتھ دیتا ہے۔ جب منصورہ کے قریب پہنچا تو امرا نے ساتھ چھوڑ دیا اور وہ واپس دہلی لوٹے۔ اس موقع پر سنگریزہ بھی اس کے ہمراہ تھا۔ لیکن رفقا کی متابعت میں وہ بھی بادشاہ کا ساتھ چھوڑ کر دہلی کو لوٹا۔

بحوالۂ[1] شرح مخزن اسرار مصنفہ محمد بن قوام لکھا ہے کہ تاج ریزہ کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا گیا تھا۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ اسے کب مروایا گیا۔ ہاں اتنا وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ ۶۶۲ھ کے بعد ہی ظہور پذیر ہوا ہوگا۔

چنانچہ سیر العارفین میں شیخ شمس الدین خوارزمی کے ضمن میں لکھا ہے:

"سر آمد علماء روزگار بود غیاث الدین بلبن او را بخطاب شمس الملک معروف ساخت و مصالح ممالک خود بدو تفویض نمود، چنانچہ تاج الدین سنگریزہ در تعریف او گوید:

شما کنون بکام دل دوستان شدی	فرمان دہ ممالک ہندوستان شدی"

سیر الاولیا کے مصنف نے اس شعر کو اسطرح لکھا ہے:

صدرا[2] کنون بکام دل دوستان شدی	مستوفی ممالک ہندوستان شدی

سیر الاولیا اور سیر العارفین کے مندرجہ بالا بیانات سے ثابت ہے کہ سنگریزہ کم از کم بلبن کے سن جلوس ۶۶۴ھ تک زندہ تھا۔

شمس الدین کے مستوفی ہونے کا ذکر بدایونی نے بھی کیا ہے:

---

[1] اورینٹل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۲۹ء	[2] سیر الاولیا ص ۵۷

"و از جمعیکہ در عہد ناصری کوس شاعری نواختہ . . . . یکے شمس الدین دبیر است . . . . وسلطان غیاث الدین بلبن در آخر حال او را منشی مملکت بنگالہ و کامرود ساختہ در ملازمت پسر خورد (بزرگ ؟) خویش نصیر الدین بغراخان گذاشتہ بود" جلد اول صفحہ ۹۴

اب چونکہ مذکورہ بالا خدمت جسکی طرف سنگریزہ نے اشارہ کیا ہے شمس الدین کو ۶۶۴ھ کے بعد تفویض ہوئی اسلئے ثابت ہے کہ سنگریزہ بہرکیف ۶۶۴ھ تک زندہ تھا ۔

سنگریزہ کا کلام ۔ سنگریزہ کی شعرگوئی کے سلسلہ میں سیر الاولیا، سیر العارفین فرشتہ اور بدایونی وغیرہ کے شواہد پیش کئے جا چکے ہیں ۔ مگر چونکہ سنگریزہ کی کوئی مستقل تصنیف موجود نہیں ۔ اس لئے اس کے کلام پر تنقید یا تبصرہ کرنا ناممکن ہے ۔ بہرکیف اس کے کلام کے اقتباسات سے ظاہر ہے کہ سنگریزہ ایک سلیس اور سادہ گو شاعر ہے ۔

صاحب مجمع الفصحا نے سنگریزہ کے اقتباسات ذیل دئے ہیں :۔

چہ زلف است آن ببین بر روی جانان   کزو گردد پریشانی پریشان
بمہر و ماہ میخواہد ہمی جنگ   رخش پوشیدہ زان از زلف خفتان
چو شمشیرش بخندد خصم گرید   بلی از خندۂ برق است باران
کند مہرش بنات النعش را جمع   چنان قہرش ثریا را پریشان
ہر آنکو بر خلافش دم برآرد   نفس گردد بمغز اندرش پیکان

ولہ ایضاً

افزود باز رونق ہر مرغزار گل   خونریز یافت نالہ ہر مرغ زار گل
شد موسمی کہ مست طرب شد جہان چنانک   جز بخت شہ ندید دگر ہوشیار گل
تو بادۂ حیات شمر بادۂ کہن   کافشاند بر جہان کہن نوبہار گل

پژمردہ چون بنفشہ چہ باشی بنوش می　　　کامسال تازہ کرد جہان را چو پار گل
زان لالہ گون مئی کہ دماغش چو بشگفد　　　نشگفت اگر بجان طلب زینہار گل
باغیست رزمگہ کہ زخار سنان شاہ　　　ندیک نفس شگفتہ زنصرت ہزار گل

مجمع الفصحا کے اقتباسات کے علاوہ سنگریزہ کے کلام کے سلسلہ میں ہم استادنا قبلہ شیرانی صاحب کی تحقیقات سے استفادہ کرینگے۔

قبلہ شیرانی صاحب نے دیوان انوری نولکشور اڈیشن کا بنظر تعمق مطالعہ فرماکر اس میں آٹھ دس ایسے الحاقی قصائد کا سراغ نکالا ہے جو بلاشک وشبہ کسی ہندی نژاد شاعر کا نتیجۂ فکر ہیں چنانچہ:

"یہ قصائد جنکی تعداد آٹھ دس سے زیادہ نہیں ہے سلطان شمس الدین التمش ۶۰۷ھ و ۶۳۳ھ اور اسکے فرزند سلطان رکن الدین فیروز کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی قدیم ہندی شاعر کی یادگار ہیں جو بلحاظ زمانہ امیر خسرو دہلوی سے متقدم ہے" (رسالہ اردو ۱۹۲۴ء)

پروفیسر موصوف نے ان الحاقی قصائد میں سے ایک قصیدہ جسکا مطلع یہ ہے:

ساقی بیا کہ وقت مئے لعل روشن است
میدان خاکِ تیرہ کنون سبز گلشن است

سنگریزہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ دوسرے قصیدۂ ذیل:

افزود باز رونق ہر مرغزار گل　　　خون ریز یافت نالہ ہر مرغزار گل

جو بحوالۂ مجمع الفصحا سنگریزہ کا ہے مگر انوری کے قصائد میں بھی موجود ہے۔ ان دو قصائد کو مدّ نظر رکھتے ہوئے قدرتی طور پر خیال ہوتا ہے کہ ان الحاقی قصائد میں سے چونکہ دو قصیدے جنکی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے سنگریزہ کے ہیں۔ اس لئے دوسرے قصائد بھی اسی کے ہونگے۔ علاوہ ازیں ان تمام قصائد کا اسلوب بیان ملتا

جلتا ہے - اور وہ ایک ہی دیوان میں پائے جاتے ہیں جس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی نسخہ مصنفہ سنگریزہ سے انوری کے قصائد کے ساتھ ملحق ہوئے ہونگے -

چونکہ یہ قصاید اپنی قدامت کے اعتبار سے دلچسپ ہیں - اس لئے ذیل میں انکے حوالے دئے جاتے ہیں :

	صفحۂ دیوان انوری نولکشور اڈیشن	قصیدہ کے مطلع کا مصرع اوّل
(۱)	۸۲	چشم زروی خوب توچون لالہ زار یافت
(۲)	۸۳	ساقی بیار بادہ کہ نوروز عالم است
(۳)	۸۵	ساقی بیا کہ وقت مے لعل روشن است
(۴)	۸۷	بیدلان را روی تو آئینۂ جان آمدہ است

اس قصیدہ کا شعر ذیل خاص طور پر دلچسپ ہے :-

مولد و منشا مبین در خاک ہندوستان مرا نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ

(۵)	۱۳۳	مژدہ عالم را ز عالم آفرین آوردہ اند
(۶)	۱۳۵	بفریاد آمدم اینجا بفریاد
(۷)	۱۳۶	صبح خیزانی کہ وصف آن خط و غد کردہ اند
(۸)	۲۶۴	افزود باز رونق ہر مرغزار گل
(۹)	۳۰۶	این منم کز دیدہ یاقوت روان آوردہ ام

یسین خان نیازی

سلطان محمود غزنوی کے مزار کا کتبہ

فاضل معاصر معارف نے مئی ۱۹۳۲ء کے رسالہ میں صفحہ ۲۳۷ پر سلطان محمود کے مزار کا کتبہ اس طرح درج کیا ہے:

نومن برحمة الله

عليه و نوّر

حفرته و ابيضّ وجهه

عشية يوم الخميس لسبع بقين من شهر ربيع الآخر

لسنة احدى وعشرين واربع مائة

اور اس کے شروع میں لکھا ہے:

خود قبر سلطانی غالباً عہد قدیم کی تعمیر ہے۔ کیونکہ اس کے اوپر سلطان کی تاریخ وفات اور کلمات دعائیہ جس عربی خط میں لکھے ہوئے ہیں وہ خط کوفی کے مشابہ ہے۔ یہ عبارت قبر کے اوپر اور قبر کے ہر چہار طرف اسی خط میں لکھی ہوئی ہے۔ جس کا پڑھنا آج آسان نہیں ہے۔ رواروی میں میں نے صرف ایک سمت کی عبارت پڑھی جس میں سلطان کی وفات کی تاریخ منقوش ہے'

اسی صفحہ کے حاشیہ میں جناب خواجہ حسن نظامی صاحب پر تنقید بھی کی ہے۔ جنھوں نے اس کتبہ کو صحیح نہ پڑھا تھا، لیکن خود جناب سید صاحب سے کتبہ کو رواروی سے پڑھنے میں کئی جگہ سہو ہوا ہے۔ چونکہ اس جلیل القدر فاتح کا

اسم مبارک ہرکس و ناکس کی زبان پر ہے۔ ضروری معلوم ہوا کہ اس کتبے کی صحیح قرأت کی طرف توجہ دلائی جائے،

جس کتبے کا عکس اس صفحہ کے مقابل میں درج ہے۔ اسکو فاضل فلوریؔ نے بسلسلۂ کتبات غزنی ۱۹۲۵ء میں رسالۂ Syria (پلیٹ ۲۴) میں شایع کیا۔ اور ساتھ ہی اسکی عبارت کو بھی صحیح پڑھا اور صحیح درج کیا۔ اب کتبے کے الفاظ کو ہم بقید اعراب جو اصل میں موجود ہیں اور فلوری نے درج نہیں کئے۔ اصل کے رسم خط کو ملحوظ رکھتے ہوئے درج ذیل کرتے ہیں:

(سطر ۱) تُوُفِّیَ رَحمةُ اللّٰهِ

(سطر ۲) عَلیہ و نوّرَ

(سطر ۳) حُفرته و بیّض وَجهُهُ عَشیّةَ یوم

(سطر ۴) الخَمیس لِسبعٍ بقین من شهرِ

(سطر ۵) رَبیعَ الآخر سنَة اِحدیٰ

(سطر ۶) وَ عِشرین وَ اربَع مایه غفرله

(عشیہ پر ایک تشدید سطر ۵ میں د کی زیر زاید ہے اور ربیعَ لکھا ہے بجای ربیع کے)

ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ کتبہ چھ سطریں لکھا ہے نہ کہ پانچ میں، اسکا خط کوفی نہیں بلکہ نسخی کی ابتدائی صورت ہے، فلوری کی رائے میں کتبہ معاصر نہیں ہو سکتا بلکہ بعد کا ہے کیونکہ اس زمانے کے باقی کتبوں کی نسبت اسمیں ارتقای خط نسخ کے آثار موجود ہیں۔ سب سے اہم یہ بات ہے کہ اس میں توفی برحمة اللّٰه نہیں بلکہ توفی رحمة اللّٰه ہے و ابیض نہیں بلکہ وبیض ہے، لسنة نہیں سنه ہے، اور آخر میں غفرله ہے،

محمد عبداللہ چغتائی

۱؎ راقم سطور نے نومبر ۱۹۳۲ء میں ان سے پیرس میں ملاقات کی۔ جہاں ان دنوں میں غزنین کے آثار قدیمہ کی نمایش موسیو گوڈار اور فلوری کے زیر اہتمام منعقد ہو رہی تھی،

شرح حال

رشید الدین وطواط (م ۵۷۳)

از خریدۃ القصر مؤلفہ عماد اصفہانی (م ۵۹۷)

رشید الدین وطواط کا حال حدائق السحر (طبع طہران ۱۳۰۸ھ) کے دیباچہ میں فاضل مرتب کتاب نے مفصل درج کیا ہے اور اسکے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے البتہ وطواط کے عربی کلام کے متعلق بہت کم لکھا ہے۔ اور بظاہر دیباچہ نگار کے سامنے وطواط کا عربی دیوان نہ تھا، خریدۃ القصر سے ذیل کا اقتباس زیادہ تر اس کمی کو پورا کرنے کے لئے درج کیا جاتا ہے،

خریدۃ القصر وجریدۃ اہل العصر میں عماد الدین محمد بن محمد الکاتب الاصبہانی کی تالیف ہے اور بقول ابن خلکان (وفیات ج ۲ ص ۵۰) مؤلف نے اسکو دس[1] جلدوں میں مرتب کیا، اس میں ان شعرا کا کلام درج کیا جو ۵۰۰ھ کے بعد سے ۵۷۲[2]ھ تک ہو گذرے ہیں (الشعراء الذین کانوا بعد المائۃ الخامسۃ الی سنۃ اثنتین وسبعین وخمسمائۃ[3])، مگر فہرست تراجم سے جو فہرست لیڈن طبع ثانی ج ۲ حصہ ۱ (لیڈن ۱۹۰۷ء) ص ۱۹۷ ببعد میں درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب میں بہت سے شعرا ایسے بھی مذکور ہیں جو ۵۰۰ھ سے پہلے فوت ہو گئے چنانچہ پہلا ہی ترجمہ القائم بامر اللہ م ۴۶۷ کا ہے، اور فہرست مذکورہ کے ص ۲۱۳ و ۲۱۵ پر دو اشخاص کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ۴۷۰ھ کے بعد

مرے، ہاں ص ۲۵۲ پر یہ عبارت موجود ہے:

---

[1] مگر فہرست لیڈن ص ۲۴۹ پر کتاب کے ایک مقام سے یہ عبارت نقل ہوئی ہے: تم الجزء الحادی عشر من کتاب الخریدہ ویتلوہ فی الجزء الثانی عشر شعر الخ [2] کشف الظنون ۲ : ۱۵۸ پر ۵۹۲ لکھا ہے جو غالباً غلط ہے، [3] خود مؤلف کہتا ہے: قد ذکرت اہل عصری و اہل عصر آبائی و اعمامی،

[ص ۲۰۸] الرشید وطواط

ر ۲۰۵

وهو محمد بن محمد بن عبد الجليل العمری من ولد عمر بن الخطاب [رضی الله عنه][1] من اهل بلخ و مقامه بخوارزم كاتب الحضرة الخوارزمشاهية وله براعة و بلاغة تامّة فی النظم والنثر فارسية لا يُفَلّ غِرارُه ولا يُشَقّ غبارُه وله نظم بالعربية صنيع ومعنى بديع فمن ذلک قوله

اذا اتت بقعة قد لاح بوجهها؟[2] و[3] رقعة* فاح ريّا وردها فيها
فالورد يصلح وجها فی...[4]... والزجس الغض عينا كی[5] يلاقيها

ديوانه فی الشعر موجود و ايوانه فی الفخر معمور و كيوانه للقران عال وميدانه من الاقران خال [ص ۲۰۹] ط ۲۰۹ مضاهيه[6] ولا مباهی فضله دواء الدواهی شاح[7] فی كتابة ملوک خوارزم[8] وانضی الفكر و امضی العزم اذا عرب فی انشاء العربية[9] اعيا [اعيى؟] علی المعرّی و بزّ سناءُ السنائی ونسيبُ[10] فردوس الفردوسی

---

[1] از روی ب [2] ب: نرقيها، [3] ورقعه کے اوپر ب میں بخط جدید لکھا ہے: وعرفه، [4] بياض در آ، ب: خده (؟)، [5] ب: كی لا (بجای كی)، [6] كذا در هر دو نسخ، و لعل اللفظة: شَاخَ [7] آ: العرب، تصحيح از روی ب، [8] آ: العجمية ب: العربية اس کے بعد کی چند سطریں اضطراب سے خالی نہیں اور دونوں نسخے اس اعتبار سے ناقص ہیں [9] آ: نسيب، تصحيح از روی ب،

" وہذا آخر ما وقع الی من شعراء الیمن الی آخر سنہ ۷۲ ' پس معلوم ہوتا چاہیے کہ علامہ ابن خلکان کا بیان صرف تقریبی پر درست ہے'

صاحب وفیات کے قول کے مطابق خریدۃ القصر وجریدۃ العصر ذیل ہے زینۃ دمیۃ الدھر (مولفہ ابو المعالی سعد بن علی الوراق الحظیری) کا ' اور زینۃ ذیل ہے دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر (للباخرزی) کا ' اور دمیۃ ذیل ہے۔ یتیمۃ الدھر فی محاسن اہل العصر (للثعالبی) کا ' اور یتیمۃ ذیل ہے کتاب البارع (لھارون بن علی المنجم) کا[۲]

وطواط کا ترجمہ خریدۃ القصر کے دو نسخوں سے لیا گیا ہے۔ جنکا ذکر فہرست لیڈن مذکورہ بالا کے ص۱۹۷ پر آیا ہے (ترجمہ وطواط کا ذکر اس فہرست کے ص۲۱۹ پر ہے)' یہ دونو نسخہ مغربی خط میں ہیں' ایک نسخہ کا نمبر 348 Warn ہے۔ اسکی علامت میں نے حواشی میں آ قرار دی ہے۔ دوسرے نسخہ کا نمبر Gol. 21 b ہے۔ اسکی علامت میں نے ب قرار دی ہے' صحت کے اعتبار سے یہ نسخے صرف اوسط ہیں مگر آ کی نسبت ب کا متن بہتر ہے گو سہولت قرات کے لحاظ سے آ بہتر ہے' تصحیح کے لئے مجموعہ رسایل رشید الدین الوطواط (طبع مصر ۱۳۱۵ھ) اور دیوان وطواط کے ایک قدیم خطی نسخہ بھی استعمال کیا گیا ہے' مگر سوء اتفاق سے دیوان کا نسخہ جو میرے پاس ہے متعدد مقامات سے ناقص ہے'

---

[۱] دیکھو وفیات الاعیان ۱ : ۲۰۴ ' [۲] ان کتابوں کا ذکر کشف الظنون طبع استنبول ج ۲ ص ۶۵۸ (بذیل یتیمۃ الدہر) پر بظاہر وفیات ہی سے لیکر دیا ہے۔ مگر کچھ اختلاف بھی ہے۔ بقول حاجی خلیفہ : کتاب البارع فی شعراء المولدین کو ہارون بن علی المنجم (م۔ ۲۸۸) نے تالیف کیا' اسکا ذیل ہے یتیمۃ الدہر فی محاسن اہل العصر' یتیمہ الدہر کو امام ابو منصور عبد الملک بن محمد الثعالبی (م۔ ۴۳۰ھ) نے تالیف کیا اور خود اسکا ذیل لکھا جسکا نام ہے "تتمۃ الیتیمۃ' یتیمۃ الدہر کے دو ذیل ہیں (۱) دمیۃ القصر و عصرۃ اہل العصر جسکو ابو الحسن علی بن الحسن الباخرزی (م۔ ۴۶۷ھ) نے مرتب کیا اور (۲) خریدۃ القصر و جریدۃ اہل العصر جسکو عماد الدین محمد بن [محمد] الکاتب الاصبہانی (م۔ ۵۹۷) نے مرتب کیا اسی طرح تتمہ الیتیمۃ کا بھی ایک ذیل ہے جسکو حسن بن المظفر النیسابوری (م۔ ۴۴۲ھ) نے تالیف کیا ' یتیمۃ کی طرح دمیۃ القصر کے بھی دو ذیل ہیں (۱) وشاح الدمیہ جسکو ابو الحسن علی بن زید البیہقی (م۔ ۵۶۵) نے تالیف کیا [بعد اسکا تکملہ بنام درۃ الوشاح یا تتمہ وشاح دمیۃ القصر لکھا] اور (۲) زینۃ الدہر جسکو ابو المعالی سعد بن علی الوراق الحظیری (م ۵۶۸ھ) نے تالیف کیا' [معجم الادباء ۲ : ۱۸۲ پر اسامہ بن منقذ م۔ ۵۸۴ کی نسبت لکھا ہے کہ اسنے بھی ذیل یتیمۃ الدہر لکھا نیز دیکھو کشف ۱ : ۴۲۸ بذیل حدیقۃ فی شعراء اندلس]

واذا انشا انتثنت الالباب من آدابه وانعشت الاراء من اراآئبه[1] ...[2] [بلغ البلغاء حيرة الحيرة[3]] ووقفوا فى العناية دون الغاية فما اصنع كلامه وانصع[4] نظامه وابرع نطقه او اوسع نطاقه واشد[5] (كذا) وثوبة[6] واشد (كذا) وثاقه قد برا [بدا؟] بغربه[7] وشرقه[8] وحدا ابرعده [و] برقه وجلا بنوره افقه وعلا بتحت[9] اخمصه من المجد فوقه [؟] فلا حوى خوارزم من حكمه[10] [بحكمه؟] ولا هوى بها نجم نثره و نظمه طالعت مصنفا له قد اودعه من قصائده العربية والفارسية وكذلك من مقطوعاته ورسايله عشر اعشارا غدت لاموات الفضائل و مطوياتها[11] نشورا[*] ونشرا فمن جملة نثره العربي ودرّه الادبي من رسالته انشاها الى امير المومنين المقتفى بامر الله[12] عن خوارزم شاه يشير فيها بالرضى عن السلطان محمد شاه:

موافف سيدنا ومولانا امير المومنين[13] لازالت مكنونة بالجلال محفوفة بالاقبال منابع الشرف الجم ومطالع المجد الاشم[14] بها الدين مشدود النطاق والشرع ممدود الرواق والعز ملتمع الشعاع والمجد...

---

[1] آ، ادابه ب: اراابه [2] بیاض در ہر دو نسخ [3] از دی ب، [4] ب: اصنع [5] ...
اشد و توبه [6] ب: بشرقه وغربه [7] آ: بحت [8] ب: تحكمه [9] ب: مطويا...
نشورنا اس رسالہ کے لئے دیکھو مجموعہ رسائل ج ا ص ۲۰۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ
صاحب خریدہ نے بعض عبارتیں اصل رسایل میں سے حذف کر دی ہیں [11] کذا در ہر دو نسخ مجموعہ
[12] بجای امیر المومنین مجموعہ میں ہے: الامام المقتفی لامر الله امیر المومنین...
رسول رب العالمین [13] بعدش زیادات در مجموعہ [14] مجموعہ: بها

مرتفع الشراع والحلم راسخ البنیان والعلم شامخ الارکان والعدل لائح المراسم
بالفضل واضح المباسم . . . . . . العبد[۱] خالص الطویة[۲] صادق النیة
فی موالاة* جانبها ومعاداة مجانبها[۳] [وابداء شعار اخدمتها واعلاء منار
دعوتها والذب عن حوزتها بالید واللسان والمحاماة عن بیضتها بالسیف
والسنان ولولا اشتغال العبد بحفظ خوارزم التی هی ثغر مشهور من
ثغور الاسلام[۵] لا[۴]] بل نصر معمور من قصور الشرائع والاحکام[۶] وتوجهه[۷]
کل سنة* الی مجاهدة اعداء الدین ومناهدة[۸] احزاب الشیاطین وتوغله
فی صمیم بلاد الشرک وبحبوحة دیار الترک بنفض[۹] قبائلهم[۱۰] ویهد* معاقلهم و
یسبی اطفالهم ونسوانهم ویردی ابطالهم وشجعانهم ویصون مواطن المسلمین[۱۱]
من مکاید شرهم ومساکن المومنین من مصاید غدرهم لطار الی تلک
المواقف المقدسة المعظمة[۱۲] والمقار المشرفة المکرمة[۱۳] باجنحة الطاعة[۱۴]
وبذل[۱۵] فی عبودیتها غایة الاستطاعة[۱۶]

ومنها[۱۷]

[۱۸] ایامه موقوفة واوقاته مقصورة علی تقدیم ما یعود الی اتساع اکناف تلک
الدولة وارتفاع اعلام تلک الدعوة وخاصة فی هذا الزمان الذی[۱۹]

---

[۱] مجموعہ: ثابت الرای صادق النیة راسخ القدم خالص الطویة فی موالاة الخ [۲] آ: مجانبها، تصحیح از روی مجموعہ [۳] در آ و ب ندارد، از روی مجموعہ [۴] بعدش زیادات دارد در مجموعہ [۵] فقط آ: الاحکام [۶] مجموعہ: توجهه کل سنة باخوانه واولاده واعوانه واجناده [۷] آ ب: مجاهدة، تصحیح از روی مجموعہ [۸] آ: ینعش، تصحیح از روی ب و مجموعہ [۹] فقط آ. [۱۰] فقط آ: ویهد [۱۱] فقط آ: المسلمین، تصحیح از روی ب و مجموعہ [۱۲] مجموعہ: المکرمة قدسها الله وکرمها [۱۳] مجموعہ: المعظمة شرفها الله وعظمها [۱۴] فقط آ: فاجنحت [۱۵] آ: لیبذل [۱۶] مجموعہ: الاقتدار والاستطاعة [۱۷] دیکھو مجموعہ رسائل ج ۱ ص ۲۱ سطر ۱۱ [۱۸] مجموعہ: تاجیل ایامه

(۲۱۰) اججت فيه الفتن نارها وادهجت (ص ۲۱۰) غبارها وضربت فيه المحن فسطاطها ونصبت اشراطها[1] وقد ناب[2] خطة خراسان التي هي سرة بلاد [ايران[3]] من استيلاء العصاة ما ناب واصاب بقعة ماوراء النهر التي هي غرة ديار توران من استعلاء الطغاة ما اصاب عذب فيهما الراكع والساجد وخرب المدارس والمساجد وسفكت الدماء المحرمة واهلكت النفوس المكرمة فالدين مالت دعامته والملك شالت نعامته[4] ولو لم تصرف اعنة العنايات الامامية[5] الى تدارك [هذا[6]] الامر واطفاء هذه الجمر لا تصل شرره باقطار العراق بل طبق ضرره جميع امصار الآفاق ولن يحصل هذا التدارك على وفق ما يقتضيه[7] و موجب ما يرتضيه الآراء[8] النبوية الامامية[9] الا بتوافق كافة المسلمين وتطابق عامة المومنين تحت راية ملك طاهر[10] اعتقاده ظاهر اجتهاده ممتثل امره في الرعايا نافذ حكمه على البرايا والسلطان الاعظم غياث الدنيا والدين ابو شجاع محمد بن محمود بن محمد بن ملكشاه[11] معين من بين الملوك[12] في دهره وسلاطين عصره لكفاية هذا المهم وتدارك هذا الملم لما آتاه الله[13] تعالى[14] من صحة الدين وقوة اليقين[15] وجلالة الاصل وجزالة الفضل وثبات

---

[1] ب: اشواطها؛ آ و مجموعه مثل متن [2] آ، ناب، ب و مجموعه مثل متن [3] از روی مجموعه [4] بعدش زیادات دارد در مجموعه [5] مجموعه: الکریمة المولویة الامامیة (و بعدش زیادات دارد) [6] بیاض در آ، ب؛ س مد، تصحیح از روی مجموعه [7] مجموعه: تقتضیه [8] آ: یرتضیه الآراء؛ مجموعه: ترتضیه الآراء المشرقة [9] مجموعه: ملک من ملوک هذه الملة وسلطان من سلاطین هذه الامة؛ ب: بملک [10] آ: طاهر، ب و مجموعه مثل متن [11] فقط در مجموعه ندارد [12] مجموعه: ملکشاه قسیم امیرالمومنین اعلی الله شانه واظهر برهانه [13] مجموعه: ملوک